UNIVERSAL
LIBRARY

دائرۃ المعارف

یعنی

معارف اعظم گڈھ

کی

۵۸ ویں جلد

از جولائی سنہ ۱۹۴۶ء تا دسمبر سنہ ۱۹۴۶ء

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ

فہرست مضمون نگارانِ معارف

جلد ۵۸

جولائی ۱۹۴۶ء تا دسمبر ۱۹۴۶ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

شعراء



فہرست مضامین

جلد ۵۸

جولائی ۱۹۴۶ء تا دسمبر ۱۹۴۶ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

جلد ۵۸ ماہ شعبان المعظم ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۴۶ء عدد ۱

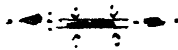
مضامین



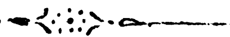
بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

ہندوستان مین انگریزون نے انگریزی تعلیم کو جس غرض سے رواج دیا تھا، اس کو انھون نے راز نہین رکھا تھا، بلکہ یہ کہدیا تھا کہ اس سے مقصود ایسے ہندوستانیون کو پیدا کرنا ہے جو گو نسل اور وطن کے لحاظ سے ہندوستانی ہون، مگر دل و دماغ اور مذاق کے لحاظ سے انگریز ہون، تاکہ انگریزی سلطنت کے خلاف جو باغیانہ خیالات پیدا ہوتے ہین، و ایک قلم دور ہو جائین، چنانچہ شروع شروع مین ایسا ہی ہوا، اور ایسے ہندوستانی پیدا ہوئے جو انگریزون سے بھی بڑھ کر انگریز ثابت ہوئے انھون نے مشرقی تہذیب، مشرقی علوم اور مشرقی تعلیم کی ہر طرح مخالفت کی، اور وہ ہر چیز کو یورپ کی نظر سے دیکھنے اور ہر اچھائی اور برائی کا فیصلہ انگریز کی آنکھ سے کرنے لگے،

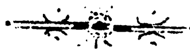


لیکن کیا عجیب بات ہے کہ وہی چیز جو ہندوستانیون کے باغیانہ خیالات کے مٹانے کے لئے بنائی گئی تھی، وہی دوسری قسم کی باغیانہ خیالات کی پیدائش کا ذریعہ بھی بن گئی یعنی جب ان ہندوستانی مصنوعی انگریزون نے یہ دیکھا کہ اپنی تہذیب و تمدن اور دین و مذہب اور قوم و وطن کے قیود سے نکلنے کے بعد بھی وہ نیٹو، دیسی، کالا آدمی، اور انگریزون سے بہر حال گھٹیا ہی رہے، تو پہلے انھون نے برابری اور مساوات کا مطالبہ کیا، اور جب اس مین ناکامی ہوئی تو وہ جذبہ غم و غصہ اور انتقام کی صورت مین بدل گیا، اور اس سے ہندوستانی قومی اور وطنی تحریکون کا آغاز ہوا، جو آج سیاسی انجمنون اور کانفرنسون، لیگون اور کانگریسون کی شکل مین ہمارے سامنے ہین،



ان اصلی اور مصنوعی انگریزون مین پوری آدھی صدی لڑائی ہوتی رہی، آخر ہندوؤن مین گاندھی جی

نے آکر مصنوعی انگریز ہندوؤں کے اندر پرانی ہندو تہذیب و تمدن کے زندہ کرنے کا شوق پیدا کر دیا، اور تیس برس کے عرصہ مین یہی مصنوعی انگریز ہندو جو اکثر بڑے بڑے تعلیم یافتہ اور بیرسٹر اور کیمبرج اور آکسفورڈ کے پڑھے ہوئے یا ہندستانی یونیورسٹیون کی پیداوار ہین، اس تحریک کے علمبردار ہین، اور اس وقت انگریزی سیاست کے تار پود کے ادھیڑنے مین لگے ہین



اب ہندؤن مین جوان سے لیکر بوڑھے تک پرانی ہندو تہذیب، سنسکرت تہذیب، سنسکرت زبان، سنسکرت علوم کے زندہ کرنے مین مصروف ہے، گاندھی جی کی شام کی پرارتھنا گرونانک وغیرہ کی طرح ایک نئی ہندو مذہبی دعوت کی بنیاد ڈال رہی ہو جس کے دلون مین نیشنلزم اور وطنیت دوسرے رنگ مین جگہ پا رہی ہے، اور اب ہر ہندو اپنے ہر رنگ مین اپنی پرانی تہذیب و تمدن کو دوبارہ زندہ اور اپنے بزرگون کی پرانی بزرگی اور عظمت کو دوبارہ قائم کرنے مین لگا ہوا ہے، اور اسی کی خاطر ان کو اپنے ملک مین سیاسی آزادی اور خودمختاری کی ضرورت ہی؛

لیکن ہمین پر اب سوال یہ ہے کہ اے مسلمان تو کیا چاہتا ہے، کیا حقیقت مین اب ہماری قوم کے مصنوعی انگریزون مین بھی رغبت پیدا ہوئی ہے، ؟ یہ تو سچ ہے کہ ہندؤن سے تو ان کو اختلاف پیدا ہے لیکن کیا انگریزون سے بھی اختلاف پیدا ہو گیا ہے اور انگریزی تمدن، انگریزی تہذیب، انگریزی لباس، انگریزی معاشرت سے ان کے دلون مین نفرت پیدا ہوگئی ہو اور ان کو بھی اپنے مذہبی علوم، مذہبی معاشرت اور مذہبی تہذیب نہ سہی تو اپنے قومی علوم، قومی زبان، قومی معاشرت اور قومی تعلیم سے محبت پیدا ہوئی ہو ؟ اگر ہے تو مبارک !! اور اگر نہین ہے تو افسوس !



کاش مسلمان اگر اپنی ایک غلطی کو محسوس کرلین تو ہر غلطی کو محسوس کرلین، اور وہ یہ کہ مسلمان دوسری قومون کی طرح نسل و وطن سے نہین بنے ہین، بلکہ اُن کی بنیاد دو مذہبی معتقدات، زندگی کے بعض اصولی اور معاشرت و اقتصاد کے خاص قوانین اور اس خیال پر ہو کہ موجودہ زندگی کا ہر کام آیندہ دوسری زندگی کی بہبود پر مبنی ہو، اصطلاح مین اسی کا نام دین ہے

ہمارا دین غیر قوموں کی طرح کسی علم الاصنام، دیومالا، اور میتھالوجی پر قائم نہیں ہے، بلکہ وہ اسی دنیاوی زندگی کے ٹھوس معاملات کو احکام الٰہی کے مطابق اور قانون ربانی کے موافق سرانجام دینے کا نام ہے، یہ احکام اور یہ قانون جس طرح اپنے مآخذ کے لحاظ سے الٰہی اور آسمانی ہیں، اپنی حکمتوں اور مصلحتوں کے لحاظ سے سراسر عقلی ہیں،

عقلی ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہر شخص کی عقل میں ان کی مصلحت کا آجانا ضروری ہے، بلکہ یہ معنی ہیں کہ ان میں عقلی حکمتیں اور مصلحتیں بھی ہیں، گو ہم میں سے بعض ان کو نہ سمجھ سکیں، جب دنیاوی سلطنتوں کے سارے قوانین کی مصلحتوں اور حکمتوں کا ہر دہقان کی سمجھ میں آجانا ضرور نہیں تو خدائی احکام کی مصلحتوں اور حکمتوں کا ہر کس و ناکس کی سمجھ میں آجانا کیوں ضروری ہو،

بات ذرا آگے بڑھ گئی، پوچھنا تو یہ تھا کہ انگریزی خط ذہنی سے ہٹ کر ہمارے نوجوان رجعت کرکے کہاں ٹھہرنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے ان کے دلوں میں کیا خیالات برپا ہیں، اور آخر پاکستان اور حکومت میں مساوات اور گروپ بندی وغیرہ کے تحفظات کی ضرورت کیا ہے اور ہندوؤں کی بنیادی تعلیم سے گھبراہٹ کیوں ہے، یہ جو کچھ ہو رہا ہے اگر وہ صرف سلبی ہے، یعنی ہندو کی مخالفت تو اس سے مسلمانوں کی زندگی کیسے بنے گی، آیا مسلمان نوجوانوں اور رہنماؤں کے دلوں میں اس کے متعلق کچھ ایجابی اور اثباتی خیالات بھی ہیں یا نہیں،

مسلمانوں کو اپنے اصول حکومت، اصول اقتصاد، اصول معاشرت، معاملات، قانون اور احکام کے متعلق یہ سوچنا نہیں ہے، کہ ان کی جگہ پر کیا ہو کیونکہ اس کے معنی تو یہ ہیں، کہ ان کا دین کیا ہو، بلکہ یہ سوچنا ہے کہ ان کو کس طرح رائج کیا جائے، اور نئی شکلوں کے لئے اسلامی اصول کے مطابق کیا فیصلہ کیا جاسکتا ہے،

مقالات

مسئلۂ ربا مسلم و حربی مین

از

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی صدر شعبۂ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی

(۲)

اب مولانا کے ان دلائل کو دیکھنا چاہئے جو حربی و مسلم مین جواز عقد ربا کے لئے آپ نے بیان فرمائے ہین :-

الف: سب سے پہلے آپ نے قرآن کے اشارہ سے استدلال کیا ہے، کہ تحریم ربوا کے ساتھ ایک طرف تو :-

ذروا ما بقی من الربوا، چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود سے،

کا حکم دیا گیا لیکن اسی کے ساتھ قرآن ہی مین

فلہ ما سلف، پس سود لینے والے کے لئے رہ گیا سود کا وہ حصہ جو پہلے لے چکا ہے،

کا فتویٰ بھی موجود ہے، مولانا سوال فرماتے ہین کہ جن لوگون کے پاس وصول شدہ رقوم سود کی موجود تھین کیا ان کی واپسی کا حکم نہین دیا جا سکتا تھا؟ جس طرح شراب کا حال ہوا، کہ آیندہ سے تو خیر لوگ تائب

ہی ہو گئے، لیکن جن کے گھروں میں شراب کے ذخیرے موجود تھے، ان کا پینا بھی لوگوں پر حرام کر دیا گیا تھا لیکن سود کے معاملہ میں یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا، تو معلوم ہوا کہ تحریم ربا سے پہلے جن رقوم پر لوگوں نے قبضہ کیا تھا ان پر اس وقت قبضہ کرنا حرام نہ تھا، اور قبضہ کی وجہ سے وہ اس کے مالک ہو چکے تھے، اس سے وہی اصول پیدا ہوتا ہے، کہ قبضۂ جائز سے مال حلال ہو جاتا ہے، مسئلہ مختلف فیہ میں بھی متامن مسلمان نے عقد ربا کے ذریعہ مال حربی پر قبضہ جائز کیا ہے، کیونکہ معاہدۂ امن کی وجہ سے غیر معصوم مال پر بلا رضامندی قبضہ کرنا ناجائز تھا لیکن رضامندی نے حرمت کی وجہ کو زائل کر دیا، اب جائز ہو گیا، دونوں صورتوں میں صرف تقدم و تاخر کا فرق ہے کہ قرآن والے فتوی میں حرمت سے پہلے قبضہ کیا گیا تھا، حرمت کی کیفیت بعد کو اس مال پر طاری ہوئی، اور امام والے فتوی میں حرمت کی کیفیت معاہدہ کی وجہ سے پہلے طاری تھی، رضامندی کے ثبوت کے بعد جواز کی کیفیت اس میں پیدا ہو گئی" (انتہا ملخصاً ص ۲۴۳) حیرت ہے کہ مولانا نے تقدم و تاخر کو ایسا معمولی فرق سمجھ لیا ہے، کہ گویا کچھ ہے ہی نہیں، حالانکہ یہی وہ چیز ہے، جس پر انسان کے مکلف اور غیر مکلف ہونے، گنہگار یا نیکوکار ہونے کا مدار ہے، جو کام نزول حرمت سے پہلے کیا جائے وہ جائز ہے، جو نزول حرمت کے بعد کیا جائے وہ ناجائز ہے، پہلی صورت میں انسان گنہگار نہیں، دوسری صورت میں گنہگار ہے، پس حرمت ربا کا حکم نازل ہونے سے پہلے جو معاملہ ربا کا کیا گیا، وہ حرام نہ تھا، اور اس عقد کی بنا پر جس مال کو قبضہ میں لایا گیا، وہ قبضہ کرنے والے کی ملک ہے، اس لئے اس کی واپسی کا حکم نہیں دیا گیا، مگر آیندہ اس رقم کو سود پر چلانا حرام ہو گیا، اسی طرح حرمت شراب سے پہلے جن لوگوں نے شراب خرید کر گھر میں بھر لی تھی، وہ اُن کی ملک تھی، حرمت نازل ہونے کے بعد ان کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ جس سے خریدی ہے، اس کو واپس کر دو، نہ بیچنے والوں کو رقم کی واپسی کا حکم ہوا، بلکہ آیندہ کے لئے شراب کا پینا حرام کر دیا گیا، اور ابتدا میں لوگوں کو سختی کے ساتھ روکنے کے لئے شراب کے بہا دینے کا حکم ہوا، مگر اب یہ بھی جائز ہے، کہ اگر کسی مسلمان کو اپنے مورث کافر کے ترکہ سے شراب ملے، تو اس کو سرکہ بنالے،

واپسی کا حکم نہ سود کی رقوم مین دیا گیا، نہ شراب کے ذخیرون مین، آیندہ کے لئے جس طرح شراب کے ذخیرہ کا بیچنا، اور پینا حرام کر دیا گیا، اسی طرح سود سے وصول شدہ رقوم کو سود پر چلانا حرام کر دیا گیا،

مولانا تو ماشاء اللہ فقیہ ہین، اگر مان لیا جائے، کہ شراب کے ذخیرون کا بہانا امت پر پہلے بھی فرض تھا، اور اب بھی فرض ہے، اور رقوم سود کی واپسی فرض نہین کی گئی، جب بھی دونون مین بڑا فرق ہے، جو اُن جیسے فقیہ کی نظر سے مخفی نہ رہنا چاہئے، وہ یہ کہ اگر نزولِ حرمت سے پہلے جس طرح سودی رقم حلال اور اس پر قبضہ جائز تھا، اسی طرح شراب کی خرید و فروخت اور اس پر قبضہ بھی جائز تھا، مگر نزولِ حرمت کے بعد سود کی رقوم جو مسلمانون کے قبضہ مین تھین، حرام لعینہٖ نہین تھین، کیونکہ رقم مین جو کچھ حرمت اور خبث آتا ہے، سبب ملک کی وجہ سے آتا ہے، اور سبب ملک کا وجود نزول حرمت سے پہلے ہوا تھا، اب نہین ہوا، اس لئے یہ رقم نزول حرمت کے بعد حلال اور جائز رہی اور شراب (یعنی خمر) حرام لعینہٖ ہے[۱]، اس مین صرف عقد ہی کی وجہ سے حرمت نہین، بلکہ اس کی ذات مین حرمت ہے، اسی لئے شراب کو ناپاک چیزون مین شمار کیا گیا ہے، تو اگرچہ نزولِ حرمت سے پہلے اس کی خرید و فروخت جائز اور اس پر قبضہ بھی جائز تھا مگر نزولِ حرمت کے بعد جو شراب مسلمان کے قبضہ مین ہے، وہ اپنی ذات سے حرام اور ناپاک ہے، اس لئے اس کے بہانے کا حکم دیا گیا، مگر یہ حکم نہین دیا گیا کہ جس شخص نے نزولِ حرمت سے پہلے شراب فروخت کی ہو اور وہ رقم اس کے پاس محفوظ ہو، اسے خریدار کو واپس کر دے، شراب کو بہانے اور گرانے کا حکم دینا اور رقوم حاصل شدہ کی واپسی کا حکم نہ دینا اس بات کو واضح کر رہا ہے، کہ رقوم ربوا کے ساتھ وہی معاملہ کیا گیا ہے، جو رقوم خمر کے ساتھ کیا گیا تھا، رقوم کو عین خمر پر قیاس کرنا یہ ہمارے مولانا کا نیا اجتہاد ہے، مولانا کا یہ ارشاد بھی عجیب ہے کہ قرآن والے فتویٰ مین حرمت سے پہلے قبضہ کیا گیا تھا، اور حرمت کی کیفیت بعد کو طاری ہوئی، اس کا تو کوئی بھی قائل نہین، جب قبضہ حرمت سے پہلے ہو چکا ہے، تو بعد مین بھی اوس پر حرمت طاری نہین ہوئی کیونکہ اس کی ذات مین تو حرمت نہین ہے، صرف عقد یا سبب سے اس مین حرمت آسکتی تھی، اور عقد

[۱] لحدیث ابن عباس فی النسائی بطرق مختلفۃ حرمت الخمر لعینھا والسکر من کل شراب،

حرمت سے پہلے ہوا ہے، تو بعد میں حرمت کیوں طاری ہو؟ آگے چل کر فرماتے ہیں :-

"امام والے فتوی میں حرمت کی کیفیت معاہدہ کی وجہ سے پہلے طاری تھی، (مولانا نے اس جملہ میں معاہدہ امن کی وجہ سے مال حربی کا معصوم ہونا تسلیم کر لیا، ورنہ حرمت کی کیفیت طاری ہونے کا کیا مطلب؟) پھر عقد ربا پایا گیا، (جس کا یہ مسلمان مذہباً مجاز نہیں تھا، اس کو بھی مولانا اوپر تسلیم کر چکے ہیں) اور اسی عقد کی بنا پر مسلمان نے حربی کے مال پر قبضہ کیا ہے"،

تو ہم کہتے ہیں کہ یہ قبضہ بھی حرام اور عقد بھی حرام اور مولانا فرماتے ہیں کہ

"عقد تو حرام ہے، مگر قبضہ حلال ہے، کیونکہ عقد کے ضمن میں رضامندی ثابت ہو گئی اور مال حربی غیر معصوم ہے"

ہم کہتے ہیں یہ دونوں دعوی بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل ہیں، قرآن نے ان مقدمات کو اصلاً نہیں بیان کیا، نہ کسی حدیث متواتر و مشہور یا اجماع سے آپ ان کا ثبوت دے سکتے ہیں پس قرآن کا فتوی فَلَهٗ مَا سَلَفَ آپ کی دلیل کسی درجہ میں بھی نہیں، اور ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا (چھوڑ دو بقایا کو سود میں سے) عام ہے خواہ مسلمانوں پہ بقایا ہو یا کفار پر اور کفار ذمی ہوں یا حربی سب ہی کا چھوڑنا فرض کیا گیا، اور ہر صورت سے فرض کیا گیا، خواہ دار الاسلام میں رہ کر وصول کریں، یا دار الحرب جا کر وصول کریں، تو جب اس ربا کا جو نزول حرمت سے پہلے کسی پر لازم ہوا تھا، وصول کرنا مطلقاً حرام ہوا، اور اس کا چھوڑنا فرض ہوا، تو جو ربا نزول حرمت کے بعد عقد کرنے سے لازم ہوا ہو خواہ مسلمان پہ لازم ہوا ہو، یا کافر پر اور کافر خواہ ذمی ہو یا حربی اس کا وصول کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟

کتب احادیث و تفاسیر کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ جس بقایا سود کے چھوڑنے کا یہاں حکم ہوا وہ کفار مکہ پر مسلمانوں کا واجب تھا، اب بتلایا جائے کہ یہ لفظ کفار کے ساتھ عقد ربا کرنے اور ان سے سود کی رقم لینے کی حرمت پر دال ہوا یا نہیں؟ مگر مولانا کے پاس ان سب دلائل کا ایک ہی جواب ہے جس کو

وہ بار بار دہرائے چلے جاتے ہین کہ

"یہان سرے سے معاملہ ہی منعقد نہین ہوتا، اس کی وجہ سے حق کیا واجب ہوگا، معاملہ تو صرف رضا کی دلیل بن کر ختم ہو گیا"

مگر مین بار بار عرض کرچکا ہون کہ یہ سب مقدمات بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل ہین۔

ب:- قرآن کے بعد مولانا نے بخاری کی حدیث فتح مکہ والی بیان فرمائی ہے جس مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان ہے،

ان کل الربوا کان فی الجاھلیۃ	قطعاً ہر قسم کا سود جو جاہلیت مین تھا، وہ
فھو موضوع واول ربا یوضع	ساقط کر دیا گیا اور سب سے پہلے جس کے سود
ھو ربوا العباس بن عبد المطلب	کی رقم ساقط کی جاتی ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم، حضرت عباسؓ ابن عبد المطلب کی سودی رقم ہے،

اس حدیث کو نقل کرکے مولانا نے دعوی کیا ہے کہ "حضرت عباسؓ فتح خیبر سے پہلے مسلمان ہوچکے تھے، جو فتح مکہ سے دو سال مقدم ہے، اور فتح خیبر سے پہلے ربا حرام ہوچکا تھا، اور حضرت عباسؓ کے سود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد ساقط کیا ہے، تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ اس سے پہلے حضرت عباسؓ کا سود لوگون سے ساقط نہین ہوا تھا، پس ثابت ہوگیا کہ مسلمان کو دار الحرب مین معاہدہ امن کے ساتھ رہتے ہوئے بھی حربی سے سود لینا جائز ہے"، مین کیا کہون کہ یہ استدلال کس قدر کمزور ہے، اول تو حضرت عباسؓ کا فتح خیبر سے پہلے اسلام لانا صحیح طور سے ثابت نہین، ان کے اسلام کے زمانہ مین بڑا اختلاف ہے، ظاہر یہ ہے کہ وہ فتح مکہ سے کچھ ہی پہلے اسلام لائے تھے، جس کے بعد مہاجرت کرگئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راستہ مین ملاقات کی جب کہ آپ مکہ فتح کرنے آرہے تھے،

یہ ظاہر اس لئے ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ہجرت فرض تھی، ترک ہجرت پر سخت وعید تھی، اور حضرت عباسؓ مستضعفین
مین سے تھے، کیونکہ بخاری ہی مین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول مذکور ہے،

کنت انا و امی من المستضعفین، مین اور میری مان مستضعفین (کمزورون) مین سے تھے،

جن پر ہجرت فرض نہ تھی، اگر حضرت عباسؓ بھی معذور ہوتے، تو ان کا ذکر بھی ضرور کرتے، مان کا ذکر کرنا باپ کا ذکر نہ کرنا اس بات کو بتلا رہا ہے، کہ ان کی مان پہلے اسلام لائی تھین، اور عبداللہ بن عباسؓ بوجہ نابالغ ہونے کے خیر الابوین یعنی اپنی مان کے تابع ہوکر مسلمان قرار پائے تھے، مگر جس کے تابع تھے، وہ عورت ذات تھی، اس لئے دونون مستضعفین مین داخل ہوئے، جو لوگ حضرت عباسؓ کا اسلام غزوۂ بدر مین یا قبیل خیبر بتلاتے ہین، وہ ان کی ترک ہجرت کا سبب بھی تو بیان کرین اور یہ بھی تو بتلائین، کہ عبداللہ بن عباسؓ نے اپنی مان کا عذر بیان کرتے ہوئے، باپ کا عذر کیون نہین بیان کیا ؟ اگر کہا جائے کہ حضرت عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ مین قیام کرنے کی اجازت لے لی تھی، جیسا شرح سیر کبیر مین بلا سند مذکور ہے، تو اس صورت مین ابن عباسؓ کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی، کہ مین اور میری مان مستضعفین مین سے تھے، جب حضرت عباسؓ کو مکہ مین رہنے کی اجازت تھی، تو ان کی بیوی اور نابالغ اولاد کو بھی یقیناً ترک ہجرت کی اجازت تھی، غرض جب حضرت عباسؓ کا اسلام ہی فتح مکہ سے زیادہ پہلے نہین، بلکہ اوس کے قریب ہی تھا، تو اس بنیاد پر جو عمارت قائم کی گئی ہے، وہ خود ہی منہدم ہوگئی،

اچھا مان لو کہ حضرت عباسؓ کا اسلام فتح خیبر سے پہلے تھا، مگر اس کا کیا ثبوت ہے کہ ان کو مکہ مین رہتے ہوئے حرمت ربا کا حکم بھی معلوم ہوگیا تھا، ممکن ہے کہ یہ سب کچھ لاعلمی کی وجہ سے ہوا ہو، اور دارالحرب مین جہل عذر ہے، اگرچہ دارالاسلام مین عذر نہین، حنفیہ نے اس کی تصریح کی ہے، پس کہہ سکتے ہین کہ یہ ربا قبل فتح مکہ اس لئے باقی رہا، کہ ان کو حرمت ربا کا علم نہ تھا، پھر یہ طرز استدلال بھی کتنا عجیب ہے

کہ چونکہ حضرت عباسؓ کا ربا فتح مکہ مین ساقط کیا گیا ہی، اس لئے فتح مکہ سے پہلے ان کا ربا جائز تھا، مین کہتا ہون

کہ اسی حدیث مین یہ بھی تو ہے

ودماء اهل الجاهلية	زمانۂ جاہلیت کی سب خونریزیان ساقط
موضوعة كلها واوّل دم	کی جاتی ہین، اور سب سے پہلے جو خونریزی
اضعه دم ربيعة بن عبد	ساقط کی جاتی ہے، وہ عبد المطلب کے بیٹے
المطلب،	ربیعہ کا خون ہے،

تو کیا مولانا اس سے بھی یہ استنباط کرین گے، کہ جاہلیت کی خونریزیان سب جائز تھین، ورنہ ساقط کرنے کے کیا معنی؟ جس مذہب مین مفہوم مخالف حجت نہ ہو، اس کے مقلدین کا وضع ربا سے جواز پر استدلال کرنا کس قدر حیرتناک ہے"،

ج:۔ تیسری دلیل حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ جنگِ روم و ایران کے سلسلہ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور مشورہ سے انھون نے بعض کفار مکہ کے ساتھ شرط لگائی تھی، جس مین حضرت ابو بکرؓ کی جیت ہوئی، اور کہتے ہین، کہ ان کے ہاتھ سو اونٹ آئے، ان کو لے کر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اونٹون کو صدقہ کر دینے کا حکم دیا، جس سے یہ ثابت کیا گیا ہے، کہ دار الحرب مین حربی سے سود اور قمار جائز ہے، مولانا کو معلوم ہے کہ اس روایت کے ثبوت و عدم ثبوت مین کس قدر کلام ہے، پھر اس سے میرے اس قول کا جواب کیونکر ہوا، کہ امام ابو حنیفہ کے پاس ایک ضعیف روایت کے سوا کچھ نہین؟ آخر یہ بھی تو ضعیف ہی ہے؟ پھر اس کو امام کے قول کی دلیل بنانا بھی صحیح نہین، کیونکہ یہ شرط قبل ہجرت نزول حرمتِ ربا و قمار سے بہت پہلے ہوئی تھی، اور حضرت صدیقؓ غزوۂ بدر مین جیتے ہین کہ اسی وقت روم کو ایران پر غلبہ حاصل ہوا تھا، اگر حضرت صدیقؓ نے اسی موقع پر یہ اونٹ وصول کئے تو شرط اور وصول دونون قبل تحریم ہین، اور اگر بعد مین وصول کئے

تو شرط حرمت سے پہلے اور وصول بعد مین ہوا، اور مین اس کا قائل ہون، کہ جب معاملہ کے وقت حرمت موجود نہ ہو تو رقم کا بعد حرمت کے وصول کرنا جائز ہے، اور امام والے فتوی مین حرمت کی کیفیت معاہدہ کی وجہ سے پہلے ہی موجود ہے، جیسا آپ فلہٗ ما سلف کی تفسیر مین اقرار فرما چکے ہین، اور اس سے پہلے یہ بھی مان چکے ہین کہ مسلمان ایسے فعل کے کرنے کا مذہبًا مجاز نہین، تو حرمت مع العقد یا قبل العقد کو حرمت بعد العقد پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق نہین، تو اور کیا ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان اونٹون کو خیرات کر دینا اس بات کی تعلیم ہے کہ اگر عقد کے وقت حرمت نہ ہو بعد مین حرمت آجائے، تو اس معاملہ کے نفع کو خیرات کر دینا چاہئے، اور حکم ذروا ما بقی من الربوا صرف ربا کے ساتھ مخصوص ہے قمار اور دیگر عقود فاسدہ کو عام نہین اس لئے یہ نہین کہہ سکتے کہ یہ آیت بقایا قمار کے چھوڑنے کو بھی فرض کر رہی ہے، ربا اور قمار کا فرق تمہیدی مقدمات سے واضح ہو چکا ہے،

د۔ چوتھی دلیل حضرت ابن رکانہؓ کے اسلام کی حدیث ہے، کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرط لگا کر کشتی لڑے تھے، تین بار لڑے اور ہر دفعہ جیت ہوے، اور اس شرط مین وہ اپنی بھیڑ بکریون کے گلہ کا ایک ایک تہائی حصہ ہر کشتی مین ہارتے گئے، پھر حضورؐ نے بکریان واپس کر دین، اور وہ اسلام لے آئے" اس واقعہ سے بھی استدلال کیا گیا ہے، کہ دار الحرب مین حربی سے عقد ربا و قمار جائز ہے کیونکہ اگر یہ معاملہ ناجائز ہوتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شروع ہی سے اس معاملہ مین داخل نہ ہوتے"

مگر اس واقعہ سے استدلال دو مقدمات کے ثبوت پر موقوف ہے، ایک یہ کہ واقعۂ مذکورہ نزول حرمت ربا و قمار کے بعد کا ہے؛ دوسرے یہ کہ شرط دونون طرف سے ہوئی تھی، کیونکہ اگر صرف ایک طرف سے شرط ہو تو وہ قمار مین داخل نہین، بلکہ اب بھی جائز ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے مال کو واپس کر دینا بہرحال مکارم اخلاق اور کرم و احسان کی وجہ سے تھا، اور ظاہر یہ ہے کہ واقعہ قبل ہجرت کا ہے، جب کہ حرمت ربا و قمار کا نزول نہ ہوا تھا،

۵۔ پانچوین دلیل یہود بنی قینقاع اور بنی نضیر کی جلاوطنی کا واقعہ ہے کہ جب ان کو مدینہ منورہ سے نکل جانے کا حکم ہوا، تو انھون نے یہ عذر پیش کیا کہ ہمارا قرض لوگون کے ذمہ بقایا ہے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

ضعوا و تعجلوا، کچھ قرض ساقط کردو، اور جلدی کرو،

حنفیہ کہتے ہین کہ اس قسم کا معاملہ مسلمانون کے درمیان جائز نہین، کہ قرضخواہ مدیون سے یون کہے کہ اگر مدتِ مقررہ سے پہلے قرض ادا کردے تو مین قرض مین سے اتنی مقدار کم کردون گا، مگر حضورؐ نے یہود بنی قینقاع و بنی نضیر کے لئے اس کو جائز کیا، تو معلوم ہوا کہ حربی اور مسلم کے درمیان ایسے معاملات جائز ہین جو خود مسلمانون مین جائز نہین" مگر اس واقعہ سے استدلال کرنے والے یہ نہین سوچتے کہ بنو قینقاع اور بنو نضیر مدینہ مین تھے، ان کا قرض بھی مدینہ کے مسلمانون پر تھا، اور مدینہ دار الاسلام تھا، اگر یہ صورت ربا مین داخل ہو تو دار الاسلام کے اندر حربی اور مسلمان کے درمیان جواز ربا لازم آئے گا، جو کسی کے نزدیک بھی جائز نہین، امام ابوحنیفہ کا قول بھی دار الحرب کی ساتھ مقید ہے، دار الاسلام مین وہ بھی مسلم و حربی کے درمیان عقد ربا کو جائز نہین رکھتے،

پس یا تو کہا جائے کہ یہ واقعہ نزول حرمتِ ربا سے پہلے کا ہے، یا اس کو ایسی صورت پر محمول کیا جائے جس سے ربا لازم نہ آئے، واقعہ یہ ہے کہ ان لوگون کو چند روز کی مہلت دی گئی تھی، کہ اس مدت کے اندر انکو مدینہ سے نکل جانا چاہئے، جب انھون نے بقایا قرض کا عذر پیش کیا، تو اُن سے صاف کہدیا گیا کہ مدت مہلت مین اضافہ نہین ہو سکتا، اس مدت کے اندر اندر اونے پونے جس قدر وصول ہو سکے اپنا قرض وصول کرلو، اور جلدی یہان سے چلدو، تبلائیے اس کو ربا سے کیا تعلق؟ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مدت مقررہ کے بعد تمھاری جان و مال محفوظ نہین رہین گے، اب تم کو اختیار ہے خواہ دیر کرکے اپنی جانون سے اور اس مال سے بھی ہاتھ دھولو جو اس وقت تمھارے قبضہ مین ہے، یا

جلدی کرو، اور مدتِ معینہ میں جتنا قرض وصول ہوسکے، اوسی کو غنیمت سمجھو، یہ صورت ربا میں ہرگز داخل نہیں، آج بھی اگر کوئی حربی دارالاسلام میں ایک سال کے واسطے معاہدۂ امن کے ساتھ تجارت کرنے آئے، اور جب سال ختم ہونے لگے، وہ اپنے قرضداروں سے کہے کہ میری مدت امن ختم ہورہی ہے، اب میں یہاں نہیں ٹھہر سکتا، تم جس قدر بھی ادا کرسکو ادا کرو، بقیہ میں نے معاف کیا، تو اس کو کوئی بھی ربا میں داخل نہ کرے گا،

د:- چھٹی دلیل وہی مکحولؒ والی روایت ہے، مولانا گیلانیؒ کو اعتراف ہے، کہ اس حدیث کو امام شافعیؒ نے مشہور کیا، وہ قاضی ابو یوسفؒ کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ اُن سے امام ابوحنیفہؒ نے یہ کہا تھا، کہ انھوں نے اپنے بعض مشائخ سے سنا کہ مکحول اون سے یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

لا ربوا بین اهل الحرب، اہلِ حرب کے درمیان ربا نہیں،

قاضی ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ مجھے خیال آتا ہے کہ اس کے بعد شاید اہل الاسلام کا لفظ بھی وہ بولے تھے، جس کے ملانے کے بعد حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اہلِ حرب اور اہلِ اسلام کے درمیان ربا نہیں مولانا گیلانیؒ فرماتے ہیں:-

کوئی شبہ نہیں کہ سنداً اس روایت کے متعلق گفتگو کا بہت کچھ موقع ہے"

میں کہتا ہوں کہ اب تو اس کا متن بھی مخدوش ہوگیا، کیونکہ اس کا جتنا حصہ امام ابو یوسفؒ کو اچھی طرح یاد ہے، اس کا تو حاصل یہ ہے کہ اہل حرب آپس میں جو معاملات ربا کرتے ہیں، اور اس طرح مال کے مالک بنتے ہیں مسلمانوں کے لئے وہ مال حلال ہے، یہ شبہ نہ کرو کہ اہلِ حرب سے جو مال ہم نے لیا ہے چونکہ وہ اُن کے پاس سودی کاروبار سے آیا تھا، اسلئے ہمارے واسطے حلال نہیں ہوگا، کیونکہ کفار مکلف بالفروع نہیں، ان کے باہمی معاملات سے اُن کے رواج و آئین کے مطابق جو مال ان کی ملک ہے، وہ تمھارے واسطے حلال ہے حتی کہ وہ کفار بھی اگر کسی وقت اسلام لائیں تو یہ سودی کاروبار کا روپیہ اُن کے لئے حلال ہوگا،

اس جزو مین کسی کا بھی اختلاف نہین، اور جس جزو مین اختلاف ہے، کہ حربی اور مسلم کے درمیان سودی معاملہ جائز ہے "یہ جزو امام ابو یوسفؒ کو پوری طرح محفوظ نہین، اب آپ ہی فرمایئے ایسی حالت مین اس سے کیونکر استدلال ہو سکتا ہے، پھر حنفیہ کا اصول ہے کہ راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا یا فتوی دینا صحت روایت مین قادح ہے، اور ظاہر ہے کہ امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ دونون کا عمل اور فتوی اس روایت کے خلاف ہے، تو حنفیہ کو اپنے اصول کے موافق اس سے استدلال کا کیا حق ہے! مرسل اور موصول ہونے سے تو بعد مین بحث کی جائے گی، پہلے اس اشکال کو دفع کرنا لازم ہے، کہ اس حدیث کے متن مین راوی کو شبہ ہے، اور خود راوی کا عمل اور فتوی اس کے خلاف ہے، ان سب باتون سے پہلو تہی کرکے مولاناؒ کا یہ فرمانا کہ

"آخر کچھ نہین تو جو مسئلہ قرآن و حدیث کی بینات سے ثابت ہو رہا ہو، اس کی مزید تائید و تقویت بھی کیا اس سے نہین حاصل ہوتی"

کس قدر دلفریب سوال ہے، بینات کی بھی ایک ہی کہی، بندہ نے ان بینات کے چہرہ سے نقاب الٹ کر دکھلا دیا ہے، کہ ان سے کسی درجہ مین بھی آپ کا مدعا ثابت نہین ہوتا، رہا سہا کچھ سہارا یہ حدیث مکحولؒ تھی، مگر افسوس تو بھی سنداً و متناً ہر طرح مخدوش ہے، اچھا مان لیجئے کہ حدیث کے الفاظ وہی ہین، جو ہمارے فقہاء بے تکلف اپنی کتابون مین لکھتے آرہے ہین کہ

لا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب،	مسلمان اور حربی کے درمیان دار الحرب مین ربا نہین،

تو اس مین یہ بھی احتمال ہے کہ نفی بمعنی نہی ہو اور مطلب یہ ہو کہ مسلمان کو حربی کے ساتھ دار الحرب مین بھی ربا کا معاملہ نہ کرنا چاہئے، پہلے بھی مین اس احتمال کو ظاہر کر چکا ہون اور بتلا چکا ہون کہ حدیث مین اس کی نظیرین بہ کثرت موجود ہین، دوسرا احتمال اور بھی ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی، کہ مسلم سے مراد وہ مسلمان ہو جو دار الحرب مین بلا معاہدہ امن داخل ہوا ہو، امام سفیان ثوریؒ نے حدیث کا یہی مطلب سمجھا ہے، اس

احتمال نے تو حنفیہ کا سارا قلعہ ہی منہدم کر دیا،

ز، ساتوین دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ "قبیلہ اشجع کا ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور اپنی حاجت پیش کی، حضورؐ نے فرمایا، ذرا صبر کر، وہ چلا گیا، اور دشمن سے غنیمت کا مال حاصل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر حاضر ہوا، آپ نے اس مال کو اس کے لئے پاک اور حلال قرار دیا، اس پر قرآن کی آیت نازل ہوئی،

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا	اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس
وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ،	کے لئے نجات کی شکل نکال دیتا ہے، اور
	اوس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے، جہان
	اس کا گمان بھی نہین ہوتا،

مولانا گیلانی فرماتے ہین "یعنی دار الحرب کا یہ مال چونکہ غیر معصوم مال تھا، اس لئے اشجعی قبضہ کرنے کے بعد اس کا مالک ہو گیا"

مین نہین سمجھا کہ مسئلہ اختلافی سے اس کو کیا واسطہ، حدیث مین تصریح ہے، کہ صحابی نے دشمن سے غنیمت کا مال حاصل کیا، جس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ حربی معصوم الدم نہ تھا، تو اس کا مال بھی معصوم نہ تھا، اس سے یہ کہان ثابت ہوا کہ مسلم معاہدۂ امن کے ساتھ دار الحرب مین داخل ہو تو اہل حرب کا مال اس کے حق مین غیر معصوم ہے، اور وہ قبضہ سے اس کا مالک بن سکتا ہے

میرے خیال مین مولانا گیلانی کو غلط ہو گیا ہے، وہ میری ایک دوسری بات کا جواب اس حدیث سے دینا چاہتے ہین، سہواً مسلم و حربی کے درمیان جواز ربا کی دلیلون مین اس کو بیان کر گئے، مین نے اپنے مضمون کے حاشیہ مین لکھا تھا کہ یہان سے انکا بھی رد ہو گیا، جو دار الحرب مین مال حربی کو فئی قرار دیتے ہین، اور کہتے ہین کہ مسلمان حربی سے عقد ربا کر کے مال فئی پر قبضہ کرتا ہے، ان کو جاننا چاہئے کہ مال فئی

عامۂ مسلمین کا حق ہے، نہ کسی خاص شخص کا" (نمبر ۵ جلد ۵۶ ص ۱۰۹ معارف)

مولانا گیلانیؒ نے تمہیدی مقدمات میں نمبر ۹ اسی کے جواب میں بڑھایا ہے، یہ حدیث اوسی جگہ اُن کو لکھنا چاہئے تھی، مولانا کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ "مال فئی پر قبضہ اگر حکومت کی پشت پناہی اور فوجی قوت کے زور سے ہوا ہو، تو تقسیم سے پہلے یہ مقبوضہ مال اس کے لئے جائز ہوگا، اور اگر حکومت اور حکومت کی پشت پناہی کے بغیر حاصل ہوا ہو، تو وہ قبضہ کرنے والے کی مخصوص ملکیت ہوگی، اور اس مال میں خمس یعنی پانچواں حصہ حکومت کا نہ ہوگا"، مولانا کا یہ ارشاد درست ہے، مگر دوسری صورت میں ایک قید بڑھانے کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ اگر مال فئی پر قبضہ بدون حکومت کی پشت پناہی اور فوجی قوت کے ہوا ہو، تو دیکھنا چاہئے کہ اس قبضہ کرنے والے نے اپنی قوت اور طاقت مقابلہ سے اوس پر قبضہ کیا ہے، یا بدون مشقت و تعب کے قبضہ ہوگیا ہے، پہلی صورت میں حکومت اوس سے خمس نہ لے گی، گو اوسے خود ادا کر دینا مستحب ہے، پھر امام کو اختیار ہے، خواہ اوس سے خمس لے، یا محتاج سمجھ کر معاف کر دے، جیسا شعبی کی حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک صحابی مال غنیمت لے کر حضورؐ کے پاس حاضر ہوئے، مگر آپ نے ان کی حاجت کے پیش نظر اون سے خمس نہیں لیا، اور اگر یہ قبضہ بدون مشقت اور تعب کے ہوگیا جیسے کسی کو دار الحرب میں مدفون خزانہ مل گیا، تو اس پر خمس واجب ہے، صحیح حدیث میں ہے،

المعدن جبار والبئر جبار و	کانوں اور کنووں پر کوئی ٹیکس نہیں، اور
فی الرکاز الخمس،	دفینہ میں حکومت کا پانچواں حصہ ہے،

اب تبلایا جائے کہ اگر مسلمان دار الحرب میں عقد ربا کے ذریعہ مال فئی پر قبضہ کرتا ہے، تو یہ قبضہ طاقت مقابلہ سے ہے، یا بلا مشقت ہے؟ یقیناً بلا مشقت ہے، تو اس پر خمس لازم ہونا چاہئے، یہ مطلب نہیں کہ میں اس صورت میں خمس کو واجب کرتا ہوں، میرے نزدیک تو یہ قبضہ ہی ناجائز ہے، مطلب یہ ہے کہ جو حضرات اوس کو مال فئی پر قبضہ قرار دیتے ہیں، ان کو وجوب خمس کا قائل ہونا چاہئے،

ح:- آٹھوین دلیل حضرت عباسؓ کے فعل کو قرار دیا گیا ہے، کہ وہ مکہ مین فتح مکہ تک سودی کاروبار کرتے رہے، حالانکہ ربا فتح مکہؓ سے پہلے حرام ہوچکا تھا، تو امام کے فتوی کی تائید آثار صحابہؓ سے بھی ہوتی ہے، مگر دلیل کا تمام ہونا اس پر موقوف ہے کہ اس وقت حضرت عباسؓ کا مسلمان ہونا ثابت کر دیا جائے، کہ اس کے بعد ہی وہ زمرۂ صحابہ مین شامل ہوسکتے ہین، اور ہنوز یہی محل کلام ہے، پھر یہ بھی ثابت کر دیا جائے کہ حرمت ربا کا حکم معلوم کرنے کے بعد انھون نے ایسا کیا ہے، مولانا اس کو بھی ثابت نہین کر سکتے، پھر یہ دلیل ہی کیا ہوئی؟ علاوہ ازین اسی حدیث کے بعض الفاظ مین صحیح سند سے یہ بھی وارد ہے،

وَاَمَّا ربوا العباس فموضوع کلہ، لیکن عباس کا ربا تو وہ توسب کا سب ساقط ہے،

کہا جاتا ہے یعنی سود بھی اور اصل بھی،

پس اگر ثابت ہوجائے کہ انھون نے اسلام لانے اور حرمت ربا کا حکم معلوم کرنے کے بعد سودی کاروبار کیا تھا، تو فریق مخالف کہہ سکتا ہے کہ حضورؐ نے اسی واسطے ان کے اصل مال کو بھی بطور سزا کے ساقط کر دیا، پھر تو آپ کے لئے استدلال کی کچھ گنجائش باقی نہ رہے گی،

ط:- نوین دلیل ابراہیم نخعیؒ کا قول ہے کہ اس مین کوئی مضائقہ نہین، کہ ایک اشرفی کے عوض دو اشرفیون کا معاملہ مسلمانون اور اہل حرب کے درمیان ہو، مگر اس کو قول امام کی دلیل نہین بنا سکتے، کیونکہ اول تو یہ ربا کی خاص صورت ہے، جو ربا حقیقی نہین، بلکہ ربا البیع اور ربا الفضل ہے، اور تمہیدی مقدمات مین بتلا دیا گیا ہے کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربا قرآنی کے ساتھ ملحق فرمایا ہے، اور اس کی حرمت ربا قرآنی کی برابر قطعی نہین، تو ربا کی ایک خاص صورت کے جواز سے مطلقاً ہر قسم کے ربا کا جواز جیسا امام ابو حنیفہ کیطرف منسوب کیا جارہا ہے ثابت نہین ہوسکتا، دوسرے ابراہیم نخعیؒ کے قول مین لفظ "المسلمین" اور "اہل الحرب" مطلق ہے، ممکن ہے کہ ان کی مراد وہ مسلمان ہون جو بلا معاہدہ و استیمان کے دار الحرب

ین جائین (اہلِ حرب سے وہ حربی مراد ہون جو معصوم الدم نہ ہون، اس احتمال کی تائید سفیان ثوری کے قول سے ہوتی ہے، جو آیندہ آتا ہے، اور یہ صورت محلِ نزاع نہین، گفتگو اس صورت مین ہے، کہ مسلمان معاہدۂ امن کے ساتھ دارالحرب مین ہو، جس کی وجہ سے اہلِ حرب کی جانین اس کے حق مین معصوم ہوجائین اس کے لئے اہلِ حرب کے اموال معصوم ہین یا نہین، اور اس کو ان کے ساتھ عقد ربا کرکے مال حاصل کرنا ... جائز ہے یا نہین؟ ابراہیم نخعیؒ کا قول اس باب مین واضح نہین،

ی، دسوین دلیل امام سفیانؒ ثوری کا قول ہے کہ طحاویؒ نے ابراہیم نخعیؒ کا قول بیان کرکے اپنی سند کے ساتھ عبد اللہ بنؒ مبارک سے روایت کیا ہے کہ سفیانؒ بھی یہی کہتے تھے، (جو ابراہیم نخعی نے کہا) اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ابراہیم نخعی کے قول مین مطلق ربا کا ذکر نہین صرف ربا الفضل کا ذکر ہے تو یہی سفیان ثوریؒ کے قول مین ہونا چاہئے، اب اس کو امام ابو حنیفہؒ کے قول کی دلیل بنانا جن کی طرف مسلم و حربی کے درمیان دار الحرب مین مطلق ربا کا جواز منسوب کیا جا رہا ہے، صحیح نہین، پھر سفیانؒ ثوری کے نزدیک لا ربوا بین المسلم والحربی مین المسلم سے مراد وہ مسلمان ہے جو بغیر کسی معاہدہ کے غیر اسلامی حکومت مین داخل ہو کر وہان کے غیر مسلم باشندون سے اس قسم کا معاملہ کرتا ہو، لیکن جو امن و امان کی ساتھ رہنے کا معاہدہ کرکے غیر اسلامی ملک مین داخل ہو یعنی مسلم مستامن کو وہ اس کی اجازت نہین دیتے، شرح السیر اور مبسوط سرخسیؒ سے مولانا گیلانیؒ نے خود بھی یہ تفصیل بیان فرمائی ہے، یہی مین کہہ رہا تھا کہ مکحولؒ والی حدیث مین الحربی سے مراد غیر معصوم الدم ہو تو پھر کچھ اشکال ہی نہین، مین پہلے بھی عرض کر چکا ہون اور اب پھر کہتا ہون کہ اباحتِ مالِ اہلِ حرب کا حکم مطلق نہین ہے، بلکہ خاص حالات کے ساتھ مخصوص ہے، جب کہ حربی غیر معصوم الدم ہو خواہ مقابلہ کی وجہ سے یا مصالحت نہ ہونے کی وجہ سے پس جب لشکرِ اسلام دار الحرب پر حملہ آور ہو یا کوئی مسلمان تلصص (جاسوسی) یا قید کی حالت مین دار الحرب جائے ان صورتون مین مسلم کو حربی سے عقدِ ربا جائز ہو سکتا ہے، کیونکہ ان حالات مین بدون رضا کے جبراً بھی وہ

اس کا مال لے سکتا ہے، تو بذریعہ عقد ربا تراضی کے ساتھ بدرجۂ اولی لے لیگا اور غالبًا حدیث مکحول مین حربی سے ایسا ہی حربی غیر معصوم الدم مراد ہے کہ وہی حربی کامل ہے، اور لفظ مطلق سے فرد کامل ہی مراد ہوا کرتا ہے، الحمدللہ میرے اس قول کی تائید سفیان ثوریؒ کے قول سے ہوگئی، اور جب سفیان کا قول وہی ہے، جو ابراہیم نخعیؒ کا ہے تو ان کے قول مین بھی مسلم سے مراد مسلم غیر متامن اور حربی سے مراد حربی غیر معصوم الدم ہوگا، اور یقینًا جاننے والون سے یہ امر مخفی نہین کہ علماے کوفہ کا مذہب ابراہیم نخعیؒ اور سفیان ثوری پر عمومًا منتہی ہوتا ہے، تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ فقہاے کوفہ کا فتوی وہ نہین جو امام صاحب کی طرف منسوب کیا جا رہا، کہ مسلم متامن کو بھی حربی کے ساتھ دار الحرب مین عقد ربا مطلقًا جائز ہے، بلکہ وہ ہے جو سفیان ثوریؒ اور ابراہیم نخعیؒ کی طرف منسوب ہے کہ مسلم غیر متامن کو حربی غیر معصوم الدم کے ساتھ ایسا کرنا جائز ہے، اب میرا یہ قول بہت موکد ہو گیا کہ عجب نہین امام صاحب کی بھی یہی مراد ہو جو ابراہیم نخعیؒ اور سفیان ثوریؒ سے منقول ہے، بہر حال ہے، جس تفصیل اور اطلاق کے ساتھ مسلم و حربی کے درمیان عقد ربا کا جواز کتب حنفیہ مین امام صاحب کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے، وہ اس مین منفرد ہین، اور ان کے اس قول کی بجز ایک ضعیف اور محتمل حدیث یا ضعیف قیاس کے کوئی قوی دلیل نہین، مولانا گیلانی نے جس قدر دلیلین پیش کی ہین، مین عرض کر چکا ہون کہ ان مین سے ایک بھی دلیل بننے کے قابل نہین،

آخر مین اتنا اور عرض کر دون کہ مولانا نے میرے مضمون مین کامل غور کئے بغیر میری طرف یہ دعوی منسوب کر دیا ہے کہ

"اموال اہل حرب کے غیر معصوم و مباح ہونے کے لئے اہل حرب کا مسلمانون اور مسلمانون کی حکومت سے بالفعل برسر جنگ ہونا ضروری ہے؛"

حالانکہ میری عبارت مین یہ الفاظ موجود ہین، کہ

"اباحتِ مالِ اہلِ حرب کا حکم مطلق نہین، بلکہ خاص حالات سے مخصوص ہے جب کہ حربی غیر معصوم الدم ہو، خواہ مقابلہ و مقاتلہ کی وجہ سے یا مصالحت نہ ہونے کی وجہ سے جس سے صاف معلوم ہوگیا، کہ بالفعل برسر جنگ ہونا ضروری نہین، بلکہ مصالحت و معاہدہ نہ ہونا بھی ان کے اموال کے غیر معصوم اور مُباح ہونے کے لئے کافی ہے"

اسی لئے مین مسلم متلصص[۱] کے لئے جواز عقد ربا کا قائل ہون، حالانکہ اہلِ حرب اس سے بالفعل برسر جنگ نہین ہوتے، مگر چونکہ اُن سے نہ حکومتِ اسلام کا معاہدہ ہے، نہ جاسوس نے معاہدۂ امن کیا ہے اس کے حق مین اہلِ حرب کے نفوس و اموال دونون غیر معصوم اور مُباح ہین، اور اس کے لئے اہلِ حرب کے وہ اموال بھی حلال ہین، جو عقد ربا کے ذریعہ حاصل کرے،

میرا دعویٰ یہ ہے کہ جو مسلمان دار الحرب مین کسی معاہدۂ قولی یا حالی کے ماتحت امن کی زندگی گذار رہے ہین، جب اس معاہدہ کی وجہ سے نفوس اہلِ حرب اس کے حق مین معصوم قرار دیدیے گئے تو ان کے اموال بھی معصوم ہون گے، ان کے ساتھ عقد ربا اس دلیل سے کہ یہ اموال غیر معصومہ ہین جائز نہین ہوسکتا، کیونکہ عصمت نفوس کے ساتھ عصمت اموال لازم ہے، آپ دیکھ رہے ہین، کہ امام سفیان ثوری اس حالت مین مسلم و حربی کے درمیان عقد ربا کی اجازت نہین دیتے، اور یہی ظاہراً قول ابراہیم نخعی کا ہے، اس پر مولانا کا یہ فرمانا کہ

"بہرحال اتنی بات کہ الحربی والمسلم مین ربوا کا معاملہ بعض صورتون مین ربوا اور سود باقی نہین رہتا، اس کے قائل یقیناً سفیان ثوری بھی ہین، اور اثبات کے لئے یہ کافی ہے"

موضوعِ بحث سے الگ ہوجاتا ہے، کیونکہ جس صورت مین سفیان ثوری جواز عقد ربا درمیان حربی و مسلم کے قائل ہین، اس مین نزاع اور گفتگو نہین ہے، مین معارف ص ۱۱۲ پر صاف عرض کرچکا ہون کہ

---

[۱] وہ مسلمان جو جاسوسی کے طور پر دار الحرب مین جائے،

"اگر ان کی (حنفیہ کی) مراد حربی سے غیر معصوم الدم ہے تو اس صورت مین دوسرے ائمہ کا اختلاف محض تورع و احتیاط پر مبنی ہے حقیقی اختلاف نہین"،

اور ابراہیم نخعی کے قول مین لفظ لاباس الدینار بالدینارین خود تبلا رہا ہے، کہ گو وہ اس کو جائز کہتے ہین، مگر خلاف احتیاط بھی سمجھتے ہین، فقہاء کے کلام پر نظر رکھنے والے جانتے ہین، کہ لفظ لاباس کیسے موقع پر بولا جاتا ہے، پس یون کیون نہ کہا جائے، کہ امام صاحب کے قول کی بھی تفصیل وہی ہے، جو سفیان ثوری کے قول کی ہے، مین صرف لفظ ربا سے ہرگز متاثر نہین ہون، بلکہ میری نظر مین جہان حق تعالیٰ کا یہ ارشاد

اِنَّ اللّٰہَ بَرِیٓئٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ، (کہ اللہ تعالیٰ مشرکین سے بری الذمہ ہے)

ہے، وہین یہ ارشاد بھی پیش نظر ہے،

اِلَّا الَّذِیْنَ عَاھَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ، (مگر جن مشرکین سے تم عہد کر لو (تو ان کے جان و مال سے اللہ تعالیٰ بری الذمہ نہین ہین)

مولانا گیلانی ایک آیت کو دیکھتے ہین، اور دوسری کو نہین دیکھتے، اور اگر دیکھتے ہین تو پھر یہ دعویٰ کس بنا پر کیا جاتا ہے، کہ مسلم متامن جو معاہدۂ امن کے ساتھ دار الحرب مین داخل ہوا ہے، اس کے حق مین اہل حرب کے اموال معصوم نہین، حالانکہ نفوس معصوم ہین، اس دعویٰ کی دلیل مین صرف علامہ سرخسی کا قول کافی نہین، دلیل قطعی کی حاجت ہے، بدون دلیل کے یہ کہنا کہ واقع مین جو حلال ہے، اس کے حلال ہونے کا فتویٰ امام صاحب دے رہے ہین، مقام تقلید مین کافی ہو سکتا ہے، مقام تحقیق مین کافی نہین ہو سکتا، امید ہے کہ مولانا ان معروضات پر تحقیقی نظر ڈال کر اپنے مقالہ پر نظر ثانی فرمائین گے،

وَلَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا،

پس مین نصوص قرآنیہ پر نظر کرکے بے تکلف کہتا ہون، اور آپ کو بھی بے تکلف یہی کہنا چاہئے،

کہ اس باب مین حنفیہ کا مذہب وہ ہے؟ امام ابو یوسف نے فرمایا ہے، کہ وہی ساری امت کا قول ہے، اور طرفین کا قول مذہب نہین، بلکہ مذہب کی ایک ضعیف روایت ہے" اور اگر ان کا مطلب وہ ہے جو سفیان ثوری کا قول ہے، اور بظاہر وہی فقہ کوفہ کا عام فتوی ہے تو پھر کچھ اختلاف نہین محض تورع واحتیاط کا درجہ باقی رہ جاتا ہے،

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالی وسلم علی افضل بنی آدم سید الانبیاء وعلی آلہ واصحابہ وشرف وکرم،

سیرۂ عائشہ

نیا اڈیشن

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات زندگی، تعلیم و تربیت وخانہ داری، اور ان کے مناقب و فضائل واخلاق اور ان کے علمی کارنامے، اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر ان کے احسانات، اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیان اور معترضین کے جوابات، (طبع سوم)

ضخامت :- ۳۵۰ صفحے،

قیمت :- ۵ر

علمائے اسلام کا اخلاق

از

مولانا عبدالسلام ندوی

(۳)

استغنا و قناعت کے ساتھ ہمارے علمار کا ایک خاص اخلاقی وصف فیاضی ہے، ہمارے امرأ وسلاطین نے اگرچہ فیاضیون کے دریا بہا دیئے تھے، لیکن ان کی فیاضیون کا ایک حصہ غیر معتدل اور قابلِ اعتراض تھا، لیکن ہمارے علما نے جو فیاضیان کین، وہ اس قدر صحیح و بجا تھین، کہ ان پر مطلق حرف رکھنے کی گنجایش نہین، علم، مذہب، اور اخلاق تین چیزین اُن کے پیشِ نظر تھین، اور انہی پر وہ اپنا سرمایہ صرف کرتے تھے،

حماد بن مسلم (المتوفی سنہ ۱۲۰ھ) رمضان کے مہینے مین روزانہ پچاس آدمیون کو افطار کراتے تھے، پھر عید کے دن ہر ایک کو کپڑا اور سو درہم دیتے تھے،

ابن زیاد کوفہ کا عامل صدقہ ہو کر آیا، تو ایک شخص نے ملازمت کے لئے حماد سے اس کی خدمت مین سفارش کرانی چاہی، بولے اُس خدمت سے تمھین کس قدر مالی فائدے کی توقع ہے؟ اس نے کہا "ہزار درہم"، بولے مین تم کو پانچ ہزار درہم خود دلوا دیتا ہون، اس کے سامنے اپنی آبرو ریزی تمھین کروانا چاہتا،[1]

---

[1] الجواہر المضیہ جلد اول ص ۲۲۶،

ربیعۃ الرائے (المتوفی ۱۳۶ھ) نہایت فیاض تھے، انھون نے اپنے رفقا و تلامذہ پر چالیس ہزار دینار صرف کئے،[1]

امام لیث مصری (المتوفی ۱۷۵ھ) کی سالانہ آمدنی پچاس ہزار یا اسی ہزار دینار تھی، لیکن باوجود اس آمدنی کے اُن پر سال مین زکوٰۃ کبھی فرض نہین ہوئی، بلکہ سال کے ختم ہونے سے پہلے ہی یہ کل رقم ان کی فیاضی کے نذر ہو جاتی تھی، امام مالک کے پاس ایک بار ہزار اشرفیان بھیجدین، ایک بار امام مالک نے ان کو لکھا کہ وہ مقروض ہو گئے ہین، انھون نے ان کی خدمت مین پانچسو اشرفیان بھیجدین،

ایک بار امام مالک نے ان کی خدمت مین ایک سینی کھجورین بھیجین، لیکن انھون نے اس سینی مین سونا بھر کر واپس کیا، ایک بار امام مالک کے پاس زعفران کی بوریان ہدیۃً روانہ کین، ان متفرق عطیون کے علاوہ امام مالک کو سالانہ سو اشرفیان دیتے تھے، ان کے علاوہ اور علما بھی ان کے مال و دولت سے فیضیاب ہوتے تھے، ایک بار منصور بن عمار کو ایک ہزار دینار دئیے، اور فرمایا کہ خدا نے تم کو جو حکمت عطا کی ہے، ان کے ذریعہ سے اس کو محفوظ رکھو، ابن لہیعہ کے گھر مین آگ لگ گئی، تو ہزار دینار سے اس مصیبت مین ان کی مدد کی، وہ اپنے اصحاب کے لئے فالودہ تیار کرواتے تھے، اور ان مین اشرفیان بھر دیتے تھے تاکہ جو شخص جس قدر زیادہ کھائے، اس کے حصہ مین اسی قدر زیادہ اشرفیان آئین،[2]

ایک حدیث مین ہے کہ انسان کے ہر جوڑ پر روزانہ صدقہ واجب ہے، چونکہ انسان کے جسم مین تین سو ساٹھ جوڑ ہوتے ہین، اس لئے غالباً اسی حدیث کی تعمیل مین جب تک وہ ہر روز تین سو ساٹھ مسکینون کو کھانا نہ کھلا لیتے خود کھانا نہ کھاتے،[3]

امام معافی بن عمران (المتوفی ۱۸۵ھ) نہایت دولت مند اور صاحب جائداد تھے، ان کے تلامذہ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۴۱، [2] ابن خلکان جلد اول ص ۴۳۸ و تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۲۰۳، ۲۰۴،
[3] شذرات الذہب جلد اول (ص ۲۸۵،

کی تعداد ۴۳ تھی، اور جب ان کی جائداد کا منافع آتا تو اس سے ان سب کی کفالت کرتے،[1]

امام حفص بن غیاث (المتوفی ۱۹۴ھ) اس قدر فیاض تھے، کہ فرماتے تھے، کہ جو شخص میرا کھانا نہ کھائے گا میں اس کے سامنے حدیث نہ بیان کرون گا، جب وہ عام دعوت دیتے، تو کوئی شخص ایسا نہ تھا، جو اس میں شریک نہ ہوتا،[2]

حافظ عبدالوہاب ثقفی (المتوفی ۱۹۴ھ) کی جائداد کا منافع ۴۰ ہزار تھا، اور وہ یہ کل رقم محدثین پر صرف کردیتے تھے؛[3]

حسین بن حفص (المتوفی ۲۱۲ھ) کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ درہم تھی لیکن اس پر زکوٰۃ کبھی واجب نہین ہوئی، وہ یہ کل رقم محدثین فقہا اور اہل فضل پر صرف کردیتے تھے،[4]

حافظ یحییٰ بن معین بغدادی (المتوفی ۲۳۳ھ) کے باپ نے اپنے مرنے کے بعد لاکھون روپیے چھوڑے تھے لیکن یحییٰ بن معین نے یہ کل رقم علم حدیث پر صرف کردی،[5]

حافظ احمد بن مہدی (المتوفی ۲۷۲ھ) نہایت دولت مند تھے، اور انھون نے اپنی دولت مین سے تین لاکھ درہم اہل علم پر صرف کئے تھے،[6]

بعض علما کی فیاضیان اگرچہ بظاہر حقیر تھین، لیکن ندرت و عجوبگی کے لحاظ سے وہ بھی قابل ذکر ہین، حافظ نجاد (المتوفی ۳۴۸ھ) ہمیشہ صائم الدہر رہتے تھے، اور صرف ایک روٹی سے افطار کرتے تھے لیکن اس روٹی مین سے روزانہ ایک ٹکڑا بچا لیتے تھے، جب جمعرات آتی تھی، تو اس دن کی پوری روٹی صدقہ کردیتے تھے، اور ہفتہ بھر جو ٹکڑے بچاتے تھے، اونہی سے افطار کرلیتے تھے،[7]

امام دعلج بن احمد (المتوفی ۳۵۱ھ) نہایت دولت مند محدث تھے، اور مکہ، عراق اور سجستان کے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۲۶۲ [2] ایضاً ص ۲۷۲ [3] الجواہر المضیۃ جلد اول ص ۲۱۰ [4] ابن خلکان جلد دوم ص ۲۱۵ [5] تذکرۃ الحفاظ جلد ثانی ص ۱۷ [6] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۲۵ [7] تذکرۃ الحفاظ ۱۷۰ ص ۲۹۳

اہلِ حدیث کے لئے مستقل اوقات کر رکھے تھے، ابن حیویہ کا بیان ہے کہ "دعلج مجھ کو اپنے گھر کے اندر لے گئے، اور روپیون کے توڑے دکھا کر کہا کہ جس قدر جی چاہے لے لو"[۱]

حافظ ابو عبداللہ بن ابی ذہل (المتوفی ۳۷۸ھ) نہایت دولت مند اور فیاض تھے، اور محدثین واخیار پر بہت زیادہ احسانات کرتے تھے، وہ ہرات مین جن لوگون کی کفالت کرتے تھے، ان کی تعداد پانچ ہزار سے زیادہ تھی[۲]

ابراہیم بن الحسین (المتوفی ۳۹۰ھ) حنفی المذہب فقیہ تھے، اور اپنے ہم مذہب لوگون پر اپنی دولت صرف کرتے تھے، اور ان کے لئے عمدہ عمدہ اوقاف کئے تھے[۳]

استاد ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر بغدادی (المتوفی ۴۲۹ھ) نہایت دولت مند تھے، اور اپنی دولت اہل علم اور اہلِ حدیث پر صرف کرتے تھے[۴]

خطیب بغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ) نے اپنے مرض الموت مین اپنا کل سرمایہ جس کی تعداد دوسو دینار تھی، اہلِ حدیث، فقہاء اور فقراء کو تقسیم کر دیا، اور اپنی تمام کتابین مسلمانون کے لئے وقف کر دین[۵]

محدث ابو عبداللہ محمد بن یوسف (المتوفی ۵۳۰ھ) نہایت مسافر نواز تھے، اور ان کے پاس جو مسافر آتے تھے، باوجود پیرانہ سالی کے ان کا کھانا خود ان کے پاس لے جاتے تھے، اور بذاتِ خود ان کی خدمت کرتے تھے[۶]

حافظ ابو العلاء ہمدانی (المتوفی ۵۶۹ھ) اپنے شاگردون کا خاص طور پر لحاظ رکھتے تھے، لوگون سے ان کی مالی اعانت کی درخواست کرتے تھے، اور خود ان کو جو کچھ مال و دولت ملتا تھا، اس کو جمع نہین کرتے تھے، بلکہ ان پر صرف کر دیتے تھے، کسی دعوت مین اس وقت تک شریک نہین ہوتے تھے، جب تک

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۹۰، ۹۱ [۲] ایضاً ص ۲۱۳ [۳] الجواہر المضیۃ جلد اول ص ۳۰ [۴] ابن خلکان جلد اول ص ۲۹۸ [۵] ایضاً ص ۳۲ [۶] ایضاً ص ۸

ان کے تلامذہ اس مین شریک نہ ہون، بہت سے لوگون کے وظائف مقرر کر رکھے تھے، اور باوجودیکہ ان کی فتوحات کا دائرہ نہایت وسیع تھا لیکن ہمیشہ ہزارون دینار کے مقروض رہتے تھے[۵۱]

حافظ قاسم (المتوفی سنہ ۶۰۰ھ) نے کبھی اپنی تنخواہ نہیں لی، بلکہ جو طلبہ اُن کے پاس آتے تھے اُن کے لئے اس کو محفوظ رکھتے تھے[۵۲]

حافظ عبد الغنی المقدسی (المتوفی سنہ ۶۰۰ھ) اس قدر فیاض تھے، کہ اپنے پاس کوئی چیز جمع نہین کرتے تھے، راتون کو آٹے کی بوریان لے کر نکلتے تھے، اور جب لوگ دروازہ کھولتے تھے، تو ان کو رکھکر فوراً چلے جاتے تھے، تاکہ لوگ ان کو پہچان نہ سکین، ایک شخص کا بیان ہے کہ مین نے اُن سے زیادہ فیاض کسی کو نہین دیکھا، انھون نے میری جانب سے متعدد بار قرض ادا کئے، ایک شخص نے ان کے پاس کچھ روپئے اور بہت سے گیہون بھیجے، انھون نے سب تقسیم کر دیا، انھون نے ایک بار متصل تین دن تک اپنا رات کا کھانا دوسرون کو دیدیا، اور خود بھوکے رہے[۵۳]

مولی سنان الدین (المتوفی سنہ ۸۹۱ھ) کی فیاضی حد اسراف تک پہونچ گئی تھی، یہان تک کہ جب ان کا انتقال ہوا، تو اُن کے گھر مین ایندھن بھی نہ تھا کہ نہلانے کے لئے پانی گرم کیا جائے[۵۴]

پیر محمد جمال (المتوفی سنہ ۹۳۰ھ) علم وفضل کے ساتھ منصب وزارت پر ممتاز تھے، اور دو مسجدین دو مدرسے اور دو مسافر خانے تعمیر کروائے تھے[۵۵]

مولا ابراہیم پاشا نے ابتدا مین نہایت عسرت کے ساتھ زندگی بسر کی تھی، لیکن اخیر مین درجہ وزارت تک پہونچ گئے، اور لوگون کے ساتھ نہایت فیاضانہ برتاؤ کئے یہان تک کہ ان کے باورچی خانہ سے روزانہ قسطنطنیہ کے چھ سو فقراء کو کھانا ملتا تھا، اس فیاضی کا نتیجہ یہ ہوا، کہ مرنے کے بعد ان کے پاس اٹھ ہزار

---

۵۱ تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۱۲۰، ۵۲ ایضاً صفحہ ۱۶۱، ۵۳ ایضاً صفحہ ۱۷۰، ۵۴ الشقائق النعمانیہ برحاشیہ ابن خلکان جلد ۱ ص ۱۹۷، ۵۵ ایضاً ص ۳۵۱،

ہزار درہم سے زیادہ نہ نکلے،[1]

ہمارے علمار کی ایک خاص اخلاقی خصوصیت یہ ہے کہ باوجود زہد وقناعت اور مجاہدہ و ریاضت کے ان میں رہبانیت کبھی نہیں پیدا ہوئی، اس لئے ان کی اخلاقی حالت عیسائی راہبوں سے بالکل مختلف رہی ابتدا مین مسیحیت کا یہ قانون تھا کہ کسی مسیحی کو مسلح نہیں رہنا چاہئے، بعد کو اگرچہ مسیحیون کا داخلہ فوج میں حرام نہیں رہا، تاہم مذہبی حلقون مین اسے پسندیدگی سے اب بھی نہیں دیکھا جاتا تھا، کیونکہ مسیحی و مشرکانہ تخیل اخلاق ہی مین زمین وآسمان کا فرق تھا، مشرکون کا مطمح نظر وطن تھا، اور ان کے نزدیک وطن پرستی وسپہ گری زبدۃ الفضائل تھے، بخلاف اس کے مسیحی نصب العین ثواب آخرت تھا، اور اس نقطۂ خیال سے ترک دنیا اور رہبانیت کو راس الحسنات کا مرتبہ حاصل تھا، چنانچہ چوتھی، اور پانچوین صدی مین جوانانِ صالح کی تعداد کثیر برابر فوج سے منتقل ہو ہو کر زاہدون اور راہبون کی صف مین شامل ہوتی جاتی تھی، لیکن اسلام کی حالت اس سے بالکل مختلف تھی، اس نے ابتدا ہی سے جہاد کو راس الفضائل قرار دیا، اس لئے اسلام مین برگزیدگی وسپہ گری کے ڈانڈے باہم مل گئے[2] صحابۂ کرام کے بعد متعدد برگزیدہ علما نے اپنے گوشۂ خلوت سے نکل کر جہاد مین شرکت کی، شیخ الاسلام ابوسعید بصری (المتوفی سنہ ۱۱۰ھ) عمر بھر مصروف جہاد رہے، مسلمانون کی اخلاقی تاریخ مین خارجیون کی شجاعت مشہور ہے، اور خارجیون مین قطری بن الفجاۃ شجاعت مین تمام خارجیون سے ممتاز سمجھا جاتا تھا، لیکن شیخ الاسلام ابوسعید بصری اس وصف مین قطری بن الفجاۃ کے ہم پایہ تھے، اور ان کا نام اس کے ساتھ لیا جاتا تھا،[3] امام احمد بن شبویہ (المتوفی سنہ ۲۳۰ھ) ہمیشہ جہاد کرتے، اور قیدیون کو چھڑاتے رہے[4]

امام مروزی المتوفی سنہ ۲۹۴ھ اسلام کی حمایت و مدافعت مین نہایت مشہور تھے، ایک بار وہ جہاد کے لئے روانہ ہوئے تو لوگون نے سامرا تک ان کی مشایعت کی، وہ ان کو واپس کرتے تھے، لیکن لوگ واپس نہیں

---

[1] شقائق النعمانیہ برحاشیہ ابن خلکان جلد اول ص ۲۳۱، ۲۳۲، [2] تاریخ اخلاق یورپ جلد دوم ص ۱۵۰، ۱۵۹، [3] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۷۱ [4] ایضاً جلد دوم ص ۷۴،

ہوتے تھے، چنانچہ جو لوگ ان کے ساتھ ساغرا گئے، اُن کا شمار کیا گیا، تو ان کی تعداد پچاس ہزار تک پہونچی،[1]

حافظ ابو احمد قصاب کی زندگی کا خاص مشغلہ جہاد تھا، چونکہ انھون نے غزوات مین کثرت سے کافرون کو قتل کیا تھا، اسلئے انکا لقب قصاب ہو گیا،[2]

حافظ حنینک (المتوفی ۳۰۵ھ) نے متعدد بار خود جہاد مین شرکت کی، اور ایک بار دس آدمیون کو اپنا قائم مقام بنایا، اور ان کو مسلح کر کے جہاد کی شرکت کے لئے بھیجا، اور ان کے مصارف خود برداشت کئے،[3]

یوسف بن درناس الفندلاوی المغربی دمشق مین حدیث کا درس دیتے تھے، ۵۴۳ھ مین عیسائیون نے دمشق پر حملہ کیا، تو اہل دمشق ان سے لڑنے کیلئے نکلے، یوسف بن درناس بھی ان لوگون کے ساتھ شریک جہاد ہوئے، ابھی جنگ شروع نہین ہوئی تھی، کہ مسلمانون کے سپہ سالار سے ان کی ملاقات ہو گئی، وہ پیدل چلنے کی وجہ سے نہایت خستہ ہو گئے تھے، سپہ سالار نے یہ حالت دیکھی تو کہا کہ آپ واپس جائیے، بڑھاپے کی وجہ سے آپ معذور ہین، بولے مین واپس نہ جاؤن گا، ہم نے بیچ دیا، اور خدا نے ہم سے خرید لیا، اس سے اُن کا اشارہ اس آیت کی طرف تھا،

ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین	خدا نے مسلمانون سے ان کی جان و مال کو
انفسھم واموالھم بان لھم	جنت کے معاوضے مین خرید لیا، وہ لوگ
الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ،	خدا کی راہ مین لڑتے ہین

چنانچہ لڑے اور شہید ہوئے[4]

علامہ ابن تیمیہ (المتوفی ۷۲۸ھ) نے بڑی بڑی پر خطر مہمات مین حصہ لیا، ۶۹۹ھ مین غازان خان نے شام پر حملہ کرنا چاہا اور قتلو شاہ اور تولائے جو اس کے سپہ سالار تھے، فوجین لے کر آگے بڑھے تو علامہ ابن تیمیہ نے جا کر ان سے گفتگو کی، اور ان کو اس ارادہ سے روکا ساتھ ہی جہاد کا سامان کیا، اور ہر قسم

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد دوم ص ۲۰۷، [2] ایضاً جلد ۳ ص ۱۵۰، [3] ایضاً صفحہ ۱۷، [4] معجم البلدان جلد ۶ صفحہ ...،

کی تیاریان شروع کین، اوس وقت تو یہ فتنہ فرو ہو گیا، لیکن سال بھر کے بعد تاتاریون کا سیلاب پھر امنڈا تو علامہ ڈاک مین بیٹھ کر مصر گئے، اور اعیان سلطنت سے مل کر ان کو جہاد کی ترغیب دی، اور دمشق مین واپس جاکر خود جہاد کی تیاریان کین،

مولی محی الدین محمد بن عمر (المتوفی ۹۳۸ھ) نے مختلف بادشاہون سے تعلقات رکھے، اور سب کے ساتھ شریک جہاد ہوئے، سلطان بایزید خان ان کا نہایت معتقد تھا، وہ اس کے ساتھ ایک جہاد مین شریک ہوئے، اور قلعہ مشون کو فتح کیا، قسطنطنیہ مین وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض نہایت بیباکانہ طور پر ادا کرتے تھے، اور ملاحدہ اور صوفیہ ان کی زد مین آتے تھے، وہ سلطان سلیم خان کے زمانہ مین روم مین آئے اور اس کو قزلباش کے ساتھ جہاد کرنے پر آمادہ کیا، اور اس کے لئے جہاد اور اس کے فضائل پر ایک عمدہ کتاب لکھی، وہ اس گروہ کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے روانہ ہوا، تو وہ اس کے ہمراہ تھے، اور راستے مین فوج کو وعظ و پند کرتے تھے، اور اس کو جہاد کا ثواب بتاتے تھے، جب دونون فوجون مین گھسان کی لڑائی ہوئی، تو بادشاہ نے ان کو دعا کرنے کا حکم دیا، انھون نے دعا کی، اور خدا کے فضل سے دشمن کو شکست ہوئی، اس کے بعد وہ ۹۲۲ھ مین ایک اور جہاد مین شریک ہوئے اور خدا نے فتح دی،[۱]

ان محاسن اخلاق کے علاوہ ہمارے علما مین اور بھی سینکڑون قسم کے فضائل اخلاق پائے جاتے تھے، مثلاً علامہ مزنی (المتوفی ۲۶۴ھ) کے زہد و تورع کا یہ حال تھا، کہ وہ سال کی ہر فصل مین صرف پیتل کے کوزے کا پانی پیتے تھے، ان سے اس کی وجہ دریافت کی گئی، تو بولے کہ مٹی کے کوزے اوپلے سے پکائے جاتے ہین، اور آگ ان کو پاک نہین کرتی،[۲]

ابوجعفر محمد بن احمد بن نصر ترمذی (المتوفی ۲۹۵ھ) نے اپنے زہد و ورع اور صبر کی وجہ سے سترہ دن صرف پانچ دانون پر بسر کئے، ان کو مہینے مین صرف چار درہم ملتے تھے، لیکن وہ اس کے علاوہ اور کسی سے کچھ

---

[۱] شقائق النعمانیہ برحاشیہ ابن خلکان جلد اول ص ۴۶۳، ۴۶۴، [۲] ابن خلکان جلد اول ص ۷۱،

نہین مانگتے تھے[۱]

شیخ مصلح الدین توجوی اس قدر زاہد و متورع تھے، کہ ایک بار انھون نے اپنے ایک شاگرد کو گیہون پسوانے کے لئے دیئے، وہ گیہون لے کر گئے تو لوگون نے محض شیخ کی خاطر سے ان کو اپنے آپ سے پہلے گیہون پسوانے کا موقع دیا، وہ گیہون پسوا کر پلٹے، تو انھون نے اس قدر جلد پلٹنے کی وجہ پوچھی، انھون نے واقعہ بیان کیا تو خاموش ہوگئے، اور گھر کے صحن کے ایک گوشے مین جاکر ایک گڑھا کھودا، اور اس مین آٹے کو دفن کر دیا، شاگرد نے اس کی وجہ پوچھی تو بولے کہ اس آٹے کا کھانا جائز نہین، اور مین نے اس کو اس لئے دفن کر دیا کہ اس کو میرے کتے بھی کھانے نہ پائین[۲]،

تمام محاسن اخلاق کا سرچشمہ صبر وضبط ہے، اور ہمارے علما مین زہد و قناعت، استغنا اور حق گوئی کے جو اوصاف پیدا ہوگئے تھے، وہ اسی صبر وضبط کا نتیجہ تھے، محمد بن عبداللہ بن دینار (المتوفی ۲۳۳ھ) دن کو روزہ رکھتے تھے، رات کو عبادت کرتے تھے، فقر و فاقہ پر صابر رہتے تھے، صرف اپنے دست و بازو کی کمائی پر گذر اوقات کرتے تھے، اور کھانے پینے سے جو کچھ بچ رہتا تھا، اوس کو صدقہ کر دیتے تھے[۳]،

ابوزید محمد بن احمد قاشانی (المتوفی ۳۷۱ھ) کے وطن مین سخت سردی پڑتی تھی لیکن فقر و فاقہ کی وجہ سے پورا جاڑا بغیر جبّہ کے بسر کر دیتے تھے، لوگون نے اس کی وجہ پوچھی، تو بولے کہ مجھے ایک ایسا مرض ہے جس کی وجہ سے مین روئی دار کپڑا نہین پہن سکتا، یہ مرض کیا تھا؟ ان کا فقر و فاقہ، لیکن انھون نے اس کا اظہار صراحۃً اس لئے نہین کیا کہ وہ اپنے اندرونی حالات کو لوگون سے چھپاتے تھے[۴]،

ابو محمد القاسم بن فیرۃ المقری (المتوفی ۵۹۰ھ) سخت سے سخت امراض مین مبتلا ہوتے تھے لیکن نہ کراہتے تھے، نہ حرف شکایت ان کی زبان پر آتا تھا جب ان کا حال پوچھا جاتا تھا، تو بجز اس کے کہ

---

[۱] ابن خلکان جلد اول ص ۵۰۳ [۲] شقائق النعمانیہ برحاشیہ ابن خلکان جلد اول ص ۴۰۰ [۳] الجواہر المضیہ جلد ۲ ص ۶۶ [۴] ابن خلکان جلد اول ص ۴۶۱،

اچھا ہون" اور کچھ نہین کہتے تھے[1]،

عبد اللہ بن داؤد و خریبی (المتوفی ۲۱۳ھ) اس قدر سچے تھے، کہ ان کا بیان ہے کہ مین بچپن مین صرف ایک بار جھوٹ بولا تھا، میرے باپ نے کہا کہ تم مکتب مین گئے تھے، مین نے کہا ہان حالانکہ مین مکتب مین نہین گیا تھا[2]"

مولی حمید الدین بن افضل الدین (المتوفی ۹۰۸ھ) سلطان محمد خان کے زمانہ مین قاضی تھے، لیکن ان کے حلم کا یہ حال تھا، کہ ایک بار ایک عورت نے ایک مرد کے خلاف اُن کے اجلاس مین دعوی دائر کیا، انھون نے مرد کے حق مین فیصلہ کیا، تو عورت نے ان کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا لیکن انھون نے اس سے زیادہ اور کچھ نہین کہا کہ اپنی جان کو زحمت مین نہ ڈالو، خدا کا حکم بدل نہین سکتا اگر تمھارا یہ مقصد ہے، کہ مین تم پر غصہ کرون تو اوس کی توقع نہ رکھو[3]"

مولی محی الدین (المتوفی ۹۵۰ھ) اس قدر متواضع و خاکسار تھے، کہ بازار سے اپنا سودا خود خرید کر لاتے تھے، حالانکہ لوگ ان کی خدمت کے لئے تیار رہتے تھے، لیکن وہ محض تواضع وخاکساری سے اُن کی خدمات کو قبول نہین کرتے تھے[4]،

حضرت یوسف علیہ السلام کی عفت و پاکدامنی کا قصہ مشہور ہے لیکن علماے اسلام مین بھی بعض بزرگون نے اسی قسم کی عفت و پاکدامنی کی مثال قائم کی، سلیمان بن یسار مدنی (المتوفی ۱۰۷ھ) نہایت حسین و جمیل تھے، ایک بار ایک عورت اُن کے پاس آئی، اور ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا، لیکن وہ گھر سے بھاگ گئے[5]،

---

[1] ابن خلکان جلد اول ص ۲۲۴ [2] الجواہر المضیئہ جلد اول ص ۲۷۵ [3] شقائق النعمانیہ برحاشیہ ابن خلکان جلد اول ص ۱۹۳-۱۹۴ [4] شقائق النعمانیہ برحاشیہ ابن خلکان جلد اول ص ۴۵۷، [5] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۸۰،

حضرت سعید بن جبیر (المتوفی ۹۵ھ) اپنے پاس کسی کو غیبت کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے[۱]

واقدی (المتوفی ۲۰۷ھ) اسلام کے ایک مشہور عالم ہیں، ان کا بیان ہے کہ میرے دو دوست تھے، جن میں ایک ہاشمی تھا، ہم میں اس قدر اتحاد تھا کہ یک جان سہ قالب ہو گئے تھے، ایک بار میں سخت تنگدستی میں مبتلا ہو گیا، اسی حالت میں عید کا زمانہ آگیا، اور میری بی بی نے کہا کہ ہم لوگ تو خود صبر کر سکتے ہیں لیکن بچوں کی حالت دیکھ کر میرا کلیجہ پھٹا جاتا ہے، کیونکہ وہ ہمسایوں کے بچوں کو دیکھیں گے کہ وہ عمدہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں، اور وہ اس پھٹے حال میں ہیں، تو ان کا کیا حال ہوگا ؟ اگر کسی حیلہ سے کچھ روپیہ پیدا کر سکتے تو میں ان کے لئے کپڑے بنوا دیتی، میں نے اپنے ہاشمی دوست کو لکھا، اور اعانت کی درخواست کی تو اس نے ایک مہر بند تھیلی جس میں ہزار درہم تھے، بھیجدی، اسی حالت میں میرے دوسرے دوست نے مجھ کو ایک خط لکھا، اور وہی احتیاج ظاہر کی جس کا اظہار میں اپنے ہاشمی دوست سے کر چکا تھا، میں نے وہ مہر بند تھیلی اس کے پاس بھیج دی، اور خود مسجد میں چلا گیا، اور اسی میں رات بسر کی، کیونکہ مجھے بی بی کے پاس جاتے ہوئے شرم آتی تھی، لیکن جب میں بی بی کے پاس گیا، تو اس نے میرے اس فعل کو پسند کیا، اور مجھ کو سرزنش نہیں کی، اسی حالت میں میرا ہاشمی دوست تھیلی کو اسی مہر بند حالت میں لے کر آیا، اور کہا کہ سچ سچ بتاؤ کہ تم نے میری بھیجی ہوئی تھیلی کیا کی ؟ میں نے اصلی واقعہ بیان کر دیا، تو اس نے کہا کہ جب تم نے مجھ سے اعانت کی درخواست کی تو میرے پاس اس تھیلی کے سوا اور کچھ نہ تھا، اس لئے میں نے اپنے دوسرے دوست سے اعانت کی درخواست کی، تو اس نے میرے پاس خود میری ہی مہر بند تھیلی بھیجدی، غرض ہم نے پہلے اپنی بی بی کے لئے سو درہم نکال دیئے پھر اور رقم کو باہم تقسیم کر لیا، اس واقعہ کی اطلاع مامون کو ہوئی تو اس نے مجھے بلا کر واقعہ کو دریافت کیا اور ہم سب کو سات ہزار دینار دلوائے، جن میں دو دو ہزار ہمارے اور ایک ہزار میری بی بی کا حصہ تھا،[۲]

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۷۰، [۲] ابن خلکان جلد اول ص ۵۰۶،

امام ابو حنیفہؒ (المتوفی سنہ ۱۵۰ھ) کے پڑوس مین ایک موچی رہتا تھا، وہ دن بھر تو کام کرتا تھا، شام کو اپنے گھر گوشت یا مچھلی لے کر آتا تھا، اور ان کو بھون کر کھاتا تھا، اور شراب پیتا تھا، اور جب شراب کے نشے مین خوب چور ہو جاتا تھا، تو یہ شعر پڑھتا تھا۔

اضاعونی وای فتی اضاعوا   لیوم کریھۃ وسداد ثغر

لوگون نے مجھ کو ضائع کر دیا، اور کیسے بہادر کو ضائع کیا جو لڑائی مین ان کے کام آتا،

اسی طرح مستقل شراب پیتا جاتا تھا، اور بار بار یہی شعر پڑھتا تھا،

امام ابو حنیفہؒ رات کو نماز پڑھتے تو اس کا شور و شغب سنتے، ایک روز رات کو اُن کے کان مین اس کی آواز نہین آئی، تو لوگون سے دریافت کیا، معلوم ہوا کہ اس کو پولیس گرفتار کرلے گئی اور وہ قید خانے مین ہے، وہ دوسرے روز فجر کی نماز پڑھ کر امیر کی خدمت مین گئے، اور اس سے اوس کی رہائی کی درخواست کی، امیر نے اوس کو اور اس رات جتنے لوگ گرفتار ہوئے تھے، سب کو رہا کر دیا، اب امام ابو حنیفہؒ چلے تو موچی ساتھ ساتھ تھا، سواری سے اتر کر اس کے پاس گئے، اور پوچھا کہ "کیا ہم نے تم کو ضائع کر دیا؟" بولا نہین آپ نے ہماری حفاظت کی اور حق ہمسائگی کا لحاظ رکھا، اس کے بعد اس نے شرابخواری سے توبہ کی، اور دوبارہ شراب نہین پی[۱]

امام شعبی (المتوفی سنہ ۱۰۵ھ) اپنے غلامون اور رشتہ دارون کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک کرتے تھے، ان کا بیان ہے کہ اگر میرا کوئی قریبی عزیز مقروض مرجاتا تھا، تو مین اس کا قرض ادا کرتا تھا، اور مین نے اپنے کسی غلام کو کو کبھی نہین مارا،[۲]

امام حسن بن زیاد (المتوفی سنہ ۲۰۴ھ) نہایت متبع سنت تھے، چونکہ حدیث مین آیا ہے کہ

---

[۱] ابن خلکان جلد دوم ص ۱۶۴،

[۲] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۷۰،

غلامون کو وہی کپڑا پہنا و جو تم خود پہنتے ہو، اس لئے وہ اپنے غلامون کو بھی وہی کپڑا پہناتے تھے، جو خود پہنتے تھے[1]

مولی شمس الدین محمد بن حمزہ فناری (المتوفی ۸۳۴ھ) نہایت دولت مند عالم تھے، ان کے پاس بہت سے لونڈی غلام تھے، جن کو نہایت عمدہ کپڑے پہناتے تھے، لیکن خود معمولی درجہ کا کپڑا پہنتے تھے[2]،

---

[1] الجواہر المضیہ جلد اول ص ۱۹۳ [2] تذکرۃ النعمانیہ برحاشیہ ابن خلکان جلد اول ص ۷۷

سلسلۃ الذہب کی تاریخ تصنیف

از

جناب مولوی مسعود حسن صاحب شمسی ایم۔ اے، کلکتہ

مولانا نور الدین عبد الرحمن جامی (۸۱۷-۸۹۸ھ) کی بعض مثنویوں اور خاص طور پر ان کی سلسلۃ الذہب کے متعلق یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ کب تصنیف ہوئی، دولت شاہ، تحفہ سامی، آتشکدۂ آذر[1]، مجالس النفائس، مجمع الفصحا، اور دوسرے تذکرے اس ذکر سے خالی ہیں، خود مثنوی مذکور میں ایک جگہ تاریخ تصنیف ضرور درج ہے، مگر وہ مبہم اور غیر واضح ہونے کے علاوہ زیادہ سے زیادہ کتاب کے ایک خاص حصے کی تاریخ قرار دی جا سکتی ہے، دوسری طرف کتاب کے قلمی نسخوں سے خواہ وہ مولانا کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہوں، یا دوسروں کے ہاتھ کے جو شہادتیں ملتی ہیں، وہ اس سلسلے میں اطمینان بخش فیصلہ کرنے کے لئے بالکل ناکافی ہیں، بہر حال اب تک جن ذرائع سے اس مسئلہ پر تھوڑی یا بہت روشنی پڑ سکی ہے، وہ یہ ہیں :-

(۱) مولانا کا ایک شعر جس سے تاریخ تصنیف نکلتی ہے،

(۲) لینن گراڈ کا قلمی نسخہ (روسی مخطوطہ نمبر ۸۰)

(۳) پٹنہ لائبریری کا قلمی نسخہ (مخطوطہ نمبر ۱۸۵)

---

[1] آتشکدہ میں صرف اس قدر ہے کہ "دیوان غزلیات و رباعیات تمام کردہ ہفت مثنوی بسلک نظم در آوردہ مشہور بہ سبعۃ الحق" طبع بمبئی ص ۷۳،

(۴) انڈیا آفس کا قلمی نسخہ (دیکھئے، مخطوطہ نمبر ۱۳۲۳)

(۱) شعر | سلسلۃ الذہب دفتر دوم کے خاتمہ پر آخری چند شعرون مین مولانا نے یہ معذرت پیش کی ہے کہ وہ زمانہ کی سرد مہریون کی بنا پر اس دفتر کو دفتر اول کی طرح طول نہ دے سکے اور پھر اونھون نے ایک شعر مین ابجد کے قاعدے سے تاریخ تصنیف بتائی ہے، جو سنہ ۸۹۰ھ ہے، چنانچہ اسی شہادت کی بنا پر روسن[۵۱] پروفیسر براؤن[۵۲]، پروفیسر محفوظ الحق[۵۳]، مولوی عبد المقتدر[۵۴] اور دیگر مستشرقین اور محققین نے مثنوی کی تاریخ تصنیف ۸۹۰ھ قرار دی ہے،

مولینا فرماتے ہین :-

بود در دل چنان کہ این دفتر | بود از نصف اولین کمتر
لیک خامہ ز جنبش بیوست | چون بدین جا رسید سر بشکست
چرخ اگر باز بگذرد زستیز | سازدم کز لک عزیمت تیز
دہم از سر تراش آن خامہ | برسانم بمقطع این نامہ
ورنہ آنزا کہ خاطر صافی ست | این قدر ہم کہ گفتہ شد کافی ست
داشت جد ی و بیر چرخ برین | در رقم کردن حروف سنین
چون ز قوس بصاد وضاد رسید[۵۵] | خامہ را حکم ایستادہ رسید

ض = ۸۰۰ + ص = ۹۰ = ۸۹۰

---

[۵۱] فہرست مخطوطات فارسی سینٹ پیٹرسبرگ، ص ۵۰۲ [۵۲] تاریخ ادبیات ایران جلد سوم ص ۵۱۶،
[۵۳] اسلامک کلچر حیدرآباد سنہ ۱۹۲۷ء ص ۲۰۰ [۵۴] فہرست مخطوطات عربی و فارسی، پٹنہ لائبریری، جلد دوم ص ۳۴
[۵۵] مولانا کے یہان اس طرح کی تاریخ گوئی کی اور مثالین بھی ملتی ہین، فاتحۃ الشباب کی تاریخ تصنیف ملاحظہ فرمائیے:

از گو ہر سال نظم این عقد درر | بر روے صدف نہاد یکدانہ گہر

(صدف = ۸۸۸ھ)

ہم برین حرف این خجستہ کلام ختم شد والسلام والاکرام

(۲) لینن گراڈ کا نسخہ | مولانا کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخوں میں لینن گراڈ کا نسخہ اس لحاظ سے بہت قیمتی ہے کہ اس میں سلسلۃ الذہب کے تینوں دفتر موجود ہیں، سب سے پہلے وہ ساتوں مثنویاں ہیں جو ہفت اورنگ کے نام سے مشہور ہیں، اور ان میں سب سے پہلے سلسلۃ الذہب کو جگہ دی گئی ہے، اس کے بعد وہ تینوں دیوان ہیں جو فاتحۃ الشباب واسطۃ العقد اور خاتمۃ الحیوٰۃ کہلاتے ہیں، اس نسخے میں دفتر دوم کے خاتمہ پر مندرجہ ذیل تحریر ثبت ہے جس سے نہ صرف یقینی طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ یہ نسخہ مولانا کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، بلکہ دفتر دوم کی تاریخ تصنیف پر بھی روشنی پڑتی ہے،

راقم الکتاب ناظمہٗ وَھُوَ الفقیر عبد الرحمٰن الجامی عفی عنہ فی الحادی عشر من ذی الحجۃ سنۃ ۸۹۰ھ[1]

(۳) پٹنہ لائبریری کا نسخہ | پٹنہ لائبریری کا یہ نسخہ لینن گراڈ کے نسخے کی طرح مولانا کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، اس میں پہلے دفتر کے علاوہ جامی کی وہ غزلیں بھی ملتی ہیں، جو انھوں نے پچاس سال کی عمر میں سلطان ابو سعید (المتوفی ۸۷۳ھ) کے لئے لکھی تھیں، اور جن کو بعد میں یعنی ۸۸۴ھ میں انھوں نے اپنے پہلے دیوان فاتحۃ الشباب میں شامل کر لیا تھا، اس نسخہ پر گو سال کتابت درج نہیں ہے، مگر سرورق پر مولانا کی مندرجہ ذیل تحریر ہے جس میں انھوں نے اپنے منجھلے صاحبزادے ضیاء الدین یوسف کی تاریخ ولادت قلبند کی ہے، جو ۹ شوال ۸۸۲ھ کو پیدا ہوئے تھے :-

"ولادت فرزند ارجمند ضیاء الدین یوسف ابقاہ اللہ تعالیٰ نباتاً حسناً فی نصف الاخیر من

---

[1] فہرست مخطوطات فارسی سینٹ پیٹرس برگ ص ۵۹۰، ۲۱۵ اس نسخہ میں مثنویوں کے خاتمہ پر ایک عبارت منقوش فی ۷ من ذی الحجۃ سنۃ ۸۹۰ھ پائی جاتی ہے، جسے عام طور پر نسخہ کا سنہ کتابت سمجھا جاتا ہے، مگر خاکسار کی ناچیز رائے میں یہ مثنوی خرد نامۂ سکندری کی تاریخ تصنیف ہے،

لیلۃ الاربعاء التاسع من شہر شوال سنۃ اثنین وثمانین وثمانمائۃ والکاتب ابوہ الفقیر عبدالرحمٰن ابن احمد الجامی"

اس عبارت کے علاوہ اسی صفحہ پر مولانا سری، مولانا نظام الدین بن مولانا شمس الدین خوافی اور مولانا صبوری کے چند اشعار بھی لکھے ہوئے ملتے ہیں، جن سے صاحبزادے کی پیدائش کی تاریخ نکلتی ہے[۱]، یہ سب تحریریں بلاشبہہ مولانا جامی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں، کیونکہ اصل کتاب کی تحریرین اور ان میں بڑی مشابہت پائی جاتی ہے، اس کے علاوہ مولانا کے ہم زلف وہم عصر مولانا فخر الدین علی بن الحسین الواعظ الکاشفی (المتوفی ۹۳۹ھ) مصنف رشحات عین الحیوۃ[۲] کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ تحریر ان کی نظر سے گذر چکی ہے، اور وہ بھی اسے مولانا ہی کی تحریر سمجھتے ہیں[۳]۔

۴۔ انڈیا آفس کا نسخہ | پٹنہ لائبریری کے نسخے کی طرح اس پر بھی تاریخ کتابت درج نہیں ہے اگر پہلے اور دوسرے دفتر کے اختتام پر دو عبارتیں ملتی ہیں، جو ایک ہی شخص کے ہاتھ کی لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہیں، اور چونکہ یہ اصل کتاب کی تحریر سے نہیں ملتیں، اور دوسرے ان کے لئے جگہ بھی نہیں چھوڑی گئی ہے، اس لئے معلوم ہوتا ہے، کہ غالبًا بعد میں بڑھا دی گئی ہیں، پہلے دفتر کے آخر میں یہ عبارت ہے:

---

[۱] فہرست مخطوطات عربی و فارسی پٹنہ لائبریری جلد دوم ص ۱۷ - ۷۶ [۲] جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی گریٹ برٹین و آئرلینڈ کی تازہ اشاعت (۱۹۴۵ء جزء سوم وچہارم) سے یہ اطلاع ملی کہ رشحات کانپور میں چھپ گئی ہے، مگر اب تک میری نظر سے نہیں گذری ہے، میں نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے تین قلمی نسخوں (نمبر پی ۲۵۲ پی، ۲۵۳، پی ۲۵۴) سے استفادہ کیا ہے، ان میں پہلا نسخہ جس پر سنہ کتابت ۹۹۵ھ درج ہے سب سے قدیم ہے، اس لئے اس مقالہ میں حوالے اسی سے دیئے گئے ہیں [۳] رشحات قلمی نسخہ، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ورق ۱۱۱ ب نیز ملاحظہ فرمائیے پروفیسر محفوظ الحق کا مقالہ "جامی اور ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے" جو اسلامک کلچر حیدرآباد (۱۹۳۲ء ص ۱۲-۴۰۰) میں شائع ہوا تھا، موصوف نے اس مقالہ کے ساتھ مولانا کی ان تحریروں کا فوٹوگراف بھی شائع کیا تھا

"چون سابقاً اشارت بتاریخ نظم این دفتر شدہ بود اینجا تاریخ نوشتہ نہ شد،

پیشتر زین ہشتصد وہشتاد بد عایش رسول دست کشاد

دوسرے دفتر کے آخر مین یہ تحریر ہے :-

"از ہجرت نبوت ہشتصد و نود سال بود کہ این دفتر ختم شد[1]"

دفتر دوم کی تاریخ | ان چار شہادتون کو سامنے رکھ کر صرف اس قدر وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے، کہ دفتر دوم کی تاریخ تصنیف ۸۹۰ھ ہے، اور دفتر اول اس سے بہت پہلے مکمل ہو چکا تھا، گو تاریخ کی تعیین مشکل ہے، ۸۹۰ھ کو دفتر اول کا سال تصنیف تصور کرنا بالکل مستبعد معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ایک طرف پٹنہ لائبریری کے نسخے پر مولانا کی ۸۸۲ھ کی تحریر یہ ثابت کرتی ہے، کہ دفتر اول ۸۸۲ھ مین موجود تھا، دوسری طرف انڈیا آفس کے دفتر اول پر جو تحریر ہے، اس کے سنہ کو تاریخ تصنیف تسلیم کیا جائے، یا تاریخ کتابت دونون صورتون مین یہ ماننا پڑے گا، کہ دفتر اول ۸۸۲ھ مین یا اس سے پہلے تمام ہو چکا تھا، چنانچہ اسی شہادت کی بنا پر ایتھے نے فہرست مخطوطات فارسی بوڈلین لائبریری مین اکثر مستشرقین اور اہل علم کے خلاف سلسلۃ الذہب کی تاریخ تصنیف ۸۹۰ھ ۔ ۸۸۰ھ لکھی ہے[2]، ۸۹۰ھ کو دفتر دوم کے علاوہ دفتر اول کی تاریخ قرار دینے مین سب سے بڑی دقت مولانا کے سفر حج کے اس واقعہ سے پیدا ہوتی ہے، جو انھیں بغداد مین پیش آیا، مولانا کا یہ سفر بالاتفاق ۸۷۷ھ مین ہوا، اور مولانا کاشفی نے رشحات مین جو ۹۰۹ھ مین یعنی مولانا جامی کی وفات کے کل دس[3] سال

---

[1] فہرست مخطوطات فارسی انڈیا آفس لائبریری جلد اول کالم ۵۶۷ مطبوعہ ۱۹۰۳ء نیز مقالہ جامی کے سلسلۃ الذہب کی تاریخ از مسٹر براؤن جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی، گریٹ برٹین وائرلینڈ، ۱۹۲۵ء جز سوم وچہارم ص ۱۶۶ [2] جلد دوم کالم ۱۵۶۹ مطبوعہ ۱۹۳۰ء،

[3] مسٹر براؤن نے رشحات کی تاریخ تصنیف ۹۱۸ھ بتائی ہے، اور اس حساب سے یہ مدت بیس سال

بعد لکھی گئی، یہ تصریح کی ہے، کہ جامی کے جو اشعار ان پر حضرت علیؓ کی توہین کا الزام قائم کرنے کے لئے پیش کئے گئے تھے، وہ سلسلۃ الذہب کے دفتر اول سے لئے گئے تھے[۱]، اس لئے ظاہر ہے کہ دفتر اول اس واقعہ سے پہلے مکمل ہو چکا تھا،

اب اس سلسلہ کی ایک اور شہادت سامنے رکھئے،

مسٹر روبرٹسن کا نسخہ سلسلۃ الذہب دفتر اول کے ایک خطی نسخے مین جو پہلے ایڈورڈ ہیرن ایلن کی ملک تھا، اور اب مشہور روسی مستشرق پروفیسر منیورسکی کے شاگرد مسٹر ڈی ایس، روبرٹسن کے پاس محفوظ ہے، کتاب کے خاتمے پر مولانا جامی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک عبارت پائی جاتی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دفتر اول یکم ذی قعدہ ۸۷۶ھ کو مکمل ہوا عبارت کی نقل یہ ہے:-

"فرغ الناظم عفا اللہ عنہ من نظم ہذا الکتاب بعد صلوٰۃ یوم الجمعۃ غرۃ ذی القعدۃ سنۃ ست وسبعین وثمانمائۃ تمام شد کتابہ ششم ذی الحجۃ اربع وثمانین وثمانمائۃ[۲]۔"

دفتر اول کی تاریخ مسٹر روبرٹسن کے نسخہ پر جو عبارت درج ہے اس کی پیروی کرتے ہوئے اگر دفتر اول کی تاریخ تصنیف ۸۷۶ھ مان لی جائے، تو ایک طرف کسی اہم دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا ہے، اور دوسری طرف متعدد شہادتون کی تائید ہو جاتی ہے، سلطان حسین بن بیقرا کی طرف

(بقیہ حاشیہ ص ۴۱) قرار دی ہے: (جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی گریٹ برٹین و آئرلینڈ ۱۹۴۵ء جزء سوم و چہارم ص ۱۶۶) حالانکہ یہ غلط ہے، رشحات ۹۰۹ھ مین لکھی گئی، (براؤن، تاریخ ادبیات ایران جلد سوم، ص ۴۴۴) خود "رشحات" سے یہی تاریخ نکلتی ہے [۱] ورق ۱۰۰، ب،

[۲] جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی گریٹ برٹین و آئرلینڈ ۱۹۴۵ء، جزء سوم و چہارم ص ۱۶۰-۱۶۵، "مقالہ جامی کے سلسلۃ الذہب کی تاریخ از مسٹر روبرٹسن، فاضل مقالہ نگار نے اس اہم عبارت کا عکس بھی اس مقالہ کے ساتھ شائع

دفتر اول کا انتساب جیسا کہ تذکرون مین بیان کیا جاتا ہے، بڑی آسانی سے ہو سکتا ہے، کیونکہ اس کا عہدِ حکومت ۸۷۲ھ سے ہو کر ۹۱۱ھ مین ختم ہوتا ہے۔ انڈیا آفس کے دفتر اول پر ۸۸۰ھ کی تاریخ بظاہر متعارض معلوم ہوتی ہے لیکن اولاً تو اس عبارت کا مفہوم سمجھ مین نہین آتا ہے، اور پھر یہ پتہ نہین چلتا، کہ اس کا لکھنے والا کون ہے، اس لئے وہ زیادہ سے زیادہ سال کتابت قرار دی جا سکتی ہو، صرف ایک بات ذرا بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے، اور وہ دفتر اول اور دفتر ثانی کی تکمیل کے درمیان ۱۴ سال کا طویل وقفہ ہے، افسوس ہے کہ ۸۷۶ھ اور ۸۹۰ھ کے درمیان مولانا کی زندگی کے تفصیلی حالات تذکرون مین نہین ملتے، مگر اس قدر مسلّم ہے کہ وہ ۱۲ ربیع الاول ۸۷۷ھ کو یعنی دفتر اول کے انجام پانے کے صرف ۱½ ماہ بعد حج کے لئے روانہ ہوئے، اور ۱۸ شعبان ۸۷۸ھ کو اپنے وطن ہرات واپس آئے[1] اس لئے قرینہ یہ ہے کہ اس عرصہ مین سلسلۃ الذہب کا کام ضرور موقوف رہا ہوگا[2]، پھر مولانا کی تصانیف کی تاریخون پر نظر ڈالنے سے یہ پتہ چلتا ہے، کہ انھون نے ۱۳ سال کی اس مدت مین سلسلۃ الذہب کے علاوہ ایک درجن کتابین جن مین ہفت اورنگ کی اور مثنویان بھی شامل ہین لکھین[3]، اس لئے کیا عجب ہے کہ دفتر اول کی تکمیل کے بعد وہ دوسری کتابون کی طرف متوجہ ہو گئے اور دفتر ثانی کی ترتیب ایک عرصہ تک معرض التوا مین رہی،

---

[1] رشحات عین الحیٰوۃ ورق ۱۰۳ ب [2] مین یہ نہین کہتا کہ تصنیف و تالیف کا کام یک قلم موقوف رہا، کیونکہ مناسکِ حج کے متعلق یہ تصریح موجود ہے، کہ مولانا نے اسے اسی سفر مین لکھا (فہرست کتب خانہ بانکی پور جلد دوم ص ۵۲) مین صرف یہ کہنا چاہتا ہون کہ سفر کی حالت مین سلسلۃ الذہب یا اس طرح کے اور کام چندان ضروری نہ تھے، قرینِ قیاس نہین معلوم ہوتے [3] ان کتابون کے نام اور تاریخہائے تصنیف یہ ہین، مناسکِ حج (۸۷۷ھ) نفحات الانس (۸۸۳ھ) سلامان و ابسال (۸۸۳ھ) فاتحۃ الشباب (۸۸۴ھ) شواہد النبوۃ (۸۸۵ھ) اشعۃ اللمعات (۸۸۶ھ) تحفۃ الاحرار (۸۸۶ھ) ترجمہ اربعین حدیث (۸۸۶ھ) سبحۃ الابرار (۸۸۶ھ)

تائیدی شہادتوں میں سب سے اہم سفر حج کا واقعہ ہے، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، ۸۷۷ھ میں دفتر اول کے اشعار کا الزام کے طور پر پیش کیا جانا، اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے کہ اس کی تاریخ تصنیف اس تاریخ سے پہلے مانی جائے، دوسری سند جو اپنی جگہ پر حد درجہ اہم ہے، وہ مثنویوں کی ترتیب ہے جو خود مولانا کی قائم کی ہوئی ہے، اور جس میں سلسلۃ الذہب کو پہلے جگہ دی گئی ہے[۵۱]، ہفت اورنگ کا ذکر جس جگہ بھی آتا ہے، اور اس کے مجموعے جس قدر بھی ملتے ہیں، ان میں یہ ترتیب بدلنے نہیں پاتی ہے[۵۲]،

اگرچہ مولانا نے کسی جگہ یہ ظاہر نہیں کیا ہے، کہ انھوں نے ان مثنویوں کو کن اصول پر مرتب کیا ہے، لیکن ان کی ترتیب اور ان کی تاریخہائے تصنیف پر غور کیا جائے، تو ماننا پڑے گا کہ یہ تقدم تاخر صرف تاریخ تصنیف کے لحاظ سے ہے ملاحظہ فرمائیے،

(مثنوی)	(سال تصنیف)
۱- سلسلۃ الذہب	؟
۲- سلامان وابسال	۸۸۳ھ
۳- تحفۃ الاحرار	۸۸۶ھ

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳) یوسف زلیخا (۸۸۸ھ) لیلی مجنون (۸۸۹ھ) خرد نامہ سکندری (۸۹۰ھ) یہاں یہ کہدینا نامناسب نہ ہوگا کہ مولانا جامی کی متعدد تصانیف کے متعلق اب تک یہ تحقیق نہیں ہو سکی ہے، کہ وہ کب لکھی گئیں، اس لئے کیا عجب ہے کہ مذکورۂ بالا کتابوں کے علاوہ اور کتابیں بھی اس مدت میں لکھی گئی ہوں،

۵۱ ملاحظہ فرمائیے ہفت اورنگ کا دیباچہ (فہرست مخطوطات فارسی سینٹ پیٹرس برگ ص ۱۸-۲۱۶) نیز صاحب آتشکدہ کا بیان "و اسامی کتب سبعہ بدیں موجب است، سلسلۃ الذہب، سلامان وابسال، تحفۃ الاحرار، سبحۃ الابرار، یوسف زلیخا، لیلی مجنون، خرد نامۂ سکندری" ص ۴۷،

۵۲ اب تک مجھے صرف ایک نسخہ کا پتہ چل سکا ہے، جس میں مثنویوں کی ترتیب بدلی ہوئی ہے، اور وہ برٹش میوزیم میں ہے، فہرست مخطوطات فارسی جلد دوم ص ۶۴۴-۶۴۵،

(۴) سبحۃ الابرار ۔۔۔ ۸۸۶ھ[1]

(۵) یوسف زلیخا ۔۔۔ ۸۸۸ھ

(۶) لیلیٰ مجنون ۔۔۔ ۸۸۹ھ

(۷) خرد نامۂ سکندری ۔۔۔ ۸۸۹ھ[2]

اس فہرست میں دوسری مثنوی سلامان وابسال ہے، جو ۸۸۳ھ میں لکھی گئی، اس لئے قائم کردہ اصول کے مطابق سلسلۃ الذہب صرف اسی صورت میں پہلی جگہ حاصل کر سکتی ہے کہ کم ازکم اس کا کچھ حصہ اس تاریخ سے پہلے لکھا جا چکا ہو، پٹنہ لائبریری کے دفتر اول کے ساتھ ان اشعار کا پایا جانا جو ۸۷۶ھ میں لکھے گئے تھے، مزید تائید کا باعث ہے، یکم ذی قعدہ ۸۷۶ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۴۷۲ء کو پروفیسر مینورسکی کی تحقیق کے رو سے واقعی جمعہ کا دن تھا،[3] اس لئے تاریخ اور دن کی عدم مطابقت کا عذر پیش کر کے بھی اس کی صحت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے،

دفتر سوم کی تاریخ | تیسرے دفتر کی تاریخ تصنیف ہی دراصل مثنوی کی تاریخ تصنیف ہے، مگر افسوس ہے، کہ پانچ چھ ماہ کی مسلسل چھان بین کے باوجود مجھے اب تک کوئی چیز ایسی نہیں مل سکی ہے، جس سے اس

---

[1] تعجب ہے کہ سبحۃ الابرار کی تاریخ تصنیف اکثر کتابوں میں نہیں ملتی حالانکہ خود مثنوی میں اس کا ذکر موجود ہے، مولانا نے مثنوی کے خاتمہ پر اپنے صاحبزادے ضیاء الدین یوسف کے لئے چند نصیحتیں لکھی ہیں، اور تصریح کی ہے کہ اس وقت صاحبزادے کی عمر پانچ سال تھی،

سال تو پنج و درین دیر سپنج ۔۔۔ از دو پنجاہ فزون باد این پنج

صاحبزادے کا سنہ ولادت ۸۸۲ھ ہے، اس حساب سے سبحۃ الابرار ۸۸۶ھ میں ختم ہوئی،

[2] فہرست مخطوطات فارسی سینٹ پیٹرس برگ ص ۲۵۸، اور تاریخیں، براؤن کی تاریخ ادبیات ایران، اور فہرست کتب خانۂ بانکی پور سے لی گئی ہیں [3] جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی صفحہ ۱۶۲،

دفتر کے متعلق کوئی فیصلہ کیا جا سکے، اوپر کی شہادتین اس مسئلہ مین ہماری مشکل کشائی کرنے سے بالکل قاصر ہین، دوسری طرف جہا نتک مین تحقیق کرسکا ہون، سلسلۃ الذہب کا کوئی نسخہ جس مین دفتر سوم بھی موجود ہو، ۹۰۰ھ سے پہلے کا نہین ملتا ہے [1]، البتہ رقعات جامی مین مولانا کا ایک خط سلطان روم بایزید ثانی (۸۸۶ھ تا ۹۱۸ھ) کے نام موجود ہے [2]، جس کی طرف یہ دفتر منسوب ہے، اور جس کا تذکرہ دفتر کی ابتدا اور خاتمہ دونون جگہون مین درج ہے، یہ مختصر تحریر ہفت اورنگ کے ایک نسخے کی پشت پر لکھی ہوئی پائی گئی تھی، جسے مولانا نے سلطان مذکور کے پاس تحفۃً بھیجا تھا، ہر چند اس مین یہ تصریح موجود نہین ہے، کہ اس نسخہ مین سلسلۃ الذہب کے تینون دفتر تھے، مگر چونکہ مولینا نے اس کا کوئی ذکر نہین کیا ہے، اس لئے قرینہ ہے کہ مثنویان سب کی سب مکمل تھین، مگر افسوس ہے کہ اس خط پر جو تاریخ درج ہے یعنی جمادی الثانی ۸۹۰ھ وہ بہت بعد کی ہے، اس لئے اس سے بھی کوئی مدد نہیں ملتی ہے، ایک آخری شہادت جو اس سلسلہ مین پیش کی جا سکتی ہے، وہ یہ ہے کہ خاتمۃ الحیٰوۃ جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے مولانا کی آخری تصنیف ہے، اور یہ ۸۹۲ھ مین مرتب ہوئی، اس لئے دفتر سوم ۸۹۰ھ اور ۸۹۲ھ کے درمیان تصنیف ہوا ہوگا، مگر سلسلۃ الذہب جیسی مثنوی کا اس قدر اخیر زندگی مین انجام پانا، اور دفتر دوم اور سوم کے درمیان کئی سال کا وقفہ تا وقتیکہ کوئی قطعی شہادت تائید مین نہ مل جائے، قابلِ قبول نہین معلوم ہوتا ہی، تعجب ہے کہ ایک طرف شہادتون کا یہ عالم ہے، کہ کوئی شہادت دفتر سوم کا وجود ۸۹۲ھ یا ۹۰۰ھ سے پہلے ثابت نہین کرتی ہے، اور دوسری طرف ہمارے محققین ۸۹۰ھ کو بالاتفاق

---

[1] دفتر سوم کے سب سے قدیم نسخے برٹش میوزیم (ضمیمہ فہرست مخطوطات فارسی ص ۱۸۹ نمبر ۲۸۹) اور بانکی پور لائبریری (فہرست مخطوطات فارسی وعربی ص ۴۶ نمبر ۱۰۲) مین ہین، برٹش میوزیم کے نسخہ کا سنہ کتابت ربیع الاول ۹۰۰ھ، جمادی الاولی ۹۰۰ھ ہے، اور بانکی پور کا ۹۰۰ھ [2] رقعات جامی مطبع قدسی کلکتہ ۱۲۷۰ھ ص ۱۴۹، ایضاً قلمی نسخہ کتب خانہ مدرسۂ عالیہ کلکتہ نمبر ۲۶ ص ندارد،

سلسلۃ الذہب کی تاریخ تصنیف قرار دیتے ہین،

خاتمہ | آخر مین قارئین کرام سے اس قدر گذارش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ مندرجۂ بالا سطرون مین نقلی اور عقلی دلیلون سے استناد کرکے جو کچھ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، وہ سلسلۃ الذہب کی تاریخ تصنیف کے متعلق آخری قطعی اور ناقابل ترمیم فیصلہ نہین ہے، سچ پوچھئے تو راقم الحروف خود اس فیصلے سے مطمئن نہین ہے، خصوصاً دفتر سوم کے سلسلے مین اس کی تحقیق بالکل ناکافی اور مزید تلاش وجستجو کی محتاج ہے، مگر اب تک اس سلسلے مین جو ذرائع معلومات دستیاب ہوئے ہین، ان کی روشنی مین اور جامی کی زندگی کے بعض دوسرے واقعات کو سامنے رکھکر پہلے دو دفترون کی تصنیف کی وہی تاریخین متعین کی جاسکتی ہین، جو اوپر بیان کی گئیں اور تیسرے دفتر یا یون کہئے کہ پوری مثنوی کی تاریخ تصنیف جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، بالکل مشتبہ اور غیر متعین رہجاتی ہے،

ضمیمہ | راقم الحروف اس مقالہ کی آخری سطرون پر نظر ثانی کر رہا تھا کہ جامی پر ایک نئی کتاب جو دو ڈھائی سال ہوئے ایران سے شائع ہوئی تھی، پہلی مرتبہ اس کی نگاہ سے گذری، یہ جامی کے حالات زندگی اور اون کی شاعری پر ایک سیر حاصل تبصرہ ہے، اور کم وبیش ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، پروفیسر علی اصغر حکمت جنھون نے گذشتہ سال میر علی شیر نوائی کی مجالس النفائس کا فارسی ترجمہ بڑے اہتمام سے ایڈٹ کیا، اس کے مصنف ہین، انھون نے اس کتاب مین سلسلۃ الذہب کی تاریخ تصنیف سے بھی بحث کی ہے، مگر افسوس ہے کہ دفتر سوم کی تاریخ تصنیف کے متعلق وہ بھی یہ کہکر خاموش ہوجاتے ہین، کہ

"تاریخ انجام این مثنوی تصریح نشدہ ولے از آنجا کہ دفتر دوم را در ۸۹۰ بپایان رسانیدہ بقاعدہ می بایست نظم این دفتر بعد از تاریخ مذکورہ بپایان آمدہ باشد۔۔۔"

(جامی ص ۱۸۹)

سرمد اور اس کی رباعیان

از

مولوی مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

(۳)

شراب معرفت اہلِ ہوس کے نزدیک شراب و ساقی، جام و سبو، شیشہ و صراحی و بادہ نوشی وغیرہ کا جو مفہوم ہے، اور اس سے رندی و ہوسناکی کے جو خیالات پیدا ہوتے ہین، تصوف کی اصطلاح مین اس کا مفہوم اس سے بالکل مختلف ہے، اہل ہوس کے نزدیک پیر مغان یا ساقی بادہ فروش اور شراب پلانے والے کو کہتے ہین، مگر تصوف کی زبان مین اس سے مراد مرشد کامل ہے، ہمارے نزدیک جام ایک مادی شے کا نام ہے، مگر صوفیہ کے نزدیک یہ ایک لطیفۂ روحانی ہے، جس مین نورِ الٰہی کا ظہور ہوتا ہے،

اسی طریقہ سے شراب اور اس کے لوازم مثلاً میکدہ، جام، سبو، صراحی، شیشہ، درد، صاف وغیرہ کی صوفیانہ تعبیرین بالکل مختلف ہین، اہلِ دل کی شراب بھٹی والی شراب نہین، بلکہ وہ مطلوبِ حقیقی کا بادۂ محبت ہے، اسی مناسبت سے اس کے دوسرے لوازم بھی عرفان و محبت کے مختلف مدارج ہین،

حافظ کی طرح سرمد نے بھی محبت الٰہی کو شراب اور اس کی کیفیات اور واردات کو اس کے لوازم سے تعبیر کیا ہے، اب اس کی مختلف مثالین ملاحظہ ہون،

زاہد بہ نصیحتم تو بسیار مکوش   از آتش عشق است این دیگ بجوش
ہشیار شو و ببین کہ خمخانۂ دل   از بادۂ کیست در جوش و خروش

اسرار مئے و جام بہ کس دشمن نیست | این راز بہر مردہ دلے گفتن نیست
زاہد بجدا کہ از خدا بیخبری | سر رشتۂ این بدست ہر کودن نیست

جز بادۂ شوق دوست عشرت نبود | بے دردکشے نشہ وحدت نبود
میخانۂ عالم کہ پر از درد سر است | خالی ز خمار و رنج و محنت نبود

ہر کس بخیال او ہم آغوش بود | دیوانہ نماید ہمہ سرہوش بود
کیفیت این نشہ بکس ظاہر نیست | این بادہ نہان ہمیشہ در جوش بود

زاہد تو بخور بادہ کہ بسیار نکوست | از خرقہ کشی خمار صد فتنہ در وست
بے شبہہ حلال است بگوئی تو حرام | کیفیت این ہر کہ بیابد ہمہ اوست

ہر کس کہ زمے توبہ کند نادان ست | انسان نتوان گفت بگو حیوان ست
این سلسلہ جنبان غم جانان نیست | ہم آتش افسردہ و ولی دامان ست

تصوف کے تمام اہم مقامات، مثلاً مشاہدہ فکر، حیرت، بقا، فنا، الفنار، جہد، توکل وغیرہ سب سرمد کی رباعیوں میں موجود ہیں، ان کے علاوہ قرآن و حدیث کے مفہوم کو بھی بکثرت اپنی رباعیوں میں ادا کیا ہے، اور اس طرز سے کہ بالکل نئی بات معلوم ہونے لگتی ہے،

چند مثالیں ملاحظہ ہوں:-

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَان

کردی تو علم بدلربائی خودرا | ہم در فن و ہم وآشنائی خودرا
این دیدہ کہ بیناست تماشائی تست | ہر لحظہ بصد رنگ نمائی خودرا

تنہا نہ ہمین جان و دل ایمانی | انجا کہ تو ہر لحظہ بچندین آنی
بیرون ز تصور و خیالت دیدم | آن چیز کہ در فہم نیاید آنی

ما اصابک من حسنة فمن اللہ وما اصابک من سیئة فمن نفسک

شد بر تن من غرق گنہ ہر سر مو
از من ہمہ زشتی ست و نیکی ز تو

الست بربکم؟ قالوا بلیٰ!

از بہر خدا بہ یاد، دل شاد بکن
ہر وعدہ کہ کردہ ہمہ یاد بکن
انصاف عزیز است فراموش مکن
از دام ہمہ بخویش آزاد بکن

کل نفس ذائقة الموت

أین ما تکونوا یدرککم الموت

بنگر عزیزان ہمہ در خاک شدند
در صید گہ فنا بفتراک شدند
آخر ہمہ را خاک نشین باید شد
گیرم! برفعت ہمہ افلاک شدند

نحن اقرب الیہ من حبل الورید

یارے بگزین کہ بیوفائی نہ کند
دل خستہ ترا در آشنائی نہ کند
پیوستہ در آغوش کنارت گردد
ہرگز ز تو یک گام جدائی نکند

ربنا وسعت کل شیئ رحمة وعلما

سبقت رحمتی علی غضبی

عمریکہ شدست صرف در لہو لعب
بے پرسش اگر عفو کند نیست عجب
کے زشتی افعال در آرد بنظر
آنرا کہ کرم بود فزون تر ز غضب

از معصیتم بیش بود فضل ترا
ہر لحظہ بخود حساب دارم ہمہ جا
ہر چند کہ سر تا بقدم عصیانم
از بخشش تو نیست فزون جرم مرا

الایمان بین الرجاء والخوف

ہر چند کہ از جرم فزودن احسان است | دل در غم و اندیشۂ این حیران است
اما چہ بود تاں کارے کہ نہ شد | در خوف و رجا دیدۂ من گریان است

ہر چند کہ عصیان مرا می داند | بر خوان کرم ہر نفسے می خواند
در خوف و رجا بسے تامل کردم | بیش از ہمہ مائل بکرم می ماند

اتّھموا انفسکم | دوسرون کے نہیں بلکہ اپنے عیب و ہنر پیش نظر رکھنا چاہئے،

ہر گاہ بہ بینی ز کسے عیب و ہنر | عیب و ہنر خویش در آر و بنظر
این ست ہنر بہتر ازین نیست دگر | خود را بنگر بعیب مردم منگر

انا عند المنکسرۃ قلوبھم | مین خستہ دلون کے پاس ہون، (حدیث قدسی)

ہر چند کہ کم لطف و دل آزار توئی | بیش از ہمہ غمخوار و فادار توئی
در عالم امتحان چو گشتم دیدم | ہر جا کہ بود خستہ دلے یار توئی

دنیا کی بے ثباتی | دنیا کی بے ثباتی، ناپائداری، اور اس کے آرام و آسایش کی بے بضاعتی اور یہ کہ انسان کو
دنیا سے کتنا تعلق رکھنا چاہئے اور اس سے زیادہ تعلق رکھنے مین کیا نقصانات ہین، ان تمام چیزون کو
سرمد نے نہایت ہی موثر انداز مین بیان کیا ہے،

دنیا ہمگی اگر بہ کام تو بود | وین سکۂ مہر و مہ بنام تو بود
آخر ز جہان بے بقا باید رفت | گر قیصر و فغفور غلام تو بود

بر روے زمین اگر ہمانی دو سہ دم | مینائے فلک گر دہدت ساغر جم
زنہار مکن قبول دل خوش نبری | بسیار خمار دارد این نشۂ کم

پابند مشو بہ رنج دنیا گفتم | دلشاد مکن بکوہ و صحرا گفتم
عالم ہمہ پابند سرابست ببین | اے جوش حباب موج دریا گفتم

بایدنہ کشی ز خلق منت، گفتم گر صاحب فطرتی و ہمت گفتم
این ست خیال خام ہرگز نہ کشی بر پردۂ عنکبوت صورت گفتم

دنیا بہ کسے روے فراغت ننمود سود است چنین خیال بیہودہ چہ سود
امروز چنین ہست سوے دامن تو تا بود چنین بود چنین خواہد بود

سرمد دنیا کے تعلقات، وابستگی، اور اس کی محبت سے اسی وقت منع کرتا ہے، جب دنیا کی محبت دین پر غالب آجائے، اور مخلوق کو خالق سے غافل کر دے، مگر اعتدال کے ساتھ تعلق کی وہ اجازت دیتا ہے، اور شرع کا منشا بھی یہی ہے،

ہرکس بخیال اوست حالش خوب است ہم اول کار و ہم مآلش خوب ست
بسیار مدول بہ دنیا، گفتم ہرچند کہ ہست اعتدالش خوب ست

اس کے نزدیک اگر صرف دنیا ہی کی زندگی پیشِ نظر ہو، اور مآلِ کار کی کوئی فکر نہ ہو، تو انسان اور حیوان مین کوئی فرق نہین ہے،

فارغ ز ہوا و حرص یکدم نشدی از فکر مآل کار واز غم نشدی
ہرگاہ خرے کہ ہست در فکر وجود کمتر تو ز سگ شدی و آدم نشدی

اہلِ دنیا کا حال | اہلِ دنیا کی حالت اور ان کے عیوب پر ایک عام خطاب مین اس طرح توجہ دلائی ہے:

چندان دلِ نادان نعم سیم و زر است کو وقت نماز ہم بفکر دگر است
در وہم خیالِ این و آن بیشتر است از فکر مآل کار خود بیخبر است

این مردم دنیا کہ گرفتارِ غم اند دیوانہ بسے دیدم و ہشیار کم اند
از بہر دو روز غم از شامتِ نفس از حرص و ہوا اسیر و بدخواہم اند

مال کی محبت اور ہوس کی کشمکش اور بے مروتی،

ابنائے زمانہ یکدگر دل تنگ اند
پیوستہ بخود چو مختلف آہنگ اند

قانون وفا و مہر برداشتہ اند
دائم بمقام آشتی در جنگ اند

این مردم دنیا ز خدا بے خبر اند
ہر شام و سحر در طلب سیم و زر اند

از پہلوے ہم دگر جگر ریش تر اند
ہر چند کہ چون باد صبا در گذر اند

برون کی کثرت اور نیکون کی قلت،

این مردم دنیا ہمہ بدخواہم اند
یاران نکو کار چہ بسیار کم اند

خوش وقتی دل بہ بوالہوس بسیار است
آنہا کہ عزیز اند گرفتار غم اند

انسان عالم صغیر ہے، وہ عالم کی ہر چیز کا آئینہ ہے، اسے چاہئے کہ اپنے دریاے دل کی غواصی کرے،

دریاست دلت گر تو شناور بشوی
غواص محیط ہفت کشور بشوی

در بحر وجود تست موجود ہمہ
طوفان بکنی و خواہ لنگر بشوی

ریاکار زاہدون کی پردہ دری | کھلے ہوئے عیوب اور برائیون پر سب کی نظر پڑتی ہے، لیکن دقیق مخفی اور سربستہ عیوب تک ہر شخص کی نگاہ نہین پہنچ سکتی، کھلی ہوئی برائیون کے شکار زیادہ تر عوام ہوتے ہین مگر پیشہ ور زاہدون اور واعظون کی برائیان زیادہ تر مخفی ہوتی ہین، ان برائیون کی شناخت کے لئے فطرت کی نکتہ شناسی ضروری ہے،

علما مین امام غزالی نے اور شعرا مین خیام و حافظ نے ایسے ریاکارون کی پوری پردہ دری کی ہے، سرمد نے بھی اس گروہ کے اسرار درون پردہ فاش کئے ہین، اور اگلون کی طرح اسے بھی اس کے بدلہ مین بہت کچھ سننا پڑا ہے، بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے، کہ اس کے قتل کے اسباب مین ایک سبب یہ بھی تھا، پیشہ ور زہاد اور واعظین کا ایک بڑا شیب ریا ہے، سرمد کہتا ہے،

زاہد تو چہ لذت ز ریا یافتہ
صد خرقہ پشمینہ بہم تافتہ

از رشتۂ تسبیح کہ باریک زموست محکم رسنے برائے خود بافتۂ

مطلب یہ ہے کہ زاہد جو تونے یہ ریائی خرقہ پہن رکھا ہے، اور باریک رشتہ کی تسبیح لے کر جو سبحہ گردانی میں مصروف ہے، اس میں تجھے کیا لذت مل رہی ہے، یہ پشمینہ پوشی دینی احساس اور سبحہ گردانی اخفائے حال کی وجہ سے ہوتی تو یقیناً لذت کی بات ہے، مگر تونے تو اُسے لوگوں کے پھنسانے کا ایک غیر مرئی جال بنایا ہے۔

ایک دوسرے موقع پر کہتا ہے۔

در کوئے مغان موسم گل منزل کن خود را بہ در جنون بزن غافل کن
این خرقۂ پشمینہ کہ بار است و وبال از دوش بنہ فراغتے حاصل کن

این خرقۂ پشمینہ کہ زنار در دست مکر ست و ریا، فتنۂ بسیار در دست
بر دوش مکش دست بکش تا نہ کشی این بار ندامت کہ صد آزار در دست

اس کو ریاکار زاہد کی ہر بات بُری معلوم ہوتی ہے، اس لئے اس کی نصیحت کا بھی اس پر اثر نہیں ہوتا، اور وہ ان سے کہتا ہے کہ یہ نصیحتیں اس شخص کو کرو جو تمھارے ریا سے واقف نہ ہو۔

آن کیست؟ کہ او زہد ریا نشناسد در مکر دغا خدا چو ما نشناسد
گفتی مخور بادہ چو من زاہد شو این را بہ کسے گو کہ ترا نشناسد

اکثر علم و زہد کے مسند نشینوں میں عوام کی عقیدت مندی کی وجہ سے عُجب و غرور پیدا ہو جاتا ہے، وہ اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اے زاہد خود فروش ہرگز مغرور باید نشوی کہ تا نگردی رنجور
گویند ترا زاہد و ہستی فاسق "برعکس نہند نام زنگی کافور"

وہ زاہد ریاکار کو کبھی سمجھاتا ہے، کہ میں جس حال میں ہوں، اس حالت کی تجھے خبر نہیں، اگر تیری نظر میں کوئی بات کھٹکتی ہے، تو تو مجھے اپنے حال پر چھوڑ دے، میں تجھ سے ان اسرار کو نہیں کہہ سکتا کہ وہ تجھ جیسے

مردہ دل، غافل از خدا سے کہنے کے نہیں ہیں،

الفت بہ غم یار گرفت ست دلم   بر دوش گرانبار گرفت است دلم
زاہد بہ نصیحتم تو بسیار مکوش   در پیش دگر کار گرفت ست دلم

اسرار مئے و جام بکس گفتن نیست   این راز بہر مردہ دلے گفتن نیست

اخلاق سرمد کی رباعیوں میں اخلاقی تعلیمات کا حصہ بھی کافی ہے، مگر زیادہ تر شخصی اخلاق کی تعلیم ہے اجتماعی اخلاق پر مشکل سے دو چار رباعیاں ملیں گی، اور اس میں سرمد کا کوئی قصور نہیں، شخصی حکومت میں اجتماعی اخلاق و نصائح کی اہمیت ہمیشہ کم رہی ہے، ہندوستان میں حالی و اکبر سے پہلے اجتماعی اخلاق کی تعلیم مشکل ہی سے کسی شاعر کے کلام میں ملے گی، پھر سرمد ایک صوفی شاعر تھا، اور صوفیہ شخصی اخلاق اور اس کی اصلاح کو اجتماعی اخلاق کے مقابلہ میں زیادہ ضروری سمجھتے اور اسی پر زور دیتے ہیں، گو اسی شخصی حکومت کے دور میں بھی بعض مجددین ملت، مثلاً حضرت مجدد الف ثانیؒ، سید احمد بریلویؒ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ ایسے گذرے ہیں جن کے پیش نظر شخصی اخلاق کی اصلاح کے ساتھ اجتماعی اخلاق کی اصلاح بھی رہی ہے، موجودہ دور میں مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ کی تحریک کا مقصد بھی یہی ہے، مگر یہ رنگ اس صدی سے پہلے اتنا عام نہیں تھا،

بہرحال سرمد کے کلام میں جو اخلاقی رباعیاں ملتی ہیں، ان کی جلی سرخیاں حسب ذیل ہیں:-

خودپسندی کی برائی
فارغ نہ شدی ز خود پسندی ہرگز   آگہ نہ شدی ز سودمندی ہرگز
خواہی دو جہان بیک طرف راغب شو   غیر از طرفے طرف نہ بندی ہرگز

آسودہ و نے خود پسندی مطلب   زین ہمت پست خود بلندی مطلب
سودائے جہان سود ندار و چندان   نقصان بپذیر سودمندی مطلب

تکبر و تواضع
از دیدۂ دل حسن دو عالم دیدم   میزان شدم و نیک و بدش سنجیدم

هر سر که گرانبار بود سنگ دلست | هر خسته سرے سبک بود فهمیدم

هر چند غرور دستگاه است اینجا | بر خود پیچیدن عز و جاه است اینجا
در ساز شکستگی حضور دگر است | از سرمه شدن سنگ نگاه است اینجا

از مال و منال خویش مغرور مشو | در اندیشهٔ این شراب مسرور مشو
در آمد و رفت این تفاوت نبود | دل شاد از این مباش و رنجور مشو

افسوس که غافل تو ز مستی هستی | پیوسته ز صهبای رعونت هستی
هر چند شوی بلند چون شعله خسی | از شامت سرکشی در آخر پستی

قناعت و استغنا

تا چند در اندیشهٔ دنیا باشی | آوارهٔ کوه و دشت و صحرا باشی
دامان قناعت است بسیار وسیع | از دست مده درین جهان تا باشی

خواهی که رسی بکام تلخی نه چشی | آسوده شوی بار ندامت نکشی
با صبر بساز با قناعت خو کن | از دست هوا و حرص در کشمکشی

اے نفس ستمگار سراپا حسرت | جز شکر ترا نیست هزاران نعمت
قانع نه شدی گاه گه گیتی خورسند | دنیا نه بود بقدر طول املت

حرص و آز کی مذمت

آنرا که هوس بیش بود ناکام است | مرغی که پی دانه رود در دام است
این مال پر از ملال بسیار وبال | هر چند کم و بیش درد و آرام است

هر جا که گرفتار هوا و هوس است | گر سلطنتش دهی نگوید بس است
سر رشتهٔ زندگی بسے کوتاه است | از طول امل حذر که دام قفس است

انسان کہ شکم سیری از یک نان ست | از حرص و ہوا شام و سحر نالان ست
در بحر وجود ش بنگر طوفان ست | آخر چو حباب یک نفس مہمان ست

با دام ہوا و حرص تا ہم نفسی | پابند خودی شام و سحر در قفسی
آزاد چو سرمد باش در گلشن دہر | گر سنبل و نسترن نئی تو در خار و خسی

عیب پوشی

ہر گاہ بہ بینی ز کسے عیب و ہنر | عیب و ہنر خویش در آور بنظر
این ست ہنر بہتر ازین نیست دگر | خود را بنگر بعیب مردم منگر

عزت نفس

سرمد تو ز ہیچ خلق یاری مطلب | از شاخ برہنہ سایہ داری مطلب
عزت ز قناعت است خواری ز طمع | باعزت خویش باش خواری مطلب

خود غرضی کی مذمت

ہر کس پے نانے بجہان دوست بود | یک دوست ندیدیم زجان دوست بود
چون سنگ ز پے لقمہ بہر در بدوند | این ست نشان کہ نام شان دوست بود

حُبّ جاہ کی مذمت

از بہر چہ حُبّ جاہ باید کردن | عمر خود را تباہ باید کردن،
مانند نگین چہ لازم است از پے نام | جان کندن و رو سیاہ باید کردن

اختلاف حال

سرمد کے کلام میں اکثر تناقض نظر آتا ہے، مثلاً کبھی وہ کہتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ ہماری طرف نظر کرم نہیں کرتا،

آن شوخ بمن نظر نہ دارد چہ کنم | آہ دل من اثر نہ دارد چہ کنم
با آنکہ ہمیشہ در دلم می ماند | از حال دلم خبر نہ دارد چہ کنم

کبھی وہ کہتا ہے کہ

صد شکر کہ دلدار ز من خوشنود است
هر دم بکرم و هر نفس در جود است

یارب کرم و لطف کشودی بر من
صد رنگ دلم شگفت و شد رشک چمن

لیکن حقیقت مین یہ تناقض نہین ہے اختلافِ احوال ہے جس طرح عام انسانون پر مختلف اوقات مین مختلف بلکہ بعض اوقات متضاد حالتین طاری ہوتی ہین، اسی طرح سالک پر بھی قبض و بسط، سکر و صحو، خوف، رجاء، وغیرہ کی مختلف حالتین طاری ہوتی ہین اور ہر حالت مین جو کچھ پیش آتا ہے، اس کی زبان سے ادا ہو جاتا ہے،

سرمد بھی جن جن مقامات سے گذرا ہے، اس کو اس نے ادا کر دیا ہے، اس اختلاف حال کی نسبت مجازاً زمانہ کی طرف کرکے کہتا ہے۔

گہ متقیم کند گہے پیر مغان
احوال جہان گاہ نہ دیدم یکسان

چون نخل گہے سبز گہے عریانم
بے موسم گل، بہار ہنگام خزان

اختلافِ حال کی چند رباعیان درج ذیل ہین،

سرمد اگرش وفاست خود می آید
گر آمدنش رواست خود می آید

بیہودہ چرا در پئے او می گردی
بنشین گر او خداست خود می آید

سرمد غم عشق بو الہوس را ندہند
سوزِ دلِ پروانہ مگس را ندہند

عمرے باید کہ یار آید بکنار
این دولت سرمد ہمہ کس را ندہند

شاہا نیم زاہد چون تو مومن نیستم
شوق و ذوق شور شم لیکن پریشان نیستم

بت پرستم کافرم از اہل ایمان نیستم
سوے مسجد میروم از اہل ایمان نیستم

سرمد تو حدیث کعبہ و دیر مکن
در وادی شک چو گمرہان سیر مکن

ہان شیوۂ بندگی ز شیطان آموز
یک قبلہ گزین سجدۂ بر غیر مکن

چیزے کہ گہے بکار نا ید مائیم — آن نخل کز و بار نیا ید مائیم

کردیم حساب و پیش خود سنجیدیم — آن ذرۂ بے شمار نا ید مائیم

اے دوست مرا بعلم و نظرت منگر — در مہر و وفا و در محبت بنگر

من صاحب معنیم و صوت تعظیم — در من چو کتاب ہر دو صورت منگر

سرمد کی شاعری اگر سرمد کی غزلون کا کوئی مجموعہ مل جاتا، تو اس کی شاعری کے متعلق کچھ تفصیل سے لکھا جا سکتا، مگر جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے وہ چند غزلون کے سوا نہین، رباعیون کا رنگ عموماً فلسفیانہ، حکیمانہ اور اخلاقی ہے، ایسے خشک مضامین ہین گل و بلبل، سرو قمری اور فصاحت و بلاغت، تشبیہ و استعارہ، صنائع و بدائع کی گنجایش بہت کم ہے تاہم سرمد نے اس خشک زمین مین بھی بہت کچھ اپنی شاعری کے جوہر دکھائے ہین،

جدت اسلوب سرمد کی رباعیان یون تو بہت ہین، مگر وہ سب چند مضامین مین محدود ہین، مثلاً دنیا کی بے ثباتی، ہمہ اوست، مسئلہ جبر و قدر، رجا، و خوف، جام و شراب، فضل الٰہی کی امید رضا بالقضا، ذکر الٰہی وغیرہ کے مضامین کو مختلف پیرایون مین ادا کیا ہے، لیکن اس کا کمال یہ ہے کہ خیالات کی اس تکرار، اور مضامین کی خشکی کے باوجود اسلوب بیان کی دلآویزی تمام رباعیون مین موجود ہے، اور ہر رباعی کے انداز بیان مین ایک ندرت و جدت نظر آتی ہے، مثلاً اس مضمون کو کہ عشق الٰہی ہر شخص کو نہین ملتا، اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ انسان اپنی رضا و رغبت کو رضائے الٰہی مین فنا کر دے، سرمد نے مختلف طریقون سے ادا کیا ہے،

سرمد غم عشق بوالہوس را ندہند — سوز دل پروانہ مگس را ندہند

عمرے باید کہ یار آید بکنار — این دولت سرمد ہمہ کس را ندہند

دوسری جگہ کہتا ہے :-

در مسلخ عشق جز نکو را نکشند   لاغر صفتان و زشت خو را نکشند
گر عاشق صادقی ز کشتن مگریز   مردار بود هر آنکه او را نکشند

ایک اور رباعی مین اسی مضمون کو اس طرح ادا کرتا ہے،

تا نیست نگردی ره هستت ندهند   این مرتبه با همت پستت ندهند
چون شمع قرار سوختن تا ندهی   سررشتهٔ این روشنی بدستت ندهند

عنایات الٰہی اور محبت الٰہی مین کامیابی کے تخیل کی نیرنگیان ملاحظہ ہون،

صد شکر که دلدار ز من خوشنود است   هر دم بکرم و هر نفس در جود است
نقصان بمن از مهر و محبت نرسید   سودا که دلم کرد تمام سود است

صد شکر که از یار ترحم دیدم   احسان و کرم بحال خود فهمیدم
نخلے که نشانید ثمر می بخشد   آخر گلے از باغ محبت چیدم

یارب کرم و لطف کشودی بر من   صد رنگ دلم شگفت و شد رشک چمن
یک فضل تو از هزار ناید به بیان   هر چند زبان شوم بشکرت همه تن

جدت تشبیہ | سرمد نے بعض نئی تشبیہیں بھی ایجاد کی ہین، ذیل کی رباعیون سے اس کا اندازہ ہوگا

اہل دنیا آپس مین جو بغض و حسد کینہ و کدورت رکھتے ہین، اور دولت کے لئے لڑتے رہتے ہین اس کو ایک نئی مثال کے ذریعہ کس موثر اور دلنشین انداز سے سمجھایا ہے،

اے بے خبرے که از خدا بیخبری   آشفته و دیوانهٔ سیمی و زری
بیش و کم دنیا بکف جود خداست   در بخشش حق بیدگر کینه وری

این قوم که در دوستی سیم و زر اند   غافل ز خدای و دشمن یکدیگر اند
هر چند نصیب همه پیوسته جداست   در بخشش حق بیکدگر کینه ور اند

مطلب یہ ہے کہ دنیا کی دولت وحشمت کا مدار خدا کے جود وکرم پر ہے، وہ اپنی مرضی کے مطابق ہر شخص کو جو چاہتا ہے، اور جتنا چاہتا ہے، عطا کرتا ہے، یہ کتنی احمقانہ بات ہے، کہ اللہ کی بخشش وجود جو انسان کے اختیار میں نہین ہے، اس کے لئے وہ آپس مین بغض و حسد اور کینہ وعداوت رکھتے ہین .

اسی مضمون کو ذیل کی رباعی مین ایک دوسرے انداز اور ایک نئی تشبیہ سے ادا کیا ہے،

این مردم دنیا ز خدا بے خبر اند ۔۔۔ ہر شام وسحر در طلب سیم و زر اند

از پہلوے ہمدگر چہ آتش تر اند ۔۔۔ ہر چند کہ چون باد صبا در گزر اند

یعنی جس طرح باد صبا تیزی سے گذر رہی ہے، انسان بھی دنیا سے اسی طرح بہ سرعت گذر رہا ہے پھر ایسی سرسری گذر گاہ مین دولت وحشمت کے لئے سرگردان رہنا اور آپس مین بغض وحسد کرنا کتنی بڑی ناخدا شناسی ہے،

قرآن کریم نے منافقون کے بارے مین کہا ہے،

تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّى ۔۔۔ ان کو تم مجتمع سمجھتے ہو، حالانکہ ان کے دل آپس مین ملے ہوئے نہین ہین،

اس مضمون کو سرمد نے عام خطاب کے ذریعہ ایسی انوکھی تشبیہ اور اچھوتے پیرایۂ بیان سے ادا کیا ہے کہ نئی بات معلوم ہوتی ہے

یاران چہ قدر راہ دو رنگی دارند ۔۔۔ مصحف بہ بغل دین فرنگی دارند

پیوستہ بہم چو مہرہاے شطرنج ۔۔۔ در دل ہمہ فکر خانہ جنگی دارند

توبہ واستغفار اور طلب رحمت ایک پامال اور فرسودہ مضمون ہے، مگر جب سرمد اسے کہتا ہے تو معلوم ہوتا ہے، کہ رحمت کے سارے دروازے ابھی کھل جائین گے،

شد بر تن من غرق گنہ ہر سر مو ۔۔۔ از من ہمہ زشتی است و نیکی است تو

تا چند کنم گناہ او فضل کند شرمندۂ جرم خودم و رحمت تو

وہ کہتا ہے کہ اے خدا! مین جس قدر گناہ کرتا ہون تو اپنا فضل و کرم اتنا ہی زیادہ کرتا ہے اب مجھے اپنے اعمالِ سیاہ اور تیری رحمت سے شرم آنے لگی ہے، دیکھئے، ع

شرمندۂ جرم خودم و رحمتِ تو

کس کس اچھوتے انداز سے رحمتِ الٰہی کی طلب کی ہے،

عصیان من احسان تو ناید بشمار بیحد و حساب کے بیاید بشمار
گر پیش خود این حساب صد سال کنم نے فضل تو نے جرم من آید بشمار

یارب ز کرم از گرداب برار از بحر گناہ کشتیم گیر کنار
جرم من و احسانِ تو بے حد و حساب این طرفہ حساب است کہ ناید بشمار

اپنے گناہ کی زیادتی اور رحمت کی بے پایانی کا ذکر کرکے کس طرح مزید رحمت کی درخواست کی ہے، اور دونون رباعیون مین اسلوب نیا اختیار کیا ہے،

اسی مضمون کو ایک دوسری جگہ اس طرح ادا کیا ہے،

جرم من و فضل بار افزون ز شمار این ہیچ حسابیست کہ من دانم و یار
چشم کرمش عاشق حسن گنہ ست زنہار ز کردار بد اندیشہ مدار

در ہر گنہے فزود بخشایشِ وجود شرمندۂ این قسم نہ کردار نبود
خضر رہ من گناہ شد آخر کار این فضل و کرم چہ بود این جرم چہ بود

کہتا ہے کہ گناہ ہی میرا خضرِ راہ ہے اگر مین گناہ نہ کرتا، تو فضل الٰہی کی طرف مجھے راہ نہین ملتی، اس طلبِ رحمت کے مضمون کو خیام و نظامی نے بھی ادا کیا ہے،

آنم کہ پدید گشتم از قدرتِ تو صد سالہ شدم بناز و نعمتِ تو

صد سال بہ امتحان گنہ خواہم کرد　　تا جرم من است بیش یا رحمت تو

نظامی کہتے ہیں ،

گناہ من ار نامدے در شمار

ترا نام کے بودے آمرزگار

مگر سرمد نے جس حسن و خوبی سے اس مضمون کو ادا کیا ہے، خیام و نظامی کے یہاں وہ بات نہیں، اس کے علاوہ خیام و نظامی کے کلام میں شوخی و بیباکی ہے، جو طلب رحمت کے خلاف ہے لیکن سرمد اسی طرح مانگتا ہے، جو طلب رحمت کا اقتضا ہے،

روزمرہ اور کلام کی اصل ترتیب | سرمد کی رباعیوں کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ ان میں عموماً روزمرہ اور عام بول چال کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، وہ دقیق سے دقیق مسائل کو بھی نہایت ہی سادہ اور سہل اسلوب میں بیان کرتا ہے،

شعر کی یہ بڑی خوبی سمجھی جاتی ہے، کہ اگر اس کو نثر کرنا چاہیں، تو الفاظ کی ترتیب میں فرق نہ آئے جو ترتیب نظم کی صورت میں تھی، وہ نثر کی صورت میں بھی باقی رہے، سرمد کے کلام میں یہ خوبی بدرجۂ اتم موجود ہے اور یہ خصوصیت صرف دو چار رباعیوں میں نہیں، بلکہ اس کے کلام کے اکثر و بیشتر حصہ میں ہے،

ذیل کی رباعیوں اور غزل سے اس کا اندازہ ہوگا،

سوخت بے وجہم تماشا را ببین　　کشت بے جرمم مسیحا را ببین

زندہ کش جان نباشد دیدہ　　گر ندیدستی بیا ما را ببین

اے کہ از دیدار یوسف غافلی　　داغ یعقوب و زلیخا را ببین

اے کہ از روز عدم در حیرتی　　یکزمان این روئے زیبا را ببین

شاہ و درویش و قلندر دیدہ　　سرمد سرمست رسوا را ببین

سرمد تو ز ہیچ خلق یاری مطلب   از شاخ برہنہ سایہ داری مطلب
عزت ز قناعت است و خواری ز طمع   با عزت خویش باش خواری مطلب

اسرار مے و جام بہ کس گفتنی نیست   این راز بہر مردہ دلے گفتنی نیست
زاہد بخدا کہ از خدا بیخبری   سررشتہ این بدست ہر کودن نیست

نابود شدم بود نمی دانم چیست   انگر شدہ ام دود نمی دانم چیست
دل دادم و جان دادم و ایمان دادم   سوداست مگر سود نمی دانم چیست

سرمد اگرش وفاست خود می آید   گر آمدنش رواست خود می آید
بیہودہ چرا درپے او میگردی   بنشین گر او خداست خود می آید

سرمد غم عشق بوالہوس را ندہند   سوز دل پروانہ مگس را ندہند
عمرے باید کہ یار آید بکنار   این دولت سرمد ہمہ کس را ندہند

یاران چہ قدر راہ دورنگی دارند   مصحف بہ بغل دین فرنگی دارند
پیوستہ بہم چو مہرہائے شطرنج   در دل ہمہ فکر خانہ جنگی دارند

سرمد گلہ اختصار می باید کرد   یک کار ازین دو کار می باید کرد
یا تن برضائے دوست می باید داد   یا جان بہ رہش نثار می باید کرد

دل را بخیال یار خوشنود بدار   سررشتہ این دولت سرمد بکف آر
گنج است کہ رنجش نبود آخر کار   سوداست کہ سودش بود افزون ز شمار

چون معنی لفظ ماند او را بنگر   چون چشم و نگہ جدا و یکجا بنگر
یکدم ز کسے جدا نیابی ہرگز   مانند گل و بوست بہ ہر جا بنگر

سرمد در دین عجب شکستی کردی   ایمان بفدائے چشم مستی کردی

با عجز و نیاز جملہ نقد خود را
رفتی و نثار ربت پرستی کردی

گہ سرو گہے سنبل و گہ یاسمنی
گہ کوہ و بیابانی و گاہے چمنی
گہ نور چراغی و گہے بوے گلی
گہ در چمنی و گاہ در انجمنی

آن شوخ بمن نظر نہ دارد چہ کنم
آہ دل من اثر نہ دارد چہ کنم
با آنکہ ہمیشہ در دلم می ماند
از حال دلم خبر نہ دارد چہ کنم

ممکن نہ بود کہ یار آید بکنار
خود را ز خیال خام و اندیشہ برآر
ہر چیز کہ غیر اوست در سینۂ تست
بسیار حجابے است میان تو و یار

اعتبار وعدہ ہاے مردم دنیا غلط
ہاں غلط آرے غلط امشب غلط فردا غلط
نسخۂ بنیائی دیوان عمر ما مپرس
خط غلط معنی غلط انشا غلط املا غلط

از نقش حباب ہر چہ گفتم گفتم
واز گوش حباب ہر چہ گفتم گفتم
این عالم پیری و زبانم خاموش
ایام شباب ہر چہ گفتم گفتم

شعر العجم حصہ اوّل

فارسی شاعری کی تاریخ جس مین شاعری کی ابتدا عہد بعہد کی ترقی اور ان کے خصوصیات و اسباب سے مفصل بحث کی گئی ہے، اور اسی کے ساتھ تمام مشہور شعراء (عباس مروزی سے نظامی تک) کے تذکرے اور ان کے کلام پر تنقید و تبصرہ ہے۔

قیمت :- عہ/

"ملیح"

صحت[1]

از

ڈاکٹر میر ولی الدین ایم اے، پی، ایچ، ڈی استاذ جامعہ عثمانیہ

تجدید ایمان کی وجہ سے میرے جسم کی تجدید عمل میں آرہی ہے، میرے جسم کا ہر ذرہ بدل رہا ہے، مجھے نئی ہستی، نیا وجود مل رہا ہے، ضعف کی جگہ قوت، مرض کی بجائے صحت، توانائی اور حیات حاصل ہورہی ہے، میں نے اپنا رُخ مبدء نور کی طرف کرلیا ہے،!

اللھم عافنی فی بدنی، اللھم	اے اللہ میرے بدن کو عافیت عطا کیجئے؛
عافنی فی سمعی، اللھم عافنی فی	میرے کانون کو عافیت عطا کیجئے، میری
بصری، لا الٰہ الا انت ؕ	آنکھون کو عافیت عطا کیجئے؛ آپ کے سوا
(تین مرتبہ)	میرا کوئی معبود و رب نہین،!

مین جانتا ہون کہ میرا حقیقی نفس (جس کو مین روح سے تعبیر کرتا ہون) بیمار نہین ہو سکتا!

میری روح نور مقید ہے، قطرۂ نور ہے، سراپا سرور ہے، صحت و قوت کا مبدء ہے؛

قطرۂ نوری سراپا نور باش

بگزراز غم دائماً مسرور باش (رومی)

---

[1] ان مراقبات کو صبح کے وقت اور رات مین سونے سے پیشتر آہستہ آہستہ پڑھا جائے اور دن مین بھی جب فرصت ہو ان کی تکرار کی جائے حصول صحت کا یہ ایک نفسیاتی اور روحانی طریقہ ہے، اور مجرب ہے اور زود اثر ہے!

ہر دن ہر گھڑی میری زندگی تازہ و توانا ہوتی جا رہی ہے۔ میرے جسم کے ہر ذرہ سے توانائیوں کا چشمہ اُبل رہا ہے! ہر روز مین جام صحت نوش کر رہا ہون، اور حق تعالیٰ کا حلم و کرم مجھے عافیت عطا فرما رہا ہے،

يَا حَلِيمُ يَا كَرِيمُ اشْفِنِي ، — اے حلیم و کریم خدا مجھے شفا عطا کیجئے،

میرے قلب مین جذباتِ ایمانی زندہ ہین، حق تعالیٰ کی محبت سے میرا سینہ معمور ہے۔ اسی محبت کے نور نے میرے قلب و بدن کو نورانی کر دیا ہے، میرے وجود کا ہر ذرہ نورانی ہو گیا ہے، نور ہو گیا ہے، یہ نتیجہ ہے میری اس دعا کا،

اللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي نَفْسِي نُوْرًا وَ — اے اللہ میرے نفس کو نورانی کر دیجئے

اجْعَلْنِي نُوْرًا، — اور مجھے نور کر دیجئے،

اس نور نے میرے قلب کو سکون، میرے نفس کو اطمینان، میرے بدن کو راحت عطا کی ہے، مین اب سراپا نور ہون، دائماً مسرور ہون، قلب و نفس و بدن کی اس راحت و سرور کا نتیجہ صحت ہے، عافیت ہے، سلامتی ہے، نجات ہے، بیماری سے، آزار سے ضعف اور کمزوری سے،

لَا بَاسَ اَذْهِبِ الْبَاسَ، رَبَّ — کچھ خوف نہین اے خلق کے پالن ہار

النَّاسِ اشْفِ اَنْتَ الشَّافِي لَا — صحت عطا کر تو ہی صحت دینے والا ہے،

شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ فَاشْفِنِي شِفَاءً — صحت تیری ہی دی ہوئی ہے تو مجھ کو

لَا يُغَادِرُ سُقْمًا، — ایسی صحت دے کہ کوئی بیماری باقی نہ رہے،

اب خلق کی طرف سے میرے قلب مین نہ غیظ و غضب ہے، نہ حزن و غم! ایمان کی آنکھ نے دیکھ لیا، کہ وہ نافع ہین نہ ضار! نفع و ضرر، سود و زیان، منع و عطا حق کی جانب سے ہے، خلق کی طرف سے ہرگز نہین، بلا و آزار کے وقت خلق و اسباب کو حق تعالیٰ کی طرف سے وقتاً نیابتاً تصور کرتا ہون، جو طلب و قرب کے لئے

مجھ کو لگایا جاتا ہے تاکہ مین خوابِ غفلت سے جاگ جاؤن"،

اللھم اغفر لی ذنبی واذھب	اے اللہ میرے گناہ بخش دے اور میرے دل
غیظ قلبی واجرنی من مضلات	سے غصہ نکال دے، اور گمراہ کرنے والے
الفتن ما احییتنی ،	فتنون سے بچا دے،

اذیت و بلا حق تعالیٰ کی طرف سے ہے، مبتلا کرنے والے حق تعالیٰ ہین، مین ان لوگون مین سے نہین کہ درد و بلا کے وقت سست ہو جاؤن اور حق سے روگردان اور حق تعالیٰ کی اس تہدید کا نشانہ بنون وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ[1] اور خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بن جاؤن دنیا اور آخرت دونون کو کھو بیٹھون، اور کھلے نقصان مین رہون،

ناخوش تو خوش بود بر جان من

دل فدائے یارِ دل رنجان من! (رومی)

اور جب مجھے نعمت و عطا حاصل ہوتی ہے، تو مین خلق و اسباب دنیوی کو ایک ہاتھ تصور کرتا ہون جو منہ مین لقمہ ڈالتا ہے، ظاہر ہے کہ ہاتھ ایک آلہ ہے اور آلہ مین بذاتِ خود تاثیر کہان،

---

[1] پوری آیت یہ ہے :-

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى	یعنی بعض آدمی اللہ کی عبادت کرتے ہین کنارہ
حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اطْمَاَنَّ	پر، پھر اگر اوس کو کوئی نفع پہنچتا
بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ انْقَلَبَ عَلٰى	ہے، تو اس کی وجہ سے قرار پا لیا، اور
وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ	اگر اس پر کوئی آزمایش ہوگئی، تو منہ
ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ	اٹھا کر چل دیا دنیا اور آخرت دونون کو
(پ ۱۷ ع ۹)	کھو بیٹھا، یہی کھلا نقصان ہے،

مَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ — تمھارا اللہ کے سوا نہ کوئی دوست ہے، اور

وَلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ، — نہ کوئی مددگار،

منعم و معطی حق تعالیٰ ہی ہین،

حق فاعل و ہرچہ جز حق آلات بود — تاثیر ز آلت از محالات بود

ہستی کہ موثر حقیقی ست یکست — باقی ہمہ اوہام و خیالات بود (جامی)

اس یقین کے بعد کہ سود و زیان حق تعالیٰ کی جانب سے ہے، اور میرے دشمن کی طرف سے نہین، وہ مثل میت کے ہے اغسال کے ہاتھ مین، یا گیند کی طرح ہے چوگان کے تصرف مین، میرا قلب عداوت کے غم سے بالکل آزاد ہوجاتا ہے، اور مین اپنے عدو کو قطعاً معاف کردیتا ہون،

لما عفوت ولم احقد علی احد — ارحمت نفسی من هم العداوة

جب مین نے معاف کردیا، اور کسی کے متعلق اپنے دل مین دشمنی نہین رکھی تو میرے

نفس نے غم عداوت سے راحت پائی،

اور بفحوائے

وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا، — اور سب سے قطع کرکے اسی کی طرف

(مزمل - ع ۱) — متوجہ رہو،

مین خلق سے کٹ کر حق تعالیٰ کی قدمون پر اپنا سر رکھ دیتا ہون، انھین راضی کرتے دیر کتنی لگتی ہے، وہ رؤف و رحیم ہین غفور و کریم ہین، ذوالفضل العظیم ہین، ان ہی کا تو یہ قول ہے ان کے ایک عاشق کے الفاظ مین:

درحضرت ما دوستی یکدله کن — ہر چیز کہ غیر ماست آنرا یلہ کن

یک صبح باخلاص بیا بر در من — گر کار تو بر نیاید آنگہ گلہ کن (ابوسعید منہ)

افکار نے میری صحت برباد کر رکھی تھی، ایمان کی روشنی نے افکار کی ظلمت کو دور کر دیا، اب صحت کی تجلیات میرے جسم کے ہر رگ و ریشہ سے ہو رہی ہین، راحت و سرور کا وفور ہے، جان و تن آرام سے ہین فللہ الحمد،

در ہجر تو بودہ اندوہ و آزارم   از وصل تو رفت ہستی و پندارم
شادی آمد و نصیب جانم شد   اکنون جان و تن خویش براحت دارم   (لا علم)

(۲)

"میرے اندر ایک قوت الٰہیہ موجود ہے، جو صحت بخشتی ہے، اور صحت کو قائم و برقرار رکھتی ہے"۔

طمانیت و سکون کے ساتھ مین مذکورہ بالا صداقت کو ذہن نشین کرتا ہون، فکر و تردد، غم و حزن، بیم و ہراس کو اپنے قلب سے دور کرتا ہون اور ان تمام خیالات کو بھی اپنے دماغ سے دفع کرتا ہون، جو "ایجابی" نہین، جو "ربانی" نہین، میری آنکھون کی ٹھنڈک حق تعالیٰ کی محبت اور ان پر ایمان ہے، اسی لذت و حلاوت سے میرا قلب کیف اندوز ہے، آہستہ اور طمانیت کے ساتھ مین ان الفاظ کو دہراتا ہون:-

"میرے اندر ایک قوت الٰہیہ موجود ہے، جو صحت بخشتی ہے، اور صحت کو قائم و برقرار رکھتی ہے" (خموشی)

پرسکون و طمانیت کے ساتھ مین ان الفاظ کی تکرار کرتا ہون:-

"میرے اندر ایک قوت الٰہیہ موجود ہے، جو صحت بخشتی ہے، اور صحت کو قائم و برقرار رکھتی ہے (خموشی)

پھر سکون و بردلی کے ساتھ مین ان الفاظ کی تکرار کرتا ہون:-

"میرے اندر ایک قوت الٰہیہ موجود ہے، جو صحت بخشتی ہے، اور صحت کو قائم و برقرار رکھتی ہے، (خموشی)

ہان پرسکون اور چین کے ساتھ مین ان الفاظ کو دہراتا ہون،

"میرے اندر ایک قوت الٰہیہ موجود ہے جو صحت بخشتی ہے اور صحت کو قائم و برقرار رکھتی ہے، (خموشی)

پھر مین انھی الفاظ کی تکرار کرتا ہون، (خموشی)

اور اسی طرح مسلسل

اسی صداقت پر میرا یقین ہے، ایمان ہے یہی میرے قلب پر چھائی ہوئی ہے، اسی مراقبہ کے دوران مین قوۃ الٰہیہ جو ہمہ توان اور قادر مطلق ہے، اور جو میرے اندر موجود ہے، میری صحت کی تکمیل کر رہی ہے، مجھے کامل شفا عطا کر رہی ہے، کیونکہ میرے جسم کا ہر ذرہ اس قوتِ الٰہیہ کی طرف متوجہ ہے اور زبانِ حال سے کہہ رہا ہے،

اسئل اللّٰہ العظیم ربّ العرش	مین خدائے بزرگ و برتر سے جو عرشِ عظیم
العظیم ان یشفین،	کے رب ہین، عرض کرتا ہون کہ مجھ کو شفا بخشین

(یہ حدیث کے الفاظ ہین)

جون جون اس صداقت پر غور کرتا جاتا ہون، میری عقل سے ظلمت دور ہوتی جاتی ہے، اور اس حقیقت کا انکشاف ہوتا جاتا ہے، جو مجھے حیرت تامہ عطا کرتی ہے، بہر صورت مین اپنے آپ کو اچھا نہین کر سکتا، شفا دینا حق تعالیٰ کا کام ہے، اسی لئے ابراہیم خلیل اللّٰہ نے فرمایا تھا،

وَاِذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْن،	جب بیمار ہو جاتا ہون تو وہی مجھے
(پ ۱۹ ع ۹)	شفا بخشتے ہین،

جب مین اس قوتِ الٰہیہ کو جو میرے اندر موجود ہے، جو مجھ پر محیط ہے، وجداناً اپنے اندر پاتا ہون تو مجھے شفا عطا ہوتی ہے، عاجلاً و کاملاً، مین اپنے آپ کو تندرست و توانا پاتا ہون اور مجھے معلوم تک نہین ہونے پاتا، کہ یہ معجزہ کس طرح وقوع پذیر ہوا،

آن کہ شد اسش بشاہ فرد خویش
یافت درمان ہاے جملہ درد خویش

(رومی)

ذاتی کوششون پر سے جب بھروسہ اٹھ جاتا ہے اور قوتِ الٰہیہ کے سوا اور کوئی آسرا نہین رہتا اور حق تعالیٰ کے رحیم و حلیم ہونے کا یقین پیدا ہو جاتا ہے، تو شفا کی بجلی کوندتی ہے، اور ساری بیماریون کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے، پھر اپنے عاشق رنجور کو صبر کا ثمرہ عطا ہوتا ہے،

اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ، 		صبر کرنے والون کو ان کا صلہ بے شمار ہی ملے گا،

اسی لئے ہر عاشق رنجور کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہین،

عاشقم بر رنجِ خویش و دردِ خویش		بہر خوشنودی شاہ فردِ خویش

(رومی علیہ الرحمہ)

جو بادشاہ ایک جان کے معاوضہ مین سو جان عطا کرتا ہے، ایک پھول لے کر سارا گلستان بخش دیتا ہے، اس کے دئے ہوئے آزار پر اس کی لگائی ہوئی ضرب پر کون خوش نہ ہوگا، کون اپنی جان فدا نہ کریگا کس کی زبان سے فرطِ مسرت سے یہ الفاظ نہ نکلین گے،

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت		سر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی

کس کی آرزو نہ ہوگی،

نکل جائے دم تیرے قدمون کے نیچے		یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے،

شفا بخشی کا روحانی عمل نتیجہ ہے حبِ الٰہی کا، رضا بالعطا کا، توافق بالقضا، کا حفظ حال کا، اعراض عن الاعتراض کا، یعنی حق تعالیٰ کے فعل سے راضی ہو جانے کا، کیونکہ جب ہم اُن سے راضی ہو جاتے ہین، تو وہ ہم سے راضی ہو جاتے ہین، اور ہم سے راضی ہو کر ہمین وہ سب کچھ عطا کرتے ہین جو ہمارے مطالبات یا مطلوبات ہین،

رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ		اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی،

دیارِ مغرب سے ایک مسلمان مجاہد کا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مکرمی معظمی جناب سید ندوی صاحب سلمہ و دام لطفہ،

السلام علیکم،

بعد تحیات واضح رائے مبارک باد کہ راقم سطور آپ کے قدیم خاکساروں مین سے ہے، مولانا مرحوم مغفور محمد علی (برادر مرحوم شوکت علی صاحب) میرے ہم سبق ہم نفس اور ہمعصر تھے، یعنی (Comrade) اور ہمدرد اخبار مین ہم شریک کار تھے، اس کے بعد وطن عزیز چھوڑنا پڑا، اور آجتک دنیا کے ہر حصے اور گوشے کی خاک چھانی، مرحوم مولانا برکت اللہ صاحب جو کالیفورنیا امریکہ مین مدفون ہین، وہ بھی اس دیوانے کے یارانِ طریقت مین سے تھے، قصہ کوتاہ ۱۹۲۳ء سے اخباری دنیا کے خارستان مین قدم رکھا، اسی زمانہ مین آپ کو یاد ہوگا، ترک غازیون نے یونانیون اور اُن کے سرپرست وحامی لائیڈ جارج اور متکبر و فرعون مزاج لارڈ کرزن سابق وایسرائے ہند، اور اس وقت کے برطانی وزیر خارجہ کی سخت گوشمالی کی تھی، بمصداق

نزلہ بر عضو ضعیف می ریزد

میرا مجلہ "مسلم اسٹنڈرڈ" اس جبار عنید کی زد مین آگیا، ازان بعد یورپ کے مختلف مقامات سے "مسلم کرانیکل" نام کا پرچہ نکالتا رہا جب علی برادران اور گاندھی جی کو یہودی وائسرائے ریڈنگ نے نظر بند کیا تو اس

عاجز نے اپنے ٹوٹے پھوٹے قلم سے اس مستبد کی ظالمانہ حرکت پر مسلسل مضامین شائع کئے، جس کا نتیجہ معلوم مدیر اس کے اس وقت کے ہمعصر فارورڈ (Forward) نام اخبار نے میرے پرچے کی ضبطی کے متعلق مقالہ لکھا تھا، بعدہ آغاز جنگ دوئم تک "الہلال" (Crescent) کے عنوان سے پرچہ جاری رہا، اب چونکہ قتل عام ختم ہو چکا ہے، اس لئے پھر اس عاجز نے پرچے کو شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے، یہ تھی مختصر کیفیت جو آپ کی خدمتِ مبارک مین تقدیم ہے، ایک اور حق شفع آپ پر ہے، وہ یہ کہ مولانا شبلی مرحوم مغفور میرے سرپرست، مربی اور استاد خاص تھے، مرحوم محمد علی صاحب سے بارہا آپ کا ذکر خیر ہوا کرتا تھا، لیکن افسوس آپ سے کبھی نیاز حاصل نہ ہوا،

ع حساب دوستان در دل

اب اس نیاز نامہ کے ذریعہ آپ سے خط و کتابت کا شرف حاصل کرتا ہون، آپنے غالباً تازہ شائع شدہ "انسائیکلوپیڈیا برطانیکا" (Eencyclopedia Britanica) مین وہ دلخراش فقرے ملاحظہ فرمائے ہونگے، جو ان کٹے پادریون اور پادرانیون نے اپنی کور چشمی، کور دلی اور مجنونانہ تعصب کی وجہ سے حضور پرنور کی ذات مبارک کے متعلق سراسر غلط اور خلافِ حقیقت تراشے ہین، ان دل کے اندھے اور اندھیون نے سرکار دوجہان کو (Despot of Yathrib) کے گستاخانہ لقب سے دنیا مین پیش کیا ہے، خاکسار نے انگریزی اخبار کی نقلین جس مین یہ اقتباس شائع ہوا تھا، یہان کل ارکان حکومت شیخ الازہر، اور رئیس دیوان ملک کو بھیجدی تھین، لیکن بعد انتظار مدید و شدید اس المناک حقیقت کا پتہ چلا کہ یہ سب کے سب سیاسیات اور آپس کی تو تو مین مین مین ایسے محو و گرفتار ہین، کہ انھین باوجود عرب کہلانے کے رسول عربی کی قدر و قیمت اور درجہ کا احساس تک نہین، یہ سطور نہایت رنج و الم سے لکھ رہا ہون، انھین اپنے تک ہی رہنے دیجئے،

بہرحال عین اضطراب و قلق کی حالت مین خاکسار نے ایک مقالہ ازہر شریف کے مجلہ مین لکھ کر

اپنی ناچیز عقیدتمندی کا ثبوت دیا ہے، جو اسی ڈاک سے علحدہ پیکٹ کی صورت مین آپ کی خدمت مین ارسال ہے، امید ہے کہ اسے آپ غور و خوض سے مطالعہ فرما کر اپنی قیمتی رائے کا اظہار اپنے بیش قیمت رسالہ معارف مین شائع فرمائین گے، بعض علماے کرام اور مدیر فاضل ازہر نے خاکسار کی قدردانی فرما کر ہمت افزائی کی ہے، باقی آپ اگر مناسب سمجھین تو جمعیت علماء ہند کی خدمتِ مبارک مین بھی اسے پیش کر دین، اگرچہ مین خائف ہون کہ ان کی بھی مصریون کی طرح سیاسی مصروفیتین مانع کار خیر نہ ہون،

غرض یہ ہے کہ لطفاً معارف و دیگر اسلامی رسالجات وکتب وغیرہ سے اس عاجز کو یاد فرما کر ممنون و مشکور فرمائین، باقی دعا،

مخلص و دعاگوے قدیم "محمد ولی خان" (قاہرہ)

۲ ربیع الاول ۱۳۶۵ھ مطابق ۵ فروری ۱۹۴۶ء

تابعین رضی اللہ عنہ

علم و عمل اور مذہب و اخلاق مین صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ تابعین کرام رضی اللہ عنھم تھے، اور صحابہ کرام کے بعد ان ہی کی زندگی مسلمانون کے لئے نمونۂ عمل ہے، اس لئے سیر الصحابہ کی تکمیل کے بعد دار المصنفین نے ایک مقدس گروہ کے حالات کا یہ تازہ مرقع مرتب کیا ہے، اس مین حضرت عمر بن عبد العزیز، حضرت حسن بصریؒ، حضرت اویس قرنیؒ، حضرت امام زین العابدینؒ، حضرت امام باقر، حضرت امام جعفر صادق، حضرت محمد بن حنفیہ، حضرت سعید بن مسیب، حضرت سعید بن جبیر، حضرت محمد بن سیرین، حضرت ابن شہاب زہریؒ، امام ربیعہ رائیؒ، امام مکحول شامی، قاضی شریح وغیرہ، چھیانوے اکابر تابعین کے سوانح، ان کے علمی مذہبی کارنامون کی تفصیل ہے، قیمت للعہ

"منیجر"

U1321

مطبوعات جدیدہ

قائد ملت مؤلفہ جناب غلام محمد صاحب بی اے عثمانیہ تقطیع اوسط ضخامت ۴۴۴ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد ۱۲/- کلدار، ۱۴/ سکہ عثمانیہ، پتہ نفیس اکیڈمی عابد روڈ حیدرآباد دکن،

قائد ملت نواب بہادر یار جنگ مرحوم ان فقید المثال ہستیون مین تھے، جن کی مثالین کہین مدتون مین پیدا ہوتی ہین، ان کی زندگی کیا بلحاظ ذاتی اوصاف وخصوصیات اور کیا بہ لحاظ قومی وملی خدمات ہر حیثیت سے مسلمانون کے لئے نمونہ تھی، وہ ایک سچے مومن تھے، ان کے دل مین دین وملت کی فلاح کی تڑپ تھی، ان کی ساری زندگی اسی کی جدوجہد مین گذری، اللہ تعالیٰ نے ان کو اخلاص وعمل کے ساتھ خطابت کی ایسی قوت عطا فرمائی تھی کہ اپنی سحر بیانی سے دلون کو مسحور کر لیتے، اور بڑے بڑے مخالف مجمعون کا رنگ پلٹ دیتے تھے، ان کی خدمات کا دائرہ نہایت وسیع تھا، مسلمانون کی جملہ دینی اور سیاسی ضروریات مین ان کی سرگرمی یکسان تھی، وہ دکنی تھے، اس لئے قدرۃً ان کی ذات سے وہان کے مسلمانون کو زیادہ فائدہ پہنچا، وہ ریاست ورعایا، دونون کے ہواخواہ تھے، ایک طرف انھون نے ریاست حیدرآباد کو مخالفین کی سازشون سے بچایا، دوسری طرف حیدرآباد کے باشندون مین ایک روح پھونک دی، لیکن ان کے فیض سے ہندوستان کا کوئی خطہ محروم نہ تھا، اور وہ زندگی کے آخری لمحہ تک ایک جانباز مجاہد کی طرح قوم وملت کی خدمت انجام دیتے رہے، لیکن افسوس کل چالیس سال کی عمر مین اپنے رب سے جا ملے، ان کی ذات

سے ملک وملت کی بہت سی امیدین وابستہ تھین تاہم انھون نے اس مختصر عمر مین جو قومی زندگی کے لئے نوجوانی کی عمر ہے، جو کارنامے انجام دیئے وہ بہتون سے طویل عمر مین بھی انجام نہ پا سکے، ان کی پوری زندگی مسلمانون کے لئے اسوۂ عمل تھی، لائق مؤلف نے اس کتاب مین اس کی تفصیل قلمبند کی ہے، اور صاحب سوانح کے ذاتی اوصاف اور قومی و ملی کارنامون کو اس طرح پیش کیا ہو جس سے ان کی زندگی کا ہر رُخ سامنے آجاتا ہی، زبان صاف اور سلیس اور انداز بیان دلکش و موثر ہے،

علامہ راشد الخیری مرتبہ جناب وقار عظیم بی اے، تقطیع اوسط ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، پتہ :- خاتون کتاب گھر اردو بازار دہلی،

مولانا راشد الخیری مرحوم نے اردو زبان کی جو گوناگون خدمات انجام دین وہ محتاج بیان نہین ان کی وفات کے بعد ان کی ادبی خدمات پر بہت سے مضامین نکلے، لیکن کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس مین ان کی تحریری خصوصیات کی تفصیل ہوتی، یہ کتاب اسی مقصد کے ماتحت مرتب کی گئی ہے، اس مین مختلف اصحاب قلم نے مرحوم کی تحریر و انشار کے مختلف پہلوون پر تبصرہ کیا ہے، ڈاکٹر اعظم کریوی نے افسانہ نگاری پر پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی نے ناول نگاری سید محمود مورخ نے تاریخی ناولون، ڈاکٹر نصیر الدین احمد نے ٹریجڈی، نصیر الدین صاحب ہاشمی نے سفرنامون، ڈاکٹر عابد حسین نے تصنیفی خصوصیات، ڈاکٹر شایستہ اختر سہروردیہ نے ان کے ادب کی مشرقیت، شاہد احمد صاحب نے شاعری حامد علی خان اڈیٹر ہمایون نے انشا پردازی اور پروفیسر وقار عظیم نے ادبی ظرافت پر تبصرہ کیا ہے، جس سے مولانا مرحوم کی انشا کے مختلف پہلوؤن اور ان کی ادبی جامعیت کا اندازہ ہو جاتا ہے، امید ہو کہ یہ کتاب ادبی حلقون مین پسند کیجائیگی،

بصائر قرآنی مرتبہ جناب ایم عبد الرحمن خان صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۲۰۵ صفحے، کاغذ کتابت، وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ، پتہ ایم ثنار اللہ خان پبلشر و بک سیلر ریلوے روڈ لاہور،

اردو مین ایسی متعدد کتابین موجود ہین جن مین کلام مجید کے اوامر و نواہی اور دوسری تعلیمات کی

آیتون کو موضوع کے اعتبار سے تقسیم کرکے الگ الگ عنوانون کے ماتحت مع ترجمہ کے جمع کردیا گیا ہے، اس سے قرآنی احکام کا خلاصہ اور ہر موضوع سے متعلق آیات ایک جگہ مل جاتی ہین، مذکورہ بالا کتاب بھی اسی قسم کی ہے، لیکن اس مین موضوع و معنی کے اعتبار سے تقسیم کے بجائے آیات کو ان کے الفاظ کے لحاظ سے بہ ترتیب حروف تہجی جمع کیا گیا ہے، اور اس کا ترجمہ بھی دیدیا گیا ہے، اس سے یہ فائدہ تو فرور ہوا کہ مختلف آیتین ایک جگہ مل جاتی ہین لیکن اکثر مقامات پر ان مین باہم کوئی معنوی ربط نہین، تاہم کتاب فائدہ سے خالی نہین ہے۔

مجموعہ نشری تقاریر مولوی عبدالرحمٰن خان صاحب سابق پرنسپل عثمانیہ تقطیع اوسط ضخامت ۴۵۱ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت :- مجلد عہ، سکہ عثمانیہ، پتہ ادارۂ نشریات اردو حیدرآباد دکن،

مصنف کا نام نہ صرف ہندوستان بلکہ یورپ تک کے علمی حلقون مین متعارف ہے، وہ وہان کی متعدد علمی وتحقیقاتی مجالس کے رکن ہین، مسلمانون کی قدیم علمی تحقیقاتون یورپ مین ان کی اشاعت اور جدید سائنس وہیئت پر ان کی نظر بہت وسیع ہے۔ ان علوم مین انگریزی اور اردو دونون زبانون مین ان کی تصنیفات شائع ہو چکی ہین، وہ جامعہ عثمانیہ کے پرنسپل بھی تھے، اس لئے ان کو تعلیم کا بھی تجربہ ہے، مذکورہ بالا کتاب ان کی ان علمی وتعلیمی تقریرون کا مجموعہ ہے، جو حیدرآباد ریڈیو سے نشر ہوئین، اس مین حسب ذیل تقریرین ہین، سیارون پر زندگی کے امکانات، زمین کا کرۂ ہوائی، طبعیات پر ایک طائرانہ نظر، دکن کی سرزمین، دمدار ستارے، اسلامی معاشیات، اردو مین سائنس کی تعلیم، سائنس اور روزمرہ زندگی، میرے کلیاتی تجربے، تارون کی بستی، بچپن کے بعد، وقت کا تقاضا اور حیدرآبادی نوجوان، سائنس کی تحقیقات کے طریقے، جنگ اور سائنس کی ترقی، پراسرار روشنی، یہ تمام تقریرین اپنے موضوع سے متعلق مفید معلومات پر مشتمل ہین،

عہد آصفی کی قدیم تعلیم از جناب نصیرالدین صاحب ہاشمی تقطیع اوسط ضخامت ۱۸۷ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ غیر مجلد عہ، پتہ حیدرآباد بک ڈپو عابد روڈ، حیدرآباد دکن،

حیدرآباد کی قدیم علمی و ادبی تاریخ مصنف کا خاص موضوع ہے، اور اس موضوع پر ان کے قلم سے متعدد کتابیں نکل چکی ہیں، اس کتاب میں انھوں نے دولت آصفیہ کی قدیم علمی تاریخ لکھی ہے، اس میں بہمنی اور قطب شاہی سلاطین کے دور کے مختصر تعلیمی حالات اور آصفی عہد کی تعلیم کی مبسوط و مفصل تاریخ ہے ۔۔۔ مسلمانوں میں علم و تعلیم کی خدمت و اشاعت کارِ خیر اور حصول اجر و ثواب کا ذریعہ سمجھا جاتا رہا ہے، اس لئے ہر زمانہ میں سلاطین اور حکومتوں کے علاوہ مخیر امراء و علماء قیام مدارس میں مسابقت کرتے تھے، ان کے علاوہ ہر بڑے عالم کا آستانہ بجائے خود ایک مستقل درس گاہ کی حیثیت رکھتا تھا، یہ خصوصیت آصفی عہد میں بھی قائم تھی، اور دکن میں حکومت کے مدارس کے علاوہ امراء و علماء کے بکثرت مدارس تھے، اس کتاب میں علٰحدہ ان تمام مدارس کے حالات لکھے گئے ہیں، ان کے علاوہ ہندوؤں کی تعلیم اور تعلیم نسوان پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، اس طرح اس کتاب میں عہد آصفی کے آغاز سے جدید تعلیم کے ابتدائی دور تک حیدرآباد کی تعلیمی سرگذشت آگئی ہے،

اردو کے ہندو شعراء ، از جناب عبد السلام خورشید تقطیع بڑی ضخامت ۹۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت معمولی، قیمت مرقوم نہیں، پتہ:۔ مرکزی دفتر تحریک رفاقت پنجاب، ٹھنڈی سڑک لاہور،

جب تک ہندو مسلمانوں میں تقسیم زبان کا نعرہ بلند نہ ہوا تھا، وہ دونوں قوموں کی مشترکہ زبان سمجھی جاتی تھی، اور اس کی تعمیر اور ترقی میں دونوں کی کوششیں برابر کی شریک تھیں، چنانچہ اردو کی تاریخ کا کوئی دور ایسا نہیں ہے جس میں مسلمان شعراء و ادیبوں کے ساتھ ہندو ادباء اور شعراء کی خاصی تعداد موجود نہ رہی ہو، تذکرہ نگاروں کی یہ فروگذاشت ایک حد تک ماننا پڑے گی، کہ انھوں نے تذکروں میں ہندو شعراء کو ان کے استحقاق سے کم جگہ دی، پھر بھی کوئی تذکرہ ہندو شعراء کے ذکر سے خالی نہیں ہے، مولف نے اس کتاب میں سترھویں صدی سے لے کر موجودہ دور تک کے ڈھائی سو سے اوپر اردو کے ہندو شعراء کے مختصر حالات لکھے ہیں، اور ان کے کلام کا نمونہ دیا ہے، معلوم نہیں انھوں نے موجودہ زمانہ کے صرف

ان شعراء کے تذکرہ پر کیوں اکتفا کی، جو وفات پاچکے ہیں، حالانکہ موجودہ شعراء میں اچھے اور ممتاز شاعروں کی بڑی تعداد ہے، مثلاً پنڈت دتاتریہ کیفی، پنڈت جگموہن ناتھ شوق، راقم پرشاد کھوسلہ ناشاد، تلوک چند محروم، گرشن سہائے وحشی، گھنشیام موہن لال جگر، اندرجیت شرما، پنڈت میلارام وفا، رگھوپتی سہائے فراق، آنند نرائن ملا، بشیشر ناتھ منور، سورج نرائن مہر، اور سکھدیو پرشاد بسمل وغیرہ امید ہے کہ آیندہ اڈیشن میں اس فروگذاشت کی تلافی کر دیجائیگی،

باغ نشاط از دیوان پنڈت رادھے ناتھ کول تقطیع بڑی ضخامت ۰۰، ۲ صفحے کاغذ، کتابت وطباعت نفیس، قیمت مرقوم نہیں، پتہ غالباً انڈین پریس الہ آباد سے ملے گی،

پنڈت رادھے ناتھ کول پرانی تہذیب کے اُن یادگار ہندوؤں میں ہیں جس کے نمونے اب بہت کم باقی ہیں، وہ پنجاب کے ایک قدیم کشمیری برہمن خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، جو علم و دولت دونوں میں ممتاز رہا ہے، اب وہ الہ آباد میں متوطن ہوگئے ہیں اردو شاعری کا ذوق ان کو بزرگوں سے ترکہ میں ملا ہے، وہ ایک کہنہ مشق شاعر ہیں، باغ نشاط ان کے کلام کا مجموعہ ہے، یہ مجموعہ ظاہری اور معنوی دونوں محاسن سے آراستہ اور دو حصوں میں تقسیم ہے، پہلے حصہ میں غزلیں اور دوسرے میں قطعات مخمس، قصیدے، تاریخیں، اور دوسری اصناف شاعری ہیں کلام کا عام رنگ عارفانہ اور اخلاقی ہے، غزلوں میں بھی یہ رنگ نمایاں ہے، اور دوسری اصناف کی نظمیں تمامتر اخلاقی، صوفیانہ، اور حکیمانہ ہیں، خیالات کی متانت و سنجیدگی اور مشق کی پختگی کل نظموں میں مشترک ہے، اس اعتبار سے اس مجموعہ کو شاعری کے بجائے اخلاق و تصوف کی کتاب کہنا زیادہ موزون ہے، کتاب میں ہندوستان کے متعدد مشاہیر اور ادیبوں کے قلم سے شاعر کے حالات اور اس کے کلام پر نقد و تبصرے ہیں، امید ہے کہ یہ مجموعہ اصحاب مذاق خصوصاً اردو کے بہی خواہوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا،

"م"

جلد ۵۸ ماہ شوال المکرم ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۴۶ء عدد ۳

مضامین

شذرات

آج کل خاکسار بھوپال مین ہے اور عجب نہین کہ یہ اقامت کچھ دراز ہو، واقعہ یہ ہے کہ وسط ہند کے ظلمت کدہ مین یہی ایک اسلامی مرکز ہے، یہان علم کی مشعل حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے خاندان سے مولانا عبد الحی صاحب بڈھانوی کے صاحبزادہ مولانا عبد القیوم صاحب بڈھانوی لائے، اور معرفت کا نور حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے خانوادہ کے چشم و چراغ حضرت شاہ رؤف احمد صاحب مجددی جو حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی کے خلیفہ تھے، لائے اور بحمد اللہ کہ یہ چراغ اب بھی روشن ہے، پھر منشی جمال الدین خان مدار المہام اور نواب صدیق حسن خان کے زمانہ مین عرب و ہند کے بہت سے علما، و فضلا کا یہان مجمع تھا جن کی یاد بھی اب فراموش ہو چکی ہے،



زمانہ کا جو انقلاب عہد انگریزی سے شروع ہوا، اس کے اثرات آخر کار اسلامی ریاستون مین بھی پہنچے، اور انگریزی تعلیم کے سامنے علوم عربی و مشرقی کا زوال دیکھتے دیکھتے آنکھون کے سامنے ہو گیا، بھوپال جو کبھی علما، اور طلبہ کی منزل مقصود تھا، نئی تعلیم کے فروغ نے اس کو بالکل ماند کر دیا، یہان تک کہ یہان کے عربی و مذہبی مدرسے تنزل کی انتہا کو پہنچ گئے، اور درسگاہین جو کبھی علما، اور طلبہ سے معمور تھین، ویران ہو گئی تھین، اور وہ شہر جو کبھی اپنے علمی کارنامون کے سبب سے شہرۂ آفاق تھا، اپنے مرتبہ سے گر گیا،



اعلیٰ حضرت فرمانروا ے بھوپال کو سات آٹھ سال سے بھوپال کے اس انحطاط اور تنزل کا احساس ہے، چنانچہ چھ سات برس ہوئے کہ انھون نے چند علما، اور اہل تعلیم کی ایک مجلس مقرر کی تھی جس کی صدارت پر اس ہیچدان کو نامزد فرمایا تھا، اس مجلس نے ان مدارس کے لئے نیا نصاب بنایا، اور ان کی اصلاح و تنظیم کے لئے کچھ ضوابط بنائے، دوسرے سال پھر یہ مجلس طلب ہوئی جس مین مقامی اور بیرونی اصحاب علم اس حقیر کی صدارت مین

پھر جمع ہوئے اور ان مدارس کے لئے فنون کی تعیین کی اور ہر فن کے مدرسین کی تعداد مقرر کی اور ان کی تنخواہ، مصارف کا پورا موازنہ (بجٹ) تیار کیا، یہ موازنہ امسال ریاست کے مالی اور انتظامی اداروں کی بحث و تمحیص اور فرمانروائے بھوپال کی پیشی سے منظور ہوا، اور اس کے لئے چالیس ہزار کی رقم بجٹ مین رکھی گئی،

ایک سال سے زیادہ ہوا کہ اعلیٰ حضرت نے مجھے یاد فرمایا، اور مجھ سے یہ خواہش کی کہ ان مدارس کا جو خاکہ میری صدارت مین بنا ہے مین ہی اس کو عملی صورت مین بھی لاؤن، اور اظہار فرمایا کہ "مین چاہتا ہون کہ بھوپال جس طرح پہلے ان علوم کا مرکز تھا پھر ہو جائے" مجھ پر اعلیٰ حضرت کے اس فقرے کا بڑا اثر ہوا، اور مین نے ان کے اس بلند جذبہ کی بڑی قدر کی، اور اسی احساس سے متاثر ہو کر مین نے عرض کیا کہ گو میری صحت اچھی نہین اور دارالعلوم ندوہ اور دارالمصنفین کی ذمہ داریون سے گرانبار ہون، تاہم ارشاد والا کے مطابق مین سال ڈیڑھ سال یہان رہ کر ان مدارس کی خدمت کرون گا،

چنانچہ اسی کے مطابق اس سال اپریل ۱۹۴۶ء کے وسط مین مجھے بھوپال آنے کی دعوت دی گئی، لیکن مین اپنی مصروفیتون کے سبب سے اخیر جون مین یہان پہنچا، اور یکم جولائی سے جو یہان کے تعلیمی سال کے آغاز کا زمانہ ہے، مین نے اپنا کام شروع کر دیا، اس اثنا مین دارالقضا، اور بعض دوسرے صیغے بھی میرے حوالہ کئے گئے، جن کا گو مین اہل نہین مگر ان کی خدمت کا جذبہ اپنے دل مین پاتا ہون، اور جی چاہتا ہے کہ ان صیغون کو جو ریاستون مین ان کی شان کے مطابق نہین ہین، ایسی ترقی دی جائے کہ وہ ریاستون کے دوسرے ترقی یافتہ صیغون کے برابر ہو جائین،

اسی سلسلہ مین سرکار بھوپال سے تالیف و تصنیف اور مفید کتابون کی طبع و اشاعت کی غرض سے پانچ سو ماہانہ کی امداد بھی منظور کی گئی ہے تاکہ اس سے غیر مطبوعہ عربی و فارسی کتابون کی اشاعت کا سلسلہ جاری کیا جائے اور مفید اردو کتابون کی تالیف و اشاعت عمل مین آئے، اور یہ کام بھی میری ہی نگرانی مین دیا گیا، چنانچہ اس کے لئے بعض تجویزین زیر پیش ہین،

اس سلسلہ مین بے شبہہ کچھ زمانہ تک مجھے بھوپال مین قیام کرنا پڑے گا، لیکن ریاست نے یہ منظور کیا ہے کہ دارالعلوم اور دارالمصنفین کی نگرانی اور دیکھ بھال کے لئے سال مین تین چار بار مجھے

لکھنؤ اور اعظم گڈھ آنے جانے کی اجازت رہے گی، و اُفوض امری الی اللہ، ان اللہ رؤف بالعباد،

ـــــــــ

ہمارے دوست مولوی عبد الماجد صاحب دریا بادی رکن دار المصنفین نے ہمیشہ میری طویل غیر حاضری کے زمانہ میں، دار المصنفین کی علمی نگرانی کی ہے، چنانچہ میرے سفر یورپ کے زمانہ میں آٹھ ماہ کے قریب اور سفر حجاز کے موقع پر تین ماہ تک دار المصنفین اور معارف کی نگرانی فرمائی ہے، اور اس وقت بھی جب میں بھوپال میں ہوں ارکان دار المصنفین کی خواہش پر انھوں نے اس خدمت کو قبول کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو اس کی جزاے خیر دے،

ـــــــــ

احباب سے درخواست ہے کہ ان میں سے جو صاحب ذاتی طور سے مجھ سے خط و کتابت کرنا چاہتے ہیں، وہ بھوپال کے پتہ سے کریں، لیکن معارف سے متعلق ہر قسم کی مراسلت صرف اڈیٹر کے نشان سے اعظم گڈھ اور دار المصنفین سے متعلق مراسلت مہتمم دار المصنفین اعظم گڈھ کے نام سے کی جائے، اور ان دونوں میں میرا نام نہ لکھا جائے، ورنہ تعمیل میں دقت ہوگی،

ـــــــــ

دار المصنفین میں پرانی کتابوں کے ذخیروں کے ختم ہو جانے کے سبب سے ان کی دوبارہ اشاعت کا کام اتنا بڑھ گیا ہے کہ نئی کتابوں کی اشاعت کا کام التوا میں پڑ رہا ہے، اسی لئے اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ مطبع کے سامان کو بڑھایا جائے، چنانچہ نئی مشینوں کی خریداری اور تلاش کا کام جاری ہے، اگر مقصد کے مطابق مشین مل گئی تو انشاء اللہ نئی کتابوں کی اشاعت کا کام بھی شروع کر دیا جائیگا،

ـــــــــ

دار المصنفین میں بعض نئے رفقا کا اضافہ ہوا ہے، گذشتہ سال سے مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی دار المصنفین کی رفاقت میں ہیں جنکا مضمون "سرمد" معارف کی پچھلی اشاعتوں میں نکلا ہے اور اب مولوی وحید احمد صاحب ندوی اور مولوی وحید الرحمن صاحب ندوی کا انتخاب ہوا ہے، یہ دونوں صاحب دار المصنفین میں آگئے ہیں اور کتابوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں،

ـــــــــ

مقالات

علماے اسلام کا اخلاق

از

مولانا عبدالسلام ندوی

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو معارف ماہ جولائی)

"گذشتہ نمبرون مین علماے اسلام کے جو محاسن اخلاق بیان کئے گئے ہین، ان سے یہ اندازہ ہوا ہوگا، کہ دورِ صحابہ و تابعین مین علماء کے جو مخصوص محاسن اخلاق تھے، وہ کم و بیش ہر دور مین ان مین موجود رہے لیکن جون جون زمانہ گذرتا گیا، ان مین چند اخلاقی معائب بھی پیدا ہوتے گئے، ان کے محاسن اخلاق پیش کرنے کے بعد ان کے معائب پر بھی اس حیثیت سے نگاہ ڈالنا مفید ہے کہ ہم یہ غور کرسکین کہ آج بھی ہم مین یہ عیوب کہا تک موجود ہین اور اگر ہین تو ہمکو انکی اصلاح کرنی چاہئے؛

اسلام کی اخلاقی تاریخ مین سب سے پہلے امام غزالی نے ان معائب پر نگاہ ڈالی ہے اور علماء کے ہر گروہ کی اخلاقی برائیان دکھلائی ہین، اور احیاء العلوم مین ایک خاص باب باندھا ہے، جس کی سرخی "بیان اصناف المغترین" اس مین ان لوگون کی اخلاقی حالت بیان کی ہے جن کو اپنی نسبت دھوکا ہوتا ہے اور وہ غلطی سے اپنے عیب کو ہنر سمجھتے ہین، اس مین انھون نے علماء کے مختلف گروہ قرار دیئے ہین، اور ہر گروہ کے اخلاقی معائب بیان کئے ہین، چنانچہ لکھتے ہین کہ

ان مین ایک گروہ تو وہ ہے، جو ہمیشہ ظاہری عبادات مین مشغول رہتا ہے، اور گناہون سے اجتناب کرتا ہے لیکن اس کا دل صفاتِ مذمومہ سے پاک نہین ہوتا، مثلاً غرور، حسد، ریا، شہرت پسندی، ریاست طلبی اور اپنے ہمسرون کو نقصان پہنچانا، یہانتک کہ ان مین بعض لوگون کو یہ بھی معلوم نہین کہ یہ اوصاف مذموم ہین،

دوسرا گروہ وہ ہے جو یہ جانتا ہے کہ شریعت مین یہ اخلاق مذموم ہین، لیکن خود پسندی کی وجہ سے اس کو اپنے یہ اخلاقی معائب نظر نہین آتے، اور وہ اپنے آپ کو انسانون سے بالاتر سمجھتا ہے، اور جب اس مین غرور، جاہ پسندی، اور ریاست طلبی کی علامتین ظاہر ہوتی ہین، تو کہتا ہے کہ یہ غرور نہین ہے، یہ علم و دین کے عز و شرف کا اظہار اور دین کی حمایت ہے، اگر مین ادنی درجے کے کپڑے پہنون، ادنی درجہ کی مجلس مین بیٹھون تو دشمنان دین اس پر خوش ہون گے، اور میری ذلت، اسلام کی ذلت ہو گی، لیکن وہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور صحابہ کی حالت کو بھول جاتا ہے، کہ انھون نے کس تواضع اور فقر و مسکنت کے ساتھ اسلام کی حفاظت کی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب شام مین نہایت معمولی کپڑے پہن کر آئے، تو لوگون نے اس پر نکتہ چینی کی لیکن انھون نے کہا کہ خدا نے ہم کو اسلام سے معزز کیا ہے، اس لئے ہم اس کے سوا اور کوئی عزت نہین چاہتے، اسی طرح جب وہ اپنے ہمسرون کے ساتھ حسد کا اظہار کرتا ہے تو یہ نہین سمجھتا کہ یہ حسد ہے، بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ غم و غصہ محض حق کے لئے ہے، اسی طرح جب وہ اپنے علم و عمل کی نمایش کرتا ہے، اور اس کو ریاکاری کا شبہہ پیدا ہوتا ہے تو کہتا ہے حاشا یہ ریاکاری نہین ہے، بلکہ علم و عمل کے اظہار سے میرا مقصد یہ ہے کہ لوگ میری اقتدا کرکے دین کا راستہ پائین، اور عذاب الٰہی سے نجات حاصل کرین، لیکن اگر لوگ دوسرے عالم کی اقتدا کرنے لگین تو وہ اس پر خوش نہ ہوگا، اور اس حالت مین شیطان اسکو یہ دھوکا دیگا، کہ اگر لوگ مجھ سے ہدایت حاصل کرتے تو اس کا ثواب مجھ کو ملتا، لیکن اگر کوئی پیغمبر اس کو یہ بتائے، کہ گمنامی اور علم کے چھپانے مین اس کے ظاہر کرنے سے زیادہ ثواب ملے گا، اور اس کے ساتھ اسکو

قید کر کے بیڑیون مین جکڑ دیا جائے، تو وہ قید و بند سے نکلنے کی تدبیرین کرے گا، تاکہ پھر درس کے مسند اور وعظ کے منبر پر چڑھ کر اپنی ریاست کا اظہار کر سکے، وہ بادشاہون کے دربار مین جاتا ہے، اُن سے دوستانہ تعلقات رکھتا ہے، ان کی مدح و ثنا کرتا ہے، اور ان کے ساتھ بہ تواضع پیش آتا ہے، اور جب اس کے دل مین یہ بات کھٹکتی ہے کہ ظالم بادشاہون کے ساتھ بہ تواضع پیش آنا حرام ہے، تو شیطان اس کو دھوکا دیتا ہے کہ یہ تو اس وقت ہے جب اُن سے مال کی خواہش کی جائے، لیکن تمھارا مقصد تو مسلمانون کی سفارش کرنا اور ان کو نقصان سے بچانا ہے،

غرض اسی طرح امام صاحب نے متکلمین، فقہا، اہلِ حدیث، وعاظ اور اہلِ ادب سب کے اخلاق پر تنقید کی ہے، اور نتیجہ نکالا ہے کہ یہ لوگ نفس کے دقیق اخلاقی معائب سے ناواقف ہین، اور ان علوم سے ان کا مقصد صرف شہرت طلبی اور جاہ پسندی ہے، اور بعض واقعات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ حافظ ذہبی نے شیخ الاسلام حافظ ابو اسمٰعیل (المتوفی ۴۸۱ھ) کے حال مین لکھا ہے کہ وہ اپنی مجلس مین عمدہ کپڑے پہن کر اور قیمتی سواری پر سوار ہو کر جاتے تھے، اور کہتے تھے کہ "مین دین کی عزت بڑھانے اور اس کے دشمنون کے ذلیل کرنے کیلئے ایسا کرتا ہون، تاکہ وہ میرے اعزاز اور شان و شوکت کو دیکھین تو اسلام کی طرف مائل ہون"، پھر جب اپنے گھر مین آتے تھے، تو وہ گدڑی پہن کر خانقاہ مین صوفیون کے ساتھ بیٹھ جاتے تھے، ان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے، اور ان سے کسی چیز مین، امتیاز نہین حاصل کرتے تھے"[۱]

امام سفیان ثوری کا قول ہے کہ "علم حدیث کی تحصیل موت کا زادِ راہ نہین ہے، بلکہ وہ نفس کے مشغول رکھنے کا ایک حیلہ ہے"، حافظ ذہبی اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہین کہ انھون نے بالکل سچ کہا کیونکہ علم حدیث کی تحصیل اور چیز ہے اور حدیث اور چیز، علم حدیث کی تحصیل ایک عرفی نام ہے، جو

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۳۵۱،

اُن امور پر مشتمل ہے، جو ماہیت حدیث پر زائد ہیں، اور زیادہ تر ان امور سے محدث اپنے دل کا شوق پورا کرتا ہے، مثلاً عمدہ نسخون کا حاصل کرنا، معالی کی تلاش کرنا، شیوخ کی تعداد کا بڑھانا، خطاب ولقب اور تعریف سے خوش ہونا، روایت کرنے کے لئے طویل عمر کی آرزو کرنا، اور چند ایسے امور مین سب سے منفرد ہونا، جو اغراض نفسیانہ کے لئے نہ کہ اعمال ربانیہ کے لئے ضروری ہین، جب علم نبوی کی تحصیل ان آفات مین گھری ہوئی ہے، تو تم کو اخلاص کیونکر حاصل ہو سکتا ہے، اور جب علم آثار خدشات سے محفوظ نہین، تو علم منطق، جدل اور حکمت کی نسبت تمھارا کیا خیال ہے، ؟ جو ایمان کو سلب کر لیتی ہین اور شکوک و حیرت پیدا کرتی ہین[۵] اسی نکتے کو امام غزالی ان الفاظ مین بیان کرتے ہین، کہ "ان مین بعض لوگ شہرون مین گھومتے ہین، اور شیوخ کو دیکھتے ہین، تاکہ وہ یہ کہہ سکین کہ مین فلان سے روایت کرتا ہون، اور مین نے فلان کو دیکھا ہے، اور میرے پاس ایسی اسناد ہین، جو اورون کے پاس نہین ہین"

•

علماء کی اخلاقی حالت پر مناظرون کے عام رواج کا نہایت مضر اثر پڑا، دور عباسیہ تک تو یہ مناظرے علم کلام کے مسائل کے متعلق ہوا کرتے تھے، لیکن جب ان کی وجہ سے سخت تعصب پھیل گیا، اور جنگ وخونریزی تک نوبت پہنچ گئی، تو مناظرے کے لئے فقہ کا میدان انتخاب کیا گیا، اور زیادہ تر امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رح کے اختلافی مسائل کے متعلق مناظرے ہونے لگے، غالباً اس تخصیص کی وجہ یہ ہوگی کہ دوسرے مذاہب مین عقلی زور آزمائی کا موقع بہت کم ملتا تھا، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے مذہب مین عقل وقیاس کی آمیزش نے طباعی اور احتمال آفرینی کے مواقع زیادہ پیدا کر دیئے تھے، اس لئے مناظرے کے لئے یہ دونون مذاہب زیادہ موزون تھے، بہرحال ان دونون مذاہب کے درمیان مناظرے کا عام

---

[۵] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۸۵،

رواج ہوا، اور امراء و وزراء کے سامنے اس قسم کی مجلسین منعقد ہونے لگین، اور انھون نے اس قدر وسعت حاصل کی کہ ماتمی حلقے بھی ان سے خالی نہ رہے، ابو الولید باجی کا بیان ہے کہ بغداد مین یہ رسم ہے کہ جب کسی کا کوئی محبوب عزیز مرجاتا ہے تو وہ چند دن اپنے محلے کی مسجد مین اپنے پڑوسیون اور عزیزون کے ساتھ اس کے ماتم مین بیٹھتا ہے، اور سوگ کے دن یا تو قرآن مجید کی تلاوت مین گذارے جاتے ہین، یا فقہا کے درمیان مناظرے کرائے جاتے ہین[1] یہ طریقہ اگرچہ علم وفن کی ترقی کے لئے نہایت مفید تھا لیکن اس سے علماء مین بہت سی بداخلاقیان پیدا ہوگئین، امام غزالی نے احیاء العلوم مین ان کی جو تفصیل کی ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے،

۱- حسد، کوئی مناظر حسد سے خالی نہین ہوتا، کیونکہ وہ کبھی غالب ہوتا ہے، اور کبھی مغلوب، کبھی اس کے کلام کی تعریف ہوتی ہے، اور کبھی دوسرے کا کلام قابل ستائش خیال کیا جاتا ہے، اس لئے جب تک دنیا مین علم و مناظرہ مین اس سے بہتر کوئی شخص موجود ہوگا وہ اس پر حسد کرے گا،

۲- تکبر و ترفع - کوئی مناظر کبر و ترفع سے خالی نہین ہوتا، یہان تک کہ مناظرے کی بعض مجلسون مین وہ اس پر جنگ کرتے ہین، کہ کون نیچے بیٹھا ہے، اور کون اوپر، اور کون رئیس کے مسند سے قریب ہے، اور کون دور اور اس کا نفس یہ دھوکا دیتا ہے، کہ اس سے علم کی عزت کا تحفظ مقصود ہے، اور مسلمان کو ذلت اختیار کرنے کی ممانعت کی گئی ہے،

۳- کینہ و عداوت، ہر مناظر مین یہ بداخلاقی پائی جاتی ہے، کیونکہ جو شخص اس کے فریق کی بحث کو پسند کرتا ہے، اور خود اس کی بحث کو پسندیدگی سے نہین سنتا، اس کے دل مین اس سے بغض پیدا ہو جاتا ہے، اگر اس کے حریف نے اس کی بحث کے ساتھ تھوڑی سی بھی بے اعتنائی کی، تو وہ اس کے

---

[1] طبقات الشافعیہ جلد ۳ ص ۱۰۵،

دل میں ایسی عداوت پیدا ہو جاتی ہے، جو قیامت تک زائل نہیں ہوسکتی

۴۔ غیبت، کوئی مناظر ایسا نہیں ہے جو اپنے فریق کی بحث کی برائی بیان نہ کرتا ہو، اور اسی کا نام غیبت ہے، اسی طرح جو لوگ اس کی بحث سے اعراض کرتے ہیں، اور اس کے فریق کی بحث کو سنتے ہیں، ان کو جاہل، احمق، اور غبی کہتا ہے،

۵۔ خودستائی، ہر مناظر علم و فضل میں اپنی بڑائی بیان کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ بھلا مجھ جیسے شخص سے یہ بات مخفی رہ سکتی ہے؟ علم حدیث اور اصول کا میں سب سے بڑا ماہر ہوں،

۶۔ تجسس، مناظر ہمیشہ اپنے فریق کی برائیوں کی ٹوہ میں رہتا ہے، یہاں تک کہ جب کوئی مناظر اس کے شہر میں آتا ہے، تو اس کو ایسے شخص کی تلاش ہوتی ہے، جو اس کی اندرونی حالت کو بتائے، وہ لوگوں سے پوچھ پوچھ کر اس کے عیوب کا پتہ لگاتا ہے، تاکہ اس کے ذلیل و شرمندہ کرنے کے لئے مسالہ ہاتھ آئے، یہاں تک کہ وہ اس کے بچپن کے حالات اور جسمانی عیوب کا پتہ لگاتا ہے، اور تمسخر اور استہزار سے ان کا اظہار کرتا ہے،

۷۔ شماتت، جو شخص علم و فضل کا اظہار فخر و مباہات کے لئے کرتا ہے، اس کو یقیناً اس چیز سے مسرت ہوتی ہے، جس سے اس کے حریف کو رنج پہنچتا ہے، ایسی حالت میں رنج و غم میں باہمی شرکت جو علمائے قدیم میں پائی جاتی تھی، وہ کہاں باقی رہتی ہے؟

۸۔ نفاق، ایک مناظر اپنے حریف سے بظاہر تو نہایت تپاک سے ملتا ہے لیکن اس کا دل اس کے بغض سے بھرا ہوتا ہے، اور اسی کا نام نفاق ہے،

۹۔ اعراض عن الحق، مناظر کو یہ بات سخت ناگوار ہوتی ہے، کہ اس کے حریف کی زبان سے حق کا اظہار ہو، چنانچہ جب کبھی اظہار ہوتا ہے تو وہ اس کا انکار کرتا ہے، اور اس میں ہر قسم کے مکر و فریب سے کام لیتا ہے، یہاں تک کہ کج بحثی اس کی فطرت بن جاتی ہے،

۱۰- ریا کاری: مناظر کا مقصود صرف یہ ہوتا ہے، کہ لوگون مین اس کا نام و نمود ہو، اور لوگ اس کی مدح و ستایش کرین، اس لئے لوگون کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے وہ سعی بلیغ کرتا ہے، اور اسی کا نام ریا ہے،

یہ برائیان تو اکابر و عقلا مین پائی جاتی ہین، اور ان برائیون سے اور بھی بداخلاقیان پیدا ہوتی ہین، مثلاً ضد، غصہ، دشمنی، حرص، جاہ و مال کی خواہش، فخاری اور غرور وغیرہ اور جو لوگ کم درجہ کے ہوتے ہین، وہ جھگڑا فساد، مارپیٹ، سب و شتم اور افترا و بہتان سے بھی دریغ نہین کرتے، جو لوگ شہرت طلبی اور زرپرستی کے لئے وعظ و پند کا پیشہ اختیار کرتے ہین، ان مین بھی یہ تمام بداخلاقیان پائی جاتی ہین، اور جو لوگ قاضی بننے، اوقاف کے متولی ہونے اور ہمسرون پر تفوق حاصل کرنے کے لئے علم فقہ اور علم فتاوی مین مشغول رہتے ہین، وہ بھی ان بداخلاقیون سے خالی نہین ہوتے[۱]،

ان تمام بداخلاقیون کا ظہور تعصب کی شکل مین ہوا، اور یہ وبا صرف علما تک محدود نہین رہی بلکہ اس سے عوام بھی شدت کے ساتھ متاثر ہوئے، اور باہم سخت جنگ و خونریزیان ہوئین، ابن حوقل لکھتا ہے، کہ رے کے باشندے شافعی المذہب اور حنفی المذہب ہین، لیکن شافعیون کی تعداد حنفیون سے کم ہے، ان دونون مین سخت تعصب ہے، اور اس تعصب کی وجہ سے ان مین بہت سی لڑائیان ہوئین جن مین باوجود تعداد کی کمی کے شافعیون کو غلبہ حاصل ہوا[۲]،

یاقوت حموی نے ان لڑائیون کے دردانگیز نتائج کو بچشم خود دیکھا ہے، اور عبرت انگیز طریقے پر ان کی تفصیل کی ہے، وہ لکھتا ہے کہ مین رے کے ویرانہ سے ۶۱۷ھ مین گذرا تو دیکھا کہ اس کے کھنڈرون کی دیوارین کھڑی ہین، اس کے منبر باقی ہین، اور چونکہ جلد ہی ویران ہوا ہے، اس لئے اس کی دیوارون کے نقش و نگار علی حالہ قائم ہین، مین نے وہان کے ایک سمجھدار آدمی سے اس ویرانی کا سبب

---

[۱] احیاء العلوم جلد اول بیان آفات المناظرۃ و ما تولد منہا من مہلکات الاخلاق [۲] ابن حوقل ص ۲۲۴،

پوچھا اس نے کہا کہ سبب تو معمولی ہے، لیکن خدا جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کو پورا ہی کردیتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس شہر مین تین گروہ تھے، ایک تو شافعیہ جن کی تعداد بہت کم تھی، دوسرے حنفیہ جن کی تعداد بہت زیادہ تھی، تیسرے شیعہ جن کی تعداد ان سب سے زیادہ تھی، کیونکہ اہلِ شہر مین نصف شیعہ تھے، اور دیہات کے باشندون مین زیادہ تر شیعہ اور تھوڑے سے حنفی تھے، اور ان مین شافعی کوئی بھی نہ تھا، پہلے سنیون اور شیعون مین تعصب پیدا ہوا اور حنفیون اور شافعیون نے اُن پر غلبہ حاصل کر لیا، اور طویل لڑائیون کے بعد ان دونون نے شیعون کا نام و نشان تک مٹا دیا، اس کے بعد حنفیون اور شافعیون مین تعصب پیدا ہوا، اور ان دونون کے درمیان لڑائیان ہوئین جن مین باوجود تعداد کی کمی کے شافعیون کو غلبہ حاصل ہوا، دیہاتی لوگ جو حنفی تھے، شہر مین ہتھیار لیکر آتے تھے، اور اپنے ہم مذہب لوگون کی مدد کرتے تھے لیکن اس سے حنفیون کو کچھ فائدہ نہین پہنچا، اور شافعیون نے ان کا بالکل خاتمہ کردیا، یہ ویران محلے جن کو تم دیکھ رہے ہو شیعون اور حنفیون کے محلے ہین، صرف یہ محلہ جو شافعیہ کے نام سے مشہور ہے، باقی رہ گیا ہے، اور وہ رے کا سب سے چھوٹا محلہ ہے، اور شیعون اور حنفیون مین صرف وہی لوگ رہ گئے ہین، جو اپنے مذہب کو چھپاتے ہین[1]

اصفہان مین بھی اس خانہ خراب تعصب نے اسی قسم کی ویرانی پیدا کردی، چنانچہ یاقوت حموی اصفہان کے حالات مین لکھتا ہے، کہ شافعیون اور حنفیون کے تعصب اور دونون کی متصل لڑائیون کی وجہ سے اصفہان اور اس کے اطراف مین اس وقت اور اس سے پہلے عام ویرانی پیدا ہوگئی ہے، کیونکہ جب کسی فریق کو غلبہ حاصل ہوتا ہے، تو وہ دوسرے فریق کے محلے کو لوٹ لیتا ہے، اس کو جلا دیتا ہے اور اس کو ویران کردیتا ہے[2]

اختلاف عقائد کی وجہ سے جو تعصب پھیل گیا تھا، وہ اس پر مستزاد تھا، ابو نصر عمید الملک کندری

---

[1] معجم البلدان جلد اول ص ۳، ۲، [2] ایضاً ج اول ص ۲۷۳،

جو طغرل سلجوقی کا وزیر تھا، نہایت متعصب تھا، اوس نے الپ ارسلان سلجوقی سے اس بات کی اجازت لی کہ خراسان کی مسجدون مین سر منبر شیعون پر لعنت بھیجی جائے، اس نے اس کی اجازت دیدی عمید الملک نے اس مین اشعریین کو بھی شامل کرلیا جس سے ائمۂ خراسان مین سخت برہمی پھیل گئی، اور ابو القاسم قشیری اور امام الحرمین نے خراسان کو چھوڑ دیا،[۵]

تعصب و مناظرہ کے علاوہ فقہا کی موشگافیون نے فقہی حیلون کا ایک اور فتنہ پیدا کیا جس سے اسلام مین ایک عظیم الشان مذہبی اور اخلاقی انقلاب پیدا ہو گیا، اور بہت سی ناجائز چیزین ان حیلون کے ذریعہ سے جائز ہو گئین، اس قسم کی حیلہ بازیان فقہ کے چوتھے دور مین شروع ہوئین، جو دوسری صدی ہجری سے شروع ہوا، اور چوتھی صدی تک ختم ہو گیا، کیونکہ اس دور مین مسلمانون مین عقلی ترقی کے ساتھ اخلاقی انحطاط شروع ہو گیا تھا، اور عیش و عشرت کی گرم بازاری ہو چلی تھی لیکن اسی کے ساتھ مذہب کا اثر بھی قائم تھا، اس لئے مذہب کی دار و گیر سے مفر کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہ تھی، کہ جو کچھ کیا جائے، اس کے جواز کے لئے مذہب ہی کی سند حاصل کی جائے، اس قسم کی حیلہ بازیون کے بہت سے واقعات کتابون مین مذکور ہین،

یہ حیلے امرا و سلاطین کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تراشے جاتے تھے، ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ ان لوگون کو کسی مذہبی کشمکش سے نجات دلائی جائے،

لیکن بعد کو ان باتون کی کوئی تخصیص نہین رہی، اور یہ ایک مستقل فن بن گیا، اور اس پر کتابین لکھی گئین جن پر عمل کرنے سے تمام حقوق شرعیہ ساقط ہو سکتے ہین مثلاً ایک شخص کے پاس اس قدر مال ہے، کہ سال کے ختم ہونے پر اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اب زکوٰۃ سے بچنے کا حیلہ یہ ہے کہ سال کے ختم ہونے پر اس کو اپنے اہل و عیال پر ہبہ کردے پھر جب نیا سال شروع ہو تو اپنے اوپر ہبہ کرالے،

---

[۵] ابن خلکان جلد دوم ص ۰۰،

بنے ہوئے صوفیہ نے بھی ان حیلوں سے فائدہ اٹھایا، اور جو چیزیں شرعاً ناجائز تھیں، نام بدل کر ان کو جائز کرلیا، بھانگ کا ایک خاص نام رکھ لیا، طنبور، عود، بربط وغیرہ باجوں کے نام بدل دیئے، گویتے کو حادی، مطرب وغیرہ کہنے لگے[۱] لیکن محدثین نے ان حیلوں پر سخت اعتراضات کئے، ان کے نزدیک تمام اعمال کی بنیاد نیت پر ہے، اور نام اور صورت بدل دینے سے کسی چیز کی حقیقت نہیں بدل جاتی، خود حدیث میں ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں پانچ چیزوں پانچ چیزوں کے نام سے حلال کرلی جائیں گی، شراب ایک خاص نام سے، رشوت ہدیہ کے نام سے، قتل، رعب وداب کے نام سے، زنا نکاح کے نام سے، اور سود بیع کے نام سے[۲] ابن قیم نے اعلام الموقعین میں اور علامہ ابن تیمیہ نے اپنے مجموعۂ فتاوی میں ان حیلوں کے ابطال پر نہایت مفصل بحثیں کی ہیں، اور ان کے متعلق محدثین کے نہایت سخت اقوال نقل کئے ہیں، امام احمد بن حنبل وغیرہ ائمہ نے ان حیلہ بازوں کی تکفیر کی ہے اور ان کا متفقہ قول یہ ہے کہ جو شخص ان حیلوں کے مطابق فتوی دیتا ہے، وہ اسلام کے نظام کو الٹ پلٹ دیتا ہے، اور اسلام کے شیرازے کی ایک ایک گرہ کھول کر رکھدیتا ہے، ایک عورت اپنے شوہر سے خلع کرانا چاہتی تھی، لیکن شوہر اس پر راضی نہیں ہوتا تھا اب اس کو یہ تدبیر بتائی گئی کہ اگر تم مرتد ہوجاؤ تو نکاح ٹوٹ جائے گا، چنانچہ اس نے اس پر عمل کیا، حضرت عبد اللہ بن مبارک سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ جس شخص نے اس قسم کے حیلوں پر کتاب لکھی ہے، وہ کافر ہے، جس نے اس کو سنا اور پسند کیا وہ کافر ہے، اور جو شخص اس کو ایک ضلع سے دوسرے ضلع میں لے گیا وہ کافر ہے، نضر بن شمیل کہتے ہیں کہ کتاب الحیل میں تین سو بیس یا تیس مسئلے ایسے ہیں جو سب کے سب کفر ہیں، قاسم بن معن کہتے تھے کہ تم لوگوں نے حیلوں پر جو کتابیں لکھی ہیں، وہ بدکاری کی کتابیں ہیں[۳] لیکن

---

[۱] اعلام الموقعین جلد ۳ ص ۱۰۷، [۲] اعلام الموقعین جلد ۳ ص ۱۰۶،

[۳] اعلام الموقعین، جلد ۳ ص ۱۴۷، ۱۴۸،

باایں ہمہ اوس زمانہ مین مذہب واخلاق کا اس قدر اثر تھا کہ لوگ ان کتابون کو علانیہ اپنے نام سے نہین لکھ سکتے تھے، چنانچہ آج تک یقین کے ساتھ ان کے مصنفین کا نام نہین بتایا جا سکتا، دورِ جدید کے ایک مصنف نے لکھا ہے، کہ فقہ کے اس دور مین نئے نئے مسائل کے ایجاد کرنے کا جو میلان پیدا ہو گیا تھا، اوس نے ضعیف المذہب لوگون کو اس قسم کے حیلون کے ایجاد کرنے پر آمادہ کیا[۱] لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ عباسی دور مین جو عجمی فرقے علمی حیثیت سے مسلمانون کے مذہب و اخلاق مین ضعف پیدا کرنا چاہتے تھے انھون نے گمنام طریقے پر اس قسم کی کتابین شائع کر دی ہون،

بہرحال یہ ایک مذہبی اور اخلاقی فتنہ تھا جو عباسی دور مین عقلی ترقی اور اخلاقی تنزل کے ساتھ ساتھ پھیلا، اور رند مشرب اور اہل دول اس سے خاص طور پر متاثر ہوئے، اور محدثین نے اس کی روک تھام مین خاص طور پر حصہ لیا، امام غزالی نے بھی احیاء العلوم مین ان حیلون کو فقہا کا ایک دھوکا قرار دیا ہے،[۲]

علماء مین جن لوگون نے وعظ و پند کو اپنا پیشہ بنا لیا تھا، ان کی حالت اس سے بھی بدتر تھی اور علماء کے بعض اخلاق مذہبی اور صوفیانہ نقطۂ نظر سے گو قابلِ اعتراض ہون، لیکن دنیوی حیثیت سے ان مین ترفع، بلندی، اور طبّاعی پائی جاتی تھی لیکن واعظون نے بالکل گداگری کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ اور عبارت آرائی، رنگین بیانی اور قصہ خوانی کے ذریعہ سے لوگون کے دلون کو اپنی طرف مائل کرتے تھے امام غزالی نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ کے واعظون کی یہی حالت ہے، اگر کوئی شخص شاذ و نادر ملک کے کسی گوشے مین اس کے خلاف ہو تو ہو لیکن ہم کو کوئی ایسا شخص معلوم نہین ابن جبیر نے اپنے سفرنامہ مین ایک بڑے خطیب کی مجلس وعظ کے ذکر مین لکھا ہے، کہ انھون نے اپنی مجلس ان الفاظ مین ختم کی کہ حاضرین مین نے ایک رات تو خدا کے حرم مین تمھارے سامنے وعظ کہا اور آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم مین

---

[۱] تاریخ التشریع الاسلامی ص ۲۰۵ [۲] احیاء العلوم جلد ۳ ص ۲۴۴،

وعظ کہتا ہون،"واعظ کے لئے گداگری ضروری ہے" اس لئے مین تمھارے سامنے ایک حاجت پیش کرتا ہون اگر تم لوگ اس کے پوراکرنے کا وعدہ کرو تو مین اس کو بیان کر کے اپنی آبروریزی کرون، لوگون نے نہایت گریہ وزاری کے ساتھ اس حاجت کے پوراکرنے کا اعلان کیا، تو اس نے کہا کہ میری حاجت یہ ہو کہ تم لوگ اپنے سرون کو کھول کر اور ہاتھون کو پھیلا کر اس پیغمبر کے سامنے دعا کرو کہ وہ مجھ سے راضی رہے، اور خدا کو بھی مجھ سے راضی کر دے،

یہ ایک نہایت دولت مند آدمی تھا، اس لئے اوس نے کوئی دنیوی غرض پیش نہین کی تاہم اس کے آخری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وعظ گوئی کے لئے گداگری ضروری تھی، اور یہ گداگری جس طرح بھری مجلس مین کی جاتی تھی، ابن جبیر نے اس کا ذکر بھی نہایت ناگواری کے ساتھ کیا ہے[1]

اسی قسم کے فقہا، و واعظین تھے جن پر شیخ سعدی اور خواجہ حافظ نے ریاکاری، جاہ طلبی، زرپرستی اور عجب وغرور کے الزامات لگائے ہین،

لیکن ہر دور کے علماے حق کے امتیازی اوصاف وہی رہے ہین، جن کی تفصیل گذشتہ نمبرون مین بیان کی گئی ہے،

---

[1] سفرنامہ ابن جبیر ص ۲۰۱،

عہدِ تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام

اور

ان کی فارسی تصانیف

از جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب رفیق دارالمصنفین

(۱۰)

حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو معارف فروری ۵۶ئہ)

حضرت شیخ رکن الدین قدس سرہٗ العزیز حضرت شیخ صدرالدین کے لڑکے اور حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کے پوتے تھے، والدہ ماجدہ کا نام بی بی راستی تھا، جو اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے رابعۂ عصر کہلاتی تھیں، انھوں نے اپنے خسر حضرت شیخ بہاءالدین زکریا کے زیرِ سایہ باطنی و روحانی تعلیم و تربیت حاصل کی، ان کو کلام مجید کی تلاوت سے خاص شغف تھا، روزانہ ایک کلام مجید ختم کرتی تھیں، حضرت شیخ رکن الدین کی ولادت سے پہلے حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی نے یہ بشارت دی تھی کہ ان کی وجہ سے خاندان کا چراغ روشن ہوگا، ایک دن جب کہ شیخ رکن الدین چار سال کے تھے، حضرت شیخ بہاءالدین زکریا چارپائی پر بیٹھے تھے، اور دستار مبارک سر سے اتار کر چارپائی کے پایہ پر رکھدی تھی، حضرت شیخ صدرالدین بھی پاس ہی مودب بیٹھے تھے کہ شیخ رکن الدین کھیلتے ہوئے آئے، اور دادا کی دستارِ مبارک اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی، والد ماجد نے ڈانٹا کہ یہ بے ادبی ہے، مگر دادا نے فرمایا کہ صدرالدین پگڑی

پہننے سے اس کو نہ روکو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ اس کا مستحق ہے، اور میں یہ پگڑی اس کو عطا کرتا ہوں، چنانچہ وہ پگڑی محفوظ کر دی گئی، اور جب حضرت شیخ رکن الدین اپنے والد بزرگوار کے بعد مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو وہ انکے سر پر رکھی گئی،[۱]

ظاہری تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی، اور روحانی تربیت میں جد امجد سے فیضیاب ہوئے، دونوں ان کو بہت محبوب رکھتے تھے، شیخ رکن الدین دونوں بزرگوں کا اتنا احترام کرتے تھے کہ کبھی ان سے آنکھیں چار نہ کرتے، اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بولتے، اس خورد سالی میں ان کے اس ادب سے متاثر ہو کر حضرت خواجہ شمس الدین تبریزی نے ان کو رکن الدین عالم کا لقب عطا فرمایا، اور وہ رکن عالم کے نام سے مشہور ہوئے،[۲] انہی دونوں بزرگوں کی صحبت میں انھوں نے صوری و معنوی کمالات حاصل کئے، علم، تواضع، شفقت، حلم، موافقت، بشاشت، مروت، عفو، حیا، وقار، حسن ظن، اور تصغیر نفس جملہ صفات ان میں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں، اور انھوں نے مکاشفہ و محاسبہ سے اتنے مدارج طے کر لئے تھے، کہ ان کو "مخزن مشہود الٰہی" "منبع جود نا متناہی" "ادریس خلوت وحدت" "برجیس برج معرفت" "گوہر معدن صفات لاریب، لولوے سبحۂ دریاے غیب، زبدۃ المشائخ، مفتاح قفل حق الیقین"[۳] کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے، سیر العارفین کے مؤلف نے اُن کے روحانی مرتبہ کی مدح ان الفاظ میں کی ہے،

جہانِ معرفت سلطانِ معنی وجودش آیتے در شانِ معنی

دلش از ظلمتِ اسرار مسرور ہمیشہ جانش از انوار معمور

بباطن در حقیقتۂ فنہ بے باک بظاہر در شریعت چیست چالاک

بریدہ گردن شیطانِ خناس خریدانش زتیغِ پاس انفاس

---

[۱] سیر العارفین ج ۲ ص ۲ و فرشتہ ج ۲ ص ۴۱۱ و مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین،

[۲] مراۃ الاسرار قلمی [۳] سیر العارفین ج ۲ ص ۱،

بملک فقر از کشف وکرامات | زدہ بر عرش کوس استقامات
کلامش پاک از طامات وازشطح | یگانہ شیخ رکن الدین ابوالفتح
بملک فقر جز نعمت نبودش | جماعی ریزہ چین خوان جودش

چھتیس سال کی عمر مین جب وہ والد بزرگوار کی مسند خلافت پر بیٹھے، تو ہر گوشہ سے لوگ خدمت مین حاضر ہوکر فیضیاب ہوئے، جو بھی اہلِ حاجت حاضر ہوتا، اس کی حاجت روائی ضرور فرماتے، اسی لئے "قبلۂ حاجات" بھی کہلاتے تھے، مجلس مین جس کے دل مین کوئی بات آتی، اس کا ان کو کشف حاصل ہوجاتا، اوراس کی دلجوئی کرتے،

مشائخ وسلاطین دونون سے ملتے، مگران کے مراتب کے حدود کو ملحوظ رکھ کر تعلقات قائم کرتے تھے، سلطان علاؤالدین خلجی کے زمانہ مین ایک بار ملتان سے دہلی تشریف لائے، تو سلطان نے شاہی کروفر کے ساتھ دہلی سے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا، اور بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ ان کو دہلی لایا، اور دو لاکھ ٹنکے نذر پیش کئے، پھر رخصت کے وقت پانچ لاکھ نذر کئے، حضرت شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی چھوڑنے سے پہلے یہ کل رقم فقرار ومساکین مین تقسیم دی اور اپنے ساتھ ایک حبہ بھی نہ لے گئے، سلطان وقت کی طرف سے اس اعزاز واکرام کے باوجود فرماتے تھے کہ مین ملتان سے دہلی صرف سلطان نظام الدین اولیار کی محبت اور شوق ملاقات مین آتا ہون، حضرت سلطان الاولیار کو بھی اُن سے قلبی لگاؤ تھا، چنانچہ جب وہ سلطان علاء الدین کی دعوت پر دہلی آئے، تو اگر ایک طرف ان کے استقبال کے لئے سلطان وقت اپنے خدم وحشم کے ساتھ تھا، تو دوسری طرف حوض علائی کے پاس سلطان الاولیار بھی اپنی جلالت وعظمت کے ساتھ ان کے لئے چشم براہ تھے،

حضرت شیخ رکن الدین گو دہلی مین شاہی مہمان ہوتے تھے، مگر زیادہ وقت سلطان الاولیار ہی کی صحبت مین بسر کرتے تھے، دونون ایک دوسرے کا غیرمعمولی احترام کرتے، ایک مرتبہ جب حضرت شیخ

رکن الدین دہلی آئے، تو جمعہ کی نماز ادا کرنے جامع مسجد تشریف لے گئے، حضرت شیخ نظام الدین اولیاء پہلے سے مسجد میں موجود تھے، خود بڑھ کر حضرت شیخ رکن الدین سے ملے، اور تھوڑی دیر اُن کے پاس بیٹھکر اپنی جگہ واپس آئے، اس کے بعد حضرت شیخ رکن الدین جاکر اُن کے قریب بیٹھے، اسی قیام کے زمانہ میں حضرت شیخ رکن الدین حضرت سلطان الاولیاء کی زیارت کے لئے ان کی خانقاہ بھی گئے، لیکن پاؤن میں کچھ تکلیف تھی، اس لئے پالکی سے باہر نہ نکل سکے، اور خود حضرت شیخ نظام الدین دوسرے درویشون کے ساتھ پالکی کے پاس بیٹھے رہے، وہین کھانا منگوایا، کھانے کے بعد اعلیٰ درجہ کا کپڑا اور سو اشرفیان حضرت شیخ رکن الدین کی خدمت میں بطور نذر کے پیش کین، انھون نے قبول کرنے مین تامل کیا، اس لئے محبوب الٰہی نے اُن کے بھائی شیخ عماد الدین اسماعیل کے حوالہ کردیا[۱]

حضرت بہاء الدین زکریا کے نواسے مولانا علم الدین فرماتے ہین، کہ ایک بار حضرت شیخ رکن الدین نے کیلوکری کی مسجد مین جمعہ کی نماز ادا کرنے کے بعد سلطان الاولیاء کی خانقاہ مین قدم رنجہ فرمایا، یہان پہلے سے کچھ فقراء اور مشائخ موجود تھے، اس قران السعدین کے وقت مولانا علم الدین کے دل مین بعض علمی نکات کے حل کرنے کا خیال پیدا ہوا، اور دونون بزرگون سے اجازت لے کر عرض کی کہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مین کیا مصلحت تھی؟ حضرت شیخ رکن الدین نے فرمایا، کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض کمالات کی تکمیل مدینہ منورہ کی ہجرت پر موقوف و منحصر تھی، اس لئے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی جانب جلوہ فرما ہوئے، حضرت سلطان الاولیاء نے ارشاد فرمایا، کہ اس مسئلہ مین میری سمجھ مین یہ بات آتی ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے محبوب کو مدینہ طیبہ اس لئے بھیجا، کہ وہ اصحاب مدینہ جو اپنی بے بضاعتی کی وجہ سے مکہ معظمہ حاضر ہونے کی استطاعت نہین رکھتے تھے وہ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے مستفیض و مستعد ہو کر ظاہری و باطنی کمالات مین مکمل ہوجائین[۲]

غالباً حضرت شیخ رکن الدین دہلی کے پہلے ہی قیام کے زمانہ مین حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر

---

[۱] اخبار الاخیار ص ۲۰، [۲] سیر العارفین جلد دوم ص ۴ و تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۴۱۲،

کے عرس کا زمانہ آگیا، چنانچہ پاک پٹن کی طرح دہلی میں بھی عرس کی تقریب منائی گئی، عرس کی محفل میں حضرت شیخ رکن الدین بھی شریک ہوئے مجلس سماع میں حضرت سلطان الاولیاء پر وجد طاری ہوگیا اور غایت اضطراب میں کھڑے ہونا چاہا، مگر شیخ رکن الدین نے ان کا دامن پکڑ کر بٹھادیا، تھوڑی دیر کے بعد پھر وجد کی کیفیت شروع ہوئی، تو پھر کھڑے ہوگئے، اس مرتبہ شیخ رکن الدین نے ان کو بٹھانے کی کوشش نہیں کی، بلکہ اور مشائخ کی طرح خود دست بستہ مؤدب کھڑے ہوگئے مجلس ختم ہوئی تو مولانا علم الدین نے حضرت شیخ رکن الدین سے پوچھا کہ اس کا کیا سبب تھا کہ پہلی بار تو آپ نے سلطان الاولیاءؒ کو کھڑے ہونے دیا لیکن دوسری بار نہیں روکا، حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا، کہ پہلی بار شیخ نظام الدین کی رسائی عالم ملکوت تک ہوئی تھی وہاں تک میری گذر ممکن تھی، اس لئے میرا ہاتھ پہنچ گیا، اور ان کو بٹھادیا، دوسری بار ان کی رسائی عالم جبروت میں ہوئی، وہاں تک میں نہیں پہنچ سکتا تھا، اس لئے مزاحم نہ ہوا[۵]

حضرت سلطان الاولیاء سے حضرت شیخ رکن الدین کی محبت وعقیدت کا اظہار اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے، کہ انھوں نے اپنے محبوب خلیفہ حضرت شیخ وجیہ الدین عثمان سیاح سنائی کو محبوب الٰہی کی قربت کی خاطر دہلی ہی میں قیام کرنے کا حکم دیا، حضرت عثمان جن کا مزار شریف دہلی میں ہے جب سنام سے سیر وسیاحت کرتے ہوئے دہلی پہونچے، تو ایک دن کیلوکری میں نہر کے پاس حضرت شیخ رکن الدین کو نماز پڑھتے دیکھا چہرۂ اقدس پر نظر پڑتے ہی دل انوار روحانی سے منور ہوگیا اور وہیں ارادت حاصل کرلی، حضرت شیخ ان کو اپنے ساتھ ملتان لے گئے، اور دو سال تک اپنی معیت میں رکھا، اسی مدت میں کلام پاک حفظ کیا، اور مرشد سے حضرت شیخ شہاب الدین کی تصنیف عوارف پڑھتے رہے، خود حضرت شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ جس دن سے شیخ عثمان مرید ہوئے، ترک دنیا اور تجرد کلی اختیار کرلیا، ایک تہبند کے علاوہ ان کے پاس کوئی چیز نہیں رہتی تھی، اسی بے سروسامانی کی حالت میں حج کے لئے تشریف لے گئے، مدینہ منورہ میں ایک سال رہکر دو مرتبہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا، طواف کے دوران میں چشم بینا

---

[۵] سیر العارفین ص ۱۰۶، ۱۰۵ و فرشتہ جلد دوم ص ۴۱۲

سے دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام اُن کے سر پر سایہ کئے ہوئے ہین، یہ دیکھ کر بے چین ہوگئے، اور اسی وقت دوسرے ممالک کی سیاحت کو روانہ ہوگئے، سات برس کے بعد ملتان لوٹے تو مرشد نے گلے سے لگایا اور سر کو بوسہ دیکر فرمایا کہ تم نے یہ بہت اچھا کیا کہ جس روز اپنے سر پر حضرت خضر علیہ السلام کا سایہ دیکھا، اسی وقت مسافرت اختیار کرلی، ورنہ مخلوق کے فتنہ مین پڑجاتے، یہ کہکر اپنا پیراہن محبوب مرید کو پہنایا، اور اپنی دستار ان کے سر پر باندھی، اور پھر چند روز اپنے ساتھ ٹھہرا کر دہلی روانہ کردیا، رخصت کرتے وقت فرمایا کہ تم وہین قیام کرنا جہان حضرت شیخ نظام الدین مقیم ہین، وہان جاکر پہلے حضرت شیخ نظام الدین کو میرا سلام پہنچانا، اور وہ جہان رہنے کا حکم دین، وہین سکونت اختیار کرنا، چنانچہ حضرت شیخ عثمان نے دہلی پہونچکر محبوب الٰہی کی خدمت مین مرشد کا سلام پہنچایا، انھون نے کھڑے ہوکر علیک وعلیہ السلام فرمایا، حضرت شیخ عثمان کو محبوب الٰہی کی صحبت مین اُن سے ایسی محبت و شیفتگی پیدا ہوگئی کہ ہر جگہ اس کا چرچا پھیل گیا، حضرت شیخ عثمان کو سماع کا ذوق پہلے سے بھی تھا، محبوب الٰہی کی مجلسون مین شرکت سے یہ ذوق اور بھی بڑھ گیا، ایک بار اپنی قیامگاہ پر ہمجلیسون کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، کہ سامنے امیر حسن قوال اپنے ساتھیون سمیت گذرا، امیر حسن کو محبوب الٰہی بہت ہی عزیز رکھتے تھے، اور اس کے گانے کے بہت فریفتہ تھے، امیر حسن بھی محبوب الٰہی اور شیخ عثمان کے گہرے مراسم سے واقف تھا، ان کو دیکھ کر ان کی خدمت مین حاضر ہوا، حضرت شیخ عثمان محبوب الٰہی کے ہمدم مجلس اور محرم صحبت قوال کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آئے، اور اس سے کچھ سنانے کی فرمایش کی، اس زمانہ مین سلطان غیاث الدین تغلق کی طرف سے محفل سماع پر قدغن تھی، اس لئے امیر حسن کو اس فرمایش کی تعمیل مین تامل ہوا، حضرت شیخ عثمان کو اس مین زنجیر لگاکر گانے کے لئے مصر ہوئے، امیر حسن نے سلطان وقت کے خوف سے دھیمی آواز مین یہ بیت شروع کی،

زاہد زدین برآمد صوفی ز اعتقاد

ترسا محمدی شد و عاشق ہمان کہ ہست

امیر حسن نے جب تکرار کے ساتھ اس کو گایا، تو حضرت شیخ عثمان بے خود اور بے قابو ہو گئے، اور امیر حسن سے زور سے گانے کو فرمایا، وہ بھی شیخ کے جذب و بے خودی کو دیکھ کر بے اختیار ہو گیا، اور دل کھول کر گانے لگا، حضرت شیخ عثمان نے اس بے خودی مین دروازہ کھول دینے کا حکم دیا، بائیس قوال اور آ گئے، اور یہ محفل سماع جذب و کیف کی ایسی مجلس بن گئی، کہ شہر کے تمام صوفیہ آکر جمع ہو گئے، اور کئی ہزار تماشائیون پر حال و قال طاری ہو گیا، اور حضرت شیخ عثمان مذکورہ بالا شعر پڑھتے ہوئے بے خودی کی حالت مین جماعت خانہ سے نکل آئے، اور تغلق آباد کی طرف چل کھڑے ہوئے، قوال بھی ساتھ ساتھ گاتے جاتے تھے، پیچھے لوگون کا مجمع تھا، اور سب کے سب شیخ کے جذب و بیخودی کے اثر سے سرشار تھے، اسی حال مین شیخ تغلق آباد شاہی محل کے پاس پہونچے، سلطان غیاث الدین تغلق سمجھا کہ کوئی فتنہ اٹھا ہے، ملک شادی خان کو تحقیقات کے لئے بھیجا، اس نے واپس آکر اطلاع دی کہ حضرت شیخ عثمان صوفیون اور قوالون کی ایک کھلی ہوئی محفل سماع منعقد کئے ہوئے ہین، سلطان پر برہمی کے آثار ظاہر ہوئے، مگر پھر اس نے اس فہرست کو منگا کر دیکھا جس مین ان درویشون اور فقراء کے نام درج تھے، جنھون نے اس کے حریف اور شاہی تخت کے دعویدار خسرو خان سے رشوتین قبول کی تھین، مگر اس مین حضرت شیخ عثمان کا نام نہ تھا، اس لئے سلطان کی برہمی نرمی مین بدل گئی، اور وہ حضرت شیخ عثمان کو مست الست دیکھ کر خود بہت متاثر ہوا، اور حکم دیا کہ ان کو اور ان کے ساتھیون کو لاکر محل کے اندر ٹھہرایا جائے، اور شاہی باورچی خانہ سے ان کی ضیافت کا سامان کیا جائے، چنانچہ پوری جماعت تین روز تک شاہی باورچی خانہ کے الوانِ نعمت سے متمتع ہوتی رہی، اور جب حضرت شیخ عثمان رخصت ہونے لگے، تو سلطان نے نذر پیش کی، مگر انھون نے اس کو قبول نہین کیا، اور غیاث پور کی طرف چل کھڑے ہوئے[۵]، یہ واقعہ اس محضر سے پہلے کا ہے، جس کا ذکر حضرت شیخ نظام الدین اولیاء

---

[۵] سیر العارفین جلد دوم ص ۱۰۹

کے حال مین کیا جا چکا ہے،

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت شیخ رکن الدین کے تعلقات سلاطین وقت سے بھی تھے، مگر یہ تعلقات محض خدمت خلق اللہ کی خاطر تھے، علاؤ الدین خلجی کے بعد جب اس کا لڑکا قطب الدین خلجی تخت نشین ہوا، تو اس کو محبوب الٰہی سے ذاتی مخاصمت پیدا ہو گئی جس کی تفصیل حضرت نظام الدین اولیا، کے حال مین بیان کی جا چکی ہے، اس مخاصمت و عناد کی وجہ سے سلطان نے دوسرے مشائخ سے مراسم پیدا کئے، اس سلسلہ مین اس نے حضرت شیخ رکن الدین سے بھی اپنی گرویدگی اور شیفتگی کا اظہار کیا، اور آپ کو ملتان سے دہلی آنے کی دعوت دی، جب آپ دلی تشریف لائے، اور سلطان سے ملنے گئے، تو اس نے پوچھا کہ دلی مین سب سے پہلے کس شخص نے آپ کا استقبال کیا تھا، گو آپ کو حضرت سلطان الاولیاء سے سلطان کے عناد کا حال معلوم تھا، تاہم آپ نے جواب دیا کہ اس نے جو اس شہر کا سب سے اچھا آدمی ہے یعنی حضرت نظام الدین اولیاءؒ[۱]،

حضرت شیخ رکن الدین کا معمول تھا کہ جب آپ سلطان قطب الدین کے پاس تشریف لیجاتے تو راستہ مین اپنی سواری تخت رواں کو ٹھہرا کر آگے بڑھاتے تاکہ اہل ضرورت اپنی درخواستین سلطان کی خدمت مین پیش کرنے کے لئے ان کی سواری مین ڈال دین، بعض ضرورتمندون کی معروضات زبانی بھی سنتے تھے، شاہی محل کے پاس پہنچکر دو دروازون تک تخت رواں پر سوار رہتے، تیسرے دروازے کے قریب جہان سلطان آپ کی تعظیم و استقبال کے لئے کھڑا نظر آتا، آپ اتر جاتے، سلطان بڑے ادب و تکریم سے دربار مین لیجا کر بٹھاتا، اور خود مؤدب دوزانو ہو کر آپ کے سامنے بیٹھتا، اس کے بعد حضرت شیخ رکن الدین شہر کے لوگون کی درخواستین سلطان کے سامنے پیش کرتے، وہ ہر ایک درخواست کو بغور پڑھتا، اور اس کی پشت پر اسی وقت حکم صادر کر دیتا، حضرت شیخ رکن الدین واپسی

۱؎ اخبار الاخیار ص ۲۶۴

کے وقت تمام درخواستوں کو ساتھ لیتے آتے[۱]

سلطان غیاث الدین تغلق سے بھی حضرت شیخ رکن الدین کے مراسم خوشگوار رہے، ۷۲۵ھ

میں جب وہ بنگالہ کی مہم سے دہلی واپس آرہا تھا، تو حضرت شیخ رکن الدین دہلی سے افغان پور

تک اس کے استقبال کو گئے تھے، شب کو سلطان کے ساتھ ماحضر تناول فرما رہے تھے، کہ نور باطن

سے کشف ہوا، کہ جس عمارت میں وہ بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں، وہ اچانک گر جائے گی، اس لئے آپ

کھانا چھوڑ کر باہر چلے آئے، اور سلطان کو بھی باہر نکلنے کے لئے فرمایا، مگر اُس نے نکلنے میں دیر کی

اتنے میں عمارت گر پڑی، اور سلطان اس کے نیچے دب کر ختم ہو گیا[۲]

غیاث الدین تغلق کے بعد سلطان محمد تغلق سریر آرائے سلطنت ہوا، اس سے بھی حضرت شیخ

رکن الدین کے تعلقات قائم رہے، اور آپ دہلی میں اس کے مہمان ہوئے، اسی زمانہ میں محبوب الٰہی نے

رحلت فرمائی، جنازہ کی نماز حضرت شیخ رکن الدین نے پڑھائی، اور اس سعادت پر وہ ہمیشہ

فخر کرتے تھے[۳]

حضرت محبوب الٰہی کی وفات کے دس سال کے بعد حضرت شیخ رکن الدین اپنے محبوب حقیقی سے

جاملے، وفات سے تین مہینے پہلے لوگوں سے ملنا جلنا اور بولنا چالنا بالکل ترک کر دیا تھا، صرف نماز

جماعت کے لئے حجرہ سے باہر آتے تھے، اور پھر لوٹ جاتے تھے، ۷۳۵ھ کے رجب کی سولھویں تاریخ

جمعرات کے دن عصر کی نماز کے بعد حضرت نے اپنے خادم خاص کو حجرہ کے اندر بلایا، اور اشارہ سے فرمایا

کہ میری تجہیز و تکفین کا سامان کرو، اور مغرب کی نماز کے لئے پیش امام کو حجرہ کے اندر ہی بلا لیا، اور نماز مغرب

---

[۱] سیر العارفین ص ۵ و فرشتہ جلد دوم ص ۴۱۲۔

[۲] سیر العارفین جلد دوم ص ۶،

[۳] اخبار الاخیار ص ۶۳،

کے بعد اوراد میں پڑھ رہے تھے، کہ اسی حالت میں سجدہ میں جان، جان آفرین کے سپرد کر دی[1]، آپ کا مرقد مبارک ملتان میں آپ کے جد امجد اور والد ماجد کے مزار کے پاس ہی ہے،

حضرت شیخ رکن الدینؒ کا ایک بڑا وصف یہ بھی بتایا جاتا ہے، کہ ان کو نور باطن سے اپنے ملنے والوں اور مریدوں کے دلوں کی باتوں کا کشف ہوجاتا تھا، اسی لئے ابوالفتح کے لقب سے ملقب تھے، ان کے ایک مرید نے اس سلسلہ میں اپنی تصنیف مجمع الاخبار[2] میں ایک واقعہ نقل کیا ہے، کہ ایک بار سلطان غیاث الدین تغلق نے مولانا ظہیر الدین لنگ سے پوچھا، کہ شیخ رکن الدین کی کوئی کرامت آپ نے دیکھی ہے، مولانا نے فرمایا کہ ایک مرتبہ جمعہ کے دن جب لوگ ان کی قدمبوسی کے لئے جمع تھے، میں نے دل میں خیال کیا کہ شاید شیخ کے پاس تسخیر کا کوئی عمل ہے، میں بھی عالم ہوں، لیکن میری طرف کوئی توجہ نہیں کرتا، میں نے سوچا کہ دوسرے دن صبح کو شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر پوچھوں گا، کہ وضو میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں کیا حکمت ہے، رات کو جب سویا تو خواب میں دیکھا کہ شیخ مجھکو حلوا کھلا رہے ہیں جس کی شیرینی دن تک زبان پر قائم رہی، میں نے خیال کیا کہ اگر یہی کرامت ہے، تو شیطان بھی عوام کو اسی طرح گمراہ کرسکتا ہے، صبح کو جب میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو مجھ کو دیکھتے ہی فرمایا، کہ میں تمھارا ہی منتظر تھا، پھر گفتگو شروع کی، اور فرمایا کہ نجاست دو قسم کی ہوتی ہے، نجاست جسم اور نجاست دل، نجاست جسم کا سبب تو بالکل ظاہر ہے، مگر دل کی نجاست ناہموار آدمیوں کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے، جسم تو پانی سے پاک ہوجاتا ہے، مگر دل کی نجاست آنکھوں کے پانی سے دور ہوتی ہے، اس کے بعد فرمایا کہ پانی میں تین صفتیں ہیں، رنگ، مزہ اور بو، اسی لئے شریعت نے وضو میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو مقدم رکھا ہے، کلی سے مزہ معلوم ہوتا ہے اور ناک میں پانی ڈالنے سے اس کی بو معلوم

[1] سیر العارفین جلد دوم ص ۱۱۱، فرشتہ جلد دوم ص ۴۱۲، مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین،

[2] اس تصنیف کا ذکر اخبار الاخیار ص ۷۲ پر ہے،

ہوتی ہے، پھر فرمایا کہ جس طرح نبی کی صورت میں شیطان ظاہر نہیں ہو سکتا، اسی طرح شیخ حقیقی کی صورت میں بھی شیطان نمودار نہیں ہو سکتا، کیونکہ شیخ حقیقی کو نبی کی کامل متابعت حاصل ہوتی ہے، مولانا ظہیر الدین کا بیان ہے کہ جس وقت حضرت شیخ رکن الدین کی زبان مبارک سے یہ باتیں نکل رہی تھیں اوس وقت میرے تمام جسم سے پسینہ جاری تھا[۱]،

حضرت شیخ رکن الدین کی کسی تصنیف کا کہین کوئی ذکر نہین، مگر مجمع الاخیار مین ان کے وصایا وملفوظات درج ہین جن کے کچھ اقتباسات اخبار الاخیار مین نقل کئے گئے ہین، موخر الذکر کتاب کی مدد سے حضرت شیخ رکن الدین کی صوفیانہ تعلیمات ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہین،

اپنے ایک مرید کو لکھتے ہین، کہ آدمی دو چیزون سے عبارت ہے، صورت اور صفت، ان مین سے قابل اعتنا آدمی کی صفت ہے، خدائے عزوجل صورتون کو نہین بلکہ قلوب کو دیکھتا ہے، اگر کسی کا قلب اوصافِ ذمیمہ سے پُر ہے، تو اوس کا شمار بہائم مین ہے، اوصافِ ذمیمہ کو دور کرنے کے لئے تزکیۂ نفس کی ضرورت ہے، اور تزکیۂ نفس اس وقت تک حاصل نہین ہو سکتا، جب تک بندہ خدائے عزوجل سے التجا واستعانت نہ کرے، یعنی اس کی بارگاہ مین گڑگڑائے، اور اس سے مدد طلب کرے، التجا واستعانت سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے فضل اور رحمت حاصل ہوتی ہے، فضل ورحمت کے ظہور کی علامت یہ ہے کہ بندہ کی چشمِ بینا مین اس کے عیوب ظاہر ہو جاتے ہین، اور عظمتِ الٰہی کے انوار کے پرتو سے ساری کائنات اس کی نظر مین ہیچ ہو جاتی ہے، دنیا کے پھندون مین پھنسے ہوئے لوگون کی وقعت اس کے دل سے بالکل جاتی رہتی ہے، اور جب اوس کے قلب پر یہ کیفیت مستولی ہو جاتی ہے تو اس کے اوصاف فرشتون کے اوصاف مین تبدیل ہو جاتے ہین، اور اس مین ظلم کے بجائے عفو، غضب کے بجائے حلم، کبر کے بجائے تواضع، بخل کے بجائے سخاوت اور حرص کے بجائے ایثار کی خوبیان پیدا

---

[۱] بحوالہ اخبار الاخیار ص ۶۲

ہوجاتی ہین، مگر یہ خوبیان عقبی کے طلب کرنے والون کے لئے ہین، طالبانِ حق کے اوصاف اور بھی بلند تر ہین، وہان تک پہنچنے کے لئے ہر شخص کی عقل کام نہین دیتی،

عہدیست مرمرا کہ نگیرم بجز تو دوست
شرطیست مرمرا کہ نخواہم بجز تو ہیچ

ایک دوسرے موقع پر اپنے ایک مرید کو تحریر فرماتے ہین کہ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ نے ارشاد فرمایا کہ مین نے آج تک کسی کے ساتھ نہ نیکی کی اور نہ بدی، حاضرین نے استعجاب سے پوچھا کہ امیرالمومنین بدی تو خیر آپ سے نہین ہوسکتی، مگر نیکی کے متعلق آپ کیا فرما رہے ہین، ارشاد فرمایا کہ حق جل وعلا کا قول ہے کہ جس نے اچھے کام کئے اپنے نفس کے لئے کئے، اور برے کام کئے وہ بھی اپنے نفس کے لئے کئے، پس جو کچھ نیکی یا بدی مجھ سے صادر ہوئی، وہ درحقیقت میرے لئے تھی، نہ کہ دوسرون کے لئے۔

اس کے بعد حضرت شیخ رکن الدین لکھتے ہین کہ

ایک عاقل کو دنیا و آخرت کے لئے اتنی نصیحت کافی ہے بزرگون نے کہا

صلاح این کس صلاح اوبس است

یعنی ایک شخص کا بھلا اس کی نیکی ہے،

چو میدانی ہر آنچہ کاری دروے
آخر ہمہ حال نکو کاری بہ

فرماتے تھے کہ اعضاء و جوارح کو شرعی ممنوعات سے قولاً و عملاً باز رکھنا چاہئے، لایعنی مجلس سے بھی پرہیز لازم ہے، اس سے مراد ایسی مجلس ہے، جو حق تعالی سے برگشتہ کرکے دنیا کی طرف مائل کرتی ہے، بطالون سے بھی احتراز ضروری ہے، بطال وہ لوگ ہین جو طالبِ حق نہین[۵] (باقی)

---

[۵] اخبار الاخیار ص ۶۱، ۶۲،

عبدالواسع جبلی

از

جناب غلام مصطفیٰ خان صاحب لکچرر کنگ ایڈورڈ کالج امراؤتی، برار،

۱۹۴۲ء سے معارف میں مین نے فارسی کے قدیم شعرار کا جو سلسلہ شروع کیا تھا، اُسی کی یہ بھی ایک کڑی ہے، اس مین عبدالواسع جبلی کے حالات کو اُن مجموعون مین سے اخذ کیا جاتا ہے، جو حبیب گنج، جامع مسجد بمبئی، جامعۂ عثمانیہ، وغیرہ کے کتب خانون مین محفوظ ہین[۱]،

دولت شاہ (براؤن ایڈیشن ص ۳، ۴،) لکھتا ہے کہ یہ شاعر غرجستان (بالائی مُرغاب کی وادی) کے جبال سے آیا تھا، جیسا کہ اس کے تخلص جبلی سے بھی ظاہر ہوتا ہے، اور وہ ہرات ہوتا ہوا غزنین پہنچا جہان وہ قریب چار سال تک سلطان بہرام شاہ غزنوی (۵۱۱ھ/۱۱۱۷ء سے ۵۵۲ھ/۱۱۵۷ء) کی مدح سرائی کرتا رہا، لیکن اس شاعر کے کلام کے جتنے مجموعے ہمارے پیش نظر ہین، ان مین کوئی قصیدہ اس سلطان کی مدح مین نہین ملتا، اس لئے فی الحال ہم دولت شاہ کے اس قول کی تائید سے قاصر ہین، گو وہ لکھتا ہے کہ شاعر نے ایک قصیدہ جس کا مطلع ذیل مین درج کیا جاتا ہے، سنجر (م ۵۵۲ھ/۱۱۵۷ء) کی مدح مین لکھا تھا جب کہ وہ بہرام شاہ کو تخت نشین کرانے کے لئے (۵۱۱ھ/۱۱۱۷ء مین) غزنین آیا تھا،

ز عدل کامل خسرو ز امن شامل سلطان ۔ تذرو و کبک وگور و مور در گشتند در گیہان[۲]

---

[۱] کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد کی نئی فہرست مین ایک مجموعۂ کلام کو دیوان جبلی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، جو غلط ہے؛ مین نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ حکیم قطران تبریزی کا دیوان ہے [۲] پروفیسر براؤن نے (ج ۲ ص ۳۴۱)

یہ قصیدہ حبیب گنج کے مخطوطہ میں بھی موجود ہے، لیکن اس کی داخلی شہادت کوئی ایسی نہیں ہے، جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکے کہ وہ اسی موقع پر لکھا گیا تھا،

پھر تاریخ گزیدہ (حبیب گنج، رائل ایشیاٹک جرنل ۱۹۰۱ء ص ۵ براؤن ج ۲ ص ۳۴۲) سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ شاعر، سنجر کا ہم عصر تھا، وہ شروع میں ایک دہقان تھا، جب کہ اس نے کپاس کے کھیت سے اونٹوں کو روکتے ہوئے اور بغیر کسی اور شخص کی موجودگی کا خیال کرتے ہوئے یہ اشعار کہے تھے:-

اشتر دراز اگر دنا	دانم چہ خواہی کر دنا
گردن دراز کردہٗ	پنبہ نہ خواہی خوردنا

اور سلطان نے یہ اشعار سن کر جبلی کو اپنے ساتھ لے لیا، اور پڑھایا لکھایا، یہاں تک کہ وہ اس درجہ تک پہنچ گیا کہ آج تک کوئی دوسرا شاعر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا،[۵] اس قصہ کے مبالغہ یا حقیقت سے قطع نظر یہ اشعار اچھے مستقبل کے ضرور آئینہ دار ہیں، اور اس موسیقیت آمیز کلام کا پیش خیمہ ہیں جو

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۹) دولت شاہ (ص ۷۴) کے بیان سے یہ غلط نتیجہ نکالا ہے، کہ یہ قصیدہ جبلی نے ۵۳۵ھ ۱۱۳۵ء میں لکھا تھا، جب کہ سنجر نے بہرام شاہ پر حملہ کیا تھا، اور شاعر نے قصیدہ کہہ کر اس کو خوش کیا تھا، دولت شاہ کے الفاظ یہ ہیں، کہ

"چون سلطان سنجر بہ مدد و تقویت بہرام شاہ ..... لشکر بہ غزنین کشید عبدالواسع این قصیدہ در مدح سلطان سنجر گفت"

اور یہ موقع ۵۱۰ھ ۱۱۱۶ء کا تھا، ہاں ۱۱۳۵ء میں ضرور سنجر حملہ آور ہوا تھا، لیکن اس وقت جبلی نے نہیں، بلکہ فخر الدین محمد ابن محمود بن احمد نیشاپوری نے سنجر کو خوش کیا تھا، جیسا کہ لباب (ج ۱ ص ۲۰۱) سے معلوم ہوتا ہے، [۵] اس واقعہ کی تفصیل طبقات ناصری (راورٹی ص ۳۵۲) ابن الاثیر (ج ۱ ص ۱۷۰) وغیرہ میں دیکھیں،

اس شاعر کا طرۂ امتیاز ہے،

بہر حال اگر یہ اشعار نہین تو ذیل کے اشعار ضرور قدیم ہین اور ۵۱۰ھ ۱۱۱۶ء مین لکھے گئے ہین، جب کہ بہرام شاہ کی مدد کے لئے سنجر کے ساتھ سیستان کا حاکم امیر ابوالفضل تاج الدین (م ۵۵۹ھ ۱۱۶۴ء) اور اس کا بھائی فخرالدین بھی آیا تھا :-

چہ جرم است این برآوردہ سر از دریای موج افگن
بکوہ اندر دمان آتش بحر اندر کشان دامن

معالی افروز و عالم سوز شاہ نیمروزان کس
کہ در ملک ست کافی کف وافی عہد صافی ظن

ملک بوالفضل نصر ابن خلف فرزانہ تاج الدین
کہ بر باید ہمی تاج از سر شیران شیر اوژن

بدانگہ کز سجستان شد سوے غزنین یکے لشکر
ہمہ با دولت خسرو، ہمہ با صولت بہمن،

ملک تائید دیو آہن فلک تاثیر، کوہ آلت
نہنگ آسیب، شیر آفت ملک آشوب پیل افگن

دلیرانے کہ از گردون بنوک نیزہ ستیاز
ربودندے چو کنجشکان بمنقار از زمین ارزن

مخالف جنگ را آمد برون با لشکرے دیگر
چو شیران عرین پر دل چو دیوان لعین پرفن

درآوردہ بہ پیش صف چون گردون ژندہ پیلانے
کہ گردون شان بوقت کین نیارد گشت پیرامن

چنان رفت از کمان تو سوے دشمن ہمی ناوک
کہ گاہ رجم سیارہ زگردون سوے اہرمن

چون شد رائے ہمایونت قرین رایت اعلیٰ
شد آثار اہل ظاہر شد اسباب ظفر بین

نگشت از فر تو جستہ ازین خون خوارگان یک کس
نگشت از زخم تو رستہ ازین بیچارگان یک تن

درین رفعت پدید آمد کہ نادر د از بنی آدم
چو اہل سیستان ہرگز بہ مردی ایزد ذوالمن

خداوندا اگر ہستم بہ تخص از خدمتت غایب
ز جود عالم جانی ز دور گنبد توسن

مرا حمد است پیوستہ ثنائے تو بہر موضع
مرا در واست ہموارہ دعاے تو بہر مسکن[1]

[1] مونس الاحرار ص ۴۰۷، ۳۴۳، حبیب گنج، تاریخ ابوالخیر خانی (ق ۱۳۰ الف بانکی پور) مین کچھ اشعار خواجہ صاعد

آخری دو شعر واضح کرتے ہیں کہ شاعر اس وقت اپنے ممدوح تاج الدین کے دربار سے دور تھا، یعنی ۶۱۱ھ میں غائبانہ مدح کر رہا تھا، اب اگر دولت شاہ کے اس قول کی تائید کرنی ہو کہ شاعر اس وقت غزنین میں تھا، تو یہ کہا جا سکتا ہے، کہ اس نے تاج الدین کے واپس ہو جانے پر غزنین میں یہ قصیدہ لکھا ہوگا، بہرحال اس میں کوئی شک نہیں، کہ شاعر اس کی تخت نشینی ہی سے اس کے دربار سے وابستہ تھا، ایک قصیدے کا مطلع ہے،

آمد از اجداد ماضی ملک را نعم الخلف ۔۔۔ میر تاج الدین ملک بوالفضل نصر ابن خلف[۱]

اسی امیر کے وزیر جمال الدین علی بن اسعد (جس کے متعلق تاریخ خاموش ہے) کی مدح میں یہ قصیدہ لکھا گیا ہوگا :-

ایا ستودہ خصالے کہ کردگار قدیم ۔۔۔ نیافرید ترا در فنون فضل نظیر
سر علاء و سخاوت علی بن اسعد ۔۔۔ جمال دین کہ جہان از جمال تست منیر
آیا بتقویت تو قوام دین رسولؐ ۔۔۔ آیا بتربیت تو نظام ملک امیر[۲]

اور امیر تاج الدین کے بھائی فخرالدین کی مدح میں یہ قصیدہ لکھا تھا :-

میرے کہ پادشاہ جہان را برادر ست ۔۔۔ دایم ز ہیبتش دل دشمن بر آذر ست
صدرے کہ رائے روشن و طبع کریم او ۔۔۔ چون آسمان بلند و چو دریا توانگر ست
فہرست دولت وے و ایام خاتم ست ۔۔۔ جان ست سیرت وے و اسلام پیکر ست
خشمش بگاہ کینہ و خلقش بوقت مہر ۔۔۔ چون آتش جہنم و چون آب کوثر ست
امروز حاضر است درین بزمگاہ تو ۔۔۔ ہر جوہرے کہ ساختہ چار گوہر ست

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۱) مستوفی سیستانی بھی ملتے ہیں، جو اس موقع پر کہے گئے تھے، اس کا تذکرہ ہم نے معارف دسمبر ۱۹۴۱ء میں بھی کیا ہے [۱] مخطوطہ جامع مسجد بمبئی [۲] مخطوطہ حبیب گنج، قصائد جبلی

مداحِ خاص تو جبلی را بہ نامِ تو — اشعار بے نہایت و اطراف بے مرست

قلش ز خدمتِ تو و طبعش ز مدحِ تو — چون آسمانِ اعظم و دریاے اخضرست[۵۱]

پانچوین شعر سے معلوم ہوتا ہے، کہ شاعر یہ قصیدہ پیش کرتے وقت ممدوح کے دربار مین حاضر تھا، اور وہ زمانہ ۵۱۱ھ کے پہلے ہی ہوگا، کیونکہ اس سال کے قریب وہ عراق مین تھا، جہان وہ سلطان محمد بن ملک شاہ کے انتقال پر اُس کے لڑکے سلجوق شاہ کی مدح اس طرح لکھ رہا تھا :-

جاودان چون خضر ماند زندہ نامِ آن پدر — کز پسِ وے چون ملک سلجوق شہ ماند پسر

ز آسمانِ دین اگر ثاقب شہابے شد جدا — ہست گردونِ ممالک را جلال الدین قمر

گر ز دیدارِ پدر محروم کرد اور اخدا ے — شہریارِ مشرق و مغرب بس است او را پدر

خسرو ے کو را ملک شاہ ست و سنجر جد و عم — در ہمہ عالم کہ دارد زین بزرگی بیشتر

برجبینِ .. ز مردی و جوان مردی نشان — در نگینِ او ز پیروزی و بہروزی اثر

گرچہ دارد سال اندک ہست چون اسلافِ خویش — وارثِ علمِ علیؓ و باعثِ عدلِ عمرؓ

کوہ با نعلِ سمندِ او نہ باشد مستقر — چرخ با راے بلندِ او نماید مختصر

ملجاءِ آزادگان ست از کریمی و سخا — مفخرِ شہزادگان است از بزرگی و ہنر[۵۲]

شروع کے اشعار مین شاعر اپنے ممدوح کے مرحوم والد کو یاد کرتا ہے اور پھر تسلی دیتا ہے کہ سنجر جیسا چچا اُس کے لئے پشت و پناہ ہے، پچھلے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت سلجوق شاہ نوعمر تھا، اس کے بعد شاعر ایک ممدوح قطب الملوک فرخ شاہ کے دربار سے وابستہ ہوتا ہے، جو تمراک (تیراک ؟) بن اتابک کی نسل سے تھا، اس کے متعلق کوئی معلومات حاصل نہین ہوئین، صرف اخبار الدولۃ السلجوقیۃ (ص ۵۶-۵۷)

---

[۵۱] مخطوطہ جامعۂ عثمانیہ نمبر ۸۰۸، ق ۳۰۴، الف،

[۵۲] مخطوطہ حبیب گنج، قصائد جبلی،

مین ایک نام تیراک (؟) بن امیر فرخ شاہ ملتا ہے، جو ۴۶۶ھ/۱۰۷۴ء مین ملک شاہ سلجوقی (م ۴۸۶ھ/۱۰۹۲ء) کے لئے کرمانی امیر قاورد کے خلاف لڑا تھا، لیکن اس کے مستقر[1] اور خاندان کے متعلق بھی کوئی بات معلوم نہین ہوتی، ان دونون شعرون سے اس کے نام اور نسل پر کچھ روشنی پڑتی ہے،

تراست غمزہ خون ریز و زلف عنبر بیز — چو تیغ و خامۂ قطب الملوک فرخ شاہ
جمالِ نسلِ تمراک (؟) بن اتابک کوست — جہانِ حشمت و گردونِ فضل و کعبۂ جاہ[2]

یہان قطب الملوک فرخ شاہ کو "جمالِ نسل تیراک (؟)" کہا گیا ہے، ایک دوسرے قصیدے مین صرف نام ملتا ہے:-

ہمیشہ قاعدۂ دین کردگار جلیل — ممہدست بہ شمشیر شہریار اصیل
سراجِ امت، قطب الملوک فرخ شاہ — کہ ذوالجلال بہ عدلش نیاز ندیل
ایا شمائل تو بر معانی تو گواہ — دیا فضائلِ تو بر معانی تو دلیل[3]

پھر ہمارا شاعر خراسان کے پایۂ تخت مرو کی طرف رخ کرتا ہے، اور یہ قصیدہ لکھتا ہے،

ایا بودہ حامل تختِ سلیمان — بہ تیزی چو دہم و بہ پاکی چو ایمان
ز من چون سلامے رسانی بہ دلبر — بہ من چون پیامے گذاری ز جانان
طمع دارم از تو کہ گر ہیچ باشد — ترا راہ بر جانبِ مرو شاہجان
دعا و زمین بوسی و خدمتِ من — رسانی بہ صدرِ سپہ دارِ ایران
ایا در معالیت اوہام عاجز — ایا در معانیت افہام حیران
مرا گرچہ ہستند پیوستہ طالب — ملوک و سلاطینِ ایران و توران

---

[1] اخبار الدولۃ السلجوقیہ کے اس بیان سے صرف اتنا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ خراسان مین کسی جگہ تھا۔ [2] مخطوطہ جامع مسجد بمبئی ۳۳ [3] مخطوطہ جامع مسجد بمبئی، الباب: ۲ مضامین بھی یہ قصیدہ ملتا ہے لیکن اس مین شروع کے اہم اشعار نہین ہین

دگر چند دارند چون زر عزیزم — صدور عراق و سران خراسان

نہ تن دادہ ام در ثنا گفتن کس — نہ دل بستہ ام در طلب کردن نان

کنون چون در آمد مہ روزہ برکن — ز طاعات نامہ ز خیرات دیوان

بہ دو داد آن راجبن عبادت — چو عید آید از خرمی داد بستان

امل بر سرت باد جوارہ مغفر — ظفر بر تنت باد پیوستہ تابان

جہانت مسخر، زمانت متابع — سپہرت مساعد، خدایت نگہبان[1]

چوتھے شعر میں ممدوح کو "صدر سپہدار ایران" کہا ہے، جو امیر نظام الدین محمود کاشانی ہوگا، کیونکہ ایک دوسرے قصیدے میں اسی "سپہدار" کے متعلق صاف بیان ہے،

الا اے ابر نوروزی شبا روزے بمن مانی — نہ از گریہ بیاسائی، نہ از نالہ فرومانی

ز باران ہر زمان صحرا کنی چون لولو لالا — تو گوئی دست مولانا نظام الدین یزدانی

جوان بخت جہانگیرے قضا تیغے قدر تیرے — سپہدار اجل، میر اجل محمود کاشانی

سرافرازے کہ در عالم نبودہ ست و نباشد ہم — ز میزان بنی آدم بہ جود او کسے ثانی[2]

یہ نظام الدین محمود کاشانی، سلجوقی فوج کا سپہدار تھا، جو ۵۳۶ھ/۱۱۴۱ء میں سنجر کی طرف سے قرلق ترکون کے امیر گورخان کے خلاف لڑنے میں قطوان میں مارا گیا تھا،[3]

سنجر کی مدح میں بھی کئی قصیدے ملتے ہیں، ایک کی زمین یہ ہے،

شہنشاہ سلاطین مشرق و مغرب معز الدین — ملوک دین والدنیا خداوند جہان سنجر[4]

---

[1] مخطوطہ عثمانیہ نمبر ۸۰۷، ق ۳۳۴، ب [2] مخطوطہ جامع مسجد بمبئی [3] اخبار الدولۃ السلجوقیہ ص ۹۴، ڈاکٹر محمد اقبال صاحب نے (ایضاً ص ۱۱۴) اس محمود کاشانی کو اس کے ہم نام سے مختلف قرار دیا ہے، جو سنجر کا حاجب تھا،

[4] مخطوطہ جامع مسجد بمبئی، سنجر کا لقب اس کے بھائی محمد م ۵۱۱ھ/۱۱۱۷ء کے عہد تک ناصر الدین تھا، بعد میں معز الدین ہوا، ملاحظہ ہو ابن خلدون (ترجمہ ج ۹ ص ۵۳)

ایک اور قصیدہ میں سنجر کی مدح کے ساتھ ساتھ اس کے ایک امیر مجد الدین ابو القاسم علی بن جعفر الموسوی (ممدوحِ ادیب صابر) کی مدح بھی کرتا ہے :-

خداوندے کہ در تیرش نشاند نسر طائر پر ۔۔۔ شہنشاہے کہ بر تاجش فشاند چرخ دائر خور

سلاطین را بحق وارث معز الدین ابو الحارث ۔۔۔ شہ آفاق و برہان امیر المومنین سنجر

سلاطین و خلائف را بدو فرست ہموارہ ۔۔۔ چو سادات و اکابر را بہ مجد دین پیغمبر[۵]

رئیس مشرق و مغرب ابو القاسم علی صدرے ۔۔۔ کہ چون ہم کینت دہم نام خویش آمد بہ فضل و فر

امیر سادۂ عالم، چراغ گوہر آدم ۔۔۔ مشیر خسرو اعظم، جمالِ دودۂ جعفر

بزرگی کز بیان وطبع و دست دش افزا[۱] ۔۔۔ قلم حرمت کرم جاری سخا رونق سخن مفخر[۱]

یہ شخص ادیب صابر (م ۵۴۶ھ / ۱۱۵۱ء) کا خاص ممدوح تھا، جس کے متعلق ہم کچھ تفصیل معارف ستمبر ۱۹۴۲ء میں دے چکے ہیں، ادیب صابر نے ایک جگہ اُسے جیحون کے قریب کسی قلعہ سے متعلق دو شعر (۵) کہا ہے،

گر ہمی خواہی کہ قدر ماہ و مہر و افزون کنی ۔۔۔ آسمان و بوستان از بزم مجد الدین گزین

صدر سادہ سید مشرق ابو القاسم علی ۔۔۔ پروریدہ در معالی، آفریدہ زآفرین

آن خداوندے کہ اندر علم و حلم و بذل و فضل ۔۔۔ مقتدائے عالمش کردہ ست رب العالمین

آفتاب آل پیغمبر تو ئی کز فر تست ۔۔۔ مشرق و مغرب پر از نزہت و نعمت چنین

قلعہ بغداد وست و جیحون دجلہ و قصر تو کرخ ۔۔۔ تو بحرمت اہل ایمان را امیر المومنین

سنت و تطہیر شمس الدین کہ فرمودی[۱] ۔۔۔ شد بنائے عشرت و نزہت چو عزم تو متین

تا معونت یافت این سنت زمین پیش تو ۔۔۔ خانہا خلد برین شد، بادہا ماء معین[۲]

---

[۱] مخطوطہ جامع مسجد بمبئی ۔ [۲] مونس الاحرار ص ۶۵۳، ۶۵۴، حبیب گنج، لیکن ان اشعار سے شمس الدین کے متعلق کوئی

غالباً اسی مجد الدین ابوالقاسم کا نائب عبدالصمد تھا جس کی مدح میں جبلی نے متعدد قصیدے لکھے تھے، ایک قصیدے میں اس کو نائب وزیر عجم (شعر ۲) کہا ہے،

ایا اساسِ شریعت بہ عونِ تو محکم ایا لباسِ وزارت بہ عونِ تو معلم

عزیزِ جمع ملوک اختیار شاہ جہان معینِ دینِ عرب، نائبِ وزیرِ عجم

ابو المعالی عبدالصمد کہ فخر کند ہمی بہ ذاتِ شریفِ تو در بہشت آدم[ل]

اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خراسان ہی میں ہے،

ایا بزرگی کاندر جلالت و رفعت چو رای و ہمت تو آفتاب و کیوان نیست

معینِ دینِ و عزیزِ ملوک کو جز تو سزای این دو لقب جز اجر در خراسان نیست

ز خواجگان بہ کفایت عدیل نیست ترا بدان صفت کہ ز شاہان نظیر سلطان نیست

تو ئی کہ در عرب و در عجم چو تو یک تن ہنر پرست و سخا گستر و سخن دان[۲] نیست

دوسرے شعر سے صاف ظاہر ہے کہ وہ خراسان میں تھا، اور تیسرے شعر میں سنجر کی طرف اشارہ ہوگا، ایک دوسرے قصیدے میں جو غالباً ازرقی کی تقلید میں ہے،[۳] ہمارے شاعر جبلی نے اسی ممدوح کو (شعر ۶) سرخس سے متعلق کہا ہے،

ز عید داد خبر خلق را طلوعِ ہلال بہ آخرِ رمضان و بہ اوّلِ شوّال

نصیرِ دین و عزیزِ ملوک کو را ہست فلک مطیع و جہان بندہ و زمانہ عیال

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۶) معلومات حاصل نہیں ہیں، جبلی نے ادیب صابر کی بھی مدح کی ہے (جامعہ عثمانیہ نمبر ۸، ق ۱۲۵ الف)

اشعار صابر بن سماعیل ملک را چون برج بر ستارہ ز اہر کند ہمی

ہست او پیمبر شعرا و زبان خویش ہر دم ترا از معجزہ ظاہر کند ہمی

ل مخطوطہ حبیب گنج قصائد جبلی ۲ ایضاً ۳ ملاحظہ ہو لباب الالباب ج ۲ ص ۹۹-۱۰۴،

ابوالمعالی عبدالصمد کہ ننماید چار چیزش ہرگز ز چار چیز ملال
نہ نفس او ز تواضع نہ دست او ز سخا نہ طبع او ز مروت، نہ سمع او ز سوال
گرفت صدر سیاست بہ عون او رونق رسید قدر سیادت ز جاہ او بہ کمال
شنیدہ بودم ازین پیشتر کہ راہ بخشی بود نشیمن آفات و مرکز اہوال
طریقہا ش بہ باریکی پل محشر مضیقہا ش بہ تاریکی دل جہال
چو در مصاحبت تو بدیدم آن رہ را مرا معاینہ شد کان حدیث بود محال
از آن قبل کہ دران رہ بفر تو گشتی کہ روضہاے جنان اند تودہاے رمال
ہمی ز خارہ بفر تو دست برگ سمن ہمی ز خارہ بہ یمن تو راہ آب زلال[1]

اس ممدوح کی تعریف میں متعدد قصیدے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ شاعر اُس کے دربار سے عرصہ تک وابستہ رہا ہوگا، کچھ اور اہم اشعار ایک قصیدے سے نقل کئے جاتے ہیں،

اے خواب من ربودہ بیاقوت پر شکر وے تاب من فزودہ بہ ہاروت دل شکر
گہ بر رخ تو از کف موسیٰ بود نشان گہ در لب تو از دم عیسیٰ بود اثر
این عین زندگانی و آن اصل روشنی چون راے خوب و لفظ خوش صدر
عبدالصمد عزیز ملوک و نصیر دین کز عقل ہست عاقلہ نسل بوالبشر
نور دو سرور چشم و دل حمزہ و علی آن مایہ بزرگی و پیرایہ ہنر[2]

آخری شعر میں ممدوح کو حضرت امیر حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے "چشم و دل" کا "نور و سرور" کہا ہے، جو شاید بہادری کی وجہ سے کہا ہو یا اس لئے کہ وہ ہاشمی ہو، لیکن غالباً اسی ممدوح کو سید حسن

---

[1] مخطوطہ حبیب گنج، لباب ج ۲ ص ۱۰۴، ۱۰۵، میں بھی یہ قصیدہ ہے لیکن وہ مذکورہ بالا قصیدے کے دوسرے شعر پر ختم ہو جاتا ہے [2] مخطوطہ جامع مسجد بمبئی آخری دو اہم شعروں کے علاوہ بقیہ اشعار لباب جلد ۲ ص ۱۰۷، ۱۰۸ میں بھی ہیں،

غزنوی (م ۵۵۶ھ/ ۱۱۶۱ء) نے عباسی کہا ہے،

گہر نتیجۂ ابر است بر خلاف قیاس — نتیجہ آمد بحرے نہ گوہر عباس

ابو المحاسن عبد الصمد کہ بخت ابد — بنائے دولت او را قوی نہاد اساس

بکن ز فضل بزرگی نہ ابن عم تو ام — ز مقتضائے کرم حق ابن عم بشناس[۱]

دوسرے شعر میں "ابو المحاسن" کنیت نہیں ہے بلکہ مذکورہ بالا قصیدوں کے "ابو المعالی" کی جگہ ایک لقب ہے، تیسرے شعر میں سید حسن نے اپنی سیادت کا رشتہ جتایا ہے، عمادی شہریاری (م ۵۴۳ھ/ ۱۱۴۸ء) نے بھی غالباً اسی کی مدح میں لکھا ہے،

اے دست تو جود را بہانہ — پائے تو وجود را نشانہ

عبد الصمد اکرم الخلائق — سرمایۂ بخت جاودانہ

آنی کہ بہ ہمت تو آراست — سیمرغ مکارم آشیانہ[۲]

میرا خیال ہے کہ جبلی کا یہ ممدوح[۳] مشرقی خراسان میں ۵۴۰ھ/ ۱۱۴۵ء کے پہلے رہا ہوگا، کیونکہ اس سال کے قریب جیسا کہ ہم معارف (اکتوبر ۱۹۴۲ء ص ۲۸۴، ۲۹۰) میں لکھ چکے ہیں، وہ ضیاء الدین مودود احمد عصمی یعنی ناصر الدین طاہر بن فخر الملک بن نظام الملک (م ۵۴۸ھ/ ۱۱۵۳ء) کے "نائب"[۴] کی مدح

۱؎ مخطوطہ انڈیا آفس نمبر ۱۳۰۹ ۲؎ مخطوطہ علی گڈھ ۳؎ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ عبد الصمد کا صحیح زمانہ اور مستقل مستقر کہاں تھا، بلکہ ایک جگہ جبلی نے اُسے کسی خاقان کے دربار سے وابستہ کہا ہے،

آن دین یزد را نصیر — آن ملک خاقان را بصیر

اگر خاقان سے مراد کوئی ترکی خاقان ہے تو وہ محمود خان خواہرزادۂ سنجر ہوگا، جو بعد میں سنجر کا جانشین ہوا، یا ممکن ہے کہ عزیز طغرائی ہو کیونکہ عزیز الملک لقب کئی جگہ ادپر آچکا ہے محمود خان کے سفیر عزیز طغرائی کے متعلق ترکستان بارتھولڈ ص ۳۲۴ کلیات انوری ص ۸۰، ۳۰ اور تاریخ ابن اسفندیار ص ۶۱، ۷۲، ملاحظہ ہو ۴؎ کلیات انوری ص ۲۰۸،

مین لکھ رہا تھا،

اے بزرگے کہ ذو الجلال بجود		از عدم نا آورد چو او موجود

صدر کافی موید اسلام		بالمعالی ضیاء دین مودود[1]

اور یہ ممدوح غزنین بھی رہ چکا ہے، جیسا کہ جبلی کے ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے،

سپاس از ایزد کامد بشارت غزنین		بہ صحت تن صدر اجل ضیاء الدین

ابو المعالی مودود احمد عصمی		کہ وقت خشم چو نار است گاہ حلم چو طین

موید کہ ز خلق وز قدر او گویند		شرف سپہر اثیر و لطف بہشت برین[2]

پہلے شعر سے واضح ہے کہ ممدوح اس وقت غزنین مین تھا، اور وہ ضرور کسی بڑے عہدے پر فائز رہا ہوگا، اسی لئے شاعر نے مدح کی ہے۔

جبلی نے رشید الدین وطواط (م ۵۷۳؁ھ) کی مدح مین بھی کچھ اشعار لکھے تھے، جو یہان نقل کئے جاتے ہین :۔

عالم علم رشید الدین در باغ خرد		آن درخت ست کہ پیوستہ ہنر بار دہد

گرچہ در گفتن اشعار چنان منفرد ست		کہ ہمہ کس بہ بزرگی وے اقرار دہد

از قبل پنجہ (؟) کہ در انواع علوم است او را		خاطر خویش نہ زیبد کہ بہ اشعار دہد

گرچہ کس نیست (؟) ز احرار و سلاطین ملوک		کہ مر او را نہ ہمہ خدمت بسیار دہد

خلعت آنست کہ او را سخن خویش ہمی		بہ ملوک و بہ سلاطین وبہ احرار دہد[3]

جبلی کا آخری ممدوح مجد الدین محمد بن علی اشعث (حاکم مازندران) رہا ہوگا، جن کی مدح کا پتہ قابلی

---

[1] مخطوطہ حبیب گنج ص ۵۲ [2] ایضاً ص ۳۵ [3] ایضاً وطواط نے ضیاء الدین نجی کی مدح کی ہے، ملاحظہ ہو مقدمہ حدائق السحر عباس اقبال، طہران ۱۳۰۸؁ھ

(براؤن، ج ۲ ص ۵۱۴) نے بھی کی ہے، جبلی کا ایک قصیدہ یہ ہے،

چند باشم در دیار و منزل بعد و رباب — روز و شب نالندۂ گرینده چون عندلیب
دلبرے کز عارض او آب رو بگل برفت — وز فراق روے او شد دیدۂ من پر گلاب
حلقہ ہاے زلف او ہستند چون اہرمن — بر ہم افتادہ ز عکس آن رخان چون شہاب
بر مثال دشمنان منہزم روز مصاف — از سنان مجد دین ایزد مالک رقاب
شاہ فرزانہ محمد کز ملوک او را خدا ے — چون محمد را ز جمع انبیا کرد انتخاب
خسرو مازندران آن کس کہ رسم و راے اوست — ساعد دین را سوار و گردن حق را سحاب
دست گوہر بار او شد مایۂ رزق بشر — تیغ گوہر بار او شد عمدۂ قوت کلاب[1]

اس کی مدح مین ایک اور قصیدہ یہ ہے،

منظفرے کہ معین است کردگار اورا — مؤیدے کہ مطیع ست روزگار اورا
سراج دین محمد، محمد ابن (علی) — کہ در محامد اخلاق نیست یار اورا
ازان گزیدۂ شاہان عالم ست کہ ہست — نہاد خوب و نژاد بزرگوار اورا[2]

لیکن خود اس ممدوح کے متعلق ابن اسفندیار (براؤن) اور مازندران (رابینو) جیسی کتابون میں نام کے سوا کوئی تفصیل نہین ملتی، اس لئے ہم فی الحال یہ بتانے سے قاصر ہین، کہ جبلی کا سال وفات ۵۵۵ھ / ۱۱۶۰ء جو انڈیا آفس کیٹلاگ (جلد ۲ ص ۹۳۰) مین ملتا ہے کہاں تک صحیح ہے۔

---

[1] مخطوطۂ جامعۂ عثمانیہ نمبر ۸۰۰ ق ۲۹۴ الف، لیکن پانچوان شعر جو اہم ہے وہ اس مین نہین ہے بلکہ حبیب گنج کے مجموعۂ قصائد نمبر ۲۱ ص ۱۰۲ مین ملتا ہے [2] مخطوطۂ جامعۂ عثمانیہ ایضاً ق ۲۰۸ الف، جبلی نے فارسی کے کلام کے علاوہ عربی مین بھی لکھا ہے، لباب ج ۲ ص ۱۰۸-۱۱۰ مین اس کے دو قصیدے طبع محبوب مین ملتے ہین،

اسلامی نظریۂ سیاست

از

از مولانا حیدر زماں صدیقی فاضل دیوبند

(۲)

موجودہ طرز جمہوریت کی حد کمال | سہولت فہم اور توضیح مطالب کی خاطر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ حال کے تصور جمہوریت کے چند اہم اجزاء پر تبصرہ کر دیا جائے،

موجودہ تصور جمہوریت (Demacracy) سے مراد ایک ایسا نظام حکومت ہے جس میں آمریت مطلقہ اور اقتدار ذاتی کی جگہ قوت و اقتدار کے تمام مناصب ملک کی عوامی جماعتوں کو حاصل ہوں، حکومت کے کسی چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے ادارے میں وراثت و جانشینی اور ولی عہدی کے قدیم دنیاوی تصور کو قطعاً کوئی دخل نہ ہو، بلکہ نیابت و اقتدار کا اصل مبنیٰ جماعتوں کے قومی و وطنی زاویاے فکر، پارٹی نظریے اور جماعتی کردار ہوں یعنی جمہوری طرز حکومت طریقۂ انتخاب پر مبنی ہے، اور ملک کے عوام کو حق حاصل ہے، کہ وہ ملک کی جماعتوں میں سے جس جماعت کے قومی و ملکی پروگرام کو قومیت کے نقطۂ نظر سے بہتر خیال کرتے ہوں، اس کو اپنے ووٹوں سے حکومت و اقتدار کی گدی پر بٹھا دیں، گویا اصل قوت عوام کے ہاتھ میں ہو، اور وہ اپنی مرضی سے اس کو استعمال کر سکیں اور اپنی صواب دید کے مطابق مجلس تشریعی (لیجسلیٹیو اسمبلی) اور مجلس تنفیذی (ایگزیکٹیو کونسل) میں اپنے نمایندے انتخاب عام کے طریق پر بھیج سکیں،

نیز اس نظام حکومت مین ملک کے تمام اصل باشندے ہر قسم کے اقتصادی، معاشرتی، اور شہری حقوق مین مساوی الدرجہ تصور کئے جائین، ہر ایک باشندۂ ملک کو حق حاصل ہو کہ وہ اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق شہری اور ملکی معاملات مین حصہ دار بن سکے، اور اس کی ترقی کے راستے مین کوئی امر مانع نہ ہو، صنعت و تجارت اور حیات عامہ کے تمام وسائل کے اخذ و اختیار مین اس کو پورا پورا حق حاصل ہو، ہر شہری مساویانہ طور پر زندگی بسر کر سکے، سیاسی اعتبار سے اس کو بشرط قابلیت بڑے سے بڑے عہدۂ حکومت کے حصول مین کوئی رکاوٹ نہ ہو، ان امور کو "حریت اجتماع" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے،

حریت فکر و خیال اور صحافت پر کسی قسم کی پابندی عائد نہ ہو، بلکہ ہر باشندۂ ملک کو تقریر و تحریر کی پوری آزادی حاصل ہو، ملک کے ہر فرد کو حیات عامہ کے تمام مسائل پر رائے زنی اور تنقید کرنے کا حق حاصل ہو، اس کو حریت فکر یا حریت نشر سے تعبیر کیا جاتا ہے،

ملکی خزانہ کسی شخص یا اشخاص کی ملکیت نہ ہو، بلکہ عوام کی ملک ہو، اس کا صرف امن و دفاع (ڈیفنس) نظم و نسق اور عوام کی فلاح و بہبود کے لئے ہونا چاہئے، یہ ہین وہ بنیادی اہم نکات جن پر جمہوریت کا محل تعمیر ہوا ہے،

انقلابی جد و جہد کی ابتدا | اٹھارہوین صدی کے اواخر اور انیسوین صدی کی ابتدا مین بعض مغربی ممالک مین پہلے پہل حریت و آزادی کی شعاع نمودار ہوئی جو آنا فانا تمام کرۂ ارضی مین پھیل گئی، اس کا سبب فاقہ کش عوام کی بے چینی، ان کی مظلومیت اور سرمایہ دارانہ طرز حکومت کا جبر و تشدد تھا، مخلوق خدا ظالم بادشاہون کے پیہم مظالم سے تنگ آچکی تھی، اور عوام کے دلون مین احساس خودی پیدا ہو گیا تھا اور وہ یہ محسوس کرنے لگ گئے تھے کہ یہ کوئی انصاف نہین کہ چند اشخاص کروڑہا انسانون کی قسمت کے مالک بن جائین، اُن کے سارے وسائل معیشت پر غاصبانہ قبضہ کر کے خود عیش کی زندگی بسر کرین، اور ان کو دائمی غلامی کی زنجیرون مین جکڑے رکھین، خود سر بفلک عمارتون مین ریشمی گدون پر آرام کرین، اور فاقہ کش مزدور کے بچون کو جھونپڑی بھی نصیب نہ ہو،

غرض یہ وہ اسباب تھے، جن کی بناپر عوام بے قرار تھے، اور رفتہ رفتہ اُس نے ایک آتشگیر مادہ کی شکل اختیار کرلی، اور بالآخر وہ پھٹکر انقلاب فرانس کی شکل مین نمودار ہوا، یہ انقلاب بظاہر دنیا کی ظالمانہ آمریتون کے لئے تازیانۂ عبرت تھا، اور غریب فاقہ کشون کے لئے پیام امن وراحت!

اٹھارہوین صدی کے عشرۂ اخیر مین فرانس کے حریت پسندون نے آزادی وحریت اور اخوت ومساوات کا جھنڈا بلند کیا، اور مسلسل تگ ودو، جانکاہ مصائب اور صبر آزما جد وجہد کے بعد ان کو کامیابی نصیب ہوئی، فرانس کی جمعیت وطنیہ نے ایک انقلابی دستور "منشور حریت" کے نام سے جاری کیا جس کے بنیادی اجزا اس سے قبل ذکر ہو چکے ہین،

قدرتی طور پر انقلاب فرانس کا اثر دوسرے ممالک پر بھی پڑا، اور دوسرے چھوٹے بڑے ملکون مین بھی اسی قسم کی تحریکین اٹھین، امریکہ کے باشندون نے بھی غلامی کے خلاف زبردست جد وجہد کی اور بالآخر اس کو کامیابی حاصل ہوئی، اور کچھ عرصہ کے بعد روس مین اسی جذبۂ آزادی نے ایک جدید شکل اختیار کرلی، کارل مارکس اور لینن کی جد وجہد نے عوامی حلقون مین آزادی ومساوات کی نئی روح پھونک دی، اور چند دنون مین زار روس کی ظالمانہ شاہنشاہیت کا تختہ الٹ کر رکھدیا، اور اشتراکی نظام حکومت کی بنیاد ڈالی گئی، روس کے اس انقلاب نے دنیا کے تمام چھوٹے بڑے ممالک کے عوامی طبقون کو اپنی جانب متوجہ کرلیا، اور کم وبیش ہر ملک مین سیاسی بیداری اور زندگی پیدا ہونے لگی، اور غربت زدہ عوام مین تنظیمی شعور رونما ہونے لگا، اور ملوکیت پرست طبقے اپنے وقار شاہی کے لئے خطرہ محسوس کرنے لگے، بالآخر متعدد چھوٹے ممالک مین ملوکیت کو انقلاب پسندون کے سامنے جھکنا پڑا، اور آج دنیا کے بیشتر ممالک مین اشتراکی نظریۂ سیاست کا اثر ونفوذ بڑھ رہا ہے، بالخصوص گذشتہ عالمگیر جنگ مین سوویٹ یونین کو جہان مادی طور پر عظیم الشان فتح حاصل ہوئی، وہان نظریاتی اعتبار سے وہ اس سے بھی زیادہ کامیاب رہی، عربی ممالک مین بھی یہ زہر نہایت سرعت سے پھیل رہا ہے،

اگر موثر طریقہ پر اس کا مقابلہ نہ کیا گیا تو تھوڑے عرصہ مین یہ تحریک عربون کے جسم کو مفلوج کر دیگی، اور صرف اسلامی نظریۂ سیاست و اجتماع ہی اس زہر کا تریاق ہو سکتا ہے،

موجودہ طرزِ جمہوریت کے اہم نقائص | حقیقت یہ ہے کہ انسانیت کو جس زندگی کی تلاش و جستجو ہے اس سے وہ اب تک محروم ہے، جس آخری منزل تک اسے پہنچنا ہے وہ ابھی کوسون دور ہے، اور حیاتِ انسانی کا اصل مرض اب تک اس کے رگ و ریشہ مین سرایت کئے ہوے ہے خوش فہم اور غلط کار انسان لاکھ کہین کہ ہم نے انسانیت کے دکھ کا علاج پالیا ہے، مگر درحقیقت وہ جس کو علاج سمجھ رہے ہین وہ خود ایک مستقل مرض ہے، اور جس کو وہ مسیحا تصور کر رہے ہین، وہ فرشتۂ موت ہے،

موجودہ نظامِ جمہوریت مین اس قدر نقائص ہین، کہ اگر ان سب کو یکجا کیا جائے، تو اس مین اور آمریت و ملوکیت مین کوئی نمایان فرق باقی نہین رہتا، زیادہ سے زیادہ لیبل کا فرق نظر آسکتا ہے، یعنی ایک ہی حقیقت کے دو عنوان ہین،

(۱) موجودہ نظامِ سیاست کی بنیاد ہی اس غیر فطری تصور پر قائم ہے کہ ایک انسان کو دوسرے انسانون پر، یا سب سے بڑی جماعت (مجارٹی) کو کمزور اور چھوٹی جماعتون (مناریٹز) پر حکومت کرنے کا حق حاصل ہے، اور یہی وہ بنیادی نقص ہے جو انسانی سوسائٹی کے تمام مفاسد کا سرچشمہ ہے، انسانی فطرت اس سے ابا کرتی ہے، کہ وہ اپنی ہی جنس کی غلامی اختیار کرے، خواہ یہ حکومت اور تسلط استبدادِ شخصی کی صورت مین ہو یا جمہوریت کے لباس مین،

(۲) ایک صالح اور مہذب نظامِ حکومت وہی ہو سکتا ہے، جس کی بنیاد اخلاقی اور مابعد الطبیعی تصورات پر قائم ہو کیونکہ یہی چیز حیاتِ انسانی کے لئے اصل روح کی حیثیت رکھتی ہے، اور اسی سے زندگی کے منتشر اجزا مین ربط و نظم پیدا ہو سکتا ہے، اور عالمگیر بے چینی و اضطراب کو دور کیا جا سکتا ہے، اس کے علاوہ اور کسی نظام کے ذریعہ یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہین ہو سکتا،

زمانۂ حال کے سیاسی نظریات مین روس کا اشتراکی نظریۂ سیاست سب سے زیادہ ترقی یافتہ خیال کیا جاتا ہے، اس لئے کہ اس مین بہت حد تک عوام کے مطالبات کی تسکین کا سامان ہے، مگر اس مین بھی یہ نقص بدرجۂ اتم موجود ہے، کہ اس کے فلسفہ، فکر و عمل کا محور محض چند مادی اغراض ہین، بقول علامۂ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ان کی جد وجہد لا ہی تک پہنچ کر رک گئی ہے، اور الا کی منزل کا ان کو سراغ تک نہین مل سکا،

کردہ ام اندر مقاماتش نگاہ   لا سلاطین لا کلیسا لا الٰہ

فکر او در تند باد لا بماند   مرکب خود را سوے الا نراند

چونکہ دنیا کے سیاسی نظامات مین اخلاقی اقدار کو کوئی جگہ نہین دی گئی، اس لئے موجودہ جمہوریت مین منتخب ہونے والے نمایندون کے لئے کوئی اخلاقی معیار مقرر نہین، اور آج نمایندگی کا اہل اس شخص کو تصور کیا جا سکتا ہے، جو سب سے زیادہ زمانہ ساز ڈپلومیٹک اور چرب زبان ہو، اگرچہ اس کا اخلاق اور کیریکٹر کتنا ہی گرا ہوا ہو، ظاہر ہے کہ ایسے نمایندون سے انسانیت کے اہم مسائل کسی طرح حل نہین ہو سکتے ع

کہ از مغز دو صد خر فکر انسانی نمی آید

(۳) جمہوری آئین کو وطنیت و قومیت (نیشنلزم) کی حدود مین مقید کر دیا گیا ہے، اور اس کو ہمہ گیر (یونیورسل) حیثیت حاصل نہین، اس لئے اگر وہ مفید ہو سکتا ہے تو صرف اپنے ملک کے اصل باشندون کے لئے، آبادی کا وہ حصہ جو غیر ملکی کہلاتا ہے، اس کی برکات سے محروم رہتا ہے، مثلاً امریکہ مین یہودی یا افریقی افراد کو وہ شہری یا معاشرتی حقوق حاصل نہین، جو ملک کے اصل باشندون کو حاصل ہین،

(۴) موجودہ نظام جمہوریت کا دارومدار جماعتی طرز فکر، جماعتی کردار اور جماعتی نظریۂ سیاست

پر ہے، ملک مین اگر دو یا دو سے زائد جماعتین ہین، تو ہر جماعت کا نمایندہ اپنے مخصوص جماعتی طرز پر سوچتا ہے، اور جماعت سے وفاداری یا جماعتی عصبیت کی بنا پر ہر بات مین اسی کی حمایت کرتا ہے، خواہ وہ بات کتنی ہی غلط اور غیر منصفانہ کیون نہ ہو، اس لئے کہ ہر جماعت کا اپنا نصب العین ہوتا ہے، اور پارٹی کے ہر رکن کو جائز یا ناجائز طور پر اسی کی حمایت کرنی پڑتی ہے،

(۵) اس طرز جمہوریت مین طاقت ایک مخصوص طبقہ کے ہاتھون مین ہوتی ہے، اور مختلف جماعتون مین جس کی اکثریت ہوتی ہے وہی باقتدار ہوتی ہے، آئین جمہوریت کی رو سے اکثریت (مجارٹی) کا ہر فیصلہ جائز تصور کیا جاتا ہے خواہ وہ کتنا ہی ظالمانہ ہو، اور وہ ہر جائز اور ناجائز طریقہ سے اقلیتون پر اپنا تسلط قائم رکھتی ہے،

(۶) موجودہ نظام جمہوریت مین نمایندگی کے لئے متعدد اشخاص خود اپنے آپ کو پیش کرتے ہین جس سے حریت عامہ پر نہایت برا اثر پڑتا ہے، ان مین سے ہر شخص ترہیب وترغیب کے ذرائع اختیار کرتا ہے اور بسا اوقات عوام محض خوف یا طمع کی وجہ سے راے دینے پر مجبور ہو جاتے ہین، اس طرح عوام کی آزادی فکر کو نقصان پہنچتا ہے، اور وہ صحیح نمایندہ منتخب نہین کر سکتے،

جس طرح نمایندگی کے لئے کوئی اخلاقی معیار مقرر نہین ہے، اسی طرح راے دہندگی کے لئے بھی نہین بلکہ اس کا معیار عموماً ٹیکس اور لگان کی ادائیگی تک محدود ہوتا ہے، اور ہر جماعت اور سوسائٹی اسی کو نمایندگی کے لئے موزون سمجھتی ہے، جو اس کے مخصوص مفاد اور نقطۂ نظر کی نمایندگی کر سکے، خواہ وہ کتنا ہی غلط کیون نہ ہو، ایسی حالت مین ملک وقوم کی صحیح نمایندگی ہو سکتی ہے، اور نہ صحیح انتخاب ہو سکتا ہے، اور وہی شخص انتخاب مین آئے گا، جو زیادہ سے زیادہ اپنی اپنی جماعتون کی ہمنوائی کر سکے، یہ کتنا بڑا ظلم ہے، کہ تجارتی، تعلیمی اور معاشرتی امور مین تو قابلیت، صداقت اور دیانتداری کا امتحان کر لیا جاتا ہے، مگر جہان پوری قوم اور ملک کے نفع وضرر کا سوال ہو وہان نمایندگی کے لئے کوئی اخلاقی معیار

مقرر ہے، اور نہ رائے دہندگی کے لئے،

(۸) موجودہ طریق انتخاب سے منتخب ہونے والے اشخاص کو ایک مقررہ مدت تک کے لئے بالکل آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے، اور اس میں رائے دہندگان کو اس کے عزل کا اختیار نہیں ہوتا، گویا وہ اتنی مدت تک طوعاً و کرہاً اس کی قیادت تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہیں، خواہ وہ ان کے اعتماد کا اہل نہ رہ گیا ہو، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نمایندہ اسی وقت تک عوام سے میل جول اور ربط و علاقہ رکھتا ہے، بلکہ ان کی خوشامد اور چاپلوسی کرتا ہے، جب تک کہ وہ ان سے ووٹ حاصل نہیں کر لیتا، منتخب ہونے کے بعد وہ ہر طرح مطمئن ہو جاتا ہے، اور پھر اپنے رائے دہندگان کی خواہشات کا مطلق لحاظ نہیں کرتا،

ان آٹھ بنیادی نقائص سے قطع نظر جن امور کو موجودہ جمہوریت کے اجزائے ترکیبی ہونے کا فخر حاصل ہے، یعنی جو منشور آزادی میں درج ہیں، وہ بھی آج تک ذہنی دنیا سے آگے نہیں بڑھ سکے، اور عملی لحاظ سے اب تک وہی سب کچھ ہو رہا ہے، جو زمانۂ جمہوریت سے قبل تھا، اعلیٰ و ادنیٰ شریف و رذیل اور امیر و غریب کی طبقاتی تقسیم آج بھی بدستور قائم ہے، اعلیٰ طبقوں میں آج بھی وہی فرعونی روح کارفرما ہے، حکومت کے شعبوں اور ملک کے صنعتی کارخانوں میں تنخواہوں اور اجرتوں کا وہی معیار آج بھی ہے، اور موجودہ جمہوریت آج تک انسانی آلام کا مداوا نہ کر سکی، اس کی وجہ یہ ہے کہ جمہوریت کا صرف نام ہے، لیکن اس کے اندر اسی استبداد کی روح کارفرما ہے،

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب ۔ تو سمجھتا ہے کہ آزادی کی ہے نیلم پری

لا یصلح الناس فوضیٰ لا سراۃ لھم ۔ ولا سراۃ اذا جھالھم سادوا

اب ہم ان ہشتگانہ نکات کو پیش کرنے کے بعد اسلامی نظریۂ سیاست کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں،

اسلام کا نظام سیاست و اجتماع

تو اے گرو تو ہم شوکت دریا چہ می دانی ۔ اسیر عذر تنگی وسعت صحرا چہ می دانی

جن لوگوں کی آنکھیں اس عکس نہند نام زنگی کا نور نئی روشنی سے خیرہ ہیں، کاش ان کی نگاہ غلط بین اسلام کے مرکزِ انوار کی طرف بھی اُٹھ سکتی، جن کی زبان پانی کے چند قطروں کے لئے ترس رہی ہے، کاش وہ اس آبِ حیوان تک پہنچ سکتے، جس میں پوری دنیا کو سیراب کرنے کی صلاحیت موجود ہے، اور کاش اُن کو یہ معلوم ہوسکتا کہ وہ جس کو مسیحا سمجھ کر اس کے گرد طواف کر رہے ہیں، وہ تو خود نیم جان بیمار اور دوسرے کے دست شفا کا محتاج ہے، سنگریزوں کو جواہر تصور کر لینے سے حقیقۃً سنگریزے جواہر نہیں بن سکتے، خاکستر کو آگ سمجھ کر پھونک مارنے والے خوب سمجھ لیں کہ ان کے ہوا دینے سے اس میں اشتعال پیدا نہیں ہوسکتا،

ونار لو نفخت بھا اضائت

ولکن انت تنفخ فی الرماد

اسلام کا نظریۂ اجتماع و سیاست، ضابطۂ اخلاق و تمدن اور آئین اقتصاد و معیشت ہی انسانی زندگی کے مشکل مراحل طے کرانے کی صلاحیت رکھتا ہے اور یہی وہ نظریۂ حیات ہے جس میں بڑھنے، پھیلنے اور صالح تمدنی ارتقا کا ساتھ دینے کی نہ صرف صلاحیت ہے، بلکہ وہ خود ایک صالح تمدن کا بانی ہے جو سارے عالم کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور ایک نہ ایک دن زمانہ آنے والا ہے، جب کہ دنیا کا ہر انسان اسلام کے عالمگیر فلسفۂ زندگی میں پناہ لینے پر مجبور ہوگا،

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی	خدا بزرگ و برتر نے اپنے رسول
ودین الحق لیظھرہ علی الدین	کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا
کلہ،	تاکہ اس دین کو سارے ادیان پر غالب کر دے
لا یبقی علی ظھر الارض بیت مدر	روے زمین پر کوئی ایسا گھر

لا و بر الا ادخلہ اللہ کلمۃ الاسلام۔ بعز عزیز و ذل ذلیل،
(رواہ احمد)

نہین رہے گا، جس مین کلمۂ اسلام داخل نہ ہوگا، کوئی باعزت طریق پر اسلام مین داخل ہوگا، اور کوئی ذلیل ہوکر، اور بالآخر سب کو اسلام کے آگے جھکنا پڑے گا،

اسلام کا تصور حاکمیت حاکمیت کے سلسلہ مین اسلام کا ایک بنیادی نظریہ ہے کہ کسی انسان کو انسانون پر حکومت کرنے کا حق حاصل نہین، حکومت و اقتدار اور قانون سازی کا منصب صرف احکم الحاکمین کو حاصل ہے، انسان کا یہ منصب ہی نہین کہ وہ خدائی کامون مین دخل دے،

ان الحکم الا للہ،

حکومت کا کاروبار چلانے اور انسانی سوسائٹی مین نظم (ڈسپلن) قائم رکھنے کے لئے اس زمین مین خدا کی طرف سے ایک نیابی جماعت کام کرتی ہے، جو ایک مزدور کی حیثیت سے اپنے آقا کی معین کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیتی ہے، زندگی کے ہر شعبہ مین اس کے طور وطریق ایک معیاری آئیڈیل حیثیت رکھتے ہین، اور اسی حیثیت سے اس جماعت کو غلبہ و نفوذ اور تمکن فی الارض کا منصب حاصل ہوتا ہے، اس کو یہ حق ہرگز حاصل نہین ہے کہ وہ خدائی آئین مین کسی قسم کا ردو بدل یا ترمیم کرسکے، بلکہ اس کا فریضہ صرف اسی قدر ہے، کہ اس قانون خداوندی کو اس کی اصل شکل مین انسانون پر نافذ کرے، اور یہ جماعت خود بھی اسلامی آئین کی اسی طرح پابند ہوتی ہے، جس طرح وہ دوسرون کو پابند بنانا چاہتی ہے،

الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ

(وہ لوگ جن کو جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت دی گئی ہے، اور جو بلا وجہ اپنے گھرون

وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا	سے نکالے گئے ہیں) ان کو اگر ہم تمکنت
عَنِ الْمُنْكَرِ،	فی الارض عطا کریں گے، تو وہ نماز،
	زکوٰۃ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر
	کے فرائض کو کما حقہ انجام دیں گے،

درحقیقت یہی جماعت ہے جو نیابتِ الٰہی کے فرائض انجام دیتی ہے اور قیادتِ عظمیٰ کی مستحق ہے اس کی راہ متعین ہے، اور اس کا آئین اٹل ہے، اقوام عالم کے نظریوں میں ہر لمحہ تبدیلی کا امکان ہے، مگر اس جماعت کا ہر نظریہ غیر متبدل، ہر تصور غیر متغیر اور ہر قانون دائمی اور پائدار حیثیت رکھتا ہے' رات کی تاریکی میں بھٹکنے والی قومیں راستہ کے ہر سنگ میل کو آخری منزل مقصود تصور کرتی ہیں، ظُلُمٰتٌ بعضها فوق بعض، مگر اس جماعت کا ایک قدم بھی اندھیرے میں نہیں اُٹھ سکتا کہ اس کے چاروں طرف انوارِ الٰہی کی بارش ہورہی ہے، نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَاءُ،

محض حسن ظن کی بنا پر نہیں، بلکہ واقعات، فکر و نظر اور علم و بصیرت کی بنا پر یہ ماننا پڑتا ہے کہ اسلام کا پیش کردہ نظریۂ حیات ہی انسانی دنیا کی تمام مشکلات کو احسن طریق پر حل کر سکتا ہے، اور اسی کے ذریعہ دنیا میں قیادتِ عظمیٰ کی داغ بیل ڈالی جا سکتی ہے، مسلمان اس فلسفۂ زندگی کا علمبردار ہے اور اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ بنی نوع انسان کی رہنمائی کرے،

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا	مسلمانو! ہم نے تم کو ایک معتدل امت
لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ	بنایا ہے تاکہ تم تمام انسانوں پر گواہ
وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ	اور نگراں بنو، اور رسول تم پر نگراں
شَهِيْدًا	اور گواہ بنے،

وَسَطًا کے لفظ میں ایک لطیف اشارہ پایا جاتا ہے، کہ امتِ مسلمہ اقوام عالم کے لئے مرکز اور

وسط حقیقی کی حیثیت رکھتی ہے، اور ساری کائنات اس کے گرد چکر کاٹتی ہے، نیز اس میں عالم انسانی کو اپنے اندر جذب کرنے کی قوت جاذبہ موجود ہے،

شہید کے معنی اہل لغت اور مفسرین نے گواہ حاضر، اور محاسب و نگران کے بیان کئے ہیں یعنی جماعت مومنین عالم انسانی میں ایک گواہ اور نگران کی حیثیت رکھتی ہے، انسانی سوسائٹی میں نظم و ضبط قائم رکھنا، ابیض و اسود اور شاہ و گدا میں قانونی اور مجلسی مساوات قائم کرنا اور تمام اخلاقی مجلسی اور معاشی خرابیوں کی اصلاح کرنا اس کا فرض قرار دیا گیا ہے، دوسری اقوام و ملل کے دور قیادت و امامت کے ختم ہونے کے بعد قیادت کی تمامتر ذمہ داریاں اسی جماعت کے سپرد کی گئی ہیں

ثم جعلنکم خلئف فی الارض من بعد هم لننظر کیف تعملون،	پہلی قوموں کے بعد مسلمانو! ہم نے تم کو خلافت ارضی کا منصب عطا کیا ہے تاکہ ہم دیکھیں کہ تم اس کے فرائض سے کیسے سبکدوش ہوتے ہو،

بخاری کی ایک حدیث کا آخری ٹکڑا ہے،

انتم شهداء الله فی الارض (بخاری)	تم خدا کی زمین میں اس کی طرف سے محاسب اور گواہ ہو،
نحن آخر الامم (اخرجہ ابن ماجہ)	ہم اقوام عالم میں سب سے آخری قوم ہیں
نحن الآخرون السابقون[1]، (بخاری و مسلم و نسائی)	ہم زمانہ کے اعتبار سے سب سے آخری قوم ہیں، مگر منصب کے اعتبار سے سب سے پہلا مقام

---

[1] اس موضوع پر حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کا ایک بصیرت افروز مقالہ امت مسلمہ کی بعثت کے عنوان سے معارف ماہ اپریل ۱۹۴۶ء میں شائع ہو چکا ہے، مزید تفصیل کے لئے اس کی جانب رجوع کرنا چاہئے،

امارت وخلافت کا معیار اخلاقی قیود و اقدار کی رعایت کے علاوہ اور کسی دوسرے ذریعہ سے عالم انسانی مین حقیقی امن ہرگز قائم نہین ہوسکتا، انسانی طبائع کا میلان فطرۃً ظلم و تعدی حصول منفعتِ ذاتی اور غصب حقوق کی جانب ہے، اس فطری رجحان کی روک تھام کے لئے دین فطرت ہی کا ضابطہ اخلاق زیادہ موثر ثابت ہوسکتا ہے، اس کے مقابلہ مین ریاست (سٹیٹ) کی حیثیت محض ثانوی ہے، وہ مستقل بالذات اور منفرد طور پر اس کام کو انجام دینے سے قاصر ہے، دنیا کے قدیم اور جدید واقعات کی شہادت اس کے لئے کافی ہے، کہ محض ریاست قیام امن کے سلسلہ مین پوری طرح کامیاب نہین ہوسکی ہے، اور ان دونون قوتون کے اجتماع سے ہی مطلوبہ زندگی کا حصول ممکن ہے، ان مین سے تنہا ایک اصل مقصد کے لئے کافی نہین،

این دو قوت حافظِ یک دیگر اند
کائناتِ زندگی را محور اند

اس کی مزید تشریح اس طرح کی جاسکتی ہے، کہ جہان انسانی طبائع مین نظم و انضباط پیدا کرنے اور خیر و شر کی متضاد قوتون مین توازن قائم رکھنے کے لئے ریاست کی ضرورت ہے، وہان ایک قادر علی الاطلاق اور غیر محسوس ہستی پر کامل ایمان اور اس کے محاسبۂ اعمال پر یقین و اذعان بھی ضروری ہے، اسی لئے قرآن کریم نے ان دونون چیزون کو اس طرح بیان کر دیا ہے، کہ گویا ان مین رشتۂ تلازم ہے،

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ	ہم نے اپنے رسول آیاتِ بنیات کے
وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ	ساتھ بھیجے، اور ان کے ہمراہ کتاب اور
الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ	میزان بھی اُتاری تاکہ لوگ نقطۂ عدل
وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ	پر کھڑے ہوجائین، اور لوہا بھی اتارا

شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ، جس مین جنگ وقتال کے سازوسامان

(حدید) اور لوگون کے لئے بے شمار فائدے ہین

"میزان" اور "حدید" کو فعل کے تکرار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ہر ایک کا مفہوم و مصداق جدا جدا ہے، عبوری منزل مین بھی اختلاف ہے، کیونکہ اول الذکر خیر محض ہے اور ثانی الذکر مین شر کی بھی آمیزش ہے، مگر ان دونون کو ایک ہی جگہ ذکر کرنے سے یہ مفہوم ہوتا ہے، کہ ان کی آخری منزل ایک ہے، اور وہ حقیقی نظام امن کا قیام اور فتنہ وفساد کا استیصال ہے،

یہ ظاہر ہے کہ موجودہ نظامہائے سیاست مین کردار کی بلندی اور اخلاق وسیرت کی پاکیزگی کو کسی بعید سے بعید گوشہ مین بھی جگہ حاصل نہین، اور نہ ان کو ایمان باللہ اور حیات بعد الممات کے محاسبۂ اعمال ہی کے تصور سے کوئی نسبت ہے، مگر اسلام کا نظریۂ سیاست درحقیقت اسی ایک اصل پر مبنی ہے، کہ انسان کی زندگی دو حصون مین منقسم ہے، حیات قبل الممات اور حیات بعد الممات، موت ان دونون مین حد فاصل ہے، اور پہلی زندگی دوسری کے لئے ایک موثر کا حکم رکھتی ہے یعنی اس زندگی کا ہر فعل آنے والی زندگی پر اثر انداز ہوگا، یہی وجہ ہے، کہ اسلام کی نظر مین عظمت وبرتری صرف تقوی وطہارت اور عمل وکردار سے وابستہ ہے، نسلی شرافت، خاندانی وجاہت اور ملکی وقومی عظمت ہرگز قابل اعتبار نہین، اور یہ چیزین آنے والی مستقل اور دائمی زندگی کے لئے کارآمد نہین، اس لئے عزت و شرف کا معیار کردار کی بلندی اور اخلاق کی پاکیزگی ہے،

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ، تم مین سب سے زیادہ معزز اور شریف وہی ہو سکتا ہے، جو سب سے زیادہ پرہیزگار و متقی ہو،

لیس لاحد علی احد فضل الا دینداری اور خداترسی کے سوا

بدین و تقوی (مشکوٰۃ) کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہوسکتی،

اسی بنا پر اسلامی نظریۂ اجتماع و سیاست کے تمام اجزا میں یہی حقیقت جاری و ساری نظر آتی ہے، اور امارت و نمایندگی کے لئے بھی سب سے زیادہ عمل و کردار اور اخلاق و سیرت کو ملحوظ رکھا گیا ہے، ایک بہتر صالح اور جامع الشروط شخص کی موجودگی میں اگر کسی نااہل اور بے عمل شخص کو امیر بنا دیا جائے، تو یہ اسلام کی نظر میں نہایت خطرناک جرم ہے

عن ابن عباسؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من استعمل رجلاً من عصابة وفی تلک العصابة من هو ارضی لله منه فقد خان الله ورسوله وخان المؤمنین۔	جو شخص کسی کو ایک جماعت کا امیر بناتا ہے اور اس جماعت میں اس سے بہتر اور پسندیدہ آدمی بھی موجود ہے، تو وہ خدا، رسول اور مومنوں سے خیانت کرتا ہے،
عن ابی بکر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من ولی من امر المؤمنین شیئاً فامر علیهم احداً محاباة فعلیه لعنة الله، (اخرجهما الحاکم)	جس شخص کو مسلمانوں کی طرف سے کچھ اختیار مل جائے، اور وہ ان پر محبت نسبی کے پیش نظر کسی شخص کو امیر بنا دے تو وہ خدا کی طرف سے لعنت کا سزاوار بن جاتا ہے،

حضرت فاروق اعظمؓ انتخاب عام کے ذریعہ منتخب ہوئے، مگر اس کے باوجود انھوں نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا،

قال عمر بن الخطاب لو علمت ان احداً اقوی علی هذا الامر منی، لکان ان اقدم فتضرب	اگر میں جانتا کہ کوئی دوسرا مجھ سے زیادہ امور خلافت کو انجام دینے کی قوت رکھتا ہے تو اس صورت میں منصب خلافت کی ذمہ داری کے

عنقی اھون علی الخ (اخرجہ محمد فی الموطا) مقابلہ مین میرا قتل کیا جا میری لئے آسان تر ہوتا

اس مین شک نہین کہ احکام و قضایا کا علم، فہم قرآن، سیاسی شعور و فراست، فن سپہ گری کی مہارت، اعداء کے مقابلہ و دفاع کی پوری صلاحیت اور دیگر بہت سے امور شرائط امارت وقیادت مین شامل ہین، مگر اخلاق و سیرت کی پاکیزگی ان سب کے لئے روح کی حیثیت رکھتی ہے،

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ،

اگر ہم ان لوگون کو زمین مین غلبہ و تمکنت عطا کرین تو وہ نماز کو قائم کرین گے زکوٰۃ دین گے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ بھی ادا کرین گے،

اس آیت قرآنی مین تمام شرائط امامت و خلافت کی طرف بالاجمال اشارہ کر دیا گیا ہے، اقامت صلوٰۃ ایتاء زکوٰۃ، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر مین تمام انفرادی اور اجتماعی فرائض آجاتے ہین؛ امر بالمعروف کے لئے فہم قرآن اور احکام و قضایا کا علم ہر حال مین لازمی ہے، اسی طرح یہ فریضہ اس وقت تک تکمیل پذیر ہو ہی نہین سکتا، جب تک کہ قوت مقتدرہ اور اعداء دین کے مقابلہ کی صلاحیت تامہ موجود نہ ہو، نیز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قرآن کریم کی اُن جامع اصطلاحات مین سے ہین، جن کا اطلاق انسانی زندگی کے ہر گوشہ پر ہے، مگر اخلاقی حدود و اقدار پر ان کا اطلاق زیادہ بیّن ہے، اس صورت مین امر بالمعروف و نہی عن المنکر اس بات کو مستلزم ہون گے کہ آمر بذات خود بھی بہترین اخلاق اور بلند کیرکٹر کا حامل ہو،

(باقی)

تتمۂ مسئلۂ سود و قمار وغیرہ

مسلم وحربی مین

از

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی صدر شعبۂ عربی ڈھاکہ یونیورسٹی

مین نے معارف مین مسئلہ سود مسلم و حربی پر جو مضامین لکھے تھے، اور ان مین امام ابو یوسف اور امام شافعی وغیرہما جمہور علمائے امت کی طرف سے جو دلائل بیان کئے تھے، ان مین سے بعض اپنی طرف سے پیش کئے تھے، پھر مبسوط سرخسی سے مراجعت کی تو اس مین میرے قول کی تائید مل گئی، جی چاہا کہ اس کی عبارت کو بھی پیش کر دون ولله الحمد علی الموافقة،

قال وحجتهما ای ابی	مبسوط مین ہے کہ امام ابو یوسف اور امام
یوسف والشافعی رحمهما الله	شافعیؒ (وغیرہما) کی حجت عبد اللہ بن
تعالی حدیث ابن عباس رضی	عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ
الله عنهما انه وقع للمشرکین	(غزوہ خندق مین) مشرکین کی ایک
جیفة فی الخندق فاعطوا بذلك	لاش خندق مین رہ گئی تو انھون نے
للمسلمین مالا فنهی رسول	اس کے عوض مسلمانون کو بہت سا
الله صلی الله علیه وسلم عن	مال دینا چاہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ذلك ولا معنى لقول من يقول
كانَ موضع الخندق من دار
الاسلام لانا نقول عندكم
يجوز هذا بين المسلم والحربي
الذي لا امان له سواء كان
في دار الاسلام او في دار
الحرب، والمعنى فيه انّ
المسلم من اهل دار الاسلام
فهو ممنوع من الربا بحكم
الاسلام حيث كانَ ولا يجوز
انْ يجعل فعله على اخذ مال
الكافر بطيبة نفسه لانّه
قد اخذ لا بحكم العقد و
لانّ الكافر غير راض باخذ
هذا المال منه الا بطريق
العقد منه ولو جاز هذا في
دار الحرب لجاز مثله في دار
الاسلام بين المسلمين
على ان يجعل الدراهم

مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا، (اگر
معاملہ ربا و قمار وغیرہ دار الحرب میں
مشرکین سے جائز ہوتا، تو آپ اس سے
منع نہ فرماتے) اور یہ جو بعض نے کہا
ہے کہ خندق کی جگہ دار الاسلام میں واقع
تھی، (اس لئے حضورؐ نے منع فرمایا، کہ
دار الاسلام میں عقد فاسد نہ ہو) تو اس
میں کوئی وزن نہیں، کیونکہ تمھارے نزدیک
ایسا معاملہ دار الاسلام میں بھی حربی غیر
مستامن سے جائز ہے، (حربی محارب سے
بدرجۂ اولیٰ جائز ہونا چاہئے) اور اصل
علت (ممانعت کی) یہ ہے کہ مسلمان
دار الاسلام کا رہنے والا ہے، اسلام
کے حکم کی وجہ سے اس کو عقد ربا ممنوع
ہے، خواہ وہ کسی جگہ ہو، اس کے فعل
میں یہ تاویل جائز نہیں، کہ وہ (عقد
کی وجہ سے نہیں بلکہ) کافر کی خوشی سے
مال ربا لے رہا ہے، کیونکہ اس نے (علانیہ)
محض عقد کی وجہ سے یہ مال لیا ہے دوسرے

بالله رهم والله رهيو الاخر

هبة، (جلد ۱۳ ص ۵۶، ۵۷)

وہ کافر بھی محض عقد کی وجہ سے یہ مال دینے پر راضی ہوا ہے، بدون عقد کے وہ ہرگز راضی نہین تھا، اور اگر اس قسم کی تاویل دار الحرب مین کی جا سکتی ہے تو دار الاسلام مین بھی مسلمانون کے معاملات مین کی جا سکتی ہے، کہ ایک درہم کے عوض دو درہم دینے والے نے ایک درہم تو ایک درہم کے بدلہ مین دیا ہے، اور دوسرا بطور ہبہ کے دیا ہے،

یہی مین نے عرض کیا تھا کہ مسلم مستامن دار الحرب مین حربی سے عقد ربا کے ذریعہ جو کچھ وصول کرتا ہے، محض عقد کی وجہ سے کرتا ہے، عقد کو کالعدم قرار دیکر لین دین کو تراضی طرفین پر محمول کرنا ظاہر کے خلاف اور بعید تاویل ہے،

امام شافعی و امام ابو یوسف کی طرف سے یہ بحث بیان کرکے صاحب مبسوط نے امام ابو حنیفہ و امام محمد کی دلیل مین وہی مکحول والی مجہول و مرسل روایت اور فتح مکہ مین حضرت عباسؓ کی ربا ساقط کئے جانے کا واقعہ اور رکانہ کی کشتی کا اور حضرت صدیقؓ کا اہل مکہ سے شرط لگانے کا قصہ نقل کرکے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حربی کا مال مُباح ہے، مسلم مستامن کو صرف غدر سے بچنا ضروری ہے، اور جیسے بھی ہو وہ ان کا مال لے سکتا ہے، مگر مین تبلا چکا ہون کہ روایات مذکورہ سے استدلال نہین ہو سکتا، اور معاہدہ استیمان کے بعد اباحت مال حربی کا دعویٰ محتاج دلیل ہے، اور واقعہ خندق کی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ حضورؐ نے کفار کو غیظ دلانے اور ذلیل کرنے کے لئے لاش واپس کرنے سے منع فرمایا، مگر یہ جواب صحیح نہین،

کیونکہ بعض طرق مین اس کی تصریح ہے، کہ آپ نے بلا قیمت لاش دیدینے کا امر فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عقد فاسد سے منع کرنا مقصود تھا، اور موقع خندق کو دار الاسلام کہنا بھی صحیح نہین کیونکہ جنگ کے وقت جس مقام پر کفار کا غلبہ ہو اس کا دار الاسلام مین شمار نہین کیا جاسکتا، جب تک کفار کا غلبہ وہان سے دور نہ ہو، جنگ کے وقت لشکر کفار کی فرودگاہ کو دار الحرب قرار دیا جائے گا، جب کہ ان کی طاقت کافی ہو، اور ظاہر ہے کہ خندق کے ایک کنارہ پر کفار کا قبضہ تھا، دوسرے کنارہ پر مسلمانون کا قبضہ تھا، اور حالت ایسی نازک تھی کہ مسلمانون کے کلیجے منہ کو آرہے تھے، ایسی حالت مین خندق کو دار الاسلام قرار دینا دشوار ہے، پس صحیح جواب یہ ہے کہ خندق اس وقت دار الاسلام نہ تھا، نہ یہ کہ امام ابو حنیفہ اور محمد دار الاسلام مین بھی مسلم و حربی کے درمیان عقد ربا کو جائز کرتے ہین، کیونکہ وہ اس کے قائل نہین۔

قال: واذا كان لرجل على رجل دين الى اجل وهو من ثمن مبيع فحط عنه شيئا على ان يعجل له ما بقي فلا خير فيه ولكن يرد ما اخذ والمال كله الى اجله وهو مذهب عبد الله بن عمر رضي الله عنهما وكان زيد بن ثابتؓ يجوز ذلك (في ثمن المبيع دون القرض) و ولسنا ناخذ بقوله الان هذا

مبسوط مین ہے کہ جب ایک شخص کا دوسرے پر دین ہو جو بیع کی قیمت ہو (یہ قید اس لیے لگائی کہ حضرت زید بن ثابت کا اختلاف ایسی صورت مین ہے، اور اگر دین قرض کی وجہ سے ہو تو اس مین اختلاف نہین) پھر بائع اس شرط پر کہ کچھ مقدار دین کی کم کر دے، کہ مشتری باقی کو جلدی ادا کر دے، تو اس مین کچھ خیر نہین (بلکہ ناجائز ہے،) اس کو لازم ہے کہ جو کچھ لیا ہے واپس کر دے، اور اپنا پورا

مقابلة الاجل بالدراهم و
ومقابلة الاجل بالدراهم
ربا، الا ترى ان فی الدین الحال
لو زاده فی المال لیوجله لم یجز
فکذلک فی المؤجل اذا حط
عنه البعض لیعجل له ما بقی
والذی روی ان النبی صلی
الله علیه وسلم لما اجلی بنی
النضیر فقالوا ان لنا دیونا
علی الناس فقال صلی الله علیه وسلم
ضعوا وتعجلوا تأويله ذلك
ضعوا وتعجلوا من غیر شرط
او کان ذلک قبل نزول حرمة
الربا،

(جلد ۱۳ ص ۱۲۶)

مال مدت تمام ہونے پر لے، یہی مذہب
عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے، اور
زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (ثمن بیع)
میں اس کو جائز کہتے تھے، مگر ہم اُن
کے قول کو نہیں لے سکتے، کیونکہ یہاں
مدت کا مقابلہ دراہم سے ہے، (یعنی
مدت کے عوض روپیہ کم کیا جارہا ہے
اور مدت کا مقابلہ دراہم سے کرنا ربا ہے
کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر مدیون دین معجل
کی مقدار اس لئے بڑھا دے کہ اس کو
مہلت مل جائے تو یہ جائز نہیں، اسی
طرح دین موجل کی مقدار اس لئے کم کردینا
کہ دین جلدی وصول ہوجائے، یہ بھی جائز
نہیں ہوسکتا، (کیونکہ دونوں صورتوں
میں مدت کے مقابلہ میں مال لیا جارہا ہے
اور یہ ربا ہے) اور وہ جو روایت
کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے جب بنو نضیر کو جلا وطن کیا تو انھوں نے
کہا کہ ہمارا بہت قرضہ لوگوں کے ذمہ ہے

(اس کے وصول ہونے تک ہم کو مہلت
دی جائے) تو حضور نے ان سے فرمایا کہ
قرضہ کم کرکے جلدی وصول کر لو، تو اس
ارشاد کا یہ مطلب نہ تھا، کہ جلدی کی
شرط پر قرضہ کم کر دو، بلکہ مطلب یہ تھا
کہ بغیر کسی شرط کے قرضہ کم کر دو، اور
جلدی وصول کرکے چل دو، یا یہ واقعہ
حرمت ربا کا حکم نازل ہونے سے پہلے ہوگا،

ہمارے مولانا گیلانی نے سیر کبیر سے بنو نضیر کے اسی واقعہ کو امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل میں بیان کیا تھا، مگر صاحب مبسوط نے بتلا دیا، کہ اس میں اُن کے لئے کوئی دلیل نہیں اور بعینہٖ وہی احتمال نکال دیا جو احقر نے بیان کیا ہے،

القضاء فی الاسلام

اس میں طریقۂ شہادت اور انفصال مقدمات کے متعلق قرآن حدیث اور فقہ کی کتابوں سے اخذ کرکے اسلامی اصول اور قوانین کی تشریح کی گئی ہے، اور قانون پیشہ حضرات کے لئے اس کا مطالعہ بیحد مفید ہے۔

ضخامت:- ۹۲ صفحے، قیمت:- ۱۰ر

"منیجر"

ادبیات

شوقِ دیدار

از حکیم الشعراء سید احمد حسین صاحب امجد حیدرآبادی

وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰی لِمِيقَاتِنَا وَ
وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ
اُنْظُرْ اِلَیْكَ، الخ،
(اعراف ۔ ۱۷)

یعنی موسیٰ جب کوہِ طور پر آئے، اور اپنے خدا سے گفتگو کی تو اثنائے گفتگو مین کہا اے میرے مالک جب کان تیری آواز سنتے ہین، تو آنکھین دیکھنے کے لئے بے چین ہو جاتی ہین، کبھی تو ان محروم دیدار طلب آنکھون کو اپنا جلوہ دکھا

محرومیٔ گذشتہ پہ ہم کیون کرین قیاس
شاید بدل گئی ہو طبیعت حضور کی
کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کرین کوہِ طور کی

ساقی! ترے در پہ تشنہ کام آیا ہے
ٹوٹے ہوئے دل کا لیکے جام آیا ہے
دل مین سو حسرتین لئے آیا ہون
مین دیدۂ دیدار طلب لایا ہون
لے دیکھ، مرا حال ہے ابتر کیسا
پردہ بندے سے بندہ پرور کیسا!
دریا دیکھا، تمام صحرا دیکھا
گلزارِ جہان کا پتہ پتہ دیکھا
دنیا کا ہر ایک ذرہ ذرہ دیکھا
دیکھا نہ تجھی کو جب تو پھر کیا دیکھا
اب کچھ دیکھا ہے اور جب کچھ دیکھا
دنیا مین ترے سوائے سب کچھ دیکھا
ہین دید سے محروم طلبگار آنکھین
کیون دی گئین مجھ کو ایسی بیکار آنکھین

جو تجھ کو نہ دیکھے اس سے تو کور اچھا ایسے زندہ سے زندہ در گور اچھا
ہر ایک سے کیوں نہ موڑ لوں مین آنکھین جی چاہتا ہے کہ پھوڑ لوں مین آنکھین
جب حد سے گذر گئی شکایت میری بے طرح بگڑنے لگی حالت میری
معلوم ہوا کہ کوئی نزدیک آیا چپکے سے کسی نے کان مین فرمایا
اللہ اللہ ہم سے اتنا شکوہ کیا یاد نہین ہے، خرّ موسیٰ صعقا
ایک جلوے مین ایک حشر برپا دیکھا تم نے دیکھا کلیم نے کیا دیکھا
اک آن مین ہستی سے گذرتے ہی بنی دو ہاتون سے توبہ ستے ہی بنی
کیون میرے فراق کا تجھے ماتم ہے کیون مجھ کو نہ دیکھنے کا تجھکو غم ہے
تو دیکھ کے مجھ کو کیا کرے گا امجد مین دیکھ رہا ہون تجھ کو یہ کیا کم ہے

غزل

از صاحبزادہ شفق قادری ٹونکی

حد نہین صبر آزمائی کی ہائے کیا شام ہے جدائی کی
بندۂ غم سے نہ ہو سکے آزاد لاکھ تدبیر کی رہائی کی
دیکھتا ہون جہان تم ہی تم ہو کوئی حد بھی ہے جلوہ زائی کی
ذرّے ذرّے سے مسکرا اٹھے موج آئی جو خود نمائی کی
آسمان کو زمین بنا ڈالا ہم نے جب ہمت آزمائی کی
خود قفس کھولدے گا در اپنا جب گھڑی آے گی رہائی کی

دیکھئے کس طرح بسر ہو شفق
رات اور رات بھی جدائی کی

باب التقریظ والانتقاد

مجمع فواد الاول للغۃ العربیۃ

از

مولانا محمد ناظم صاحب ندوی استاذ ادب دارالعلوم ندوہ لکھنؤ

(۲)

گذشتہ نمبر میں یہ ظاہر کیا جا چکا ہے کہ اکیڈمی کے مقاصد میں یہ بھی ہے کہ وضع الفاظ کے سلسلہ میں عربی زبان کے قواعد کی چھان بین، اور اس میں ایسی مناسب ترمیم کی جائے، جس سے وضع الفاظ میں سہولت ہو، چنانچہ اس سلسلہ میں اس اکیڈمی کے ارکان نے قواعد لغت پر محققانہ نظر ڈالی، اور بعض قواعد صرف میں مناسب ترمیمیں کیں، کوفہ و بصرہ کے علمائے لغت میں جس مسئلہ میں اختلاف تھا، ان میں کسی ایک گروہ کی رائے کو قانونی حیثیت دیدی، یا کسی ایسے صرفی مسئلہ کو جسے علمائے لغت سماعی کہتے آئے ہیں، لیکن اس کو قیاسی بنانے کی ضرورت تھی، تو اکیڈمی نے اس کے متعلق اصول وضع کر دیئے تاکہ وضع الفاظ میں سہولت ہو، مثلاً ایسے مقامات جہاں کوئی چیز کثرت سے ہوتی ہے، ان کے لئے اسماء اعیان سے مَفْعَلَۃ کے وزن پر اسم مشتق کرتے ہیں، جیسے ذئب سے مَذْأَبَۃ (ایسا مقام جہاں کثرت سے بھیڑیے ہوں) اسد سے مأسدۃ اور سَبُع سے مَسْبَعَۃ، رضی نے شافیہ کی شرح میں وزن مفعلۃ کی متعدد مثالیں دے کر لکھا ہے، اگرچہ اس قسم کی مثالیں کثرت سے کلام عرب میں ملتی ہیں، مگر یہ قیاسی نہیں یعنی عرب سے جتنی مثالیں سنی گئی ہیں ان پر

قیاس کرکے دوسرے الفاظ نہین مشتق کئے جا سکتے، مظہر الدین شارح مفصل نے کمل مین مَفعلۃ کو قیاسی لکھا ہے، اکیڈمی نے بھی عصری ضروریات کے پیشِ نظر مفعلۃ کو قیاسی مان کر یہ قاعدہ مقرر کیا ہے، کہ ثلاثی مجرد اسماء اعیان (خواہ وہ جمادات و نباتات ہون یا حیوانات ہون) سے اس مقام کے لئے جہان وہ اسمائے اعیان کثرت سے پائے جاتے ہین، مفعلۃ کے وزن پر اسم مشتق ہوگا، جیسے بقل سے مَبقلۃ (سبزی منڈی) اور تجارت سے متجرۃ (تجارت کی منڈی) وغیرہ،

ثلاثی مجرد افعال کے مصادر مختلف اوزان پر آتے ہین، اور چند مصادر کے سوا اکثر سماعی ہین، ان مین بعض اوزان تو کثرت سے مستعمل ہین، اور بعض بہت کم استعمال مین آتے ہین، کثیر الاستعمال اوزان بعض نحویون کے نزدیک قیاسی اور قلیل الاستعمال، سماعی ہین لیکن بعض نحوی تمام ثلاثی مجرد مصادر کو سماعی کہتے ہین، اکیڈمی نے سیبویہ، اخفش اور ابن مالک وغیرہ کا مسلک اختیار کیا ہے، جن کے نزدیک ثلاثی مجرد مصادر کے وہ اوزان جو کثیر الاستعمال ہین، قیاسی ہین،

چنانچہ اکیڈمی نے مصدر فِعالۃ (کسرہ الفاء) کو جو کثرت سے کسی پیشہ یا صنعت و حرفت کو ظاہر کرتا ہے، جیسے تجارۃ، حدادۃ (لوہاری) نجارت (بڑھئی کا پیشہ) قیاسی قرار دیکر یہ قاعدہ وضع کردیا، کہ ثلاثی مجرد سے خواہ کسی باب سے فعل آتا ہو پیشہ یا ہنر یا صنعت و حرفت کو ظاہر کرنے کے لئے فعالۃ کے وزن پر صیغہ مشتق کیا جائیگا، اس اصول سے بہت سے ایسے پیشے اور ہنر کے لئے الفاظ وضع کرنا آسان ہوگیا، جن کے لئے عربی مین الفاظ نہین ملتے، جیسے شعاع سے شعاعۃ، کسرہ سے تصویرکشی کے فن کے لئے جس مین شعاع آفتاب کو دخل ہے، تاجرون اور مل کے مالکون کے درمیان دلالی کے لئے وساطۃ کا لفظ، اور سونے کی ملمع کاری کے لئے ولاعۃ کا لفظ وضع کیا ہے، اسی طرح صحافۃ اور طباعۃ وغیرہ الفاظ کا استعمال جدید معنی مین صحیح ہوگا،

اکیڈمی نے یہ ضابطہ بھی بنایا ہے، کہ فعل لازم (عین کے فتحہ کے ساتھ) سے مصدر فعلان (ف اور ع دونون کو زبر) کے وزن پر مشتق کیا جائے گا، بشرطیکہ اس فعل لازم کے معنی مین حرکت و اضطراب

بھی پایا جائے، اس اصول سے بہت سے ایسے کلمات کا وضع کرنا آسان ہوگیا جن کی جدید فنون میں ضرورت ہوتی ہے، جیسے بجلی کی لہروں کی مسلسل حرکت کو موجان کہا جائے گا، خوف یا مرض کی بنا پر آنکھوں کے بار بار جھپکنے کو طرفان کہا جائے گا،

اکیڈمی نے عربی کے بہت سے قدیم اصول میں مناسب ترمیمیں کی ہیں جن سے عربی زبان وقت کے جدید تقاضوں کے پورا کرنے کے لائق ہو جائے گی، اور اس کے بنیادی امتیازات بھی باقی رہیں گے، کیونکہ یہ تمام قواعد قدیم اصول اور فصحائے عرب کے استعمالات کو پیش نظر رکھ کر وضع کئے گئے ہیں، کہیں بھی روح عربیت کے خلاف کوئی قاعدہ نہیں وضع کیا گیا ہے،

فصحائے عرب نے اسماء اعیان سے بہت سے الفاظ مشتق کئے ہیں، اور لغت کی کتابوں میں اس کی سیکڑوں مثالیں موجود ہیں، مگر ائمہ لغت نے اعیان سے اشتقاق کو ناجائز لکھا ہے، اور اشتقاق کو محض مصادر اور افعال کے ساتھ مخصوص کیا ہے، اس وقت فنی اصطلاحات وضع کرنے میں اسماء اعیان سے مشتق الفاظ کی بڑی ضرورت ہے، اسی بنا پر اکیڈمی نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے، کہ علوم (سائنس) میں ادب (آرٹ) میں نہیں، بوقت ضرورت اسماء اعیان سے الفاظ مشتق کئے جائیں،

قدیم عرب نے ذہب (سونا) سے مُذہّب (سونے کا ملمع کیا ہوا) فضہ سے مفضض کبریت (گندھک) سے مکبرت اور زاؤوق (پارہ) سے مزوق مشتق کیا ہے، اس جدید اصول کے بعد اب نحاس (تانبا) سے مُنحس زرنیخ (ہڑتال) سے مزرنخ اور بلور سے مُبلّر مشتق کرنا صحیح ہے، کیونکہ طب، کیمیا (کیمسٹری) طبیعیات اور دوسرے مختلف صنعتوں میں اسماء اعیان سے اشتقاق کی ضرورت پیش آتی ہے،

اب برنیقی (وارنش) سے برنقہ وارنش کرنا، مُبرنق وارنش کیا ہوا مشتق کرنا صحیح ہوگا،

بہت سے افعال کے مصادر اور اسمار مشتق کے افعال کی تفصیل لغت کی کتابوں میں موجود نہیں اس کے متعلق اکیڈمی نے چند اصول وضوابط وضع کئے ہیں، بہت سے مفرد کی جمع کتب لغت میں موجود نہیں ہے انیز

جموع تکسیر کے موضوع پر سیر حاصل بحثیں اور مفید مضامین ہیں،

مذکورۂ بالا مشاورن کے علاوہ اور متعدد نئے اصول و قواعد وضع کئے گئے ہیں جن سے فنی اصطلاحات میں مدد ملتی ہے، لیکن ان کی تفصیل سے ناظرین کو کوئی دلچسپی نہیں ہو گی،

احادیث کے الفاظ سے لغوی استدلال کے بارے میں علماء عربیت کی رائیں مختلف رہی ہیں ابت زیادہ محتاط علماء لغت نے حدیث سے لغوی استدلال کرنے میں صرف اس بناپر احتیاط کی ہے، کہ حدیث کی روایت بالمعنی ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے راویوں میں بڑی تعداد اہل عجم کی ہے جن کی عربی مستند نہیں مگر دوسرا گروہ جو احادیث کی لسانی قدر سے واقف ہے، اور اسے تدوین احادیث کی تاریخ معلوم ہے، اس نے خالص لغوی حیثیت سے بھی احادیث نبوی کو مستند اور ان سے استدلال کو صحیح قرار دیا ہے،

احادیث کی تدوین خود عہد نبوی ہی سے ہونے لگی تھی، متعدد صحابۂ کرام نے احادیث کے مجموعے مرتب کئے تھے، ظاہر ہے کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں عربی زبان کے خد و خال میں کوئی تغیر نہیں ہوا تھا، زبان کا قوام خالص عربی تھا اس میں عجمیت کی کوئی آمیزش نہیں ہوئی تھی، حدیث کی تاریخ تدوین کے متعلق شیخ خضر حسین کا مضمون اچھا خاصہ ہے، مگر اردو میں اس سے بہتر مضامین اس موضوع پر لکھے جا چکے ہیں،

اکیڈمی نے مندرجہ ذیل قسم کی احادیث سے استدلال لغوی کو صحیح قرار دیا ہے،

(۱) متواتر و مشہور حدیث،

(۲) عبادات میں استعمال ہونے والے الفاظ احادیث،

(۳) وہ احادیث جو جوامع الکلم (مختصر حکیمانہ جملے) شمار ہوتی ہیں،

(۴) خطوط نبوی،

(۵) ایسی حدیثیں جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قوم سے اس کی زبان میں گفتگو فرماتے تھے،

۶- ایسی احادیث جن کے راویون کے متعلق معلوم ہے، کہ وہ روایت بالمعنی کے قائل نہین تھے، جیسے قاسم بن محمد، رجاء بن حیوۃ اور ابن سیرین وغیرہ،

۷- ایسی احادیث جو متعدد طرق سے مروی ہونے کے باوجود سب روایتون کے لفظاً یکسان ہون،

اس صدی کے آغاز مین علماے لغت نے رسائل واخبارات اور جدید مطبوعات کی لسانی جدتون پر سخت اعتراضات شروع کر دیئے تھے، خصوصاً فعل لازم کو متعدی اور متعدی کو لازم استعمال کرنے اور صلات افعال کے استعمال پر بڑی تنقیدین کین، چنانچہ لغت کی کتابون مین جو صلے مذکور ہین، جہان اس کے خلاف کوئی صلہ دیکھتے، فوراً اس کی تغلیط کرتے، حالانکہ ازروے بلاغت، دوسرے افعال کے صلات تضمین کی غرض سے استعمال ہوتے ہین، چنانچہ اساس البلاغت کی طباعت کے بعد بہت سے وہ استعمالات جو پہلے غلط سمجھے جاتے تھے صحیح ثابت ہوئے، اصل مین موجودہ کتب لغت تمام استعمالات عرب اور کل عربی الفاظ پر محیط نہین ہین اور نہ ان سے اصول بلاغت کے لحاظ سے استعمالات عرب کی جانب پوری رہنمائی ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہو کہ لغت کے مصنفین کے نزدیک علم بلاغت اور علم نحو نے ان کو اس سے بے نیاز کر دیا ہے،

ابراہیم یازجی کی لغات، جرائد کے انتقادات کی اہل علم نے پوری تردید کی ہے، اور کلام عرب کی سند سے مصنف کے اوہام کی قلعی کھولی ہے،

صلات (حروف جر) علماے کوفہ کے نزدیک ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہین، یعنی ایک حرف جر مثلاً فی جو ظرفیت کے لئے ہے، کبھی علی کے معنی مین آتا ہے، مگر اس کی جتنی مثالین کلام عرب مین ہین، کوفی نحویون کے نزدیک وہ سب سماعی ہین، اور ان پر قیاس نہین کیا جا سکتا،

بصری علماء نحو کے نزدیک حروف جر کے اپنے خاص معنی ہین، ایک حرف دوسرے کی جگہ پر استعمال نہین ہو سکتا، جہان اس کے خلاف کوئی مثال ہے، وہان بھی درحقیقت حرف جر اپنے معنی ہی مین استعمال ہوا ہے، مگر وہ صلہ دوسرے فعل کا ہے، اور فعل مذکور مین دوسرے فعل کے معنی کو شریک (تضمین) کیا گیا ہو

اس کی مثالیں کثرت سے فصیح کلام میں ملتی ہیں، اس لئے بہت سے علماء نحو کے نزدیک "تضمین" قیاسی ہے،

تضمین کی متعدد صورتیں ہیں، کبھی فعل متعدی کے مخصوص صلہ (حرف جار) کے بجائے دوسرے فعل متعدی کا صلہ استعمال ہوتا ہے، اس سے مقصود یہ ہے کہ دوسرے فعل متعدی کے معنی فعل مذکور میں شامل کئے گئے ہیں، کبھی فعل متعدی بحرف جار کو بلا حرف جار استعمال کرکے (براہ راست) مفعول لاتے ہیں،

"رفث" استعمال عرب میں کبھی ب حرف جار سے متعدی ہوتا ہے، مثلاً رفثتُ بالمرأة اور کبھی مع کے ساتھ، قرآن میں الیٰ کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے، کوفی علماء کے نزدیک یہ الیٰ باء کے معنی میں ہوگا، مگر دوسرا گروہ کہتا ہے، کہ رفث کے معنی میں افضاء کی تضمین ہوئی ہے جس کا صلہ الیٰ آتا ہے، اس تضمین کے سبب سے رفث کی صراحت میں افضاء کے کنایہ سے ایک خاص بلاغت پیدا ہوگئی،

اسی طرح لا تاکلوا اموالھم الیٰ اموالکم میں الیٰ سے "ضم" کی تضمین کی گئی یعنی لا تضموھا آکلین، زبان داں حضرات جانتے ہیں، کہ تضمین کی صورت میں جو معنی ذہن نشین ہوتے ہیں وہ الیٰ بمعنی مع کی شکل میں نہیں ہوتے،

(سَفِہَ) لازم ہے لیکن قرآن کریم نے سفہ نفسہ میں متعدی استعمال کیا ہے، یہ تعدی اھلک کی تضمین کی بنا پر پیدا ہوئی ہے،

کلام عرب میں تضمین کی اتنی کثرت سے مثالیں ہیں، کہ اُن کو سماعی کہنا صحیح نہیں اور قیاسی کہنا ناگزیر ہے، البتہ صلات کے استعمال اور لازم کو متعدی اور متعدی کو لازم استعمال کرنے کے لئے بہت سی شرطیں ہیں سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ عربی زبان پر پوری قدرت رکھتا ہو اور اس کا مزاج شناس ہو، چنانچہ اکیڈمی نے تضمین پر پوری بحث و تحقیق کے بعد یہ قرار داد منظور کی ہے،

(۱) اکیڈمی کے نزدیک تضمین سماعی نہیں بلکہ قیاسی ہے، بشرطیکہ دونوں فعل میں مناسبت ہو، دوسرے

فعل کے ملحوظ ہونے پر کوئی قرینہ ہوا اور اشتباہ کا خطرہ نہ ہو، تضمین ذوقِ عرب کے ہم آہنگ ہو،

۲- اکیڈمی کا مشورہ ہے کہ صرف بلیغ اسلوب مین تضمین کی جائے، ورنہ اس سے احتراز اولیٰ ہے

تضمین پر شیخ حسین والی (المتوفی ۱۹۳۶ء) کا ایک مفصل مقالہ ہے، جس کا مطالعہ اہل ادب کے لئے بہت مفید ہے،

اکیڈمی کے پروگرام مین متعدد قسمون کے لغات کی ترتیب و تدوین ہے،

معجم الاصطلاحات پر مشہور مستشرق پروفیسر فیشر عرصہ سے کام کر رہے تھے، اکیڈمی نے ان کے جمع کردہ مواد کو اپنا لیا ہے، اور پروفیسر موصوف سے درخواست کی، کہ وہ اس لغت کی تدوین مین دوسرے رفقاء کے ساتھ تعاون کرین، پروفیسر فیشر کے ساتھ دو اور مستشرق پروفیسر ماسینون (فرانس) اور نلّینو (اٹلی) کو بھی شریک کیا گیا تھا،

زیر تبصرہ رسائل اور روئدادین ۱۹۳۷ء تک کی ہین، معلوم نہین، ایامِ جنگ مین کتنا کام ہوا اور اب لغت کی تدوین کا کام کس منزل مین ہے، اہلِ علم کو عرصہ سے اس کا انتظار ہے،

ان مستشرقین کا ذوقِ علمی قابلِ داد ہے، وہ اجنبی زبان مین ایسے خشک موضوع پر اس انہماک سے کام کرتے ہین، کہ خود اہلِ زبان ان کے تبحر سے استفادہ کرتے ہین، لغت کی تدوین مین کئی مستشرقین علماے عرب کے ساتھ برابر کے شریک ہین، لیکن افسوس کہ کسی ہندوستانی عالمِ لغت کا نام اس مین نہین نظر آتا، پروفیسر عبد العزیز صاحب میمنی صدر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی جیسے لغوی کا نام نہ ہونا حیرت انگیز ہے،

اکیڈمی کی روئدادین اس حیثیت سے نہایت مفید ہین، کہ ان مین ارکان اکیڈمی کے قلم سے متعدد بلند پایہ مضامین اور لغوی و ادبی بحثین اور رسالہ مین اکثر ارکان کے محققانہ ادبی مقالات ہین، شیخ عبد القادر مغربی کا مقالہ "تعریب الاسالیب" شیبی اسکندر معلوف کا "اللہجۃ العربیۃ العامیۃ" اور احمد بک عوامری کا

"بحوث وتحقیقات لغویۃ" خصوصیت کے ساتھ نہایت فاضلانہ مضامین ہین،

الاب انطاس ماری کرملی کی لغوی تحقیقات بھی قابلِ مطالعہ ہین، ان کے علاوہ اور بہت سے مفید مضامین ومقالات ہین، ڈاکٹر احمد عیسیٰ بک کا "العاب الصبیان عند العرب" بہت دلچسپ ہے، ادبی اور لغوی نقطۂ نگاہ سے عبد اللہ امین کا "بحث فی الطرق التی سلکھا العرب عند اشتقاقھم من اسماء الاعیان" بہت خوب ہے،

استاد کرد علی کا مضمون "افعال للاستعمال" قابلِ مطالعہ ہے، اس مضمون مین ابن القوطیہ کی کتاب الافعال سے اکثر مثالین دی گئی ہین، یہ کتاب مطبوع اور متداول ہے، کرد علی کا یہ مشورہ صحیح ہے، کہ عربی زبان کے دورِ انحطاط سے اس وقت تک بہت سے افعال متروک ہوگئے ہین، حالانکہ ان افعال اور اُن کے مشتقات سے بہت سی عصری ضرورتین پوری ہوسکتی ہین، اس لئے انھین پھر رائج کرنے کی ضرورت ہے،

بندلی جوزی پروفیسر باکو (کاکیشیا) یونیورسٹی کا مضمون "بعض اصطلاحات یونانیۃ فی اللغۃ العربیۃ" قابلِ مطالعہ ہے، پروفیسر موصوف کے نزدیک عربی زبان مین یونانی الفاظ کی تعداد تقریباً سات سو ہے، عربی زبان مین ان کا داخلہ بہت قدیم ہے، سکندر مقدونی کے زمانہ مین یونانی الفاظ عربی زبان مین آنے لگے تھے، اس کا سبب یہ تھا کہ اسکندر مقدونی کی فتوحات سے قبل بعض عرب قبائل، عراق، شام فلسطین اور مصر مین آباد تھے، جب ان ممالک کو اسکندر مقدونی نے فتح کیا، تو طبعی طور پر فاتح کی زبان کے بہت سے الفاظ مفتوح قومون کی زبان مین داخل ہوگئے، مگر اس دور مین بہت تھوڑے یونانی الفاظ عربون نے قبول کئے، کیونکہ عربون کی سادہ اور بدویانہ زندگی مین لوازم تمدن کی ضرورت نہ تھی، لیکن دوسرے دور مین جب رومیون نے ۳۰ھ قبل مسیح مین مصر کو اور ۶۳ھ قبل مسیح مین شام و فلسطین کو فتح کیا تو عربی زبان مین یونانی الفاظ خلافِ توقع بہت زیادہ داخل ہوئے، حالانکہ رومی اقتدار کے بعد

یونانی الفاظ کا داخلہ حیرت انگیز ہے، اس کی توجیہ پروفیسر موصوف نے یہ کی ہے، کہ مفتوح و مغلوب یونانی، رومیون سے زیادہ ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ اور فاتح رومی اپنی مفتوح قوم کے فلسفہ اور علوم کے دست نگر تھے، اسی لئے یونانی فلسفہ اور یونانی علوم کی تعلیم خود روم مین ہونے لگی، اور رومی یونانی زبان مین تصنیف و تالیف کرنے لگے، اسی لئے عربی مین بھی لاطینی کے بجائے یونانی الفاظ زیادہ داخل ہوئے،

سب سے زیادہ یونانی الفاظ عہد عباسی مین جب کہ یونانی فلسفہ اور طب کا عربی مین ترجمہ ہوا عربی مین داخل ہوئے، مترجمین زیادہ تر سریانی اور کچھ قبطی اور یہود تھے، جو عربی زبان پر پوری قدرت نہین رکھتے تھے، اور یونانی اصطلاحات عربی مین ترجمہ نہیں کر سکتے تھے، اس لئے یونانی اصطلاحات بجنسہ عربی مین داخل ہو گئین، پروفیسر موصوف نے اپنے مضمون مین تقریباً سوا سو عربی الفاظ کی اصل یونانی لکھی ہے، بہت سے الفاظ کو یونانی الاصل ثابت کرنا مشکل ہے، اور بعض معمولی صوتی مناسبت کی بنا پر ان کو یونانی کہنا زیادتی ہے

مثلاً قلم	Kalam-os
قفل	Klausr-on
قمیص	Hpokamis-on
کرخ	Kharak-s
قرطاس	Khartees-
قارب	Karalei-on
قرنفل،	Koryophil-on

غالباً قرنفل کی اصل سنسکرت مین کرنک پھل ہے، کیونکہ عرب تاجر جزائر الہند سے مسالہ اور عطر وغیرہ اپنے ملک مین لیجاتے تھے،

روئداد اور رسالہ کی آٹھ جلدون کا تقریباً تین چوتھائی حصہ علوم و فنون سے متعلق الفاظ اور اصطلاحات

پر مشتمل ہے، ان جلدون مین جو الفاظ اکیڈمی نے وضع کئے ہین، ان کو ایک مجموعہ (مجموعۃ المصطلحات العلمیۃ والفنیۃ التی اقرہا المجمع) کی شکل مین شائع کیا ہے،

اس مجموعہ مین علم الاحیاء طب وتشریح (سرجری)، ریاضی، بجلی (الیکٹرک) مقناطیس طبیعیات (سائنس) نقاشی، مصوری، طباعت، تاریخ، فلسفہ، علم الحرارۃ، اور موسیقی سے متعلق ہزارون الفاظ ہین

یورپ کی بڑی بڑی یونیورسٹیون مین علاوہ عام مطالعہ کے کمرون کے ایک بڑا ہال ہوتا ہے جس مین تحقیق کرنے والے طلبہ اور ماہرین فن اساتذہ ملکر مطالعہ کرتے ہین، اس بڑے ہال مین اس فن سے متعلق تحقیقات ومراجعت کی کتابیں ہوتی ہین مطالعہ کرنے والے طلبہ اساتذہ سے فائدہ اٹھاتے ہین، ایسے دار المطالعہ کے لئے ایک قدیم لفظ مدراس وضع کیا ہے، یہ لفظ کتب لغت مین موجود ہے، یہودیون کے مکتب کو مدراس کہتے تھے، المدرس الموضع الذی یدرس فیہ والمدراس البیت الذی یدرس فیہ القرآن وکذلک مدراس الیہود ہو البیت الذی یدرسون فیہ (لسان العرب مادہ درس) مدرس کے بجائے مدراس اس لئے اختیار کیا کہ مدرس کی جمع مدارس آئے گی، اور مدراس کی مداریس آئے گی، اس سے مدرسہ کی جمع مدارس سے التباس نہین ہوگا، اس طرح کے چند الفاظ ذیل مین لکھے جاتے ہین،

المسمع	ریڈیو،	الثریا	بہت سے بلبون کا مجموعہ (جھاڑ)
المذیاع	ریڈیو،	الثقابۃ	ماچس کی سلائی، (تیلی)
المجہار	لاؤڈ اسپیکر	الوصلۃ	بجلی کے منفی ومثبت تارون کو جوڑنے والا،
الجماز	ٹرام،	المُحَبَّۃ	موٹر کا ہینڈل
المسخن والحمم	حمام مین گرم پانی کا حوض	المظلّۃ	دھوپ سے بچانے والی چھتری
النفّاطۃ	گیس کا بڑا ہنڈا،	الممطرۃ	برساتی، بھیگنے سے بچانے والا کپڑا،
الکوکبۃ	بلب		

المِظَلّۃ پیراشوٹ، ہوائی جہاز سے اترنے والی چھتری،

الفِلاہ چائے یا قہوہ کی چھلنی

المذکرۃ نوٹ بک

الاضمامۃ کتابوں کا پشتارہ، فائلوں کا مجموعہ

الضمام فائل بک

الماصر چنگی کی چوکی

اللفائف (واحد لفیفۃ) سگریٹ

النُفاضۃ سگریٹ کی جلی ہوئی راکھ، گل

منفضۃ سگریٹ کے گل رکھنے کی ڈبیہ یا جگہ

ارتکاس ردِّ عمل Reaction

المِهرق دستی پریس میں استعمال ہونے والا روغنی کاغذ (Stencil) جس کو نقل لکھنے کیلئے کثرت سے استعمال ہونے والا بلوکا

الأَتُّون انجن کا آتش دان

الوَقّاد کوئلہ جھونکنے والا (فائرمین)

المحالۃ پہیا،

الجزع پہیا کا محور جس میں پہیا گردش کرتا ہے

الفَرمَلَۃ گاڑی کا بریک

العَوّاقۃ بریک، روکنے والا آلہ،

طاعۃ الاشارات سگنل گھر اسٹیشن کا کیبن،

الملوّح سگنل دینے والا آدمی

التَذکَرِی ٹکٹ بابو، ٹکٹ بیچنے والا کلرک

النَقّاب ٹکٹ چیک کرنے والا کرو،

السَبّاق سب سے زیادہ تیز چلنے والی ریل گاڑی گویا طوفان میل،

الحصیر الزفوف اکسپرس گاڑی

الوقاف پسینجر گاڑی،

قطار البضاعۃ مال گاڑی

المِبذع ڈاکٹروں یا نرسوں کا وہ لمبا لباس جو ہسپتالوں میں کام کے وقت پہنا جاتا ہے نیز خانساموں کا خاص لباس (یونیفارم)

البِذلۃ قدیم استعمال میں ماما یا نوکر کے کام کے وقت والمبذلۃ کا لباس، اب اس کو گھر کے اندر کام کے وقت عہدوں کے مطلوبی لباس یا حکومت کی ملازمین کے خاص لباس (یونی فارم) پر بولا جانے لگا ہے

امید ہے کہ ہندوستان کے اہلِ علم اکیڈیمی کے ان تمام مطبوعات سے مستفید ہوں گے اور عربی زبان کی تعلیم میں اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

مطبوعات جدیدہ

تشریحات پاکستان مرتبہ جناب مولوی عبدالقدوس صاحب ہاشمی تقطیع اوسط ضخامت ۲۷۲ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ/ عثمانیہ پیر، کلدار، پتہ نفیس اکیڈمی عابد روڈ حیدرآباد دکن،

اس سے قطع نظر کہ پاکستان کا تخیل اور اس کا مطالبہ صحیح ہے، یا غلط اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ اب وہ ہندوستان کی سیاست کا اہم مسئلہ بن گیا ہے، اور اس کے مناسب حل اور اس کے اصلی مقصد و منشا کے حصول ہی پر ہندوستان کی حقیقی آزادی اور اس کے امن و سکون کا انحصار ہے، اس موضوع پر انگریزی مین کافی کتابین ہین، لیکن اردو مین مواد کی بڑی کمی ہے، اس کتاب مین لائق مرتب نے پاکستان کے متعلق ضروری معلومات اور اعتراضات و جوابات سلیقہ سے جمع کر دیئے ہین، اور ۱۸۵۷ء سے لے کر شملہ کانفرنس ۱۹۴۵ء تک ہندوستان کی مختصر سیاسی سرگذشت بیان کرکے اس پر تبصرہ کیا گیا ہے، اور آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس الہ آباد ۱۹۳۰ء کے سر اقبال کے خطبۂ صدارت کا وہ حصہ نقل کیا گیا ہے جس مین پاکستان کی حقیقت بیان کی گئی ہے، اور اس کا خاکہ پیش کیا گیا ہے، اس کے بعد پاکستان کی تائید مین بعض یورپین اور ہندوؤن کے بیانات نقل کئے گئے ہین، اور اس کی تشریح مین مؤلف نے خود اپنے اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، دنیائے اسلام کے مشہور مفکر امیر شکیب ارسلان اور محب الدین الخطیب مصر [illegible] وران کی رائین نقل کی ہین، اور پاکستان کی مخالفت مین جو سیاسی و اقتصا [illegible] کی جاتی ہین، اعداد و شمار سے ان کا جواب دیا گیا ہے، کتاب کے آخر مین

مسلمانون کے مرتب کردہ پاکستان کے مختلف نقشون اور ہندؤون کے فارمولون کو دیا گیا ہے، اس طرح اس کتاب مین پاکستان کے متعلق بہت سے ضروری معلومات آگئے ہین، مولانا ابوالاعلیٰ کے مضمون کا تعلق مسلم لیگ کے مجوزہ پاکستان سے نہین، بلکہ جماعت اسلامی کے حکومت الٰہیہ کے تصور سے ہے، اسی طرح امیر شکیب ارسلان کے مضمون کا مقصد ہندوستان مین ایک مستقل اور جداگانہ قوم کی حیثیت سے مسلمانون کے کلچر کا تحفظ ہے، گو ان دونون مضامین کی بعض جہتین پاکستان سے مل جاتی ہین،

رہنمائے قرآن، از نواب سر نظامت جنگ مترجمہ ڈاکٹر میر ولی الدین استاذ جامعہ عثمانیہ تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۹۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مرقوم نہین، پتہ ادارہ اشاعت اسلام کٹھ حسین ساگر حیدرآباد دکن،

نواب سر نظامت جنگ حیدرآباد کے صاحب علم امراء مین ہین، دینیات اور کلام مجید پر بھی ان کی نظر ہے، اور دین وملت کا بھی وہ درد رکھتے ہین، انگریزی کے ... نامور ادیب ہین، انھون نے انگریزی مین ایک کتاب "An Approach to study of The Quran" لکھی تھی، رہنمائے قرآن اسی کا ترجمہ ہے، اس مین مصنف نے قرآن مجید سے اسلامی عقائد وضابطہ اخلاق اور اس کی دوسری تعلیمات کو مغربی انداز فکر مین پیش کیا ہے، خالص اسلامی نقطۂ نظر سے مصنف کے بعض تصورات اور ان کی تشریحات محل نظر ہین، اور ان کا طریقہ تعبیر مناسب نہین ہے، لیکن انھون نے یہ کتاب مغربی اقوام خصوصاً انگریزون کے لئے لکھی ہے، جن کا نقطۂ نظر اور انداز فکر مذہب کے بارہ مین مسلمانون سے مختلف ہے اور ٹھیٹھ اسلامی تصور اور طریقۂ تعبیر کو ان کا ذوق قبول نہین کر سکتا، اس لئے مصنف نے "کلم الناس علی قدر عقولھم" کے مطابق ان کے ذوق کا خاص لحاظ رکھا ہے، اور اس پہلو سے یہ کتاب جدید تعلیم یافتہ اصحاب کے لئے بھی مفید ہے، مصنف کا حسن نیت اور ان کا دینی جذبہ لائق قدر ہے اس کا اجر ان کو بہرحال ملے گا، لائق مترجم نے بھی مقدمہ مین تصنیف کے اس پہلو کی جانب اشارہ

کر دیا ہے، اصل کتاب بہت انشا پردازانہ ہے، بلکہ اس کی خاص خوبی انشا پردازی ہے، لائق مترجم نے حتی الامکان اصل کتاب کے زور بیان اور اس کی لطافتوں کو قائم رکھنے کی پوری کوشش کی ہے،

نثر ریاض خیرآبادی، مرتبہ جناب عقیل احمد صاحب جعفری، تقطیع اوسط، ضخامت ۱۷۵ صفحے، کاغذ، کتابت، و طباعت بہتر، قیمت مجلد عا/ کلدار، ۴ عثمانیہ، پتہ:- نفیس اکیڈمی اسٹریٹ روڈ، حیدرآباد دکن،

حضرت ریاض مرحوم خیرآبادی نہ صرف ایک استاد فن شاعر بلکہ اپنے دور کے شگفتہ نگار ادیب بھی تھے، انھوں نے مختلف اوقات میں متعدد اخبارات، رسائل اور شعر و سخن کے گلدستے نکالے، جو اس زمانہ میں بہت مقبول ہوئے، اور بڑے بڑے اہل نظر ان کے قدردان تھے، لیکن ان کی شاعری کی شہرت نے ان کی نثر نگاری کے پہلو کو دبا دیا تھا، ایک سبب یہ بھی تھا کہ ان کی شاعری کا زور پیری تک قائم رہا، لیکن نثر کی رنگینی عمر کے انحطاط کے ساتھ ساتھ پھیکی پڑ گئی تھی، اس لئے نئی نسل ان کے کمال کے اس پہلو سے بہت کم واقف ہے، ان کے نواسہ جناب عقیل احمد صاحب جعفری نے اس کتاب میں ان کی نثر کے مختلف نمونوں، ادبی مضامین و مباحث، شعری نکات، ریاض کی زندگی سے متعلق خود ان کے تحریر کردہ واقعات اور لطائف و ظرائف، اس زمانہ کے سیاسی و معاشرتی مسائل کے متعلق ان کے تبصرے، مکاتیب اور مختلف النوع نکات وغیرہ کا ایک خوشرنگ گلدستہ سجا دیا ہے، مصنف کی فطری شوخی و ظرافت ان تمام مضامین میں نمایاں بلکہ وہی ان کی روح ہے، یہ تحریریں آج سے نصف صدی سے لے کر چوتھائی صدی پیشتر کی ہیں، اب زمانہ کا مذاق بہت بدل گیا ہے، اس لئے بعض تحریریں شاید موجودہ مذاق سے مختلف نظر آئیں، اور طبائع پر گراں گذریں، لیکن یہ ان کا نقص نہیں، بلکہ زبان و ادب کی ترقی اور مذاق کے تغیر کا فطری نتیجہ ہے، ان تحریروں سے اس زمانہ کے بہت سے دلچسپ واقعات کی جنھیں اب زمانہ بھول چکا ہے، یاد تازہ ہو جاتی ہے، لائق مرتب نے اس مجموعہ کو مرتب کر کے اردو ادب و انشار کی ایک شگفتہ

کڑی کو محفوظ کر دیا، امید ہے کہ یہ مجموعہ عام اصحاب ذوق خصوصاً حضرت ریاض کے قدر دانون مین مقبول ہوگا،

آثار اقبال، مرتبہ جناب غلام دستگیر رشید صاحب ایم اے تقطیع چھوٹی، ضخامت ۳۲۰ صفحے،

کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد ہے، کلدار، للعہ عثمانیہ پتہ:- ادارہ اشاعت

اردو حیدرآباد دکن،

مؤلف کو اقبالیات سے خاص دلچسپی ہے، اور اس موضوع پر اُن کے قلم سے مضامین بلکہ مستقل کتاب نکل چکی ہے، اب انھون نے سر اقبال مرحوم کے ذاتی حالات اور ان کے کلام و تعلیمات کے متعلق بہت سے اصحاب قلم کے شائع شدہ مضامین کو آثار اقبال کے نام سے جمع کر دیا ہے، بعض مضمون نگارون کے نام یہ ہین، نواب بہادر یار جنگ مرحوم، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، مولانا محمد علی مرحوم، مولانا اسلم جیراجپوری، پروفیسر محمد حبیب، پروفیسر عبدالقادر سروری، پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی، ڈاکٹر میر ولی الدین اور پروفیسر خواجہ عبدالحکیم وغیرہ، خیال آتا ہے کہ بیشتر مضامین جامعہ ملیہ کے رسالہ جوہر کے اقبال نمبر سے جو جوہر اقبال کے نام سے نکلا تھا منقول ہین، اس مجموعہ مین اقبال کے ذاتی حالات اور ان کی شاعری سے متعلق بہت سے مفید معلومات یکجا ملجاتے ہین،

اسلام اور مشاہیر عالم، مؤلفہ جناب مولوی حبیب اللہ بن فقیہ صاحب تقطیع اوسط،

ضخامت ۱۱۷ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت معلوم نہیں، پتہ، مصنف محلہ دھول پیٹھ حیدرآباد سے ملے گی،

ایک مدت تک غیر مسلم قومین خصوصاً اہل مغرب کچھ تو ناواقفیت اور زیادہ تر تعصب کی بنا پر اسلام کے متعلق غلط رائے رکھتے تھے، لیکن جب اُن کی آنکھون سے جہالت و تعصب کا پردہ ہٹا، تو انھیں اسلام کی صداقت و حقانیت اُس کے محاسن اور دنیا مین اس کی برکتون کا اعتراف کرنا پڑا، لائق مؤلف نے اس کتاب مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کلام مجید اور اسلام کے متعلق

شذرات

خاکسار تین ماہ کے بعد دار المصنفین کے کامون کی دیکھ بھال اور معائنہ کے لئے حسب تجویز سابق آیا ہوا ہے، دو ایک ہفتہ کے قیام کے بعد بھوپال واپس جائے گا، مجھے اس کے اظہار مین خوشی ہو کہ بحمد اللہ توقع کے مطابق دار المصنفین کے علمی اور انتظامی کاروبار بدستور سابق چل رہے ہین، نئے رفقا مطالعہ و تحقیق کے کامون مین مصروف ہین، اور مراسلت و مکاتبت سے وہ اس حقیر سے اپنے لئے مشورے حاصل کرتے رہتے ہین،

تاریخ ہند اور تاریخ اسلام کی اکثر جلدین تیار ہو چکی ہین، مگر کاغذ اور سامان طباعت کی کمیابی اور پریس مین کامون کے ہجوم کے سبب سے ان کے چھپنے مین اندیشہ ہے کہ کافی انتظار کرنا پڑیگا، دوسرے شہرون اور پریسون مین بڑی بڑی کتابون کے چھپنے اور اصلاح سنگی و تصحیح کا انتظام بھی ممکن نہین، اس لئے دوسری جگہون پر بھی چھپنے کا انتظام ناممکن نظر آتا ہو، نئی مشینون کی نایابی کے سبب سے پریس مین بھی اب تک زیر تجویز اضافہ نہ ہو سکا،



خوشی کی بات ہو کہ دار المصنفین کا سلسلۂ تاریخ اسلام مختلف یونیورسٹیون کے نصاب مین داخل ہو رہا ہو، انشاء اللہ جب یہ سلسلہ مکمل ہو جائے گا، تو معلوم ہوگا کہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح یہ سلسلہ بھی دار المصنفین کی عظیم الشان علمی و مذہبی خدمت ہو،

دار المصنفین کو علمی حلقون مین جو فروغ اور استناد حاصل ہے، اس کا اندازہ اس سے ہوگا، کہ مشرقی ادبی

و تاریخی علوم میں سارے ملک سے اس کی طرف رجوع عام ہے، ڈاکٹریٹ کے مقالوں کے امتحان کی خدمت بھی اس کے سپرد ہوتی ہے اور ان علوم میں امتحانات کے پرچوں کے ممتحن بھی ہمارے رفقا ہوتے رہتے ہیں،

پچھلے مہینہ دارالمصنفین کے رفقا سے ملنے اور ان کے علمی کاموں میں مشورہ کی خاطر ہماری مجلس کے رکن مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی یہاں تشریف لائے، اور تین روز قیام فرماکر ان کے کاموں میں مناسب مشورے دیکر واپس تشریف لے گئے، امید ہے کہ ان کا یہ سلسلۂ فیض آیندہ بھی اسی طرح اکثر جاری رہے گا،

گاندھی جی نے ۱۹۲۰ء میں جو خواب دیکھا تھا ۱۹۴۶ء میں اس خواب کی تعبیر ان کو مل گئی، وہی قیدی و زندانی مجرم جو کبھی تختۂ دار کے مستحق تھے، آج تخت حکومت پر متمکن ہیں، اور جو کبھی باغی قرار دیے جاتے تھے، آج انہی کو حکومت کی عنان سپرد کی جارہی ہے لیکن یہ تاریخ کا نیا واقعہ نہیں، دنیا میں ہمیشہ یہی ہوا ہے اور ہمیشہ یہی ہوتا رہے گا،

اس کے ساتھ اگر کوئی یہ سمجھے کہ اس سے ہندوستان کی سطح میں سیاسی سکون پیدا ہو جائے گا، تو وہ سخت غلطی کا ارتکاب کریگا، دنیا میں نہ کبھی کسی انقلاب سے سب نے موافقت کی ہے، اور نہ اس پر قناعت کی ہے، کانگریس کے پیچھے پیچھے سوشیالزم کا انقلاب اور اس کے پیچھے کمیونزم کا سیلاب آنے والا ہے، جس طرح کانگریس نے سابق حکام سے آزادی چاہی، اور گویا پائی، اسی طرح آیندہ کانگریسی حکام کے مظالم کے نام سے سوشیالسٹ اٹھیں گے اور سوشیالسٹوں کے مظالم کے خاتمہ کے لئے کمیونسٹوں کا گروہ آگے بڑھے گا،

مجھے اس موقع پر محمد علی مرحوم کا ایک فقرہ یاد آیا، ۱۹۲۰ء کے دسمبر میں گاندھی جی جب سوراج دلا رہے تھے میں نے مرحوم سے کہا کہ مبارک ! آپ کی قید و بند کا زمانہ ختم ہو رہا ہے، اب آپ ہی حکمران ہوں گے، فرمایا مجھے تملینا ن

کہان نصیب! اب جو فریق برسرِ حکومت آئے گا اوس سے لڑنا پڑیگا، اور اب وہ ہم کو قیدخانون مین بھیجا کریگا، ہوجو سوراج کے عہد مین دوسری سیاسی پارٹیون سے جو سلوک ہوگا یا ہونا شروع ہوا ہے، وہ اس پیشینگوئی کی صداقت کی دلیل ہے، اور یہ طبعی ہے،

اس نقطہ پرسب سے اہم مسئلہ ہندو مسلمانون کی مصالحت اور مفاہمت کا ہے، اس مصالحت اور مفاہمت کے بغیر ہندوستان مین سکون پیدا نہین ہو سکتا، اور نہ ہندوستان یہ دعوی کرسکتا ہے، کہ وہ کل ہندوستانیون کی حکومت ہی، بلکہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ پہلے انگریزون کی حکومت تھی، اب کانگریسیون کی ہے اور اس کالازمی نتیجہ ملک مین نئے نئے فتنون اور فسادون کا پیدا ہونا ہے،

چنانچہ اس کا بدترین مظاہرہ، کلکتہ، ڈھاکہ، بمبئی، احمد آباد، الہ آباد اور آگرہ مین ہوا اور ہو رہا ہے، ہندوون یا مسلمان اس خونی سیلاب کی رو سے نہ وہ ملک مین کوئی انقلاب کرسکتے ہین، اور نہ کسی اکثریت کو اقلیت سے بدل سکتے ہین، نہ اس سے مصالحت کی شرطون مین آسانی پیدا ہوسکتی ہے، بنگال کی لیگی وزارت اور بمبئی کی کانگریسی وزارت کے احاطون مین یکسان بلوون کا ہونا دونون ہی کے لئے مشکلات کا باعث ہوا ہے،

ریڈیو کی زبان کے متعلق نئی حکومت کے عہد مین جو فیصلہ ہوا ہے اس سے ہندی اور اردو دونون زبانون کے دعویدار خوش ہین یعنی یہ کہ خبرون کے علاوہ باقی تقریرین یا خالص معیاری ہندی مین ہون گی یا خالص معیاری اردو مین، معلوم نہین ریڈیو کے بعد عدالتون اور کونسلون اور اسمبلیون اور یونیورسٹیون اور تعلیم گاہون کی زبانون کے متعلق بھی یہی فیصلہ ہوگا، یا اس سے مختلف ہوگا، اس کے معنی یہ ہین کہ اس فریق کی جیت ہے کہ جو ملک مین دو زبانون کا مطالبہ کرتا ہے، لیکن اس کے اثرات بہت دور تک پہنچتے ہین، اور ابھی اس پر پوری طرح غور نہین کیا گیا ہے،

مقالات

ضمیمہ مسئلہ سود و قمار وغیرہ

الملقب بہ

دافع الضنک عن الانتفاع بالبینک

از

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی صدر شعبۂ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی

حامداً و مصلیاً، مین گذشتہ مضمون لکھ چکا تھا کہ ایک چھوٹا سا رسالہ نظر سے گذرا جس مین چند تمہیدات کے بعد یہ دعوی کیا گیا ہے کہ بینک کا سودی کاروبار جائز ہے، کیونکہ وہ سود ہی نہین ہے آگے ترقی کرکے فرمایا ہے کہ صرف جائز ہی نہین بلکہ واجب ہے،

رسالہ کے مصنف ایک معقولی فلسفی عالم ہین، اس لئے اُن سے اس کی امید تو فضول تھی کہ وہ تمہیدات مین قرآن و حدیث و فقہ سے بھی کوئی دلیل پیش کرنے کی تکلیف برداشت کرین گے، انھون نے وہی کیا، جو اُن سے اُمید کی جا سکتی تھی، کہ منطقیانہ و فلسفیانہ رنگ مین اول یہ مقدمہ قائم کیا کہ

"اسلام تمدنی مذہب بھی ہے، جیسا کہ تبتلی مذہب ہے، اور اس کی دلیل مین اسوۂ محمدیہ (علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتحیۃ) کو پیش کرتے ہوئے یہ دعوی کر دیا کہ حضرت محمدیت مین تبتل کی شان کے ساتھ ہی ساتھ تمدن کی شان بھی اتنی روشن ہے، گویا گھٹاؤن مین بجلیان چمک

رہی ہین کبھی اچھے سے اچھے کھانا کھا رہے ہین، اچھے سے اچھا لباس بھی پہن رہے ہین بہتر سے بہتر سواریان ہین، اعلیٰ سے اعلیٰ جاہ وجلال ہے بڑی سے بڑی نمود ونمایش ہے، ایک مسلسل طلب اقتدار ہے، لگاتار تحصیل اختیار ہے، تعلیم ہے تنظیم ہے تقدیم ہے تنمیم ہے، اور کیا چیز ہے، ایک پکے دنیادارانہ تمدن مین جو اس ذاتِ طیبہ اور حیاتِ طاہرہ مین مظاہرہ نما نہین انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس دلیل کے رد کرنے کی مجھے ضرورت نہین، یہ خود ہی اپنا رد ہے، جس ذاتِ طیبہ اور حیاتِ طاہرہ کی تمامتر زندگی کی ایک ایک ادا یہ ظاہر کر رہی ہو کہ یہ نبوت ہے ملوکیت نہین، عبدیت ہے شہنشاہی نہین تکمیلِ احکام الٰہیہ ہے اپنی نمود ونمایش نہین، اعلاء کلمۃ اللہ ہے، طلب اقتدار نہین، خدمت خلق اللہ ہے تحصیلِ اختیار نہین، اخلاص واحسان ہے، نمود ونمایش نہین، اس مین پکے دنیادارانہ تمدن کو مظاہرہ نما بتلانا مذہبی فلسفیت اور اسوۂ محمدیہ سے انتہائی ناواقفیت نہین تو اور کیا ہے،

اس کے بعد دوسرا مقدمہ یہ قائم فرمایا ہے کہ "ربوا یا سود اس لئے حرام ہے کہ وہ جمعیت اور تمدن کو نقصان پہنچاتا ہے، اور انفرادی دولتیت کو ضررناک صورت مین بڑھاتا ہے" اس کی بھی کوئی دلیل بیان نہین کی گئی محض دعوی بلا دلیل پر اکتفا کیا گیا ہے، تیسرا مقدمہ یہ بیان فرمایا ہے کہ

"بنک جو سود لیتا ہے، وہ سود نہین، بلکہ اس کی حیثیت کچھ تو حق المحنت کی ہے، یعنی وہ معاوضہ ہے خدام ادارہ کی اس محنت کا جس کے بل پر بنک قائم رہتا ہے اور چلتا ہے اور کچھ حق الاعانۃ ہے یعنی وہ معاوضہ ہے ان لوگون کی اعانت کا جن کے سرمایون سے بنک قائم ہوتا اور چلتا ہے کیونکہ بنک کے حصہ دارون کا گروہ اس غرض سے بنک کو قائم کرتا ہے کہ علاوہ اسکے سرمایون کی حفاظت کے دوسرون کی اعانت بھی ہوتی رہے"

مگر سوال یہ ہے کہ حرمتِ ربا کی یہ علت کونسی آیت یا کس حدیث سے آپنے سمجھی ؟ اور جس دلیل سے آپنے بنک کے سود کو حق المحنۃ اور حق الاعانۃ قرار دیا ہے، اوسی دلیل سے انفرادی ربا کو حق المحنۃ اور حق الاعانت کیون نہین قرار دیا جا سکتا ؟ فرض کیجئے ایک تاجر کسی کو ہزار روپیہ قرض دیتا ہے، اور

سال بھر کے بعد بارہ سو روپیہ یہ کہکر وصول کرتا ہے کہ یہ دو سو روپیہ میری دوکان کے ملازمون کا حق محنت ہے، جن کی محنت کے بل پر دوکان چل رہی ہے، جس کی آمدنی سے مین اس قابل ہو گیا ہون کہ دوسرون کو قرض دے رہا ہون تو فرمائیے آپ کس دلیل سے اس انفرادی سود کو بنیک کے سود سے الگ کر سکتے ہین، ؟ تو پھر کیا سود کو ہر حالت مین جائز کیا جائے گا، خواہ انفرادی ہو یا جماعتی ہو، اس کے آپ بھی قائل نہین، تو یہ علت ہی کیا ہوئی، جو اس صورت کو بھی جائز کر رہی ہے، جسے آپ جائز نہین مانتے، بلکہ حرام قطعی تسلیم کرتے ہین، آگے چل کر ربوا کے منافع اور بنیک کے منافع مین جو فرق بیان کیا گیا ہے، وہ لفظی فرق کے سوا اپنے اندر کچھ حقیقت نہین رکھتا، آپ فرماتے ہین:-

"الف ربوا کا زائدیہ (منافع) فرد واحد کی شخصی ملک ہوتا ہے، بنیک کا زائدیہ (منافع) فرد واحد کی شخصی ملک نہین ہوتا، اور اس کی تقسیم ایک جماعت مین ہوتی ہے، جو بنیک کی مالک اور منتظم ہوتی ہے، اور اس سے جمعیت کی دولت مین اضافہ ہوتا ہے، یہی حاصل دفعہ ب کا ہے، کہ ربوا کا زائدیہ صرف شخصی دولت مین اضافہ کرتا ہے، البنیک کا زائدیہ خود بنیک کی اداراتی حیثیت کو مضبوط کرنے کا کام آتا ہے الخ"

"سوال یہ ہے کہ جماعت اور فرد مین فرق کا معیار کیا ہوگا ؟ یعنی اگر فرد ایک آدمی کو کہتے ہین، تو کیا ایک سے زائد کو جماعت کہا جائے گا ؟ اگر نہین تو کیون ؟ الاثنان فما فوقھما جماعۃ شرعی فتویٰ ہے کہ دو اور دو سے زیادہ جماعت ہے، اگر آپ کے نزدیک دو آدمی جماعت نہین ہو سکتے تو بتلائیے جماعت بننے کے لئے کتنی مقدار ضروری ہے ؟ اور جو مقدار بھی مقرر کی جائے، اس پر دلیل قائم کی جائے، اگر دو کو بھی آپ جماعت مانتے ہین، تو دنیا مین کوئی سود بھی انفرادی سود نہین، کیونکہ عموماً ہر سود خوار کے بی بی بچے ہوتے ہین، جن کے کھانے پینے اور لباس وغیرہ مین سود کی آمدنی صرف ہوتی ہے، ہر سود خوار کے کچھ ملازم نوکر چاکر بھی ہوتے ہین، جن کا نفقہ اور خرچ اس کے ذمہ ہوتا ہے،

تو یہان بھی سود کے منافع کی تقسیم ایک جماعت مین ہوتی ہے، اس سے بھی فرد واحد کی نہین، بلکہ جمعیت کی دولت مین اضافہ ہوتا ہے، کیونکہ اس کی بی بی بچے غنا اور افلاس مین اس کے تابع ہین، اگر باپ غنی ہے تو اولاد بھی غنی کہلاتی ہے، شوہر غنی ہو تو بی بی بھی غنی ہوتی ہے، اس کے مرنے کے بعد وہی اس کی دکان اور جملہ املاک کے وارث ہون گے، اب بتلایا جائے، کہ اس مین اور بنک کے منافع مین کیا فرق ہوا ؟ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے،

"ربا کا زائدیہ (منافع) اس سرمایہ کا پھل ہوتا ہے، جو تجارت نہین کرتا، اس لئے وہ خالص زر کا معاوضہ ہوتا ہے، اور بنک کا زائدیہ (منافع) اس سرمایہ کا نتیجہ ہوتا ہے جو تجارت کرتا ہے، اس لئے وہ خالص زر کا معاوضہ نہین ہوتا، بلکہ تجارت کا بھی معاوضہ ہوتا ہے، اگرچہ بالواسطہ ہوتا ہے"

مگر سوال یہ ہے کہ اگر فرد واحد بھی تاجر ہو، اور وہ کسی تاجر ہی کو قرض دیکر زائد رقم لے، تو اس کو ایسے سرمایہ کا پھل کیون نہین کہا جائے گا، جو تجارت کرتا ہے، تو چاہئے کہ ہر تاجر کو اپنی تجارتی رقم قرض دینے پر زائدیہ وصول کرنے کا حق ہو، خواہ فرد ہو یا جماعت کیونکہ دونون جگہ یہ علت موجود ہے، کہ یہ زائدیہ خالص زر کا معاوضہ نہین بلکہ تجارت کا معاوضہ ہے پھر فرماتے ہین :-

"ربا کا زائدیہ (منافع) ایسے کاروبار کا معاوضہ ہوتا ہے، جو محنت کو غائب کر دیتا ہے، اس لئے وہ جمعیت اور محنت کے لئے قاتل کی حیثیت رکھتا ہے، بنک کا زائدیہ (منافع) ایسے کاروبار کا معاوضہ ہے، جو سرمایہ کے ساتھ ساتھ محنت کو بھی لپیٹے ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ تجارت کو بھی حاوی ہوتا ہے الخ"

یہان بھی وہی سوال ہے کہ اگر انفرادی ربا مین بھی فرد واحد تاجر ہو تو اس کا زائدیہ بھی سرمایہ کے ساتھ ساتھ محنت کو لپیٹے ہوئے ہو، کیونکہ وہ بھی تجارت کو حاوی ہے، پھر محنت کا اضافہ تجارت ہی نہین

کیون ہے؟ کیا زراعت اور حرفت محنت نہین؟ پس اگر فرد واحد زراعت پیشہ ہو یا اور کسی قسم کی صنعت وحرفت مین مشغول ہو اور اس کا سرمایہ بھی محنت کو ساتھ ساتھ لپیٹے ہوئے ہے، تو کیا آپ اس کے قائل ہون گے، کہ ہر فرد واحد جس کا سرمایہ محنت سے حاصل ہوا ہو، زراعت سے یا کسی صنعت وحرفت وغیرہ سے اس کو اپنی رقم قرض پر چلا کر سود لینا جائز ہے؟ یقیناً آپ اس کے قائل نہین ہو سکتے، اس لئے یہ دلائل سراسر لغو ہین، جو انفرادی اور جماعتی ہر قسم کے سود کو جائز کر رہے ہین، پھر ان تمام مقدمات سے آپنے صرف ایک ہی پہلو کو ثابت کیا ہے کہ بنک کو ان لوگون سے سود لینا جائز ہے، جو بنک سے قرض لین، دوسرا پہلو ابھی باقی ہے، کہ جو لوگ بنک مین رقم جمع کرکے اس سے سود لیتے ہین، ان کو بنک سے سود لینا کیون جائز ہے، کیونکہ یہ رقم جمع کرنے والے نہ سب تاجر ہوتے ہین، نہ سب کا سرمایہ تجارت کا پھل ہوتا ہے، بلکہ وہ تو اسی کو تجارت سمجھتے ہین، کہ بنک مین رقم جمع کرو، اور اس سے سود لو اور یہ سود لینے والے افراد ہی ہوتے ہین جس سے فرد ہی کی دولت مین اضافہ ہوتا ہے نہ کہ جماعت کی دولت مین" اب اگر آپ اس پہلو کو بھی جائز کہین تو مقدماتِ مذکورہ سب باطل ہو جائین گے اور اگر اس کو حرام کہین تو بنک چل ہی نہیں سکتا، اس صورت مین آپ کی تصنیف کا سارا قلعہ ہی منہدم ہو جائے گا"

آگے چل کر آپ نے رباوی کاروبار (یعنی انفرادی سود) اور بنک کے کاروبار مین اور بھی اصولی فرق بیان کئے ہین، مگر وہ بھی سب کے سب اس صورت مین باطل ہو جاتے ہین، جب کہ رباوی کاروبار کرنے والا ایک بڑے کنبہ کا سرپرست ہو، اس کے سب لڑکے اور بھائی بند اس کی دکان یا زراعت مین لگے ہوئے ہون، تو وہ بھی یہ دعوی کر سکتا ہے کہ میرا سودی کاروبار محنتی تجارتی' زراعتی' جیتی مزاج کو قوی کرتا ہے، اور میرا کاروبار بھی اپنے اسامیون کو خوشحال بناتا ہے، اس لئے کہ وہ بھی محنتی تجارتی، زراعتی شان کا عکس ان پر ڈالتا ہے، واللہ یہ عکس ڈالنے کی بھی ایک ہی کہی' اگر عقل تشریح اسی کا نام ہے تو آپ نے عقل کو بھی بدنام کیا، اور شریعت کو بھی، اس کے بعد فرماتے ہین کہ

بنک چند وہ مستقل فائدے بھی رکھتا ہے، جن کو جمعیت اور تمدنیت کسی طرح چھوڑ نہیں سکتی، مثلاً (۱) بنک تجارت کو منظم مرتفع اور سہل بناتا ہے، اور اس سے تجارت غیر معمولی ترقی کرجاتی ہے (۲) بنک سرمایوں کو گردش دینے کا موثر ترین آلہ ثابت ہوا ہے (۳) بنک دولتوں کی بھی کفالت کرتا ہے، چوری اور ڈاکہ زنی کے جرائم مین تخفیف پیدا کرتا ہے (۴) بنک ملازمتون کا ایک نیا وسیع صیغہ کھول کر وسیلۂ معاش کی فہرست مین ایک نیا باب کھولتا ہے اور اس حساب سے بیکاری و بے معاشی مین بڑی تخفیف پیدا کردیتا ہے"

مگر سوال یہ ہے کہ یہ فوائد بذاتِ خود علت ہین، کہ جہان یہ فوائد پائے جائین، وہ کاروبار جائز ہوگا یا پہلے ہر کاروبار کا جواز مستقل دلیل سے ثابت کرنا ضروری ہے، اس کے بعد ان فوائد پر نظر کی جائے گی ؟ اگر دوسری صورت ہے تو آپ کو اولاً مستقل دلیل سے بنک کے کاروبار کا جواز ثابت کرنا چاہئے، مگر مین دکھلا چکا ہون کہ آپ کے سب مقدمات کمزور اور نہایت ہی بودے ہین جن سے بنک کے کاروبار اور رباوی کاروبار مین اصلاً فرق ثابت نہین ہوتا، اور اگر پہلی صورت ہے تو یہ سارے فوائد شراب فروشی مین بھی موجود ہین، شراب کی تجارت آج دنیا مین تمام تجارتون سے بڑھی ہوئی ہے، اس سے تجارت کو بڑا فروغ اور عروج ہورہا ہے، وہ بھی سرمایون کو گردش دینے کا موثر ترین آلہ ثابت ہوا ہے، کہ ہر سال ہندوستان سے کروڑون روپیہ انگلستان اور امریکہ پہونچ جاتا ہے، شراب کی تجارت سے ملازمتون کا بھی وسیع صیغہ کھل جاتا ہے، محکمۂ آبکاری مین جاکر دیکھئے، اتنے ملازم اور مزدور کام کرتے ہین، جو شاید کسی بنک مین بھی نہ ہون گے، آپ کہین گے کہ شراب سے جرائم مین تخفیف نہین ہوتی، مین کہتا ہون کہ بنک سے بھی جرائم مین تخفیف نہین ہوتی، کیونکہ جو لوگ بنک مین روپیہ جمع کرکے سود لیتے ہین، ان مین جمود اور تعطل پیدا ہوجاتا ہے، وہ اسی سود کے سہارے بیکار زندگی گذارتے اور ہزارون جرائم کا ارتکاب کرتے اور مسلسل کرتے رہتے ہین، اگر یقین نہ آئے، تو ضلع سورت کے دیہات مین

جا کر اُن سیٹھون کی اولاد کا حال دیکھ لیجئے، جن کے بزرگون نے بنیک مین روپیہ جمع کر دیا ہے، اور یہ نوجوان اس کے سود پر زندگی گذارتے، اور دن رات کھیل تماشون یا بد معاشیون مین منہمک رہتے ہین اگر وُہ بنیک مین روپیہ جمع نہ کرتے، تو کچھ مدت مین سرمایہ ختم ہو جاتا، اور ان کے جرائم بھی بند ہو جاتے، مگر اب سرمایہ محفوظ ہے، سود آرہا ہے، اور اُن کی رنگ رلیان روز بروز ترقی پذیر ہین، اسی طرح چورون سے پوچھیے تو وہ چوری مین بھی وہی منافع بتلائین گے، جو آپ نے بنیک کے کاروبار مین گنائے ہین، وُہ کہتے ہین کہ چوری سے زیادہ سرمایہ کو گردش دینے والا کوئی بھی موثر آلہ نہین، روزانہ سرمایہ ادھر سے اودھر گردش کرتا رہتا ہے، اور چوری سے زیادہ کوئی کاروبار بھی محنتی کاروبار نہین راتون کو جاگنا اور کسی کے گھر مین گھسنا جس قدر ہمت اور محنت چاہتا ہے، ظاہر ہے، بنیک اگر تجارت کو ترقی دیتا ہے تو چوری سے ملازمتون کا صیغہ وسیع سے وسیع تر ہو رہا ہے، ملک مین جس قدر واردات چوری کی زیادہ ہون گی، اسی قدر پولیس کی بھرتی زیادہ ہو گی" اور ہندوستان کے تاجرون سے پوچھیے تو ان کے نزدیک ترقی تجارت کا سبب جنگ سے زیادہ کوئی بھی نہین، جنگ کے زمانہ مین ادنیٰ سے ادنیٰ تاجر لکھ پتی اور کروڑ پتی بن گیا، ٹھیکہ دارون نے اس قدر کمایا کہ بنیک والون نے اُن کے مقابلہ مین کچھ نہین کمایا، اگر یہ فوائد خود اپنی ذات سے علت جواز بن سکتے ہین، تو چوری شراب فروشی، اور ناحق کی جنگ کو بھی جائز قرار دینا چاہیے،

اور یہی جواب ہے اس سخت قباحت کا جو کاروبار بنیک کی تحریم مین آپ نے دکھلائی ہے کہ

"غیر مسلم قومین تو اسلام[1] کے اس فتویٰ تحریم کی بالکل پروا نہ کرنے کے سبب بنیک کے کاروبار کو پوری قوت اور شدت سے استعمال کر رہی ہین، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی قومی دولتین

---

[1] یہان سچی بات قلم سے نکل ہی گئی، کہ کاروبار بنیک کی تحریم اسلام کا فتویٰ ہے، علمائے اسلام کی من گھڑت نہین، جیسا بار بار آپ کے قلم سے نکل رہا ہے، "جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے" ۱۲

ان کو بھی سیلاب اور بیابانی آگ کی مانند لگاتار تیزی سے آگے بڑھاتی جائیں گی، اور اس کے مقابل مسلم قوم کی قومی دولت روز بروز تنزل کرتی جائے گی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ مسلم قوم ایک دن میدان مالیات میں صفر بن کر رہ جائے گی، اور اس کے بعد اس کی مکمل بربادی قطعی بن جائے گی،"

پھر آگے اس کا علاج تجویز فرمایا گیا ہے، کہ

"جب اس شدید ترین قباحت کا کوئی دوسرا علاج نہیں ہے، سوائے اس کے کہ بینک کے ذریعہ دولت آفرینی میں تیز ترین اور غیر معمولی اضافہ کیا جائے، تب یہ ایک حقیقت ہی بینک کے کاروبار کو کرور ون شبہات کے باوجود جائز ثابت کرنے کو بالکل کافی ہوگی، اگرچہ جائز بدرجۂ کراہت ہی کیوں نہ ہو،"

مگر سوال یہ ہے کہ کیا غیر مسلم قوموں کی ترقی مال کا واحد ذریعہ صرف بینک کا کاروبار ہے؟ کیا ربادی کاروبار (انفرادی سود) سے ان کو ترقی نہیں ہو رہی ہے؟ جو لوگ بینک قائم کرتے ہیں، کیا ذاتی ربادی کاروبار سے ترقی نہیں کرتے، کیا ہندوستان کی بنیا قوم کا ہر فرد ربادی کاروبار سے ترقی نہیں کر رہا ہے؟ اور فلسفۂ اجتماع کا مسئلہ ہے، کہ افراد ہی سے جماعت بنتی ہے، جب ان کے افراد ترقی کر رہے ہیں، تو جماعت کو خود بخود ترقی ہو رہی ہے، تو کیا اسی دلیل سے آپ ربادی کاروبار کو بھی جائز کر دیں گے؟ اور کیا شراب کی تجارت سے یورپ کو ترقی نہیں ہو رہی ہے؟ ذرا محکمۂ تجارت کے اعداد و شمار دریافت کیجئے، کہ سب سے زیادہ آمدنی کس تجارت میں ہو رہی ہے؟ اسی لئے حکومت مصر نے باوجود اسلامی حکومت ہونے کے شراب کی تجارت شروع کر دی ہے، اخبارات سے معلوم ہوا ہے کہ اس سال ہندوستان میں مصر سے لاکھوں روپیے کی شراب آئی ہے، افسوس حکومت مصر کی اسلامی غیرت کو کیا ہوگیا؟ اور کیا سینما اور فلم سازی سے ان کو ترقی نہیں ہو رہی ہے؟ اگر تحقیق کیجئے گا، تو

معلوم ہوگا کہ بنیک کے کاروبار کی اوس کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں جس کا اندازہ ایکٹرسون کی تنخواہون سے لگایا جاسکتا ہے، بنیک مین اس قدر تنخواہ کسی ملازم کو بھی نصیب نہین، جتنی وہان ایک ایک ایکٹر کو دی جاتی ہے، تو کیا ان تمام ذرائع آمدنی کو محض اس دلیل سے جائز کر دیا جائے گا، کہ غیر مسلم قومین تو اسلام کی تحریمات کی بالکل پروانہ کرکے ان ذرائع آمدنی سے سیلاب اور بیابانی آگ کی مانند بڑی تیزی سے مالی میدان مین بڑھتی جارہی ہین، اوران کے مقابل مسلم قوم کی قومی دولت تنزل کرتی جارہی ہے جس کے نتیجہ مین ایک دن مسلم قوم میدانِ مالیات مین صفر بن کر رہ جائے گی"

استغفراللہ! اگر یہی ذہنیت ہے تو آگے چل کر آپ کس کس حرام کو جائز کرتے جائین گے؟ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام اور مسلمانون نے دوسری قومون کی ترقی مال و دولت پر نظر کرکے کبھی ان کا ساتھ نہین دیا، بلکہ ہمیشہ ان ناجائز ذرائع آمدنی کے خلاف جہاد ہی کیا ہے، جو دنیا مین رائج تھے، حریت اسی کا نام ہے، اور یہ تو سراسر غلامانہ ذہنیت ہے کہ جس ناجائز طریقہ سے دوسری قومین مالیات مین بڑھ رہی ہون، مسلمان اسی طریقہ سے بڑھنا چاہین، اور تاویل و تحریف کے ذریعہ اوس کو جائز کرنے کی سعی کرین' اگر مسلمانون نے اسلام کے ساتھ وہ کیا ہوتا، جو یہود و نصاری نے اپنے مذاہب کے ساتھ کیا کہ

ع زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز

تو آج اسلام بھی یہودیت اور نصرانیت کی طرح مسخ ہوکر کچھ کا کچھ بن گیا ہوتا، مگر خدا شاہد ہے کہ ہمارے بزرگون نے زمانہ سازی سے کام نہین لیا، ان کا تو عمل اس پر تھا، ؎

گفتند جہانِ ما آیا بتو می سازد
گفتم کہ نمی سازد گفتند کہ برہم زن

وہ ہمیشہ زمانہ کے خلاف جہاد ہی کرتے رہے، اور یہی ان کی کامیابی کا راز تھا، مولانا!

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ جانوروں مین سور سے زیادہ بچے دینے والا کوئی جانور نہین ہے اور اس کے کھانے والے بھی بہت تھوڑے ہین، مگر دیکھئے پھر بھی بکریون اور بھیڑون کا شمار دنیا مین زیادہ ہے حالانکہ وہ روزانہ لاکھون کی تعداد مین ذبح بھی ہوتی رہتی ہین، پس آپ یورپ کے کاروبار بنک سے مرعوب نہ ہون، بلکہ مسلمانون کو سادہ زندگی اختیار کرنے فضول خرچی اور عیش پرستی سے بچنے اور حلال طریقے سے روزی کمانے اور تجارت وتعلیم وصنعت وحرفت کی طرف متوجہ ہونے کی ترغیب دیجئے، اور جو لوگ مسلمانون مین سرمایہ دار اور تاجر یا زمیندار ہین، ان کو زکوٰۃ وعُشر کے باقاعدہ ادا کرنے کی تاکید کیجئے، پھر دیکھئے انشاء اللہ چند ہی دنون مین

يمحق الله الربوا ويربي الصدقات، — اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے،

کا منظر کھلی آنکھون نظر آجائے گا، اور اگر ان کامون کے ساتھ سب مسلمانون نے احکام الٰہیہ متعلقہ عبادات ومعاملات پر بھی عمل شروع کر دیا، تو

لَنْ يَهْلِكَ مَعَ اللهِ اَحَدٌ، — اللہ کو ساتھ لے کر ہرگز کوئی ہلاک و برباد نہین ہو سکتا،

کا بھی اچھی طرح مشاہدہ ہو جائے گا، پھر آپ تو کہتے ہین، کہ مسلمان بنک کا کاروبار ترک کرنے سے میدان مالیات مین صفر رہ جائین گے، اور سید طفیل احمد صاحب (علیگ) مرحوم ہمیشہ یہ کہتے رہے کہ ربا دی کاروبار (انفرادی سود) کو ترک کر کے مسلمان تنزل کی طرف جا رہے ہین، اور ایک صاحب یہ کہتے ہین کہ مسلمان پردہ نسوان کی وجہ سے قعر تنزل مین گرتے جا رہے ہین، دوسری قومون کی عورتین بی اے، ایم اے، کی ڈگریان لے کر ترقی کے میدان مین مردون کے دوش بدوش کھڑی ہین، مسلمانون کی عورتین پردہ کی وجہ سے تعلیم مین بھی پیچھے اور ترقی مال سے بھی محروم ہین، پردہ نہ ہوتا، تو یہ بھی ڈگریان حاصل کرتین

یا کم از کم سینما اور فلم کمپنیون مین ایکٹرس بن کر ہی ہزارون روپیے کی تنخواہ پاتین اور اس طرح یہ قوم بھی مالیاتی میدان مین دوسری قومون کا مقابلہ کرسکتی تھی، مصری مسلمان کہتا ہے کہ مسلمانون کو شراب کی تجارت نہ کرنے سے تنزل ہو رہا ہے، ان کو بھی دوسری قومون کی طرح شراب فروشی کرنا چاہیئے فرمایئے کس کی بات مانی جائے؟ حیرت ہے کہ آپ نے بنک کے کاروبار کو صرف جائز ہی نہین، بلکہ واجب بنا دیا ہے، سارے رسالہ مین قرآن سے ایک دلیل بھی پیش کی تو ایسے لغو دعویٰ پر جس کو کوئی جاہل سے جاہل مسلمان بھی تسلیم نہین کر سکتا، فرماتے ہین کہ

"وہ نہ صرف جائز ہے، بلکہ واجب ہے، اس لئے کہ وہ اعدوا لهم ما استطعتم من قوة کے حکم ایجابی کے تحت مین داخل ہے، کیونکہ دولتی قوت بھی ایک قوت ہے" برہنہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس دورۂ دولتیہ میں دولت ہی مرکزی قوت ہے، باقی ساری قوتین اسی قوت کی شاخین ہین،

ناطقہ سر بگریبان کہ اسے کیا کہئے؟

ساری دنیا جانتی ہے کہ دولت کی قوت مین یہودی قوم سب سے آگے ہے، یہودیون کے پاس اتنی دولت ہے کہ سارے یورپ کو خرید سکتے ہین،

اکّالُوْنَ لِلسُّحت نمبر اول کے سود خوار ہین،

جو قرآن نے اُن کو لقب دیا تھا آج بھی اُن پر صادق ہے، مگر کیا دولت کی قوت نے ان کو کچھ بھی عزت دی؟ حاشا وکلّا وہ آج بھی دنیا مین اسی طرح غلام ذلیل اور خانمان برباد ہین جیسے ہمیشہ سے تھے، یورپ نے ان کو اپنے یہان سے نکال دیا ہے، اور زبردستی فلسطین مین بسانا چاہتا ہے اور کوئی قوم بھی اس ذلیل قوم کو اپنے ملک مین جگہ دینے کو آمادہ نہین،

مولانا کو تفسیر قرآن کے میدان مین قدم رکھنے سے پہلے حدیث نبوی پر بھی نظر کرنی چاہئے تھی

حدیث صحیح مین صاف تصریح ہے،

الا ان القوۃ الرمی — سن لو کہ (قوت سے) مراد تیر اندازی ہو

یعنی طاقتِ اسلحہ،

اس زمانہ مین تیر اندازی سب سے بڑی قوت تھی اس کا نام لے دیا گیا، آج اس کی جگہ بندوق، ریوالور، مشین گن وغیرہ وغیرہ ہین، قرآن مین اس کے بعد ہے

ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم — اور گھوڑے باندھو جس سے خدا کے دشمن اور تمھارے دشمن پر رعب اور ہیبت طاری ہو

اس کا صاف قرینہ ہو کہ من قوۃ سے مراد عسکری قوت اور طاقتِ اسلحہ ہو، دنیا جانتی ہے کہ اگر کسی قوم کے پاس دولت کے خزانے بھرپور ہون مگر عسکری قوت اور طاقتِ اسلحہ نہ ہو تو اس سے کوئی قوم بھی مرعوب نہین ہو سکتی، اس کے برعکس اگر طاقتِ اسلحہ کامل ہو، اور دولت زیادہ نہ ہو تو اس کا سب پر رعب قائم ہو جاتا ہے، یہ کتنی بڑی جرات ہے کہ قرآن کی آیت کو ایسے معنی پر محمول کیا جا رہا ہو کہ جس سے مسلمان یہودیون کی طرح صرف سرمایہ دار ہو کر رہ جائین، اصل حقیقت کو ظاہر نہین کیا جاتا کہ قرآن مسلمانون کو عسکری قوت اور طاقتِ اسلحہ مہیا کرنے کی تعلیم دے رہا ہے، جس سے سلاطینِ اسلام نے غفلت برتی اور آج دنیا کی نظرون مین کمزور گنے جانے لگے، کیا ہندوستان کی اسلامی سلطنت کے پاس دولت کی کمی تھی؟ ہرگز نہین مگر عسکری نظام اور طاقتِ اسلحہ سے غفلت برتی گئی، یورپ نئے نئے اسلحہ ایجاد کرتا چلا گیا، اور وہ اپنے پرانے اسلحہ پر ہی قانع رہے، یورپ نے عسکری نظام کو مستحکم کیا یہ اس طرف سے بیفکری برتتے رہے، فریضۂ جہاد فی سبیل اللہ کو فراموش کر بیٹھے، یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ جو آج ہمارے سامنے ہو، اور افسوس کہ اب بھی سلاطین اسلام طاقتِ اسلحہ مین یورپ ہی کے محتاج ہین، بحری جہاز، ہوائی جہاز، ہر قسم کے اسلحہ یورپ ہی سے خریدین تو خریدین اپنے گھر مین ان کی تیاری کا کچھ سامان نہین، (باقی)

اسلامی نظریۂ سیاست

از

مولانا حفیظ زمان صدیقی فاضل دیوبند

(۳)

حریت عامہ اور اسلام سیاست و اجتماع کے موجودہ نظریوں میں کوئی ایسا نظریہ نہیں جو نسلی، قومی، لسانی اور جغرافی حدود و قیود سے آزاد اور ہمہ گیر داعیۂ انسانیت کا حامل ہو، یہی وجہ ہے کہ جمہوریت ہو یا اشتراکیت اپنے مخصوص دائرۂ نفوذ و عمل سے ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکتی، اور نہ یہ نظریے ہی اپنے اساسی دستور و آئین (کانسٹی ٹیوشن) کے اعتبار سے اس کے مجاز ہیں، کہ وہ متعین حدود سے آگے تجاوز کریں،

آج دنیا کے جمہوریت پسند ممالک اگرچہ جمہوریت کے معنی و مصداق میں اتفاق نہ رکھتے ہوں، مگر اس امر پر سب متفق ہیں، کہ جمہوریت نام ہے ایک ایسے نظام حاکمیت کا جس میں ملک کی مختلف پارٹیوں میں اکثریت و اغلبیت رکھنے والی پارٹی (مجارٹی) اپنے تمام فیصلے خواہ وہ کتنے ہی اقلیت کش انسانیت سوز اور ظالمانہ کیوں نہ ہوں، اقلیت رکھنے والی پارٹیوں (مناریٹیز) سے بالجبر منوانے کا حق رکھتی ہے اور مجارٹی کا ہر فیصلہ قانون کا حکم رکھتا ہے، اور ملک کی اقلیتوں، یا غیر ملکی اشخاص کے سامنے دو ہی راستے ہیں، یا وہ اس ملک کو اپنے وجود سے پاک کردیں یا اکثریت کے زیر سایہ ہمیشہ ذلت، غلامی اور محکومیت کی زندگی بسر کریں، (الہجرۃ اوالاسرۃ) اس بنا پر جمہوریت کی افادیت (حریت فکر اور حریت اجتماع) ایک مخصوص خطۂ ارض کے غالب اور متسلط عنصر کے لئے تو ہو سکتی ہے، مگر انسانیت مطلقہ کے لئے اس میں

راحت و امن کا کوئی پیغام نہین ہے،

اشتراکیت (سوشلزم) مین اگرچہ ایک حد تک عمومی داعیہ کار فرما ہے مگر حیاتِ انسانی کے سیکڑون زوایائے فکر و عمل مین سے صرف ایک ہی زاویہ اس کا منتہائے مقصود ہے یعنی نظامِ اشتراکیت نے انسانیت کی فلاح و نجات کو صرف اقتصادی مسئلہ کے حل کرنے اور انسانون مین معاشی مساوات کے قیام ہی پر منحصر سمجھا ہے، اور ان مادی اغراض کا حصول ہی اس کی حد نظر ہے، اور اس کے سارے نظامِ سیاست مین صرف یہی روح کارفرما نظر آتی ہے، نیز ان نظامات مین یہ قباحت مشترکہ پائی جاتی ہے کہ ان کا پسِ منظر انسانون پر انسانون کا تسلط و تغلب اور سلب حریت انسانی ہے،

اُن کے مقابلہ مین اسلام کا نظریۂ سیاست و اجتماع ہر اعتبار سے ہمہ گیر اور لامحدود حیثیت رکھتا ہے، اس کی افادیت نسلی اور وطنی حدود سے آزاد اور سارے عالم انسانیت کو محیط ہے، نیز اس کی نگاہ کسی ایک شعبۂ زندگی تک محدود نہین، بلکہ تمام شعبہ ہائے حیات پر مساوی طور پر حاوی ہے اور وہ انسانون کی فکری، ذہنی، عملی، مادی، روحانی، دنیوی اور اخروی ضروریات مین سے کسی ضرورت سے بھی غافل نہین،

اسی طرح مسلمان جو اس عالمگیر نظریہ حیات کا علم بردار ہے کسی وصف خاص یا کسی ایک مخصوص خطۂ ارض مین نہین سما سکتا، بلکہ وہ اسلام کی طرح لامکانی لامحدود اور محیط کل ہے، دنیا کی وسعتین اس کے قلبِ نظر کی وسعت مین نہین سما سکتی ہین، لیکن اس کے لئے دنیا کی کوئی وسعت کافی نہین، اس کی وسعتِ نظر پر اگر کوئی چیز حاوی ہو سکتی ہے تو وہ صرف قادر علی الاطلاق کی ہستی کا تصور ہے،

عقل خود بین دگر و عقل جہان بین دگر است　　بالِ بلبل دگر و بازوی شاہین دگر است
دگر است آنکہ بر د دانۂ افتادہ زخاک　　آنکہ گیرد خورش از دانۂ پروین دگر است

یہی وجہ ہے کہ اسلام کا موضوع بحث نفس انسانیت ہے، اور وہ دنیا کے انسانون کو مساوی

طور پر زندہ رہنے کا حق دیتا ہے، حریتِ اجتماع اور حریتِ فکر کے لحاظ سے انسانوں کے کسی گروہ سے ترجیحی سلوک نہیں کرنا چاہتا، کیونکہ اسلامی نظریۂ حاکمیت کسی کو اس امر کی اجازت نہیں دیتا، کہ وہ احکم الحاکمین کی حاکمیت میں شریک وسہیم بن کر اس کے بندوں میں حاکم ومحکوم کی تفریق پیدا کرے، اور انسانی گردنیں اس کے تختِ جلال کے سامنے جھکیں، اسلام انسانی حاکمیت مطلقہ کو کسی صورت میں برداشت نہیں کرتا، اس لئے اس کا قدرتی نتیجہ حریتِ فکر انسانی اور مساواتِ عامہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے،

حاکمیت اور خلافت کا فرق | دراصل خلافت اور حاکمیت دو مختلف چیزیں ہیں، حاکمیت میں یہ ضروری ہے کہ اپنے احکام دوسروں سے منوائے جائیں، مگر خلافت سے مراد نیابت وجانشینی ہے، یعنی خلیفہ کو حاکم کی حیثیت حاصل نہیں ہوتی، بلکہ وہ صرف نائب اور ترجمان کی حیثیت رکھتا ہے، اور جن احکام کو وہ دوسروں پر نافذ کرنا چاہتا ہے، خود بھی ان کا اسی طرح پابند ہوتا ہے، اور اس لحاظ سے کہ وہ اس زمین میں خدا کی طرف سے نیابت کے فرائض انجام دیتا ہے، اس کی حیثیت اس مزدور کی سی ہے جو اپنے آقا کی معین کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیتا ہے، اور اس اعتبار سے کہ انسانوں نے اس کو اس منصب کے لئے چنا ہے، اور اس امانت کا اہل تصور کیا ہے، اس کی حیثیت ایک امین کی ہے، اور اس کا اولین فرض ہے کہ وہ اس امانت کو عدل وانصاف اور مساواتِ عامہ کی صورت میں انسانوں کو واپس کرے،

دراصل اسلامی تصورِ حاکمیت کی بنیاد ہی انسانی حاکمیت کی علی الرغم خدائے قدوس کی حاکمیت اعلیٰ پر قائم ہے، اور اسلام میں تمام انسان نفس انسانیت کے اعتبار سے مساوی الدرجہ ہیں، "کلکم بنو آدم وآدم من تراب" اس لئے اسلام اپنے پیروں کو ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ وہ انسانوں کے کسی گروہ کو اس کے جائز حقوق سے محروم کردیں یا اس سے کوئی ظالمانہ سلوک کریں،

عن عمرؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں

يقول لا تعذبوا الناس فانّ الذين يعذبون الناس يعذبهم الله يوم القيامة،
(اخرجه ابو يوسف فی كتاب الخراج)

پر ظلم نہ کرو، کیونکہ جو اس دنیا میں انسانوں کو عذاب دیتا ہے، خداوند تعالیٰ قیامت میں اس کو عذاب دے گا،

عن معدان بن ابی طلحہؓ انه قال من جملة خطبة عمرؓ اللهم انی اشهدك علی امراء الامصار، فانی بعثتهم ليعلموا الناس دينهم وسنة نبيهم و يقسمون فيئهم و يعدلون عليهم وما اشكل عليهم يرفعوه الیّ (اخرجه مسلم واحمد)

حضرت عمرؓ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا، اے خدا! میں صوبوں کے حاکموں پر تجھے گواہ بناتا ہوں، کہ میں نے ان کو صرف اس غرض کے لئے بھیجا ہے، کہ وہ لوگوں کو دین، اور اپنے نبی کی سنت کی تعلیم دیں، ان میں اموالِ غنیمت تقسیم اور عدل و انصاف کریں، اگر کوئی مشکل مسئلہ ان کے سامنے آئے تو وہ میرے سامنے پیش کریں،

ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک تقریر میں ان الفاظ کے ساتھ امراء و حکام سے خطاب کیا،

الا وانی لم ابعثكم امراء ولا جبارين ولكن بعثتكم ائمة الهدی يهتدی بكم ولا تغلقوا الابواب دونهم فياكل قويهم ضعيفهم
(كتاب الخراج)

ہاں! میں نے تم کو امیر اور جابر و قاہر بنا کر نہیں بھیجا، بلکہ ائمۂ ہدایت بنا کر بھیجا ہے، کہ تم سے رہنمائی حاصل کیجائے، اور رعایا پر اپنے دروازے بند نہ کرو کہ طاقتور کمزور کو کھا جائے،

خلیفۂ دوم کے یہ الفاظ اس حقیقت باہرہ کا اعلان کر رہے ہین، کہ اسلام مین خلیفہ یا امیر کا منصب صرف یہ ہے کہ وہ تقوی وطہارت اور اخلاق وسیرت کے اعتبار سے دوسرون کے لئے نمونہ ہوتا ہے، اور اس کا فرض ہے کہ وہ لوگون کو دین کی تعلیم دے، اور ان کے اعمال کا محاسبہ کرے کہ کوئی بالادست زیردست پر تشدد نہ کر سکے لیکن وہ دراصل حاکم نہین ہوتا، بلکہ خدا کی طرف سے ایک محاسب ونگران ہوتا ہے،

حریت فکر اور مساوات عامہ یہی وجہ ہے کہ خلیفۂ اسلام کو دوسرے لوگوں پر کوئی ترجیحی درجہ حاصل نہین ہوتا، اور نہ اس کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسرون سے اعلیٰ و برتر تصور کرے، بلکہ حریت فکر اور حقوق شہریت کے لحاظ سے وہ ایک عام شہری کی حیثیت رکھتا ہے، خلیفۂ اول حضرت صدیق اکبرؓ نے خلیفہ منتخب ہونیکے بعد جو پہلی تقریر ارشاد فرمائی، اس کے یہ الفاظ عوام کی آزادی رائے اور حریت فکر کے لئے برہان قاطع کی حیثیت رکھتے ہین،

ایھا الناس انی ولیت امرکم و	مجھے تمھارا والی بنایا گیا ہے، حالانکہ مین
لست بخیرکم ایھا الناس انا	تم سے بہتر نہین ہون، اے لوگو! مین
متبع ولست بمبتدع فان احسنت	کتاب وسنت کی پیروی کرنے والا ہون
فاعینونی وان زغت فقومونی	اور اپنی طرف سے کوئی نئی بات دین مین
(ابن سعد)	پیدا کرنے والا نہین، اگر مین ٹھیک ٹھیک
	چلون تو میری مدد کرو، اور اگر غلط راستہ
	پر چلون تو مجھے سیدھا کردو،

آپ نے ان الفاظ مین عوام کے اس حق کو کھلے لفظون مین تسلیم کیا ہے، کہ اگر خلیفۂ اسلام کوئی غلط راستہ اختیار کرے، تو عوام اس سے باز پرس اور اس کے غلط طرز عمل پر ہر قسم کی نکتہ چینی کر سکتے ہین،

فتح شام کے بعد مجلس مشاورت مین ایک مسئلہ کی نسبت اختلاف رونما ہوگیا، حضرت عمرؓ نے

اس موقع پر جن خیالات کا اظہار فرمایا، اس کی مثال آج دنیا کے کسی نظام میں نہیں مل سکتی، فرمایا :۔

فانی واحد کاحد کم ولست	مین بھی تمھاری طرح ایک راے رکھتا ہون
ارید ان تتبعوا ھذا الذی	اور مین یہ نہین چاہتا کہ تم صرف میری خواہش
اھوی، (کتاب الخراج)	کی پیروی کرو،

ان الفاظ مین اس امر کی وضاحت ہو رہی ہے، کہ خلیفۂ اسلام صرف اپنی ایک راے دینے کا حق رکھتا ہے، اور اس کو یہ اختیار حاصل نہین، کہ وہ اپنی ذاتی راے کو بالجبر دوسرون سے منوائے اور نہ وہ معاملاتِ عامہ مین ویٹو کا حق رکھتا ہے،

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا یہ دستور تھا کہ سیاسی مسائل اور احکام و قضایا مین عام مسلمانون سے مشورہ لیا کرتے تھے، اس مقصد کے لئے انھون نے مہاجرین و انصار کی ایک مجلس شوریٰ قائم کی تھی، آپ کے بعد حضرت عمرؓ نے اس طریق کو اور بھی زیادہ وسعت دی، خلافتِ راشدہ کے اس مقدس دور مین عوام کو ہر قسم کے اظہارِ خیال کی عام اجازت تھی، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ مین تحریر فرماتے ہیں،

کان من سیرۃ عمرؓ انہ کان	حضرت عمرؓ کا یہ معمول تھا کہ وہ پیش آمدہ
یشاور الصحابۃ ویناظرھو	معاملات و مسائل مین صحابہ سے مشورہ اور
حتی تنکشف الغمۃ و یاتیہ	بحث و مناظرہ کیا کرتے تھے، یہان تک
الثلج فصار غالب قضایا ہ	کہ مسئلہ سے تاریکی کے پردے اٹھ جاتے
وفتاواہ متبعۃ فی مشارق	اور یقین کامل حاصل ہو جاتا، یہی وجہ ہے
الارض ومغاربھا،	کہ اُن کے فیصلے اور فتوے مشرق و مغرب

البتہ اگر وہ اپنی فراست اور بصیرت سے کسی چیز کو مسلمانوں کیلئے زیادہ مفید سمجھتا ہے جہانتک عام لوگون کی نگاہ نہین پہونچ سکتی، تو وہ اس وقت تک مشیرون کو سمجھاتا اور ان سے بحث کرتا رہتا جب تک ان پر بھی اس کی مصلحت ظاہر نہ ہوجائے،

اسلام مین مساوات عامہ اور حریت فکر ورائے کو زندگی کے ہر شعبہ مین ملحوظ رکھا گیا ہے، چنانچہ معاشی اور اقتصادی طور پر بھی خلیفۂ اسلام کو مساوی حیثیت حاصل ہوتی ہے تقسیم اموال مین اس کو یہ حق حاصل نہین کہ وہ اپنے لئے یا کسی رشتہ دار کے لئے دوسرون سے زائد حصّہ لے سکے، اسی طرح اس کو یہ اجازت بھی نہین کہ مسلمانون کے قومی فنڈ (بیت المال) سے مشورۂ عام کے سوا ایک حبّہ بھی خرچ کرے،

ایک دفعہ حضرت عمرؓ بیمار ہوگئے، اور علاج مین شہد تجویز کیا گیا، مگر شہد بیت المال کے سوا کہین موجود نہین تھا، آپ نے مجمع عام مین جاکر لوگون سے کہا کہ اگر تم مجھے اجازت دو تو مین شہد لے لون، ایک مرتبہ آپ نے اپنی نسبت ارشاد فرمایا،

انی انزلت نفسی من مال اللّٰہ	خدا ئی مال مین مین نے اپنے آپ کو ایک
بمنزلۃ والی الیتیم ان	تیم کے والی کا درجہ دے رکھا ہے، کہ
استغنیت استعففت وان افتقرت	فراغت کی حالت مین اس مال سے پرہیز
اکلت بالمعروف،	کرون، اور احتیاج کی صورت مین صرف
(اخرجہ البیہقی)	بقدر ضرورت کھاؤن،

قادسیہ کی لڑائی کے بعد قبائل عرب کی تنخواہین مقرر ہوئین، تو کچھ لوگون نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ امیر المومنین ہین، اس لئے اپنے آپ کو اول درجہ مین رکھین، آپ نے صاف انکار کر دیا، اور فرمایا:-

ما انا فیہ الا کاحدکم اس مال کے استحقاق مین مین بھی عام

(کتاب الخراج) مسلمانون کا ایک فرد ہون،

یہان تک کہ اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمرؓ کی تنخواہ ایک غلام زادہ اسامہؓ بن زید سے بھی کم مقرر کی، اس پر حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے عرض کیا کہ جہانتک خدمات ملی اور شرکتِ جہاد کا تعلق ہے مین کسی موقع پر اسامہ سے پیچھے نہین رہا تو پھر کیا وجہ ہے کہ مجھے اسامہ کے برابر بھی نہین رکھا گیا' حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ

انہ کان احب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منک وکان ابوہ احب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تجھ سے زیادہ اس سے محبت کرتے تھے، اور تیرے باپ سے زیادہ اس کے باپ سے !

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی

کہ درین راہ فلان ابن فلان چیزے نیست

مفتوح اقوام سے حسنِ سلوک واقعاتِ عالم کے مد و جزر کا جس قدر عمیق نظر اور متانتِ فکر سے مطالعہ کیا جائے اسی قدر یہ حقیقت نمایاں ہوتی جائے گی، کہ دنیائے انسانیت کو ہمیشہ جس چیز کی تلاش و جستجو رہی ہے، وہ آج تک اُسے مُیسّر نہین آسکی، قرآن حکیم جو کائنات مین تنہا علوم یقینیہ کا منبع ہے' اور تاریخ الامم مین غور و فکر کرنے کے بعد ہم صرف اس نتیجہ پر پہنچتے ہین کہ زمانہ کے مختلف ادوار مین جب بھی کسی قوم کو عروج و ترقی کے مواقع حاصل ہوئے، تو اس نے اپنے حاکمانہ اغراض و مصالح کے پیشِ نظر دوسری اقوام کو مشقِ ستم بنایا، بلکہ قوم کے کسی مخصوص فرقہ و طبقہ کو اگر اقتدار حاصل ہوا تو اس نے اپنی ہی قوم کے دوسرے فرقون کے ساتھ ایسا سفاکانہ سلوک کیا، کہ نسلِ انسانی ان کی وحشت و بربریت پر ہمیشہ ماتم کرے گی، رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عیسائیت کی پوری تاریخ اس پر گواہ ہے'

قبیلوی اور نسلی عصبیت، فرقہ وارانہ عناد اور مذہبی تعصب کے جو مناظر اس دور میں دیکھے گئے، اُن کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، مگر انسانیت کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں مل سکتی کہ کسی قوم نے اپنے جان لیوا اور سخت متعصب دشمنوں سے ہمدردانہ سلوک کیا ہو، صرف مسلمان ہی وہ سب سے پہلی اور آخری قوم ہے کہ اُس نے اپنے دشمنوں سے بھی مروت و احسان کا بے نظیر سلوک کیا جنھوں نے مسلسل اکیس۲۱ سال تک ان کو ایک لمحہ بھی امن و چین سے نہ بیٹھنے دیا، اور چودہ سال تک مکہ کی بستی میں مسلمانوں پر جبر و تشدد کی انتہا کر دی تھی، آخر میں مسلمانوں نے تنگ آکر اپنے گھروں اور مال و متاع کو خیرآباد کہا اور مدینہ منورہ کو اپنا مسکن و مستقر بنایا، مگر یہاں بھی ان کو دم نہ لینے دیا گیا،

فتح مکہ کا واقعہ اگرچہ اس لحاظ سے خاص اہمیت رکھتا ہے کہ اس سے تاریخ اسلامی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے لیکن اس سے بھی زیادہ اس واقعہ نے اس کو تاریخ عالم کا ایک بے مثال واقعہ بنا دیا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شقی القلب اور سفاک دشمنوں سے جن کی خون آشام تلواروں سے اب تک مسلمانوں کا خون ٹپک رہا تھا، ایسا فراخدلانہ سلوک کیا کہ دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

۸ھ میں افواج اسلامی نے مکہ کی جانب یلغار کر کے اور مکہ معظمہ سے قریب ایک مقام (مرالظہران) میں قیام کیا، ادھر مکہ والوں کو معلوم ہوا تو انھوں نے چند آدمیوں کو جاسوسی کی غرض سے بھیجا جن میں ابوسفیان بھی شامل تھے، اتفاقاً ابوسفیان مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے، اور بارگاہ رسالت میں پیش کئے گئے، اور وہ اسی مقام پر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی فوج کو کوچ کرنے کا حکم دیا، تو فوج کو کئی دستوں میں تقسیم کر دیا گیا، اور آپ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو ایک طرف کھڑا کر دو کہ وہ اسلامی فوج کا مشاہدہ کرے، چوتھے دستہ کے سردار حضرت سعد بن عبادہ تھے، انھوں نے ابوسفیان کو دیکھکر یہ نعرہ لگایا،

الیوم یوم الملحمة الیوم	آج خونریز لڑائی کا دن ہے، آج
تستحل الکعبة،	کعبہ کی حرمت اٹھا دیجائے گی،

آخری دستہ میں خود سردار دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے، ابوسفیان نے سعد ابن عبادہ کے یہ الفاظ آپکے گوش گذار کئے تو آپنے فرمایا :-

کذب سعد ولکن ھذا یوم	سعد نے غلط کہا ہے آج خدا تعالیٰ
یعظم اللہ فیہ الکعبة	کعبہ کی عظمت کو دوبالا کریگا،

اور فرمایا :-

الیوم یوم برٍ و وفاءٍ	آج احسان اور وفا کا دن ہے،

چونکہ غزوۂ احد مین شہر کے قریب مسلمان شہید ہوئے تھے، اور کفار مکہ نے کچھ لاشون کی بے حرمتی بھی کی تھی، اسلئے مسلمانون نے قسم کھا رکھی تھی، کہ جب ہم ان پر غالب آئین گے تو ایک ایک مسلمان کے بدلہ مین اہل مکہ کے دو دو آدمی قتل کرین گے، اس پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی،

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا	اگر تم بدلہ لینا چاہتے ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا
عُوْقِبْتُمْ بِهٖ - وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ	تمھارے ساتھ کیا گیا ہے، اور اگر صبر کرو تو یہ
لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ، (النحل)	زیادہ بہتر ہے،

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالائی مکہ سے شہر مین داخل ہوئے تو ایک شخص نے بلند آواز سے کہا،

لا قریش بعد الیوم،	آج سے قریش کا وجود باقی نہ رہے گا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ سنے تو فرمایا،

کفوا عن القوم الا اربعة،	سوائے چار آدمیون کے کسی کو قتل
(ترمذی)	نہ کیا جائے،

ان لوگون نے مکہ مین مسلمانون پر جو زیادتیان کی تھین، اُن کے تصور سے بھی سینہ کانپ اٹھتا ہے، مگر وہی مظلوم مسلمان فاتحانہ طور پر اُس شہر مین داخل ہوئے، جس سے وہ بیکسی کی حالت مین نکالے گئے تھے، اگر وہ چاہتے تو ان کینہ پرور اور متعصب دشمنون کا ایک فرد بھی زندہ نہ باقی رہتا، اور جنگ کے آئین کا تقاضا بھی یہی تھا کہ ان کو ایک ایک کرکے قتل کر دیا جائے، مگر رحمۃ للعالمینؐ کے سامنے جب ان ظالم اور سفاک انسانون کو پیش کیا گیا، تو آپ نے ان کی تمام سفاکیون کو نظرانداز کرکے امن عام کا اعلان کر دیا، اور عام مسلمانون نے ان پر مکمل قابو پا لینے کے باوجود اُن کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا، یہ صرف اس لئے کہ دنیا یہ جان لے کہ اسلام ساری انسانیت کا درد لے کر آیا ہے، اور بلالحاظ مذہب و ملت تمام نوعِ انسانی کے لئے ہدایت کے ساتھ امن و راحت کا ابدی پیغام ہے،

ہست این میکدہ و دعوت عام است اینجا
قسمت بادہ باندازۂ جام است اینجا

اقوام عالم کی تاریخ مین اس قسم کی کوئی مثال نہین مل سکتی، از منۂ مظلمہ کا ذکر چھوڑیے موجودہ مہذب اور متمدن حکومتون کے جنگی آئین (مارشل کورٹ) کا بغور مطالعہ کیجئے، اور گذشتہ جنگون کی تاریخ پر سرسری نگاہ ڈالئے، کہ یہان جنگی مجرمون کے ساتھ کیا ذلت آمیز اور ظالمانہ سلوک روا رکھا جاتا ہے،

یہ صرف زمانہ رسالت کا ایک واقعہ پیش کیا گیا ہے، ورنہ اسلام کے دور اول مین مسلمانون کو جس قدر فتوحات حاصل ہوئین، انھون نے ہمیشہ مفتوح اقوام سے نہایت ہمدردانہ اور فراخ دلی کا سلوک کیا، یہان تک کہ وہ لوگ ان کے بلند اخلاق، شرافتِ نفس اور کردار کی پاکیزگی کو دیکھ کر دل و جان سے ان کی حمایت کا دم بھرنے لگتے تھے، فاروق اعظمؓ کے زمانہ خلافت مین فلسطین بھی اسی طرح فتح ہوا، اور خود حضرت عمرؓ نے جس رواداری اور فراخ دلی کا ثبوت دیا، وہ کسی سے پوشیدہ نہین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دستور تھا کہ جب کسی علاقہ کی طرف لشکر روانہ کرتے تو امیر الجیش کو ہر طرح محتاط رہنے کی ہدایت فرماتے،

عن بریدۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا امر علی جیش او سریۃ اوصاہ بتقوی اللہ الحدیث۔ (ابو داؤد ج۲)	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر پر امیر مقرر فرماتے تھے، تو اس کو خوفِ خدا کی وصیت کیا کرتے تھے،

غیر مسلم رعایا اور اسلام | جب اسلام متحارب اقوام پر غلبہ پالینے کے بعد ان کے ساتھ احسان، مروت اور رحم دلی کی تعلیم دیتا ہے، تو یہ کیسے گوارا کر سکتا ہے، کہ ان لوگون کے ساتھ کسی قسم کا ظالمانہ برتاؤ کیا جائے، جو باقاعدہ طور پر اسلامی حکومت مین رعیت کی حیثیت سے رہتے ہین، اسلام نے ان کو بڑی فیاضی سے ہر قسم کے حقوق (حریتِ اجتماع اور آزادی فکر) دیئے ہین،

اسلام مین عصمت اموال و انفس یعنی جان و مال کی حفاظت کے دو سبب قرار دیئے گئے ہین اسلام اور معاہدہ، اول الذکر صورت تو ہمارے موضوع سے خارج ہے، اور ثانی الذکر یعنی معاہدہ کی تین قسمین ہین :-

(۱) عہد الذمہ :- یعنی غیر مسلم اپنے آپ کو مکمل طور پر اسلامی حکومت کے حوالہ کر دین، اور رعایا کی حیثیت سے نظام اسلامی کے ماتحت رہنا منظور کرین،

(۲) معاہدۂ امن :- غیر مسلم، حکومتِ اسلامی مین تجارت یا اور کسی مقصد کے لئے آئین، اور امن کے طالب ہون،

(۳) سیاسی معاہدہ :- اہل کفر ایک مستقل فریق کی حیثیت سے مسلمانون کے ساتھ جنگ نہ کرنے اور عارضی یا مستقل طور پر باہم دوستانہ مراسم قائم رکھنے کا معاہدہ کرین،

جہان تک اہل الذمہ یعنی رعایا کا تعلق ہے، اسلام نے ان کو ہر طرح کی مذہبی، اقتصادی، معاشی،

اور فکری آزادی عطا کی ہے، اور عام انسانی حقوق مین ان کو مسلمانون کے برابر قرار دیا ہے، اس کے علاوہ معاملاتِ عامہ مین وہ بھی ہر قسم کے نفع و ضرر مین مسلمانون کے ساتھ شریک ہین، یعنی مخصوص عقائد اور عبادات کو چھوڑ کر باقی ان امور مین جن کا تعلق اجتماع (سوسائٹی) سے ہے، وہ بالکل مسلمانون کی طرح ہین،

فان بذلوھا فلھم ما للمسلمین	اگر وہ جزیہ دینا قبول کرلین تو پھر ہر قسم
وعلیھم ما علی المسلمین	کے نفع و نقصان مین مسلمانون کے ساتھ
فان قبلوا بذلھا (ہدایہ، کتاب السیر)	شریک ہین،

ان کے جان و مال کی حفاظت حکومتِ اسلامی کے لئے اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ مسلمانون کی جان و مال کی، یہان تک اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کردے، تو حاکم و محکوم کے امتیاز سے قطع نظر قاتل کو قصاص کے طور پر موت کی سزا دیجائے گی،

قال علی رضی اللہ عنہ من کان	جو ہمارے عہد مین آجائے، تو اس کا
لہ ذمتنا فدمہ کدمنا ودیتہ	خون ہمارے خون کے برابر اور اس کی
کدیتنا (رواہ الدارقطنی فی سننہ)	دیت ہماری دیت کے برابر ہے،

خلافتِ راشدہ کے عہد مین ذمیون کے حقوق کا اس قدر احترام کیا جاتا تھا، کہ خلیفۂ دوم نے موت سے قبل ذمیون کے حقوق کی حفاظت کے لئے خاص وصیت فرمائی،

عن عمرؓ قال اوصی الخلیفۃ من	مین اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو اہل الذمہ
بعدی باھل الذمۃ ان	کے معاملہ مین وصیت کرتا ہون، کہ ان
یوفی لھم بعھدھم وان	کے عہد کو پورا کیا جائے، اور ان کی حفاظت
یقاتل من ورائھم ولا یکلفوا	کے لئے جنگ کی جائے اور اس کی طاقت سے

فوق طاقتھم، (کتاب الخراج) زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈال دیا جائے،

فتح شام کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو ایک فرمان لکھا تھا جس کے چند الفاظ یہ ہین

وامنع المسلمین من ظلمھم	مسلمانون کو ذمیون پر ظلم کرنے، اُن کو
والاضرار بھم واکل اموالھم	نقصان پہنچانے، اور ان کا مال ناجائز طور
واوف لھم بشرطھم الذی	پر کھانے سے منع کرو، اور جس قدر حقوق
شرطت لھم فی جمیع ما اعطیتھم	تم نے ان کو دیئے ہین، اور اس ضمن مین جو
(کتاب الخراج)	شرطین اُن سے مقرر ہوئی ہین، ان کو پورا کرو،

اسلام کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ سوائے میدان جنگ کے ہر حال مین انسانی جان کے احترام کو ضروری قرار دیتا ہے، اور پھر نفس انسانیت کے اعتبار سے ہر قسم کے طبقاتی نسلی اور قبیلوی امتیازات سے قطع نظر تمام انسانون کو ایک ہی نظر سے دیکھنا چاہتا ہے، چنانچہ اس نے مسلمان اور ذمی کے جان ومال مین قانوناً کوئی فرق نہین رکھا ہے، چنانچہ ... قصاص و دیت مین دونون مساوی درجہ رکھتے ہین، البتہ بعض ائمہ اس کے خلاف ہین،

ان ابا بکرؓ و عمرؓ کانا یجعلان	حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ یہودی اور نصرانی
دیۃ الیھودی والنصرانی	کی دیت اُن کے معاہد ہونے کی حالت
اذا کانا معاھدین دیۃ الحر	مین آزاد مسلمان کی دیت کے برابر
المسلم، (دار قطنی)	قرار دیتے تھے،

اسلامی عدالت مین جب اس قسم کا مقدمہ پیش ہوتا، جس مین ایک فریق غیر مسلم ہوتا تھا، تو قانون شریعت کے مطابق پورے انصاف سے فیصلہ کیا جاتا تھا، اس قسم کے بیشمار واقعات ہین، کہ مسلمان کے مقابلہ مین غیر مسلم کے حق مین فیصلہ دیا گیا،

اسی طرح مال و جائداد کی حفاظت اور اقتصادی اور معاشی آزادی کے لحاظ سے بھی اسلام نے غیر مسلم رعایا کو مسلمانون کے برابر، اور ان کے اموال کو اموالِ مسلمین کی طرح معصوم قرار دیا ہے، یہان تک کہ خلافتِ راشدہ کے دور مین مفتوحہ ممالک کی زمینین اصل باشندون کے قبضہ مین رہتی تھین، اور مسلمانون کو ان کی خریدنے سے منع کر دیا گیا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اہلِ عرب کو زراعت سے روک دیا تھا، اور تمام افسرون کے نام احکام بھیجدیئے، کہ مسلمانون کے روزینے مقرر کر دیئے جائین تاکہ کوئی زراعت نہ کرنے پائے، مصر مین شریک ابن سمی نے اس حکم کی خلاف ورزی کی تو حضرت عمرؓ نے ان کو ان الفاظ مین تنبیہ فرمائی،

"مین تجھ کو ایسی سزا دون گا جو آیندہ نسلون کے لئے عبرت ہوگی"

اسی طرح غیر قومون کی تجارت پر کسی طرح کی پابندی نہین تھی، بلکہ بعض حالات مین مقررہ ٹیکس کی مقدار بھی کم کر دی جاتی تھی، تاکہ باہر کے تجارت پیشہ لوگ ملک مین تجارت کو فروغ دے سکین، حضرت عمرؓ نے شام کے قبطی تاجرون کے لئے جو روغن زیتون اور گیہون کی تجارت کرتے تھے عُشر کو نصف کر دیا تھا، (موطا امام مالکؒ)

اسی طرح حکومت کے ان معاملات مین جن کا تعلق مفادِ عامہ سے ہوتا تھا، ان کو رائے دینے کا حق ہوتا تھا، اور ان امور مین جن کا تعلق خود اُن کے معاملات سے ہوتا تھا، ان کی رائے کو ترجیح دی جاتی تھی، چنانچہ عراق کے بند و بست کے سلسلہ مین حضرت عمرؓ نے وہان کے سرکردہ لوگون کی رائے طلب کی تھی، (کتاب الخراج)

جزیہ کی وصولی مین رعایت ذمیوں کے حقوق کی نگرانی اور فوجی حفاظت کے بدلہ مین ان سے نہایت حقیر رقم وصول کی جاتی تھی جس کو جزیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اعلیٰ طبقہ کے لوگون سے ۴۸ درہم (۱۲ روپیہ) سالانہ، متوسط طبقہ سے ۲۴ درہم (۶ روپیہ) سالانہ، اور عام پیشہ ورون سے ۱۲ درہم (۳ روپیہ) سالانہ،

اس کے مقابلہ مین مسلمانون سے زکوٰۃ عشر اور دوسرے صدقات کے طور پر جو رقم وصول کی جاتی تھی وہ اس سے بدرجہا زیادہ ہوتی تھی،

جزیہ کی اس حقیر سی رقم کی وصولی مین بھی انتہائی احتیاط اور نرمی اختیار کی جاتی تھی، کسی قسم کا جبر نہین کیا جاتا تھا بلکہ ان کو زیادہ سے زیادہ مہلت دی جاتی تھی، اور اگر کوئی نادار اور محتاج ہوتا تو اس کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جاتا تھا، چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ مین حضرت خالدؓ نے جیرہ کے عیسائیون سے جو معاہدہ کیا تھا، اس مین یہ شرط بھی داخل تھی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے زمانۂ خلافت مین اس کا التزام کیا، یعنی ذمیون کے نادارون اور مریضون کے وظائف مقرر کئے گئے،

مسلمانون کے حسن کردار کا ذمیون پر اثر

مسلمانون کے اس منصفانہ طرز عمل سے یہ لوگ اس قدر مطمئن تھے، کہ اختلاف مذہب کے باوجود وہ مسلمانون کی بلندی کردار کی تعریف مین رطب اللسان رہتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ کی خدمت مین ایک وفد آیا، آپ نے ارکان وفد سے دریافت کیا کہ غالباً ذمیون کو مسلمان تنگ کرتے ہون گے؟ اس کے جواب مین سب نے یک زبان ہو کر کہا

ما نعلم الا وفاءً و حسن ملکة — ہم مسلمانون کی نسبت وفا اور حسن اخلاق کے سوا کچھ نہین جانتے، (طبری)

فاروق اعظمؓ کے زمانہ مین جب آذربائیجان کا علاقہ فتح ہوا، تو عبد الرحمٰن بن ربیعہ کو اس علاقہ کا گورنر بنایا گیا، ایک دفعہ ایک سابق بادشاہ کا ایک شاہزادہ اُن کے پاس آیا، اُس کے ہاتھ مین ایک نہایت خوبصورت انگوٹھی تھی، عبد الرحمان بن ربیعہ نے دریافت کیا، کہ یہ کہان سے لائے ہو؟ کہا میرے باپ نے ایک حکمران کو لکھا تھا، اس نے ایک بیش بہا ہیرا بھیجا، جو اس انگوٹھی مین جڑا ہے، اگر آپ لینا چاہین تو لے سکتے ہین، عبد الرحمٰن بن ربیعہ نے جواب دیا ہرگز نہیں، مسلمان جب کسی ملک پر حملہ کرتا ہے تو اس کا

مقصد لعل و جواہر اور سونا چاندی نہین، بلکہ اعلاے کلمۃ الحق ہوتا ہے، ان کے اس طرز عمل سے شاہزادہ اس قدر متاثر ہوا کہ اسی وقت حلقہ بگوش اسلام ہوگیا، اور کہا کہ اگر کوئی ایران کا حاکم ہوتا تو مجھ سے جبراً چھین لیتا، مگر مین سمجھتا ہون کہ مسلمان کا کردار بہت بلند ہے،

رومی اگرچہ مذہباً عیسائی تھے، مگر شام کے عیسائیون نے رومیون کے مقابلہ مین مسلمانون کا ساتھ دیا، اور مسلمانون کے دست راست بن گئے،

فلما رأى اهل الذمة وفاء	جب ذمیون نے مسلمانون کی وفا اور حسن
المسلمين لهم وحسن السيرة	سیرت کو دیکھا تو وہ مسلمانون کے دشمنون
فيهم صاروا اشداء على عدو المسلمين	کے مقابلہ مین سخت اور اُن کے خلاف مسلمانون
وعونا للمسلمين على اعدائهم (بلاذری)	کے حامی بن گئے،
تو نخل خوش ثمرے کیستی کہ باغ وچمن	ہمہ زخویش بریدند با تو پیوستند

بین الاقوامی معاہدات کا احترام | معاہدہ کی تیسری قسم جس کو سیاسی معاہدہ کا نام دیا گیا ہے، وہ معاہدہ ہے جو ایک یا ایک سے زائد اقوام کے ساتھ عمل مین آتا ہے، خواہ یہ معاہدہ مستقل اور غیر معین عرصہ کے لئے ہو، یا معین مدت کے لئے اسلام مین ایسے معاہدات کا احترام ہر حال مین ضروری ہے، جبتک کہ دوسری طرف سے نقض عہد کی ابتدا نہ ہو مگر دوسری طرف سے اگر نقض عہد ہو تو اس صورت مین کسی اخلاقی ضابطہ کی رو سے معاہدہ کی پابندی لازمی نہین ہوتی، اس بنا پر قرآن کریم بھی مسلمانون کو اجازت دیتا ہے، کہ وہ اس صورت مین عہد کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دشمنون کے مقابلہ مین کھڑے ہوجائین،

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً	اگر آپ کو کسی قوم سے نقض عہد کا اندیشہ ہو
فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ	تو آپ بھی اُن کے معاہدہ کو ان کے منہ پر پھینک مارین،

موجودہ اقوام بین الاقوامی معاہدات کی جس طرح مٹی پلید کرتی رہتی ہیں، وہ انسانیت کی پیشانی پر بدنما داغ اور اخلاق وشرافت کے لئے باعث ننگ ہے، ان کے نزدیک معاہدہ کمزوریوں اور مجبوریوں کی پیداوار ہے، اور مجبوری ختم ہوتے ہی معاہدہ کی قدر وقیمت کاغذ کے پرزے سے بھی کم رہ جاتی ہے، اس کی وجہ اقوام حاضرہ کی مادہ پرستی اور اخلاق وروحانیت سے بے نیازی ہے، جن قوموں میں قومی اور اجتماعی مقاصد کی خاطر بڑے سے بڑا جرم بھی نیکی اور ثواب کا درجہ رکھتا ہے، اُن سے یہ کسی طرح بعید نہیں کہ وہ کسی ایسے مفاد کے لئے دو قوموں کے شریفانہ معاہدہ کے پرزے اڑادیں، آج نہیں بلکہ ہمیشہ سے اہل کفر کا یہی شعار رہا ہے،

قَاتِلُوا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ	اے مسلمانو! کفر کے سرداروں سے جہاد
لَا اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ	کرو، یہ قسموں کے پابند نہیں ہیں تاکہ وہ
يَنْتَهُوْنَ،	بدعہدیوں سے باز آجائیں،

اسلامی نظریہ سیاست کی بنیاد اخلاق اور مابعد الطبیعی تصورات پر ہے، اس لئے اسلام کسی حالت میں عہد شکنی کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ عہد کی پابندی نہ کرنے والوں کو سخت سزا کی دھمکی دیگئی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے متعاہد اقوام کے مقابلہ میں مسلمانوں کی امداد واعانت سے بھی منع کردیا ہے،

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي	اگر وہ (مسلمان) تم سے دین
الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا	کے معاملہ میں مدد مانگیں، تو تمہارے
عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ	ذمہ مدد کرنا واجب ہے، مگر اس قوم کے
مِيْثَاقٌ	مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور ان میں باہم
(انفال - ۱۰)	عہد صلح کا ہو،

نیز اسلام مین پابندی عہد کی اہمیت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ اسلامی فوج کا ایک ادنی فرد کفار کے کسی فرد یا قوم سے معاہدہ کرلے، تو اسلام مین تمام مسلمانون پر اس کی پابندی لازمی ہے،

المسلمون تتکافؤ دماؤهم	مسلمانون کے نفوس (شریف و وضیع
ویسعیٰ بذمتهم ادناهم	کے علی الرغم) قصاص و دیت مین مساوی
(ای اقلهم وهو الواحد)	ہین، ان مین سے کسی ایک کا کفار کے
	کسی فرد یا جماعت سے عہد کرنا تمام
(اخرجه الدارقطنی وابن ماجه)	مسلمانون کی طرف سے کافی ہوتا ہے،

(باقی)

انقلاب الامم

ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب قومون کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی کا خلاصہ جس کو پڑھکر یہ معلوم ہو سکتا ہے، کہ دنیا مین قومین کیونکر بنتی اور بگڑتی ہین،

ضخامت ۱۶۲ صفحے، قیمت ۱۲؍

روح الاجتماع

موسیو لیبان کی کتاب جماعتہاے انسانی کے اصول نفسیہ کا اردو ترجمہ جس مین انسانی جماعت کے اخلاق، پبلک رہنماؤن کی خصوصیات، اور جماعتون کے بننے بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کیے گئے ہین، ضخامت ۲۲۲ صفحے،

قیمت:- ۱۲؍

"منیجر"

کتابخانۂ اکیڈمی آف اسلامک ریسرچ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس
کے
چند نادر الوجود مخطوطات

از

مولوی عبد الحمید خان صاحب ریڈر شعبۂ فارسی جامعۂ عثمانیہ حیدر آباد دکن

"گذشتہ فروری مین کانفرنس کے سالانہ جلسہ سے فراغ کے بعد حضرت قبلہ نواب صدر یار جنگ بہادر مدظلہ العالی کے ارشاد سے کتبخانہ سلطان جہان منزل کا فارسی ذخیرہ دیکھنے کی مسرت حاصل ہوئی، جناب ممدوح کا حکم تو یہ تھا، کہ عربی اور فارسی کتابون کی فہرست از سر نو مرتب کردی جائے، مگر میرے حیدر آباد لوٹنے مین صرف چار روز رہ گئے تھے، تین روز کی قصیر مدت مین سب کو فن وار ترتیب دینا اور مختصر سا مختصر نوٹ لکھنا بھی دشوار تھا، اس لئے اپنے حالیہ مشغلہ اور دلچسپی کے لحاظ سے فارسی کتابون مین نفس اُن کی نایابی یا ان کی تحریر کی مدت یا خط کی خوبی وغیرہ کسی حیثیت سے جو نادر اور کمیاب نسخے نظر آئے، انتخاب کرکے ان پر عاجلانہ مطالعہ کے بعد جیسے کچھ توضیحی نوٹ بن پڑے لکھ کر جناب ممدوح کی خدمت مین پیش کردئے، مین جانتا ہون کہ ان مین بہت کچھ اضافہ کی گنجائش ہے، جس کو مجھ سے زیادہ فرصت اور قابلیت رکھنے والے اصحاب انشاء اللہ پوری کردینگے،

پھر بھی اس ناچیز کی حوصلہ افزائی کے لئے جناب ممدوح نے از راہ بزرگانہ شفقت یہ عبارت تحریر فرما دی جس کو تبرک کے طور پر مین نے اپنے پاس رکھ لیا ہے،

"مین نے فہرست ہذا پڑھی، کاوش اور تحقیق سے لکھی گئی ہے، جس کی بابتہ شکریہ بجانب فہرست نگار کا نفرنس ادا کیا جاتا ہے،

(حبیب الرحمن سکرٹری)

مندرجہ کتابون پر میرے اپنے ترتیبی نمبر ہین، کتابخانہ کی فہرست مین ان کے نمبر اور ہین،

وما توفیقی الا باللہ،

(۱) مثنوی ولدی دربیان اسرار احدی، اس مجموعہ مین دو مثنویان ہین، جو حضرت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ کے فرزند حضرت سلطان ولد کی تصنیف ہین،

پہلی مثنوی کا وزن "فاعلاتن مفاعلن فعلن" ہے،

سلطان ولد نے اوس کی جو وجہ تصنیف لکھی ہے، وہ انہی کے الفاظ مین نیا ذ لطف دیگی:

"غرض از انشار این مثنوی ولدی دربیان
اسرار احدی آن بود کہ حضرت والدم و
شیخم سلطان العلماء والعارفین جلال الحق
والدین محمد بن محمد بن الحسین البلخی، در مثنوی
خود قصہای اولیای گذشتہ را ذکر کردہ است وکرامات ومقامات
ایشان را بیان فرمود غرضش از قصہای ایشان اظہار کرامات
ومقامات خود بود از ان اولیای کہ ہمدل وہمدم وہمنشین او
بودند مثل سلطان الواصلین سید برہان الدین

(ترجمہ ملخصاً) مثنوی ولدی دربیان اسرار
احدی لکھنے کی غرض یہ تھی کہ حضرت والد
نے اپنی مثنوی مین پچھلے اولیاء کے جو قصے در
ان کی کرامات ومقامات بیان کئے ہین،
اس سے ان کا مقصد اپنے کرامات ومقامات
اور ان اولیاء کے (کرامات ومقامات)
کا اظہار تھا، جو ان کے ہم دل، ہمدم اور
ہم نشین تھے اس لئے اپنے اور ان کے

محقق ترمذی، و سلطان المحبوبین المعشوقین
شمس الدین تبریزی و قطب الاقطاب
صلاح الدین زرکوب قونوی و زبدۃ
الاولیاء و السالکین، حسام الدین چلپی
و لد اخی اخی ترک قونوی......
احوالِ خود را و احوالِ ایشان را بواسطہ
قصہ ہاے پیشین در آنجا درج فرمود،

خوشتر آن باشد کہ سرِّ دلبران
گفتہ آید در حدیث دیگران

لیکن چون بعضے را آن فطانت و زیرکی
نبود کہ مقصد و قصہ حال را فہم کنند و غرض او را
بدانند، درین مثنوی مقامات و کرامات
حضرتش و ازان مصاحبان کہ ہمدم او بودند
.........شرح کردہ شد تا مطالعہ کنندگان
مستمعان را معلوم شود کہ آن ہمہ احوالِ او
و مصاحبانش بودہ است تا شبہہ و گمان
از ایشان برودہ

احوال کو پچھلے بزرگون کے قصون کے
پردہ مین درج کیا، لیکن چونکہ بعض
لوگون مین اتنی زیادہ سمجھ نہین ہوتی
کہ ان حالات اور ان کو پردہ مین
بیان کرنے کی غرض کو سمجھ سکین،
اس لئے اس مثنوی مین حضرت والد
اور اُن کے ہمدم ساجون کے مقامات
و کرامات کی تشریح کی گئی تا کہ پڑھنے
اور سننے والون کو معلوم ہو جائے، کہ
قصون کے پردہ مین بیان کئے ہوئے)
حالات خود ان کے اور ان کے ہمنشینون
کے ہین، اور (ان کے متعلق) جو شبہات دل
مین ہون دور ہو جائین

اس مثنوی کا آغاز ابتداے ربیع الاول ۶۹۰ھ مین ہوا، اور تکمیل اسی سنہ کی چوتھی جمادی الاخری کو یعنی دو مہینے مین ختم ہوئی،

مطلع این بیان جان افزا | بود ورشش صد و نود یا را
گفته شد آول ربیع الاول | گر فزون گشت این مگر اطول
مقطعش ہم شدست اے فاخر | چار مین مہ جمادی آخر

دوسری مثنوی کی بحر وہی ہے، جو مثنوی مولانا روم کی ہے، اس کی وجہ تصنیف یہ لکھتے ہیں کہ

بزرگے از بزرگان اہل دل بطوق اعتقاد | (ملخص ترجمہ) اس مثنوی کے لکھنے کا سبب
واستہ عا کردہ التماس نمود کہ بوزن الٰہی نامہ | ہوا کہ ایک اہل دل بزرگ نے عقیدتمندانہ
خواجہ سنائی رحمۃ اللہ علیہ کتابے انشا فرمودہ | درخواست کی کہ خواجہ سنائی کی مثنوی الٰہی نامہ
توقع است کہ بر وزن مثنوی خداوندگار مولانا | کے وزن پر تو آپ نے ایک مثنوی لکھدی ہے
قدس سرہ العزیز مثنوی انشا فرمائید ، جہت | (مگر) ہم کو امید ہے، کہ حضرت مولانا رحمہ اللہ
خاطر دوستان کہ بران وزن از خواندن بسیار | کی مثنوی کے وزن پر ایک مثنوی اور لکھ دینگے،
خو کردہ اند ، واین وزن در طبعشان نشستہ است | ان احباب کی خاطر جو اس وزن (کے اشعار)
کتابے دیگر بباید ، زیراکہ ہر نظم کہ گفتہ آید | ہمیشہ پڑھتے رہنے سے اس کے خوگر ہو گئے
بطریق تتبع وتشبہ حضرتش بودہ است ہمبر | ہیں، اور یہ وزن ان کے دل نشین ہو گیا ہے،
وزن کتابے ساختن اولی بود زیراکہ معنی | نیز اس لئے کہ اب تک ہر نظم میں آپ نے
متابعت ومشابہت درین اجمل واکمل است | حضرت مولانا کا تتبع اور تشبہ ملحوظ رکھا ہے
بموجب التماس آن بزرگ وجہت آن کہ | اس وزن پر دوسری مثنوی لکھنے سے
نے بحضرت مولانا قدس سرہ العزیز مخصوص | متابعت اور مشابہت کا مقصد زیادہ
ومنسوب ست این مثنوی را از "رباب | بہتر اور مکمل صورت میں پورا ہو جائے گا،
آغاز کردہ شد" | اسی بزرگ کے التماس سے اور اس لئے

بھی کہ (لفظ) نے حضرت مولانا رحمہ اللہ
کے ساتھ مخصوص ومنسوب ہے، ! اس
ثمنوی کو "بانگ" کے لفظ سے شروع کیا گیا،

اس ثمنوی کا آغاز ۷۰۰ھ ہجری مین ہوا، اور تکمیل تقریباً ۵ مہینہ مین اسی سنہ کی ذی الحجہ کو،

رو و لد خامش کش این سر دراز   گر چہ داری در درون دریاے راز
غرۂ شعبان شد آغاز کتاب   در سنہ سبع مائۃ بہر ثواب
در مہ ذی حجہ شد ہم این تمام   تا نماند بر خور معنی عـمـام

دونون ثمنویون مین ہر نظم سے پہلے چند سطری نثر کے عنوانات ہین، جن مین ان چیزون کی مختصر تشریح ہے، جن پر اشعار مین خیال آرائی کی گئی ہے،

دونون کے شستہ اور پختہ الفاظ اور چست بندشین مصنف کے کمال شاعری اور پختہ مشقی کی دلیل ہین، پہلی ثمنوی کا انداز بیان مولانا رحمہ اللہ کی ثمنوی سے اس قدر ملتا جلتا ہے کہ اگر دونون کے اشعار ملا دیئے جائین تو فرق کرنا دشوار ہو جائے گا،

پہلی ثمنوی کے دیباچہ مین اپنی غزلیات اور ان مین حضرت مولانا کے خیالات اور اسلوب بیان کے ساتھ تشبہ ملحوظ رکھنے کا بھی ذکر کیا ہے، یہ ثمنوی حجم مین دوسری ثمنوی سے کم ہے،

اس مجموعہ کی تقطیع متوسط ہے، جد ولین کاغذ اور خط بالکل یکسان ہے، چند صفحون کے سوا جو بخط نستعلیق ہین ساری کتاب نسخ مین ہے، اور ایک ہی شخص کی لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے، کاتب نے اپنا نام نہین لکھا صرف تاریخ اور سنہ کتابت لکھ کر چھوڑ دیا ہے،

"تمت الکتاب سہ شنبہ روز سیزدہم ماہ محرم الحرام سنہ اثنین وستین وسبعمائۃ

(۷۶۲ھ ہجری)

یہ مجموعہ ہر اعتبار سے قیمتی اور قابلِ قدر ہے،

(۲) تحفۃ الاخبار، یہ مدراس کرناٹک اور میسور کے مقامی حالات کی عمدہ تاریخ ہے، جس کو منشی غلام حسین خان نے ایلیٹ صاحب گورنر مدراس کے عہدِ حکومت مین لکھا ہے، اس مین پانچ فصلین ہین،

پہلی فصل مین ان روسا کرناٹک کے حالات ہین جو عہد عالمگیری سے ۱۲۱۵ھ ہجری تک برسرِ امارت رہے ہین،

دوسری فصل مین مدراس کے گورنرون اور ان کے طرزِ حکومت کا ذکر ہے،

تیسری فصل مین انگریزی قوانین کے متعلق اظہارِ رائے کیا گیا ہے،

چوتھی فصل مین انگریزون کی معاملہ فہمی اور عدل وانصاف کا بیان ہے،

پانچوین فصل مین کرناٹک کے قدیم جاگیردارون اور باجگذار رؤسا کے حالات ہین، یہ حالات وواقعات کس حد تک صحیح اور قابلِ اعتماد ہین، اس کا فیصلہ تاریخ دان ہی بہتر کر سکتا ہے،

زبان صاف وروان ہے، کاغذ قدیم سبزی مائل، خط عمدہ اور تقطیع بڑی، صفحات کی تعداد ۲۱۱، سنہ تصنیف ۱۲۳۲ھ مطابق ۱۸۱۵ء نسخہ مکمل وبے عیب ہے،

(۳) لغاتِ عالمگیریہ، فہرست مین اس کا نام صحاح اللغات غلط درج ہوا ہے، مصنف فاضل خان امرائے عالمگیری مین سے ہے، غالبًا دربار شاہی مین تحفۂ پیش کرنے کی غرض سے جیسا کہ دیباچہ مین اشارہ کیا ہے:-

"خانہ تحفۃ والہدیہ الی الملک الہمام ......"

لکھ کر اس کا نام "تحفۂ عالمگیریہ" رکھا ہے،

یہ لغت کی ایک محققانہ اور مبسوط کتاب ہے، قرآن مجید، احادیث، رجال و انساب کے لغات نیز مشائخ کے ان محاورات کی تشریح جن میں علماء کو اختلاف رہا ہے، بہت خوبی سے کی ہے، جن الفاظ کے ساتھ تاریخی واقعات یا مذہبی خیالات وابستہ ہیں، ان کو پوری تفصیل اور جامعیت سے لکھا ہے، مصنف کو زبان اور بیان پر پوری قدرت حاصل ہے، یہ کتاب کمیاب ہے، دیکھا تو نہیں سنا ہے کہ اس کا ایک نسخہ کتاب خانہ آصفیہ میں بھی ہے، تقطیع بڑی ہے، کاغذ قدیم خانی مگر خط زیادہ قدیم نہیں معلوم ہوتا، ناقص الآخر ہونے سے سنہ کتابت کا پتہ نہیں چلا،

(۴) مکتوبات حضرت امام ربانیؒ، اس کتاب کا جامع اور مؤلف یار محمد بدخشی طالقانی ہے، بہت عمدہ اور بے عیب نسخہ ہے، محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد میں کسی امیر ہدایت اللہ خان نامی کی فرمایش سے لکھا گیا، کاتب کا نام محمد بیگ ہے، سنہ و تاریخ کتابت نمبر ۵ رجب سنہ جلوس، آخری صفحہ پر سید غلام خواجہ جمالی کی مہر اور انہی کے قلم کی لکھی ہوئی عبارت ہے،

"بدست خود مہر کردم شب ۲، ارصفر المظفر ۱۲۷۵ھ"

(۵) تصحیح لغات فرس، یہ کتاب شاہ طہماسپ صفوی کے عہد کی تصنیف ہے، مصنف حسین وفائی نے دیباچہ میں لکھا ہے، کہ اس کے لغات تین رسالوں سے ماخوذ ہیں، جن میں سے ایک محمد بن محمد فخرالدین ہندوشاہ منشی نے خواجہ محمد غیاث الدین محمد رشید کے نام پر لکھا ہے، دوسرا شمس فخری نے امیر شیخ ابواسحٰق بن امیر محمود شاہ انجو کے نام پر، تیسرا شمس الدین محمد کشمیری نے،

اکثر لغات کے شواہد میں اساتذہ کے اشعار بھی درج کئے ہیں، یہ لغت ہے تو مختصر سا مگر بہت مفید اور بصیرت افروز ہے، خاص بات یہ ہو کہ ایران میں تصنیف ہوا، ورنہ فارسی کے اکثر مروجہ لغات ہندوستان

مین تصنیف ہوئے ہین،

تقطیع چھوٹی، کاغذ باریک اور خط پختہ ہے، ۱۰ ارشوال ۱۱۹۴ھ مین بمقام احمد نگر لکھا گیا ہے،

(۶) در مجالس، مصنفہ سیف ظفر برہان، یہ کتاب ۳۳ ابواب پر مشتمل ہے، ابتدائی دس بابون مین حضرت آدم علیہ السلام سے حضور سرور کائنات علیہ افضل التحیات تک انبیا کے فضائل ہین، باقی مین مذہبی قصص و حکایات، کاتب کا نام محمد طاہر ابن محمد حسین بن شمس الدین محمد ہے، لاہور مین ۴ رجب ۴۶ھ جلوس عالمگیری مین لکھی گئی، نسخہ صاف اور خوشخط ہے،

(۷) ابیات من کلمات الصوفیہ، یہ ایک چھوٹا سا چھوٹی سی تقطیع پر قدیم چھپا ہوا رسالہ ہے جس کو مصنف نے کسی امیر عبد اللہ خان کے دربار تک رسائی کا وسیلہ بنانے کے لئے لکھا ہے، چھوٹی چھوٹی حدیثون، اقوال صحابہ اور کلمات صوفیہ کا مفہوم چار چار مصرعون مین ادا کیا ہے، اوپر جلی خط مین حدیث یا قول صحابی یا کلمات صوفیہ لکھے ہین، اور اُن کے نیچے چار مصرعے، دیباچہ عربی مین ہے جس کا صرف ایک ورق رہ گیا ہے، اور کتاب کے آخر مین لگا ہوا ہے،

شاعر کے نام، تخلص اور زمانہ کا پتہ نہین چلا، کلام کا انداز ایرانی ہے، اور طباعت بھی وہین کی معلوم ہوتی ہے،

(۸) جنت الفردوس، مذہبی رسالہ ہے، اس کی ۱۳ فصلین ہین جن مین نماز، قرآن خوانی، اور صبر وغیرہ کے فضائل درج ہین، کاغذ اور خط معمولی ہے، مصنف کا نام اور سنہ تصنیف معلوم نہ ہو سکا، صرف اتنا ظاہر ہوا کہ حاجی ابن ترک سلطان کمال الدین کے ایما سے لکھا گیا ہے،

(۹) رسالہ در فقہ فارسی، اول و آخر سے ناقص ہے، اس لئے مصنف کے نام اور سنہ تصنیف کا پتہ نہ چل سکا، ص ۱۴۱ کے بعد والے دو صفحے غائب ہین، نکاح، وصیت اور قصاص وغیرہ کے مسئلے بحوالہ کتب و ائمہ مختصراً لکھے ہین، مسائل کے ضمن مین بعض ائمہ فقہ کے حالات بھی درج کر دیئے ہین، کاغذ

خانی قدیم اور رسم الخط نسخ ہے، اور موجودہ صفحات کی تعداد ۲۶۱ ہے، بہ حیثیت مجموعی رسالہ بہت اچھا اور کارآمد ہے،

(۱۰) گمنام رسالہ، فہرست مین اس کا نمبر ۳۰ ہے، آگے گمنام لکھا ہوا ہے، اس مجلد مین پہلا رسالہ فقہی مسائل کا عربی مین ہے، جس کے نام اور مصنف کا پتہ نہ چلا، دوسرا رسالہ شیخ علی متقی کے رسالہ العبارۃ الفصیحہ فی الوعظ والنصیحۃ کا پہلا حصہ ہے، مصنف کا پورا نام علی بن حسام الدین مشہور متقی ہے، جلد ساز کی غلطی سے صفحہ ۵ اور ۶ کے درمیان ۵ ورق کسی اور رسالہ کے آگئے ہین، جو عربی مین ہین، کاغذ چکنا اور قدیم ہے، تقطیع چھوٹی اور خط معمولی،

(۱۱) بدائع الانشاء اس کتاب کے سابق مالک عبدالغنی صاحب نقطہ نما چشتی قادری ساکن ملگنڈہ (ریاست حیدرآباد دکن) نے سرورق پر ایک مختصر سے نوٹ مین داد تحقیق یہ دی ہے کہ بادشاہ ہمایون نے اپنے فرزند عزیز قرۃ العین رفیع الدین حسین کی تعلیم و تربیت کے لئے میر منشی یوسفی سے تصنیف کرائی، لیکن مصنف لکھتا ہے، کہ

"این رسالہ ایست مسمّی بہ بدائع الانشاء مشتمل بر محاورات خطابی وجوابی کہ جہت فرزند عزیز قرۃ العین رفیع الدین حسین طال عمرہٗ و سائر طالبان در حیز عبارت و قید کتابت می آید"

اس عبارت کے انداز اور الفاظ کی نوعیت سے صاف ظاہر ہے، کہ یوسفی نے اپنے ہی بیٹے اور دوسرے طلبہ کے لئے یہ انشاء لکھی ہے، ہمایون بادشاہ کا کوئی بیٹا رفیع الدین حسین نامی نہ تھا،

مقدمہ مین قابل مصنف نے انشاء کی تقسیم اس طرح کی ہے :-

"فن انشاء منقسم می شود، بدو قسم یکے توقیعات کہ مضامین آن منطوی بر امثلہ و

احکام سلاطین و حکام است، و دیگر محاورات کہ تراکیب آن مواد و صدور مکاتبان مفاوضات است"

و محاورات منقسم می شود بہ سہ قسم ازبرائے آنکہ خالی ازان نیست کہ رتبۂ مکتوب الیہ از کاتب بلند تر است یا فروتر یا مساوی است اگر بلند تر است مرافعات گویند اگر فروتر است رقاع و اگر مساوی است مراسلات، و ہر ایک ازین اقسام ثلثہ منقسم می شود بہ خطابی و جوابی"

نمونہ کے طور پر جتنے خطوط اور مراسلات درج کئے ہین، ان مین الفاظ کا حسن انتخاب، فقرون کا در وبست، ان کی شستگی اور پختگی، مصنف کی اعلیٰ قابلیت اور پختہ مشقی کا روشن ثبوت ہے، سنہ تصنیف مصنف کے ان اشعار سے ۹۴۰ھ نکلتا ہے،

این نامہ کز دست فنِ انشا بہ نظام	کردہ خردش بدائع الانشا نام
تکرار کنی چو نام اور ایک بار	شک نیست کہ رہ بری بہ سالِ تمام

بحساب جمل "بدائع الانشار" کے اعداد ۴۷۰ ہوتے ہین، جن کی تکرار سے ۹۴۰ھ ہجری نکلتا ہے،

یہ کتاب بہت کمیاب ہے، یاد اگر غلطی نہین کرتی، تو اس کا ایک نسخہ صرف مانچسٹر کے کتبخانہ مین سنا گیا ہے، واللہ اعلم بالصواب،

صفحات کی تعداد ۲۶۲ ہے، افسوس ہے کہ اخیر کے ۲۹ صفحے آدھے آدھے دیمک کی نذر ہو گئے ہین کاغذ خانی قدیم اور دبیز ہے، خط نہایت عمدہ اور پختہ نستعلیق،

(۱۲) خمسۂ نظامی اب تک جتنے خمسے نظر سے گذرے، ان مین یہ خمسہ ہر لحاظ سے بہترین ہے اس مجموعہ مین ۶ مثنویان ہین،

مخزن اسرار، خسرو شیرین، لیلی مجنون، ہفت پیکر، سکندر نامہ اور شرف نامہ، مثنوی ہفت پیکر میں سات رنگین تصویریں بھی ہیں، جن کے رنگ وطرز سے معلوم ہوتا ہے، کہ راجپوتانہ کے انداز میں بنوائی گئی ہیں، خط ایرانی ہے نہایت صاف اور بے عیب، قلم کی شان اول سے آخر تک ایک ہے، جدولیں طلائی ہیں، شروع کے دو صفحے ایرانی نقاشی اور نازک ترین موقلمکاری کا بہترین نمونہ ہیں،

مجموعہ کے آخری صفحہ پر کاتب نے اپنا نام اور سنہ کتابت لکھا تھا، مگر کسی احمق نے اس کو اس بُری طرح مٹایا ہے، کہ پتہ چلانا ناممکن ہوگیا ہے، ملاحظہ ہو :-

"قد فرغ الکاتب عن تسوید هذه الکتاب بعون الملک الوهاب
خمسة حضرت شیخ الاسلام قطب المحققین شیخ نظامی قدس سره
العزیز علی ید العبد الضعیف الی رحمة الله الغنی..........
غفر ذنوبه وستر عیوبه فی عاشر شهر ربیع الاول سنة ۹۶۳ھ
ثلاث وستین وتسعمائة"

کاتب کی فطرت اور وراثتی روایت کے خلاف ہے، کہ وہ جابجا تصرف نہ کرتا جائے، اس تصرف بجا و بیجا میں بھی اتفاق سے شعر زمین سے اٹھ کر آسمان پر پہنچ جاتا ہے، ورنہ اکثر وبیشتر تو آسمان سے کھینچ کر زمین ہی پر آرہتا ہے،

ان پانچوں مثنویوں کے جستہ جستہ مقامات خصوصًا وہ حصے جو جامعہ کے نصاب کے سلسلہ میں برسوں سے زیر نظر چلے آرہے ہیں، بغور دیکھے، حیرت بھی ہوئی، اور مسرت بھی، کہ یہ مجموعہ مند اول اغلاط سے پاک ہے،

(۱۳) دیوان حافظ، سورت میں ایک مشہور امیر نواب غلام بابا خان گذرے ہیں، جن کے نام مرزا غالب کے متعدد خطوط اردوئے معلی اور عود ہندی میں موجود ہیں، یہ بے نظیر نسخہ انہی کے کتابخانہ

کا ہے، جو ۱۹۱۹ء میں مولوی انوار احمد زبیری مرحوم سفیر کانفرنس کو ان کے زمانہ قیام سورت میں نواب ممدوح کے پوتے نواب میر حفیظ الدین احمد خان نے عطا کیا تھا، سرورق پر نواب میر غلام بابا خان مرحوم سی ای ای کی مہر ثبت ہے، اور اس سے اگلے صفحہ پر انوار احمد صاحب مرحوم کا لکھا ہوا یہ نوٹ ہے:

این نسخہ نادر دیوان حافظ از کتاب خانہ نواب میر غلام بابا خان" مرحوم سی آئی ای بہ اجازت نواب زادہ میر حفیظ الدین خان صاحب گرفتم و داخل کتب خانہ سلطان جہان منزل کردم"

(خاکسار انوار احمد زبیری مارہروی مقام سورت ۲ر جنوری ۱۹۱۹ء)

اس کے نیچے نواب میر حفیظ الدین احمد خان نے یہ تحریر لکھ دی ہے:-

"بپاس خاطر محبی انوار احمد صاحب بخشیدم"

(عاصی سید حفیظ الدین خان)

دیوان کے آغاز میں وہی دیباچہ ہے، جو اکثر مطبوعہ نسخوں میں پایا جاتا ہے آخری صفحہ پر ایک جگہ عبارت بے جوڑ ہوگئی ہے، غالباً کاتب نے کچھ حصہ سہواً چھوڑ دیا ہے، تقطیع متوسط، کاغذ سرخی مائل بادامی بہت دبیز، ہر صفحہ پر طلائی افشاں سے ظاہر ہوتا ہے، کہ کسی شائق امیر کے لئے لکھا گیا ہے تمام جدولیں رنگین، اور طلائی ہیں، خط بہترین نستعلیق ہے، ابتدا کے ۱۲ صفحوں پر کہیں کہیں روشنائی اڑگئی ہے، بعض صفحات پر آب رسیدگی کے نشانات بھی ہیں، کہاں اور کب لکھا گیا کس نے لکھا، یہ کچھ پتہ نہ چلا بہرحال نسخہ بہت قدیم اور نادر ہے،

(۱۴) شرح قران السعدین، یہ حضرت امیر خسرو کی مشہور مثنوی قران السعدین کی نہایت بہترین شرح ہے، جو بعض احباب کی فرمائش سے حضرت شیخ نور الحق محدث دہلوی نے لکھی ہے، یہ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اکبر تھے، تیسیر القاری شرح صحیح بخاری کے سوا آپ کی

اور تصانیف بھی ہیں جن میں سے ایک تحقیق الرویا عربی میں ہے، غیر مطبوعہ اور کمیاب ہے، اس کا ایک نسخہ خانقاہ مجددیہ سرہند شریف میں موجود ہے، حضرت شیخ نور الحق حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ سے بیعت تھے، اور خرقۂ خلافت حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا، مکتوبات امام ربانی (جلد سوم) میں مکتوب سوم انہی کے نام ہے،

اس شرح کو اول سے آخر تک حضرت شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ نے ملاحظہ فرما کر جا بجا جو کمی رہ گئی ہو گی، اُسے پورا کرایا ہے، خود فرماتے ہیں،

"القصۃ تا بزیور قبول .... آن ادب آموز نکتہ سنج موزون نگردید، بہ نظر اعتماد نہ سنجیدم و شایستہ اعتبار ندانستم و بر بسیاری از لطائف کہ از کوتہی اندیشہ بدان نرسیدہ بودم، آن رموز دان کل آگہی داد"

اس کی تکمیل کی تاریخ حضرت نے خود تحریر فرمائی ہے،

شکر للہ کہ بانجام رسید — شرح ابیات قران السعدین
مشرقی از پئے تاریخ تمام — برہ تعمیہ رفتی نہ بعین
چشم عیب از میان لنا بر دارند — میشود "شرح قران السعدین"

شرح قران السعدین کے اعداد ۱۰۹۴ ہوتے ہیں، ان میں سے ع کے ۷۰ نکال دینے کے بعد ۱۰۲۴ھ رہتے ہیں،

کاتب کے نام اور سنہ کتابت کا کہیں ذکر نہیں تقطیع درمیانی ہے، کاغذ خانی خط صاف اور پختہ لیکن کہیں کہیں کرم خوردہ ہے، بڑا نادر اور قیمتی نسخہ ہے،

(۱۵) یوسف زلیخای جامی، ولایتی کاغذ پر ایرانی خط میں لکھا ہوا نہایت خوشخط اور صاف ستھرا نسخہ ہے، اول اور آخر میں کچھ ورق غائب ہیں، بہت قدیم لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے،

(۱۶) منطق الطیر، اس مجموعہ کے متن مین تو حضرت شیخ فریدالدین عطار کی مشہور مثنوی
منطق الطیر ہے، اور حاشیہ پر پند نامہ کاغذ و کتابت معمولی،

(۱۷) نمبر ۵۴ (مندرجۂ فہرست)، یہ مذہبی قصص و مباحث کا مختصر رسالہ ہے، مصنف اور
کاتب یا سنہ کا نہ ابتدا مین ذکر ہے، نہ اخیر مین،

(۱۸) نمبر ۲۵ (مندرجۂ فہرست) اس رسالہ کا نہ نام معلوم ہوسکا نہ یہ کہ کس نے اور کب لکھا
زیادہ تر انبیاء علیہم السلام کے حالات اور عجائبات خلق مذکور ہین،

(۱۹) تفسیر حسینی، اس کی دونون جلدین بہ خط نسخ ہین، آیات سُرخی سے لکھی گئی ہین، اور تفسیر
سیاہی سے، پہلی جلد سولہوین پارہ تک ہے، دوسری قُل اَعُوذُ بِرَبِّ النّاس تک، سب سے اخیر کا
صفحہ غائب ہے، اس لئے سنہ کتابت وغیرہ کا پتہ نہ چلا، تقطیع بڑی ہے، کاغذ حنائی
پتلا اور مضبوط،

(۲۰) المعتمد فی المعتقد، یہ کتاب ابو بکر سعد زنگی والی شیراز (۶۲۳ھ-۶۵۸ھ) کے
عہد کی تصنیف ہے، مصنف نے اس دور کے مسلمانون کے ضعف ایمانی اور اسلامیات کی طرف سے
غفلت و لاپروائی کا شکوہ کرتے ہوئے ایسی کتابون کی ضرورت پر زور دیا ہے، جن مین تمام ضروری اعتقادی
مسائل صاف اور آسان زبان مین لکھے گئے ہون،

ابوبکر سعد زنگی کے نام پر معنون کرنے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے،

"تا وقع آن در دلہاے عوام افزون تر باشد و خطر آن در دیدہ ہا بحکم تقلید بزرگ تر
ازین وجہ آن را بہ ذکر بندہ برگزیدہ خدا بہ بادشاہی بقیہ صالحہ ملوک و سلاطین اسلام،
بادشاہ نیاز منددین ترحم دل درویش نواز سلغر سلطان اتابک ابوبکر سعد زنگی کہ ہوارہ
در نظر و کنف خداے باد معنون گردانید"

سرورق پر مصنف کا نام امام تورپشتی یا تورپشتی لکھا ہوا ہے، کتاب مین تین باب ہین، اور ہر باب مین دس فصلین،

باب اول در ایمان بخداے عزوجل،

باب دوم در ایمان بہ فرشتگان وکتابہا وپیغمبران،

باب سوم در مسائل اعتقادی، بر موجب کتاب سنت واجماع امت،

مسائل آسان اور مدلل عبارتون مین لکھے ہین، اس نوعیت کی کتابین بہت کم دیکھنے مین آئین کس سنہ مین لکھی گئی اس کا پتہ نہین چلا خط صاف اور عمدہ ہے صفحات کی تعداد ۲۴۴ ہے،

(۲۱) مظہر الحق فی اباحۃ السماع، یہ رسالہ کمال صفی حسینی قزوینی کی تصنیف ہے، جو سید السادات حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے معتقدین مین سے تھے، ناواقف لوگون کو روایات اور اصطلاحات فقرا کے رد وانکار سے بچانے کے لئے لکھا گیا ہے، خط پختہ نستعلیق ہے، آخری چند صفحے ضائع ہوگئے ہین، اس لئے سنہ کتابت وغیرہ کا پتہ نہ چلا،

(۲۲) کلیات حزین، اس مجموعہ مین پہلے قصائد ہین، پھر بترتیب ابجد غزلیات، غزلون کے بعد رباعیات وقطعات ہین، سنہ کتابت وغیرہ کا پتہ نہ چل سکا، بظاہر بہت زمانہ کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے، شروع کے دو صفحون پر خود شیخ حزین کا مؤلفہ دیباچہ ہے، کاغذ ولایتی ہے، کھرا سفید، خط نستعلیق،

(۲۳) نزہتہ الارواح، مصنفہ رکن الدین حسین بن عالم بن ابوالحسن حسینی، تصوف وسلوک مین ہے، ۲۸ فصلین ہین، جن مین مبدا سلوک، معرفت سلوک، مقامات سلوک، نصیحت سالک، ہدایت، خلقت وحدت اور نفس وغیرہ کے مباحث ہین،

عبارتین مغلق اور موٹے موٹے لغات سے بھری ہوئی ہین، آخری صفحہ کی تھوڑی سی عبارت

ملاحظہ ہو:-

"مصنف این بدیع لطایف و مولف این غرائب و ظرائف فقیر حقیر حسین بن عالم بن ابن الحسن الحسینی ...... کہ این غرائن ابکار یعنی نفائس افکار .... این ضعیف است بعد ازان کہ از مسند مستقر فطرت مستودع خلقت نزول کردہ اند از کمال طراوت د نہایت لطافت بغایتے رسید کہ صیانت در شہور سنہ احد عشر و سبعمائۃ (۷۱۱) مشاطہ نشاط فکر بر بساط این بساط گوش دگر دن) ہر یک را بزیور فصاحت و بلاغت متوط و موشح ساخت"۔

عبارت مذکورہ میں سنہ تصنیف ۷۱۱ بتایا گیا ہے، کتاب دبیز بادامی کاغذ پر ہے، تقطیع متوسط اور خط معمولی ہے، آخر سے چند صفحات غائب ہیں،

(۴۴) الجمعات الشاہیہ جلد ششم، اس کتاب میں نویں صدی کے ایک برہانی رفاعی بزرگ سید محمد بن عبد اللہ مخاطب بہ شاہ عالم - ہفتہ وار صحبتوں کے حالات اور افادات کو کسی معتقد نے جو اپنے آپ کو "جامع کنوز محمدیہ، جامع ملفوظ مبارک، اور جامع ملفوظات محمدیہ" کے لقب سے یاد کرتا ہے، جمع کیا ہے، زیر نظر حصہ یکم محرم ۸۶۷ھ روز جمعہ کے مذاکرے سے شروع ہو کر ۲۰ ذی الحجہ سنہ مذکور کے جمعہ پر ختم ہوا ہے،

ہر جمعہ کی صحبت میں شیخ برہان الدین ملقب بہ میان مخدوم قاری خاص اور جامع کنوز محمدیہ کا ذکر ضرور آیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ بالالتزام حاضر مجلس رہا کرتے تھے، کہیں کہیں خواجہ کریم الدین اور شیخ فرید بن دولت شاہ کا بھی ذکر ہے، ایک جمعہ کی مجلس میں باشندگان احمد آباد کے ہجوم کا ذکر بھی ہے، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ صحبتیں احمد آباد میں ہوا کرتی تھیں،

اس حصہ میں برہانی (غالباً منسوب بہ قطب عالم سید برہان الدین) کے خاندان کے مختلف

شاخون کے ۴۴ شجرے درج ہین، اور چند رسالے جہاد وغیرہ کے متعلق ہین،

حضرت قطب عالم کے متعلق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار (مجتبائی) کے صفحہ ۱۶۸ پر لکھتے ہین :-

"حضرت قطب عالم نبیرۂ مخدوم جہانیان سید جلال بخاری ست از وطن اصلی خود بہ گجرات رفتہ توطن اختیار کردہ نام او سید برہان الدین ست و مشہور درزبان خلائق آن دیار بہ قطب عالم است، روضۂ او سہ کروہی از حیدر آباد ست، وفات او ہشتم ذی حجہ سنہ سبع و خمسین و ثمان مایۃ است"

وقت کی تنگی کے باعث کتاب کو بالاستیعاب دیکھنے کا موقع نہ ملا، جستہ جستہ جن عنوانون پر نظر پڑی، ان مین سے چند یہ ہین :-

حقیقت فکر، اثبات رویۂ ملائکہ، قلب سلیم، روز قیامت، مناقب صحابۂ کرام، صبر و شکر، مراقبہ، عبودیت، استقامت، فراست، فتوت، حقوق والدین،

ان مین سے ہر ایک پر حضرت شاہ عالم کے ارشادات بڑے عالمانہ اور محققانہ ہین، جامع کتاب ہر موقع پر جن القاب اور جس ادب واحترام سے ان کا نام لیتا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موصوف بڑے بلند پایہ عالم اور بڑے عالی مرتبہ صوفی تھے، اور خواص و عوام سب ان کا انتہائی ادب کرتے تھے،

فرصت سے بغور مطالعہ کرنے والے کو اس کتاب مین ایسے مسائل ملین گے، جن کو زوائد سے الگ کرکے یکجا کر دیا جائے، تو تصوف سے ذوق رکھنے والون کے لئے بہت مفید اور دلچسپ ثابت ہون گے،

کتاب مین نہ کہین جامع کا نام ملا، نہ کاتب کا، نہ سن کتابت، البتہ سرورق پر ان اصحاب

کے نام مع سنین کے درج ہین، جن کے قبضہ مین نسخہ رہ چکا ہے،

۱۔ من نعم اللہ علی عبدہ ابن شیخ بہاء الدین،

۲۔ مالک ملوک اہل بیت النبوی ابو الحسن الحسینی نقشبندی مہر مین ہے "خادم درگاہ ابو الحسن دیوانہ"

۱۱۶۲ھ ہجری، خادم ابو الحسن ۔۔۔۔ درگاہ دیوانہ،

۳۔ رسالہائے حضرت شاہیہ از کتاب خانہ نواب نیک عالم خان خواجہ عباد اللہ ہدیہ گرفتہ، در ہراج تاریخ غرۂ جمادی الاول ۱۱۸۰ھ ہجری،

۴۔ این رسالہ جمعات شاہیہ جلد ششم از خواجہ عباد اللہ ثانیا الحال فقیر حقیر حسین الدین حسینی بتاریخ غرۂ جمادی الثانی ۱۱۹۰ھ ہجری ہدیہ گرفتہ مہر میر حسین ۱۱۶۴ھ ہجری،

کلیاتِ فارسی

مولانا شبلی مرحوم کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات اور قطعات کا مجموعہ جو اب تک متفرق طور سے دیوان شبلی، دستۂ گل، بوئے گل، برگِ گل کے نامون سے چھپے تھے، اس مین سب یکجا کر دیئے گئے ہین، قیمت :- عہ

کلیاتِ اردو

مولانا کی تمام اردو نظمون کا مجموعہ جس مین مثنوی صبحِ اُمید، قصائد، جو مختلف مجلسون مین پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی کے متعلق لکھی گئی ہین، ..... قیمت :- عہ

وفورِ رزق

از

جناب ڈاکٹر میر ولی الدین استاذ جامعہ عثمانیہ

حق تعالیٰ نے رزق کا خود ذمہ لیا ہے،

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا	اور زمین پر کوئی چلنے والا نہین جس کے
عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا،	رزق کا ذمہ اللہ پر نہین،

صرف ذمہ داری پر اکتفا نہین کیا، قسم بھی کھائی ہے، اور قسم پر بھی اکتفا نہیں کیا، مثال سے بھی واضح کیا ہے،

وَفِی السَّمَاءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوعَدُوْنَ	اور تمھارا رزق اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے
فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اِنَّہٗ	سب آسمان پر ہے، سو قسم ہے زمین آسمان
لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا اَنَّکُمْ تَنْطِقُوْنَ،	کے رب کی، یہ بات برحق ہے، جیسا کہ تم
(پ ۲۶ - ع ۱۰)	باتین کرتے ہو،

جملہ را رزاق روزی می دہد ۔۔۔ قسمت ہر یک بہ پیشش می نہد!

فی السماء رزقکم نشنیدۂ ۔۔۔ اندرین پستی چہ بر چفسیدۂ (رومی)

حق تعالیٰ ان لوگون کو بھی رزق دیتے ہین، جو غفلت و معصیت مین مبتلا ہین، فسق و فجور مین چور ہین، پھر وہ جو حق تعالیٰ کی اطاعت در عایت کرتے ہین، وہ کیسے محروم ہو سکتے ہین !؟ دیکھو

جو درخت بوتا ہے، وہی سینچتا بھی ہے، خلقت کو وہی مدد دیتا ہے، اُن کا رزق وہی فراہم کرتا ہے، جو ان کا خالق ہے، پروردگار ہے، مخلوق کے لئے یہ بات کافی ہے کہ ان کا خالق ان کے لئے بہرحال کافی ہے، وافی ہے، الیس اللّٰہ بکافٍ عبدہ، ایجاد حق تعالیٰ سے ہے، دوام امداد بھی انہی سے ہے، تخلیق ان سے ہوئی، رزق کا دینا بھی ان کے ذمہ ہے، مین جانتا ہون، کہ مین جب کسی کو گھر پر دعوت دیتا ہون، تو اس کے لئے غذا کا بھی انتظام کرتا ہون، اسی طرح جب حق تعالیٰ نے مجھے اپنی مشیت و ارادہ سے پیدا کیا، تو رزق کی ذمہ داری بھی ان ہی پر ہے، ان ہی کے خوانِ کرم سے ہمین برگ ونوا حاصل ہے، حق تعالیٰ میرے مولیٰ ہین، آقا ہین، مالک ہین، مین ان کا غلام ہون، اب آقا پر غلام کا نفقہ ضروری ہے، جس طرح کہ غلام پر آقا کی اطاعت واجب ہے، اگر مین ان کا ہو رہون ان کے سوا نہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلاؤن، اور نہ کسی کے آگے جبینِ نیاز خم کرون تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اپنا حق ادا نہ کرین، کیا ان کا یہ قطعی وعدہ نہین ؟

وَمَنْ یَتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا	جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لئے
وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ	نجات کی شکل نکال دیتا ہے، اور اس کو
وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ	ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے، جہان اس کا
اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ، قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ	گمان بھی نہین ہوتا، اور جو شخص اللہ پر توکل
لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا،	کرے گا، تو اللہ اس کے لئے کافی ہے، اللہ
(پ ۲۸ ع ۱۷)	تعالیٰ اپنا سب کام پورا کرکے رہتا ہے اللہ
	تعالیٰ نے ہر شے کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے

رزق کا وعدہ قطعی ہے، مجھے حیران و پریشان ہونے کی ضرورت نہین، مین اپنا حق عبادت و عبودیت ادا کرتا رہون گا، بھلا ناممکن ہے، کہ وہ مجھے اپنے گھر بلائین، اور پھر اپنے احسانات سے محروم رکھین،

وجود بخشی کرین، اور پھر مدد نہ کرین، ہست کرین، اور اپنے کرم سے محروم رکھین! اپنا حق (عبادت) مجھ سے طلب کرین، اور میرا حق (رزق) مجھے نہ دین! وہ کریم ہین اُن سے معاملہ کرکے کون خسارہ مین رہتا ہے!

مَنْ ذاالذی سٔالک فحرمته — وہ کون ہے جس نے تجھ سے سوال کیا ہو
اَوْلجأ الیك فاھملته اوتقرب — تونے اس کو محروم رکھا ہو یا تجھ سے ملتجی ہوا ہو
الیك فابعدته اوھرب الیك — اور تونے اس کو بیکار چھوڑا ہو یا تیری قربت
فطردته — چاہی ہو اور تونے اس کو دور کر دیا ہو یا تیری
(شیخ جیلیؒ) — طرف دوڑ کر آیا ہو اور تونے اس کو دھتکار دیا ہو

احداً سامع المناجاتی — صمداً کافی المہماتی!
حاجتم از تو بیش می خواہم — زانکہ تاضی جملہ حاجاتی!
شکر فضل تو کے توانم کرد — حافظا تی جمیع حالاتی!
ہر دعاے کہ می کند سعدی — استجب یا مجیب دعواتی! (سعدی)

حق تعالیٰ کے سوا جب میرا کوئی رزق دینے والا نہین، تو اب مین رزق کے معاملہ مین ساری کائنات سے بے نیاز ہون، جس روز سے مین نے حق تعالیٰ کو اپنا الٰہ قرار دے لیا ہے، اسی روز سے خوف کا بھاری پتھر میرے سینہ سے اٹھ چکا ہے، اب مین قطعاً کسی کا محتاج نہین نہ مجھے کسی سے امید و رجا ہے، اور نہ کسی سے خوف و ہراس! میرا تعلق راست حق تعالیٰ سے قائم ہو چکا ہے، غیر اللہ سے قطعاً کٹ چکا ہے، حق تعالیٰ میرے لئے کافی ہین، کفی باللہ وکیلا۔!

رزق از وے جو، مجو از زید و عمر — مستی از وے جو مجو از بنگ و خمر
منعمی زو خواہ نے از گنج و مال — نصرت از وے جو، نہ از عم و خال

جب سے کہ حق تعالیٰ سے مین نے اپنا رشتہ جوڑ لیا ہے۔ ان ہی پر بھروسہ کر رکھا ہے، مجھے

اس کا یقین ہوگیا، کہ میرا رزق مجھ پر عاشق ہے، مجھ سے جدا کیسے ہو سکتا ہے! بے حزن وغم، بے فکر و تردد، بے رنج والم، میرا رزق مجھے پہنچ کر رہے گا، عارف رومی نے بھی تو اسی راز کی طرف اشارہ کیا ہے:-

مین توکل کن ملرزان پا و دست رزقِ تو بر تو ز تو عاشق تراست!

گر ترا صبر بدے، رزق آمدے خویش را چون عاشقان بر تو زدے (رومی)

بہرحال اتباعِ نبوت مین مین رزق کی طلب مین اسبابِ قطعی کی حد تک کوشش بھی کرونگا" لیکن اپنے قلب کو فکر و تردد سے فارغ رکھ کر اس کے حصول کا کامل یقین رکھ کر! "اجملوا فی الطلب" کا حکم میرے پیشِ نظر رہے گا، طلب کو رزق کے حصول کا مستقل سبب یا قطعی علت نہ قرار دونگا، کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ بعد از طلب می یابم امانہ بطلب می یابم، یعنی طلب و جستجو مرادیابی کی مستقل علت نہین، معاملہ فضل پر منحصر ہے، ہان جستجو ضرور کی جائے، عادتِ الٰہی یہی ہے کہ حرکت مین برکت دیتے ہین،

بجستجوے نہ یابد کسے مراد دلے

کسے مراد بیابد کہ جستجو دارد!

میرے صحیح عقیدے، صحیح فکر، اور خالص عمل و مجاہدہ نے مجھ مین وہ مقناطیسی قوت پیدا کردی ہے کہ رزق رواں دواں مضطربانہ انداز مین مجھ تک پہنچ رہا ہے، افراط سے مل رہا ہے، کمی اور قلت کا کوئی شائبہ نہین! وجوہ خیر مین اس کو جتنا خرچ کر رہا ہون، اتنا ہی زیادہ عطا کیا جارہا ہے، "اَنفِقْ اُنفِقْ عَلَیْكَ" کا وعدہ پورا ہو رہا ہے، نعمتون مین اضافہ ہو رہا ہے، اِحق تعالیٰ کی عطا غیر منقطع ہوتی ہے!

لَا تخش من ذی العرشِ اقلالا! صاحبِ عرش خدا سے قلت کا ڈر مت رکھ

این زمین و سختیان پردہ است و بس اصلِ روزی از خدادان ہر نفس

کہ اصولِ دخل اینہا بودہ اند ہم از ینہان می کشاید رزقِ بند!

مین حق تعالیٰ کا ان نعمتون کے لیے جو ہر روز بارش کی طرح مجھ پر برس رہی ہین شکر ادا کرتا ہون اور چاہتا ہون کہ دوسرے بھی ان نعمتون سے سرفراز کئے جائین، وفورِ رزق مین اس لئے بھی چاہتا ہون کہ شکرِ نعمت مین "پوشش ہر تنگ دست و فرش ہر ویرانہ" بن جاؤن اور یہ ثابت کردن کہ انفاق و احسان سے رزق مین اضافہ ہوتا ہے، کمی نہین ہوتی، کیونکہ حق تعالیٰ نے اس کا ہمین یقین دلایا ہے،

وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَھُوَ یُخْلِفُہٗ	اور جو چیز تم خرچ کروگے، سو وہ اس کا
وَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْن،	عوض دے گا، اور وہ سب سے بہتر
روزی دینے والا ہے،

زاحسان می شود صاحب کرم را دولت افزون تر	بلے سرچاہ را آب از کشیدن بیش می گردد (لطف)

شکر کے طریقون سے مین اپنی نعمتون مین اضافہ کرتا جاؤن گا، حق تعالیٰ کا یہ قطعی وعدہ ہے جس مین کسی استثنار کی گنجائش نہین، کہ وہ شکر کرنے والے کی نعمتون مین ترقی دیتے ہین،

لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ	یعنی شکر کے معاوضہ مین زیادتی نعمت کا
حصول بلا تخلف ہے،!

اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ

النعمۃ وحشیۃٌ قیدوھا بالشکر	نعمت ایک وحشی جانور ہے، شکر کی زنجیرون
مین اس کو باندھ رکھو۔

بازنعمت چو ہست وحشی را	صید از قید شکر کن اورا
چون گذاری تو شکر، نستیزد	در شوی ناسپاس بگریزد

شکر مین یہ بھی داخل ہے کہ نعمتون کا استعمال حق تعالیٰ کی مرضیات کے مطابق کیا جائے جن کامون مین اُن کو صرف کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان ہی مین ان کو صرف کیا جائے، سلب نعمت

کا موجب ہمارا ہی کوئی ناشائستہ فعل ہوتا ہے، حق تعالیٰ نے واضح طور پر ہم کو متنبہ کر دیا ہے۔

ذَالِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا	یہ بات اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی
نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا	نعمت کو جو کسی قوم کو عطا فرمائی ہو نہیں
مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ	بدلتے، جب تک کہ وہی لوگ اپنے ذاتی
(پ ۱۰ ع ۲)	اعمال کو نہیں بدل ڈالتے۔ اور اللہ تعالیٰ
	بڑے سننے والے اور بڑے جاننے والے ہیں!

اِذَا كُنْتَ فِىْ نِعْمَةٍ فَارْعَهَا

فَاِنَّ الْمَعَاصِىْ تُزِيْلُ النِّعَمَ

(جب تجھے کوئی نعمت حاصل ہو تو اس کی رعایت کر۔ گناہوں سے نعمتیں زائل ہو جاتی ہیں)

تقویٰ، عمل و مجاہدہ اور صبر و شکر کی وجہ سے حق تعالیٰ کی تمام نعمتیں میری ہیں، اور مجھ میں موجود ہیں، جب بھی مجھے ان کی احتیاج ہوتی ہے، حق تعالیٰ انہیں خارج میں ظاہر فرما دیتے ہیں، ہر اوس نعمت کے لئے جو مجھے مل رہی ہے، میرا قلب حق تعالیٰ کے آگے سر بسجود ہے، از ندگی چشمہ مسرت کی طرح رواں ہے، اور میری زبان پر یہ نغمہ جاری ہے،

بے لطف تو من قرار نتوانم کرد	احسان تو شمار نتوانم کرد
گر بر تن من زبان شود ہر موئے	یک شکر تو از ہزار نتوانم کرد

(ابو سعید لہثہ)

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

مدرسوں اور اسکولوں کے طالب علموں کے لئے عام فہم اور سادہ زبان میں سرور عالم کی سیرت ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت مجلد ۱۲؎ غیر مجلد ۸؎ (طبع چہارم)

دیوانِ عاشق دہلوی

تلمیذ

امیر خسرو دہلوی

از

نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خان شروانی

میرے مختصر کتبخانہ مین اس دیوان کا ایک قدیم نسخہ ہے، تین ضخیم تذکرۃ الشعراء عاشق دہلوی کے ذکر سے خالی ہین، دو قلمی ریاض الشعراء والہ داغستانی، مجمع الغرائب احمد علی سندیلوی ایک مطبوعہ مجمع الفصحاء رضا قلی خان متخلص بہ ہدایت،

دیوان خط اور کاغذ دونون کے لحاظ سے پرانا لکھا ہوا ہے، مگر سنہ تحریر نہین، اس لئے کہ نسخہ ناقص ہے، عنوان پر درج ہے، "دیوان عاشق دہلوی تلمیذ مولانا حضرت امیر خسرو دہلوی طوطی ہند" اس کے نیچے مہر ہے بخط نستعلیق خوشخط، اس مین نام "عبدہٗ زین العابدین" درج ہے، تقطیع ۸ × ۵½ انچہ ہے، تعداد اوراق موجودہ ۲۰۲ ہے، اور تلمذ کا ثبوت اشعار ذیل سے ہوتا ہے،

عاشق این رنگِ سخن را نہ کجا یافتہ است　　این ہمہ از چمن خسرو چیدہ گل لعل

ایک قطعہ امیر خسرو کی شان مین لکھا ہے اس کا پہلا شعر ہے،

چو خسرو شاعرے از ہند برخاست　　کہ قدرِ شاعرانِ اصفہان کاست

مقطع ہے:-

همنشیں بس دلیل پیشوائی که عاشق پیرو گفتار او راست

اس دیوان کا قیاساً زیر مطالعہ مؤلف رہنا محسوس ہوتا ہے، بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بقلم مصنف لکھا ہوا ہے، قرائن یہ ہیں،

خط کی روش دو قسم کی ہے، شفیعا اور نستعلیق، بسا اوقات نستعلیق میں شفیعا کا رنگ آجاتا ہے، ورق ۴۴ کی پوری غزل ملاحظہ ہو، جو نستعلیق شفیعائی ہے، شعر محتسب وش الخ میں لفظ مینائے اور مستان، اگلے شعر میں لفظ می، خم کی تحریر میں شفیعائی رنگ نمایاں ہے، نیز ورق ۴۴ کی پوری غزل میرے دعوی کی شاہد ہے، ورق ۷۰ کا چھٹا شعر ملاحظہ ہو، پہلا مصرعہ نستعلیق ہے، اور دوسرا مصرعہ شفیعائی، قلم اور روشنائی اور اگلے شعر کی ایک ہے، ورق ۸۰ کا چھٹا شعر نستعلیق شفیعائی ہے، گویا کاتب دونوں قسم کی تحریر پر پوری قدرت رکھتا ہے، عموماً بعض مصرعوں یا الفاظ کی تبدیلیاں بخط شفیعائی ہیں، کہیں کہیں بعض الفاظ یا مصرعہ کی تبدیلی بخط نستعلیق بھی ہے، مصرعہ یا الفاظ کی تبدیلی سے مضمون میں بلندی اور چستی پیدا ہو جاتی ہے، اس طرح یہ تبدیلی اصلاح ہے نہ تصحیح،

پہلے نوشتہ کو قلم زد کرکے دوسرے الفاظ بدلنا مصنف بھی کر سکتا ہے، دوسرا شخص اصلاح تو کر سکتا ہے، مگر قلم زد کرنے کا حق حاصل نہیں، ورق ۰ ملاحظہ ہو، مصرعہ،

چگویم دگر مطلبی نیستم

بخط شفیعائی قلم زد ہے، بجائے اس کے حاشیہ پر قلم زد کرکے یہ مصرعہ تحریر ہے، ع

نباشد دگر غیر ازین مطلبم

ورق ۱۰ کی پشت پر یہ شعر بھی ملاحظہ ہو،

درد یک چشمی کند چشم دگر را دردناک همنشینان را بدرد و رنج دیدن مشکل است

ثانی مصرعہ بغیر قلم زد کئے اس طرح تبدیل کیا ہے،

"مردم یک خانہ را در رنج دیدن مشکل است"

ورق ۱۲ پر یہ مصرع

"عاشق بہشت را نہ پسند دیگر پیش"

کو بدل کر یہ مصرع

"عاشق بہشت را نہ پسندید بہر او"

بنایا ہے، مگر پہلا مصرعہ بھی قلم زد نہیں، ورق ۸۴

خار خارے بہ دل اندر شکن فتاد ست مرا تا بہ طرفِ کلہت جاے گزید گل لعل

اس شعر کا پہلا مصرعہ اس طرح بدلا ہے جو یقینی اصلاح ہے، نہ تصحیح، دیکھو مصرعہ کتنا بلند ہو گیا

خار خارے بہ دل خون شدہ ام افتادہ است

نمونۂ کلام

زہے لبت شکر خندۂ راحت جانہا گل عذار تو رشکِ گل و گلستانہا

لبت چو گاہِ تکلم گہر بفشاند شود پر از گہر آبدار داما نہا

دمیکہ سرو دانِ تو جلوہ گر گردد زچوبِ خشک دہد یاد سرو بستانہا

چہ فتنہ است ندانم بچاک دامانت کہ چاک گشتہ کسانرا از دگریبانہا

تبسمت نمکے تازہ بر جراحت ریخت کہ ریختند بخاک سیہ نمک دانہا

دواے دردِ دل ما نہ بید وانہا ست چرا کشیم عبث منتے ز درمانہا

سرے کہ خاک رہِ دوست گشت چون عاشق

سرے ندارد با ساز و برگ سامانہا

آمد بہار خرم ساغر کشان مبارک دلہا ز غم سبک کرد رطل گران مبارک

از ابر سایہ افگن شد تازہ صحن گلشن — کردند عندلیبان بر باغبان مبارک

مشاطۂ بہاران رخسار گل بیاراست — آئینہ گشت شبنم ای بلبلان مبارک

باران فگند روغن اندر چراغ لالہ — شد دشت در چراغان بر تشنہ روان مبارک

ساقی پیالہ در کف مطرب نشستہ باد — خیل طرب دہ صف اہل جہان مبارک

بادہ غذای روح ست می باعث فتوح است — بان ساعت صبوح ست پیر مغان مبارک

زاہد بیا بگلشن بر چین ز زہد دامن — بشنو ز کوی و بر زن بر میکشان مبارک

شیخ ریای امروز از زہد تو بنبود — خرقہ بمی بیالود می خوارگان مبارک

عاشق بت تو مست ست جام میش بدست ست

بستان پیالہ از دست کن نوش جان مبارک

مژۂ اشک بار را نازم — رگ ابر بہار را نازم

نیست در اختیار صبر و خرد — دل بے اختیار را نازم

غنی از سیر لالہ زارم کرد — سینۂ داغدار را نازم

کار ما را بمی کشی بگذاشت — گردش چشم یار را نازم

خاک گردید جز بخاک نساخت

عاشق خاکسار را نازم

متفرقات

دریاکشیم و چرخ نہ بیند ایاغ ما — گم گشتہ ایم و خضر نیابد سراغ ما

ل‍ه اس شعر کے ساتھ امیر خسرو کا یہ شعر پڑھو، استاد و شاگرد کی یکرنگی محسوس ہوگی،

خسرو می ست و مطرب تو مست و یار سرخوش — ہان در چنین نشاطے یک رقص عاشقانہ

یکے گل چیند از بستان یکے گلدستہ می بندد   تو اے نازک بدن جاے گل گلدستہ ما را

برافتد چون نقاب از ماہ رویت   نیارد دید چشم کس بسویت

دمد از ہر سر خارے گل مطلب برویش   بنہد ہر کہ براہ طلبت گامے چند

در دل از یاد درخت بحر تجلی موج زد   جوشش نورست از فوارۂ مژگان ما

مکن فکر علاج درد کمال درد کوشش کن   کہ چون شد درد کامل خود بخود درمان شود پیدا

عاشق از تلخیٔ غم فرہاد وار   مرگ را بر خود چہ شیرین می کنی

نامم ہر کہ بپرسد گویم   عاشق نزارے سینہ فگارے

تابعینؒ

علم و عمل اور مذہب و اخلاق مین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ تابعین کرام رضی اللہ عنہم تھے، اور صحابۂ کرامؓ کے بعد ان ہی کی زندگی مسلمانون کے لئے نمونۂ عمل ہے، اس لئے سیر الصحابہؓ کی تکمیل کے بعد دار المصنفین نے اس مقدس گروہ کے حالات کا یہ تازہ مرقع مرتب کیا ہے، اس مین حضرت عمر بن عبد العزیزؓ حضرت حسن بصریؒ، حضرت اویس قرنیؓ، حضرت امام زین العابدینؓ، حضرت امام باقرؓ، حضرت امام جعفر صادقؓ، حضرت محمد بن حنفیہؓ، حضرت سعید بن مسیبؓ، حضرت سعید بن جبیرؓ، حضرت محمد بن سیرینؒ، حضرت ابن شہاب زہریؒ، امام ربیعہ رائیؒ، امام مکحول شامیؒ، قاضی شریحؒ، وغیرہ چھیانوے اکابر تابعین کے سوانح اُن کے علمی مذہبی اخلاقی اور عملی مجاہدات اور کارنامون کی تفصیل ہے، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی،

ضخامت ۵۰۰ صفحے، قیمت :- للعہ

"منیجر"

استفسار و جواب

متفرق سوالات

جناب محمد ریاض احمد صاحب رضوی | بخدمت حضرت مولانا مولوی صاحب مد ظلہ
میر لاج تکیہ سادھوان لاہور | السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض ہے کہ براہِ مہربانی چند مسائل کا جواب ارشاد فرمائین، بندہ کو تحقیقِ حق مقصود ہے، اللہ تعالیٰ جل شانہ جزاے خیر عطا فرمائین گے،

(۱) میرے والد صاحب میر عبدالرشید صاحب ٹھیکیدار ہین، ہرماہ دوسو روپیہ بچاتے ہین، ایک سال بعد ۲۴۰۰ روپیہ جمع ہوتا ہے، زکوٰۃ کتنی ادا کی جائے اور کس حساب سے،

(۲) کیا قرآن کی آیت مبارک رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ سے تمام صحابہ مع امیر معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ، ابوسفیانؓ والد امیر معاویہؓ، وحشیؓ، نعمان بن بشیرؓ قطعی طور پر جنتی ہین ؟ محمد بن ابی بکرؓ بھی

اللہ تعالیٰ گستاخی معاف فرماوے تو تاریخ سے حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق دل مین بہت شکوک پڑتے ہین، اس لحاظ سے نہین کہ انھون نے حضرت علیؓ کی مخالفت کی بلکہ چالین جو انھون نے چلین، حضرت عمرو بن العاصؓ کا مکالمہ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے ساتھ، اور اس مین حضرت عمرو بن العاصؓ کا پھر جانا، حضرت نعمانؓ بن بشیر یزید کی حمایت مین تھے، محمد بن ابی بکر جنھون نے حضرت سیدنا امیرالمومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ریش مبارک کو پکڑا، اور قاتلین کی جماعت مین شامل تھے، گو بعد مین بھاگ گئے، یہ تمام عمر حضرت علیؓ کے پروردہ تھے یہ دبس کی

آتی مخالفت سمجھ میں نہیں آتی،

(۳) آج میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے والا قرآن پڑھتا تھا، تو اس میں سورۂ فاتحہ کی آیت اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کی تفسیر میں یہ لکھا ہوا دیکھا کہ اگر کسی بزرگ کو غیر مستقل سمجھ کر اور محض واسطۂ رحمتِ الٰہی سمجھ کر مدد مانگی جائے تو وہ عین ذات باری تعالیٰ سے مدد مانگنا ہے،" اس مسئلہ کے متعلق مجھے بڑی تشویش ہے، اگر اُن کی زیارت نصیب ہوتی تو ضرور پوچھتا کہ ان آیات کا کیا مطلب ہے

(۱) انَّ الذِینَ تدعُون مِنْ دُونِ اللّٰہ عبادٌ امثالکم

(۲) نحن اقربُ الیہ مِن حبل الورِید،

(۳) ادعونی استجِبْ لکم، (المومن)

(۴) مَا نعبُدھم الّا لیقربُونا الی اللہ زلفیٰ (الزمر)

(۵) یعبُدُونَ مِنْ دُونِ اللہ مَا لا یضرھم وَمَا لا ینفعھم (الفرقان)

(۶) وَاِنْ یمسسك اللّٰہ بضرٍ فلا کاشِف لہٗ الّا ھُوَ وَان یمسسك خیرٍ فلا رادّ لفضلہ (یونس)

(۷) مَنْ یشرِك باللہ فکانما خرمِنَ السّماء او تخطفہ الطیر او تھوی بہ الریح، الآیۃ (الحج)

اتنے بڑے بزرگ موحد کے کلام پاک سے ایسی تفسیر، میں تو حیران ہو گیا ہوں، کیونکہ یہ تو صریح شرک ہے،

(۴) کیا قرآن کریم میں اب بھی کوئی آیت ایسی ہے جس پر عمل نہ ہو سکتا ہو، منسوخ کے کیا معنی ہیں، کتنی آیتیں منسوخ ہیں، صاحب فوز الکبیر رحمۃ اللہ علیہ نے ثلث قرآن

منسوخ کہا ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ نے پانچ آیتیں منسوخ کہی ہیں،

(۵) قرآن میں اہلبیت تو صرف بیویوں کے حق میں استعمال ہوا ہے، جس میں سے نواسے اور داماد خارج ہیں، البتہ لڑکے لڑکیاں اور بیویاں خاوند، یہ لوگ اہلبیت میں شامل ہیں، تو خواہ مخواہ حضرت حسینؓ و حضرت علیؓ کو شامل کیوں کرتے ہیں، قرآن کے خلاف کوئی بات بھی قابلِ قبول نہیں،

براہ مہربانی ان کا جواب باصواب ارشاد فرمائیں، اللہ تعالیٰ اجر عطا فرمادیگا،

معارف:- مکرم السلام علیکم و رحمۃ اللہ،

جوابات حسب ذیل ہیں،

۱- پورے چوبیس سو پر زکوٰۃ واجب ہوگی،

۲- صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر جرح و قدح کرنے سے ہر مسلمان کو اپنی زبان روکنی چاہئے، اگر آپ کو ان کا کوئی سیاسی پہلو پسند نہیں ہے، تو اس سے اُن کے دیگر فضائل تو محو نہیں ہو جاتے، آج ہی دیکھئے کہ علمار اور زعما سیاست میں کس قدر مختلف رائیں رکھتے ہیں، لیکن اس سیاسی اختلاف سے کسی کے جہنمی یا جنتی ہونے کا فیصلہ یا اخروی فضائل کا انکار درست نہیں، کیونکہ باوجود ان سیاسی اختلافات کے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے نہ اپنے مخالفوں میں سے کسی کو کافر کہا نہ فاسق کہا، نہ جہنمی بتایا، پھر ہم کو اور آپ کو اس کا کیا حق حاصل ہے؟ ان کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے، آپ سے اُن کے متعلق کوئی سوال نہ ہوگا، آپ اپنی خبر لیجئے، کہ آپ سے آپ کے متعلق مواخذہ اور سوال بارگاہِ الٰہی میں ہوگا، تو اس وقت آپ اور ہم کیا جواب دیں گے، تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ (آخر پارہ الٓمٓ)

۳- حضرت شیخ الہندؒ کا مقصود یہ ہے کہ اگر دعا یوں مانگی جائے کہ اے بزرگ آپ خدا کے

مقبول و محبوب ہین، آپ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے، تو ایسا کہنا شرک نہین، اگر یہ بزرگ زندہ ہین، اور بالمشافہ اُن سے آپ درخواست کر رہے ہین، تو ظاہر ہے کہ یہ شرک نہین، حضرات صحابہ سے یہ ثابت ہے، اور سُنتِ نبوی مین مذکور ہے، بلکہ قرآن پاک مین بھی اشارہ ہے،

اسی طرح زندہ بزرگون کو بارگاہِ الٰہی مین دعا کے اندر توسل کے لئے پیش کرنا بھی احادیث سے ثابت ہے جیسے حضرت عمرؓ نے قحط مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عباسؓ کو اپنی دعا مین توسل کے ساتھ پیش کیا، ایک نابینا صحابی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا تعلیم فرمائی، اس مین نبی کریمؐ نے خود اپنے ساتھ توسل کے الفاظ بتائے، اور اگر یہ کوئی متوفی بزرگ ہین، تو حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے اتباع اس کو جائز سمجھتے ہین مگر ہمارے مرشد مولانا اشرف علی صاحب اس کو بدعت کہتے ہین، کیونکہ حضراتِ صحابہ سے ایسی دعا ثابت نہین ہے، اُن کے نزدیک صحیح صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے کہ اے بارالہا یہ تیرے مقبول و محبوب بندے ہین، اُن پر تیری رحمت ہے، ان کی اس مقبولیت، محبوبیت اور رحمت سے جو ان پر تیری ہے مجھے بھی حصہ دے، اور میری مشکل کشائی فرما، اعمال صالحہ سے توسل جائز ہے، اور یہ بھی اُن بزرگون کے اعمال صالحہ ہی سے توسل ہے،

آپ نے جو آیتین نقل فرمائی ہین، ان کا مقصود تو دعا، کا معبودان باطل سے مانگنا ہے، حضرت شیخ الہندؒ کا مقصد بزرگان سے دعا کرانا ہے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور مین ہمارے مقصد کے حصول کے لئے دعا کرین، ان دونون مین بڑا فرق ہے،

۴۔ ناسخ و منسوخ کی تعریف و حقیقت مین متقدمین اور متاخرین کا لفظی اختلاف ہے، معارف مین اس پر مفصل مضمون چھپا ہے، میری تعبیر یہ ہے کہ احکام دو قسم کے ہوتے ہین، ایک ہنگامی جیسے مارشل لا کرفیو آرڈر، دوسرے دوامی جیسے تعزیراتِ ہند وغیرہ، ہنگامی احکام کا نام ناسخ و منسوخ ہے، جو حالات کے تابع ہین، وہ حالات جب پیدا ہون گے، تو وہ احکام نافذ ہون گے، جب وہ حالات بدل جائینگے

تو وہ احکام بھی اٹھ جائیں گے، یہی نسخ ہے، مثلاً ضرورت پڑے، تو مسلمانوں کی قلت تعداد کے وقت ایک مسلمان دس کافر کا مقابلہ کرے گا، پھر جب کثرت ہوگی تو وہ حکم ہوگا، جس میں ایک مسلمان کو دو کافروں کے مقابلہ کا حکم ہے، علیٰ ہذا القیاس، دوسرے مسائل ہیں جن کی تعداد ۵ کے قریب ہے، بقول شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور بعضوں کے نزدیک اس سے کم وبیش ہے،

۵۔ اہل البیت کا لفظ بے شبہہ قرآن پاک میں بیویوں کے لئے آیا ہے، مگر طبعاً اور ضمناً اولاد بھی داخل ہو سکتی ہے، اس لئے قرآن پاک کی تطہیر میں اصل مقصود ازواج مطہرات ہیں، اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طبعاً اور ضمناً اولاد بھی داخل ہے، جیسا کہ ہم اردو میں گھر والے کہتے ہیں، جن سے اولین مقصود ازواج اور ضمناً اولاد بھی ہوتی ہے،

والسلام "س"

تخلیق عالم کا مقصد

ڈاکٹر عین الدین صاحب رضوی
کیمپ حیدرآباد سندھ

مخدومی و محترمی
السلام علیکم

ایک عرصہ سے میرے دل میں یہ سوال کھٹک رہا ہے، کہ تخلیق عالم خصوصاً تخلیق انسان کا مقصد کیا ہے؟ کون سی ایسی ضرورت اور مجبوری پیش آئی کہ یہ عالم، عالم وجود میں لایا گیا، انسان کو پیدا کیا گیا، اور پھر خیر و شر نیک و بد اور عذاب کا چکر گردش میں آیا، اس سلسلہ میں جہاں تک مطالعہ اور پہنچ کا تعلق ہے، میں نے کتابوں اور عالموں سے اس سلسلے میں تشفی چاہی لیکن افسوس کہ اب تک کوئی ایسی کتاب یا عالم دین نہیں مل سکا، جس سے میرا دل مطمئن ہو سکتا، ما خلقت الجن والانس الخ میں بھی یعبدون سے اللہ تعالیٰ کی مراد کیا ہے، اور اس کی ضرورت کیوں ہوئی، حل طلب مسئلہ رہ جاتا ہے،

آپ کی مصروفیتوں کا مجھے علم ہے، اسی وجہ سے اب تک آپ کو زحمت نہیں دی لیکن

چونکہ یہ سوال یکسوئی میں خلل ڈالتا اور ایمان و عمل میں سخت انداز ہوتا ہے، اسلئے مجبوراً

آپ کی طرف رجوع کرنا پڑا، کہ اس وقت میری نظر اور علم میں آپ سے زیادہ واقف دین

اور ذی علم کوئی دوسری ہستی موجود نہیں، امید کہ آپ میری رہنمائی فرما کر داخل حسنات

ہوں گے، جواب کے لئے لفافہ مع ٹکٹ حاضر خدمت ہے،

نیازمند معین الدین رضوی

معارف:۔ محترم دام لطفکم

السّلام علیکم،

عنایت نامہ ملا تھا، مگر اپنی مصروفیتوں کے سبب جواب میں تاخیر ہوئی، آپ کی الجھن آپ کی تنہا نہیں، بلکہ تمام اہلِ عقل کو جو عقل کو نقل کا معیار بنانا چاہتے ہیں، یہ اور اس قسم کی دوسری الجھنیں پیش آیا کرتی ہیں، ہمارے دوست مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی نے الدین القیم کے نام سے ایک چھوٹی سی کتاب لکھی ہے، اور دفتر الفرقان بریلی سے دس بارہ آنے یا روپیہ میں مل جائے گی، آپ اس کو ملاحظہ فرمائیں، اس کا مستقل فلسفہ ہے اور اس میں اسی فلسفہ کی بنا پر بہت سے مسائل کا جواب ہے،

میرا ایک خطبہ الحمد و الجماد لعلی المعاش والمعاد کے نام سے معارف میں چھپا ہے اور الگ بھی ملتا ہے، دار المصنفین اعظم گڈھ میں اسلم صاحب کو لکھئے یا راندیر ضلع سورت میں مولوی محمد سعید صاحب کو لکھئے وہ بھیجیں گے،

حاصل یہ کہ خلق عالم سے غرض خالق تعالیٰ کو معاذ اللہ اپنے لئے کسی تکمیلی شان کا حصول نہیں

انّ اللّٰہ غنی عن العالمین، اللہ تعالیٰ ساری دنیا سے بے نیاز اور غنی ہے

اس کو کسی چیز کی حاجت نہیں، محتاج ہم ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے تمام اسمار و صفات میں کامل ہے، کمال طبعاً ظہور کو چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اسمار و صفاتِ کاملہ نے جب ظہور کیا تو یہ سارا عالم نمود میں آگیا، اس عالم نمود میں انسان مرکز کی حیثیت رکھتا ہے، اس لئے کہ اس عالم نمود کا ہر جزء انسان کے علاوہ اول ہی روز کامل بنایا گیا ہے، آفتاب جیسا بنانا تھا بنا ہے، زمین جیسی بنی تھی بنی ہے، اشیار کے خواص جیسے بنائے گئے ہیں، مگر انسان کو ایک خاص حالتِ سادہ میں بے انتہا کمالی امکانات کے ساتھ پیدا کر کے چھوڑ دیا گیا، اس کو معاشی کمال کی فطری عقل عنایت کر دی گئی، کہ وہ اس کی زندگی اور معیشت کی کفالت کرے، اور معادی کمال کی رہبری وحی کے ذریعہ کی گئی کہ وہ عقل کی دست رس سے باہر تھی، اور ان دونوں سے مقصود انسان کی معاشی اور معادی تکمیل ہے، معاشی تکمیل کا ظہور تو اسی دنیا میں ہو رہا ہے، جس کا نام تمدن ہے، لیکن معادی تکمیل جس کا نام تدین ہے، اُس کے نتائج کا ظہور اس عالم میں ہوگا، جو اس عالم نمود کے بعد قائم ہوگا، جس میں معادی تکمیل یافتہ افراد اپنے کمال کے اوج پر پہنچیں گے، جس کا نام جنت ہے، یا اسفل سافلین کے حضیض میں پہنچ جائیں گے، جس کا نام دوزخ ہے،

غور فرمائیے اگر یہ عالم نمود اور پھر یہ عالم آخرت پیدا نہ کئے جاتے، تو اللہ تعالیٰ کے اسمار و صفات کا ظہور اور پھر عالم انسانی کی تکمیل کا ظہور کیونکر ہوتا،

اللہ تعالیٰ نے عالم کی پیدائش کو قرآن پاک میں جابجا الحق فرمایا ہے، اور اس کے بطلان کی نفی فرمائی ہے،

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا — اے ہمارے پروردگار تو نے اس کو باطل نہیں بنایا ہے،

اور اس کی تردید فرمائی ہے، کہ انسان بے مقصد اس عالم میں نہیں لایا گیا ہے،

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا — کیا تم گمان کرتے ہو کہ ہم نے تم کو عبث بنایا،

وَاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ، اور تم یہاں لوٹ کر نہیں آؤگے ، ؟

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی ، کیا انسان سمجھتا ہے کہ وہ بے کار چھوڑ دیا جائے گا ،

یہی عالم حق جو خاص مقصد کے ساتھ بنا ہے ، دوسرے عالم مقصد کے ہونے کی دلیل ہے ' کہ اگر وہ عالم انصاف وداد نہو ، اور جزا و سزا کی دنیا نہ آئے تو اس عالم کی خلقت اور نمود بے غایت ہو کر رہ جائے گی ، " س "

حکومت الٰہیہ اور مسلمانوں کا مطمح نظر

جناب حکیم محمد حسین صاحب
گھوڑا گلی ، مری ہلز ،

محترمی :-

السلام علیکم ،

" بہت سے مسلمان علما و مفکرین نے بھی ان مسائل کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے ، اس مضمون میں بھی اسلامی سیاست پر بحث کی گئی ہے ، ایسے مضامین میں عموماً یہ دلعند الٰہی پائی جاتی ہے ، کہ ان میں اسلامی سیاست کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے ، کہ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے ، کہ حکومت وسیاست ہی اسلام کا نصب العین ہے ، حالانکہ یہ ظاہر ہے ، کہ اسلام کا اصلی مقصد توحید الٰہی ، ایمان و عمل ، تزکیۂ اخلاق و تجلیۂ روح وغیرہ ہیں ، حکومت وسیاست اس کا ایک نتیجہ ، اور اسلامی قوانین کے نفاذ کا ذریعہ اور وسیلہ ہے ' جسے غلطی سے اصل قرار دے دیا جاتا ہے " ، (معارف جلد ۵ نمبر ۲ ، اگست ۱۹۴۶ء)

خاص سے عام تک ، مقید سے مطلق تک پہنچ جانے اور سیاق قرآنی سے قطع نظر کرکے آیت کے ایک ٹکڑے کو مستقل حکم سمجھ لینے کا جو مغالطہ شدید پہلی صدی ہجری ، بلکہ خلافت راشدہ ہی کے دور آخر میں خوارج کو پیش آیا تھا ، حالانکہ اس میں بھی بڑے بڑے عابد و زاہد

متقی موجود تھے، اسی نوعیت کی غلطیون مین آج مولانا مودودی کی جماعت بھی باوجود اپنے اخلاص کے گرفتار ہے"

(صدق لکھنؤ ۱۹ر جولائی ۱۹۴۶ء ص ۴، کالم ۲)

ان اقتباسات مین جو چیز مشترک ہے، وہ بظاہر یہ ہے کہ اسلام کسی ملک مین یا تمام دنیا مین ایسی حکومت کے قیام کو مسلمانون کا مطمح نظر نہین قرار دیتا جس کے ماتحت دنیاوی قوانین واحکام کے بجائے الٰہی قوانین واحکام کا عمل درآمد ہو اور کہ اسلام کا اصل مقصد محض فرد کی روحانی اصلاح ہو، اس خیال کو بہت زیادہ واضح کرنے کی ضرورت ہے، اس طرف محض اشارہ کر دینا کافی نہین، کیا معارف مین ایک مستقل مضمون اس پر نکلے تو بہتر نہ ہوگا، جو لوگ مودودی صاحب کی تحریرین پڑھتے ہین، اُن کی رہنمائی کے لئے بھی اس موضوع پر مفصل اور مدلل بحث کی ضرورت ہے، اگر آپ اس کے لئے خود وقت نکال سکین، تو بہت ہی خوب ہو، فقط

والسلام

معارف:- جناب کو غلط فہمی ہوئی، مین نے یہ نہین کہا کہ اسلام کسی ملک یا تمام دنیا ہی حکومت کے قیام کو مسلمانون کا مطمح نظر نہین قرار دیتا جس کے ماتحت دنیاوی قوانین واحکام کے بجائے الٰہی قوانین واحکام کا عمل درآمد ہو، اور کہ اسلام کا مقصد محض فرد کی روحانی اصلاح ہے مین نے یہ کہا ہے کہ حکومت وسیاست اسلام کا مقصود اول نہین، بلکہ ثانی ہے، اور وہ بھی اس بنا پر کہ یہ بہت سے احکام الٰہی کے نفاذ واجرار کا ذریعہ اور وسیلہ ہے،

مثال اس کی یہ ہے کہ نماز مقصود اول ہے، اور وضو اس مقصود کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ، اور اسی حیثیت سے وہ ثانوی ہے، تو داعی و متکلم اسلام کا فرض ہے کہ وضو کو ایسی اہمیت نہ دے، کہ وہ مقصود اصلی ہو جائے، خواہ اس سے نماز پڑھی جائے یا نہین، اسی طرح حکومت وسیاست کو وہ اہمیت نہ دیجائے

کہ دین کے اجزاے روحانی اس کے قوانین دنیاوی سے کم تر اور ہلکے اور بے اثر ہوجائین، اور نہ وضو کے بحیثیت ذریعۂ نماز ہونے کی اہمیت سے جس طرح انکار ممکن نہین، اسی طرح تنفیذ احکام الٰہی کے ذریعہ ہونے کے لحاظ سے حکومت و سیاست اسلامی و الٰہی کی اہمیت سے کسی کو قطعاً انکار نہین کرنا چاہئے، اسی طرح فرد کی روحانی اصلاح جماعت کی روحانی اصلاح کا مقدمہ ہے، جماعت افراد ہی سے مرتب ہوتی ہے، جب چند افراد صالح ہو جائین گے تو جماعت صالح پیدا ہو جائے گی، اور جب امت کے اکثر افراد صالح بن جائین گے تو امتِ صالحہ کا وجود ہو جائے گا، اجتماعی احکام بھی اسلام مین ہین، جو جماعتون سے متعلق ہین، اور ان کی اہمیت بھی کم نہین ہے،

معصر صدق کی تحریر کا مقصد تاویل و تعبیر کے طرز سے ہے، خوارج نے آغاز اسلام مین جو طریقۂ تاویل اختیار کیا تھا، ویسے ہی اس کے خیال مین بعض لوگ آج اختیار کر رہے ہین، اور اپنے سوا ہر ایک کو خارج از ملت بتا رہے ہین، "س"

مطبوعاتِ جدیدہ

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک
از مولانا مسعود عالم ندوی تقطیع بڑی ضخامت ۱۷۵ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت معلوم نہین، پتہ دارالاشاعت نشاۃ ثانیہ حیدرآباد دکن،

ہندوستان مین مسلمانون کی دینی تجدید واصلاح اوران کی سیاسی سربلندی کے پہلے داعی اور مجاہد حضرت سید احمد بریلوی اور مولانا اسمعیل شہید تھے، ان کے بعد اُن کے خلفار اور متوسلین نے بھی اس سلسلہ کو جاری رکھا، اوّل الذکر دونون بزرگون کا جہاد سکھون کے مقابلہ مین تھا، اوران کے بعد کے مجاہدین کی ٹکر انگریزون سے ہوئی، اوراس راہ مین انھون نے بڑی قربانیان کین، اور بڑی سختیان جھیلین، حضرات شہیدین کے حالات مین بہت کچھ لکھا گیا ہے، اوراب اُن کے متعلق اردو مین کافی معلومات ہین، مگر اُن کے بعد کے مجاہدین کے متعلق جستہ جستہ متفرق معلومات کے سوا مفصل و مرتب حالات نہین ملتے، لائق مؤلف نے اس کتاب مین اس پورے سلسلہ کی تاریخ قلمبند کی ہے، اوراس سلسلہ مین جو غلط فہمیان ہین، اُن کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، مثلاً عرب مین شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تحریک تجدید اور ہندوستان مین مولانا سید احمد بریلوی کی تحریک اصلاح وجہاد دونون تقریباً ایک ہی زمانہ مین تھین، اس لئے عام طور سے آخر الذکر کو اوّل الذکر سے ماخوذ اوراس کا ضمیمہ سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ دونون تحریکین علحدہ علحدہ مستقل حیثیت رکھتی تھین، اس غلط فہمی کا سبب یہ ہے کہ یہ تحریکین انگریزون کے مصالح کے خلاف تھین، اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک عرب مین ترکون کے بھی خلاف پڑتی تھی، اس لیے انھون نے ان تحریکون کو

بد نام کرنے اور مٹانے کی پوری کوشش کی، اور ان کے خلاف خود مسلمانون مین ایسا پروپگنڈا کیا کہ "وہابی" کا لقب نہ صرف باغی، بلکہ عام مسلمانون کے دشمن کا مرادف بن گیا، ہندوستان مین حضرت سید احمد بریلوی اور ان کے اتباع کو بھی اسی لقب سے بدنام کیا گیا، لائق مؤلف نے اس پروپگنڈے کے اسباب پر بحث کرکے دونون غلط فہمیون کو دور کیا ہے، اور بعض دوسری غلطیون کی تصحیح کی بھی کوشش کی ہے، اور حضرت سید صاحب کے مختصر حالات لکھے ہین، اور اُن کے خلفار اور متوسلین کے مجاہدات اور کارنامون کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اور جن جن طریقون سے ان کو مٹایا گیا، اس کی تفصیل ہے، مصنف نے بڑی تلاش و جستجو سے یہ حالات فراہم کئے ہین، اس کا اندازہ کتاب کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے، اس سے ہندوستان مین مسلمانون کی تجدید و اصلاح اور ان کے مجاہدانہ کارنامون کی نہایت اہم کڑی جو عام نگاہون سے مستور تھی، سامنے آگئی، اور اس حیثیت سے مصنف مسلمانون کے شکریہ کے مستحق ہین، البتہ کتاب مین کہین کہین جزدی اختلافی امور و مسائل مین بھی مصنف کا لہجہ ذرا سخت ہو گیا ہے، جو ان کے شدتِ ایمان کا نتیجہ ہے،

تدوینِ حدیث از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۰ ۰ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱۲؍ پتہ:-

ادارہ دعوۃ الحق بیگم بازار کوچہ گھاس منڈی حیدرآباد دکن،

دینی علوم مین علوم القرآن کے بعد حدیث نبوی کا درجہ ہے، بلکہ اس حیثیت سے وہ بھی علوم القرآن ہی مین شامل ہین کہ حدیث کلام مجید کے اجمال کی تفصیل و تشریح اور بہت سے قوانین اور تعلیمات کا ماخذ ہے، اگر حدیث کو الگ کر دیا جائے، تو اسلامی تعلیمات کے بہت سے اوراق سادہ رہ جائین گے، اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور عہدِ رسالت کی پوری تاریخ کا مدار تمامتر حدیث پر ہے، اس لئے وہ مذہب اسلام اور عہدِ سعادت کے حالات دونون کا سب سے بڑا ماخذ ہے، حدیث کے بغیر ہم کو سیرۃ نبوی

تک کا حال نہیں معلوم ہو سکتا، اسی لئے صحابۂ کرامؓ تابعین و تبع تابعین اور ائمۂ اسلام نے حدیث نبوی کی تعلیم اس کی حفاظت اور اشاعت میں جو اہتمام کیا، وہ دنیا کے کسی تحریری و تاریخی سرمایہ کے لئے نہیں کیا گیا، اس کے باوجود کچھ تاریخ حدیث سے ناواقفیت، کچھ یورپ کی صدائے بازگشت کے اثر اور زیادہ تر مذہب میں سہولت پسندی اور عقل پرستی کی بنا پر موجودہ دور کے خود ساختہ مجتہدین حدیث کی صحت اور اس کے حجت شرعی ہونے کے منکر ہیں، بہت سے علما نے اس فتنہ کے انسداد کی کوششیں کیں، زیر نظر کتاب بھی اس سلسلہ کی ایک اہم اور وقیع کوشش ہے، اس میں فاضل مصنف نے مذہبی عقیدت سے قطع نظر عقلی، درایتی اور تاریخی حیثیت سے احادیث نبوی کی صحت اور اس کے لائق اعتماد ہونے پر محققانہ بحث کی ہے، اور حدیث کی حقیقت و اہمیت، اس کے رُواۃ کی خصوصیات، اس سے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا عشق، اور اس کی تعلیم حفاظت و اشاعت میں ان کا اہتمام تدوین حدیث کے قدرتی اسباب و وسائل، حدیثوں کا تواتر، اس کی تدوین کی تاریخ دنیا کے دوسرے تحریری ذخیروں کے مقابلہ میں حدیث نبوی کے امتیازات وغیرہ ان تمام پہلوؤں کو جو کسی تحریری اور تاریخی سرمایہ کی صداقت اور اس پر وثوق و اعتماد کے لئے ضروری ہو سکتے ہیں، اس مدلل طریقہ سے دکھایا ہے، کہ عقل پرست سے عقل پرست کے لئے بھی احادیث نبوی کی صحت نقل سے انکار کی گنجائش نہیں رہجاتی، اس غلط فہمی کو خاص طور سے دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ حدیث کی تدوین دوسری اور تیسری صدی میں عمل میں آئی، اس لئے موجودہ کتب حدیث لائق اعتماد نہیں، جن لوگوں کو ناواقفیت کی بنا پر حدیث کی صحت کے متعلق شکوک و شبہات ہیں، ان کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ مصنف کو اس خدمت کی جزاے خیر دے،

حقیقتِ عبودیت، مترجمہ مولوی صدر الدین صاحب اصلاحی تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۱۰ صفحے، کاغذ کتابت، و طباعت بہتر قیمت :- ۱۲ر، پتہ دار الاشاعت نشاۃ ثانیہ حیدرآباد دکن،

یہ کتاب علامہ ابن تیمیہ کے رسالہ العبودیۃ کا ترجمہ ہے، یہ رسالہ بھی علامہ کی دوسری کتابون کی طرح اپنے موضوع پر نہایت جاوی اور تصحیح عقائد کے لئے بہت مفید ہے، اس مین عبودیت کی حقیقت اور اس کے تمام اجزار و متعلقات کی تشریح کے ساتھ منافی عبودیت عقائد و اعمال کی بھی پوری تفصیل ہی، عبودیت ہی اسلام کی اصلی روح ہے، اور اس کی دوسری تمام تعلیمات اسی کے مظاہر ہین، اس لئے اس رسالہ مین گویا اسلامی تعلیمات کی پوری روح آگئی ہے، اس مین بھی جابجا مصنف کے مسلک کی شدت نمایان ہی، ترجمہ کے متعلق مترجم نے خود یہ وضاحت کر دی ہے، کہ ترجمہ آزاد ہے اور عموماً مباحث کے اصل مفہوم و منشا کو لے کر اردو مین منتقل کر دیا گیا ہے، اور کہین کہین حذف و اضافہ اور تخلیص سے بھی کام لیا گیا ہے، بہرحال موجودہ صورت مین ترجمہ نہایت سلیس اور شستہ ہے،

حلیۃ النبی از مولانا سید احمد صاحب قادری مدرس مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ تقطیع چھوٹی ضخامت ۷۰ صفحے کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت عہ، پتہ شاد بک ڈپو منڈرو پٹنہ اور مکتبہ دین و دانش کھنیان کنوان روڈ پٹنہ،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی جس طرح کمالات نبوت کی جامع تھی، اسی طرح حسن و جمال ظاہری مین بھی ع :-

آنچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری

کی مصداق اور مردانہ حسن کامل کا پیکر تھی، اردو مین سیرت نبوی کی کتابون مین ضمناً حلیۂ مبارک کے متفرق حالات ملجاتے ہین، لیکن غالباً اس موضوع پر کوئی مستقل کتاب نہین ہے، لائق مؤلف نے اس کتاب مین حدیث و سیر کی مستند کتابون سے حلیۂ اقدس کے مفصل حالات تحریر کئے ہین، اور حسن موضوع نے قدرۃً قلم مین دل آویزی پیدا کر دی ہے، اور تحریر مین خاصی ادبی چاشنی موجود ہے، یہ رسالہ عام طور سے مسلمانون خصوصاً شیفتگان رسول کے مطالعہ کے لائق ہے،

دامن تہی، از جناب مبارز الدین رفعت صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۹۹ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ، پتہ اشار ایجوکیشنل سپلائی کمپنی عابد روڈ، حیدرآباد دکن،

مصنف حیدرآباد کے مشہور صاحب قلم ہین، اس کتاب مین انھون نے انسانی زندگی کی ناکامی خصوصاً نوجوانون کے حوصلون اور جذبات کی نامرادی، اور حسن و عشق کی وارداتون کو خطوط کی شکل مین بیان کیا ہے، اور اسی قبیل کے چند شاعرانہ اور فلسفیانہ افسانے بھی ہین، ان افسانون مین بہتون کو آپ بیتی کی جھلک نظر آئے گی، مصنف نے اس کتاب پر خود یہ تبصرہ کر دیا ہے کہ اس مین کچھ خواب ہے کچھ اصل ہے کچھ طرز ادا ہے، گو یہ کتاب لطف اور دلچسپی سے خالی نہین ہے، لیکن مصنف اپنے سنجیدہ قلمی دائرے مین ادب اور افسانے سے زیادہ کامیاب رہتے،

انشا، جناب مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۰۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۱۲ر پتہ، مکتبہ دہلی، اور اس کی شاخین نئی دہلی لاہور، لکھنو، اور بمبئی نمبر۲،

لائق مؤلف نے اس کتاب مین سید انشاء اللہ خان کے حالات، معاصر شعرا کے ساتھ ان کے معرکون اور اُن کے لطائف و ظرائف کو اپنے مخصوص دلکش انداز مین لکھا ہے اور ان کے کلام کے مختلف نمونے دیے ہین، انشاء اللہ کے حالات اور فرحت اللہ کا قلم ماشاء اللہ سونے پر سہاگہ ہے، اس مین شبہہ نہین کہ انشا، اپنے علم ذہانت و طباعی، شوخی و ظرافت، مشکل پسندی، اور معاصرین سے جنگجوئی مین اپنے تمام معصرون مین نمایان ہین، لیکن ان اوصاف کو چمکانے مین آزاد کی ملمع سازی کو بھی بڑا دخل ہے، مصنف نے اس کی حقیقت بھی ظاہر کی ہے، کتاب کا یہ حصہ خالص طور سے مفید ہے،

نامۂ تہدید، از آنسہ محمود رضویہ تقطیع اوسط ضخامت ۱۰۴ صفحے کاغذ کتابت و طباعت اوسط، قیمت عار پتہ، ہندوستانی دار الاشاعت انجمن ترقی اردو کراچی،

لائق مؤلفہ روشناس لکھنے والی ہیں، اس سے پہلے ان کی بعض کتابیں شائع ہو چکی ہیں، اس کتاب میں اونھوں نے تاریخ اسلام کے ابتدائی دور یعنی تبلیغ اسلام، غزوات نبوی، فتنۂ ارتداد، فتوحات عراق وایران وشام ومصر کے متفرق حالات اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اخلاق و دیانت کے واقعات خصوصاً امہات المومنین عام صحابیات اور مسلمان خواتین کے سبق آموز واقعات کو جمع کر دیا ہے، یہ واقعات زیادہ تر صحیح ہیں لیکن بعض جو غالباً واقدی وغیرہ کے بیانات سے ماخوذ ہیں، افسانے سے زیادہ نہیں، اشخاص اور مقامات کے ناموں میں جابجا غلطیاں ہیں، مجموعی حیثیت سے کتاب لائق ستایش اور عورتوں کے مطالعہ کے لائق ہے،

اللہ کے رسول از جناب شرافت حسین صاحب رحیم آبادی تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۸؍ پتہ ارشد حسین صاحب، مکتبہ دین و دانش مکارم نگر، لکھنؤ،

مصنف نے اس کتاب میں بچوں کے لئے سادہ اور آسان زبان میں سیرت پاک کے سبق آموز واقعات و حالات تحریر کئے ہیں، اردو میں اس مقصد کے لئے بہت سی کتابیں موجود ہیں لیکن وہ مذہبی معلومات کے لئے تو مفید ہیں، مگر ان میں تعلیمی اصولوں کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے، اور یہ کتاب اس تعلیمی اصول پر لکھی گئی ہے کہ چھوٹے چھوٹے فقروں میں الفاظ کی تکرار کی گئی ہے جس سے وہ بچوں کے ذہن نشیں ہوجاتے ہیں اس لئے یہ کتاب مذہبی اور تعلیمی دونوں حیثیتوں سے بچوں کے پڑھانے کے لائق ہے،

مقامات از جناب احسان دانش تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۲۴ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت معلوم نہیں، پتہ:- مکتبہ دانش مزنگ لاہور،

مقامات جناب احسان دانش کے کلام کا نیا مجموعہ ہے، ان کے کلام کی خصوصیات اتنی معلوم و مشہور ہیں کہ اب ان کے نئی کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں، اس مجموعہ میں بھی یہ تمام خصوصیات موجود ہیں، شاعری کے انواع کے اعتبار سے اس میں دینی، اخلاقی، سیاسی اور اصلاحی منظومات اور مختلف النوع خیالات جذبات و تاثرات پر سنجیدہ اور مفید نظمیں ہیں، جابجا غزلوں کی رنگینی بھی نظر آتی ہے، امید ہے کہ اصحاب ذوق میں یہ مجموعہ مقبول ہوگا، م م

جلد ۵۸ "ماہ ذوالحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۴۶ء" عدد ۵

مضامین

مقالات

آثارِ علمیّہ

استفسار و جواب

ادبیات

شذرات

ہندو مسلمانوں میں جو افسوسناک اختلاف اور جنگ و خونریزی بپا ہے، مرکزی حکومت میں مسلم لیگ کی شرکت سے اس کے ختم ہو جانے کی توقع پیدا ہو گئی ہے، بشرطیکہ دونوں میں اخلاص کے ساتھ اتحاد و اتفاق، باہمی اعتماد، اور اشتراک عمل کا جذبہ پیدا ہو جائے، گو مصالحت کی ذمہ داری دونوں پر ہے، لیکن اقلیت کو خطرات اکثریت کی جانب ہیں، اس لئے اس پر ذمہ داری زیادہ ہے، اور اس کے لئے ضرورت ہے فرقہ وارانہ تنگ دلی و تنگ نظری کو چھوڑ کر وسعتِ قلب اختیار کرنے اور اقلیت کے خطرات کو دور کرکے ہر طرح سے اُسے مطمئن کرنے کی، اس کے بغیر اصل بنا ے فساد ختم نہیں ہو سکتی،

اسی کے ساتھ ان تمام باتوں سے احتراز ضروری ہے، جن سے کسی جماعت کے جذبات مشتعل و مجروح ہوتے ہوں، ہر جماعت کو اپنے نصب العین، اور طریقۂ کار کی صحت کی تبلیغ و اشاعت کا پورا حق ہے لیکن دوسروں کی تنقیص و مذمت سے نہیں، بلکہ دلائل و عمل سے، مذمت و دل آزاری سے اختلاف کی آگ اور بھڑک سکتی ہے، اور اس غلطی میں ذمہ دار، غیر ذمہ دار، فرقہ پرست و قوم پرور لیڈروں اور اخبارات سب کا حال یکساں ہے، الا ماشاء اللہ،



کلکتہ کے ہنگامہ سے لیکر اس وقت تک جو وحشیانہ خونریزی جاری ہے، وہ حد درجہ قابلِ ملامت اور ہندو مسلمان دونوں کے لئے انتہائی شرمناک ہے، کسی انسان کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ نہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں پھر دورِ وحشت لوٹ آیا ہے، لیکن ایسے مواقع پر بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، اس میں ذرا سی بے احتیاطی بڑے برے نتائج پیدا کرتی ہے، افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس سلسلہ میں نہ صرف غیر ذمہ دار اشخاص و جماعتوں بلکہ قوم پرور جماعتوں تک کا رویہ نامناسب رہا، اور ان کے

ذمہ دار لیڈروں کے بیانات نہایت غیر محتاط، بلکہ اشتعال انگیز ہیں،

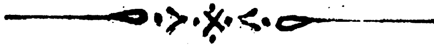
اس قسم کے فتنہ و فساد کا مجرم کسی خاص جماعت کو قرار دینا صحیح نہیں ہے، ورنہ یوں تو ہر جماعت دوسری کو ملزم بنا سکتی ہے، اور اس کے دلائل بھی رکھتی ہے، درحقیقت یہ ہنگامے ہر جماعت کے فتنہ پرست عنصر کی مشترک شر انگیزی کا نتیجہ، اور سب کے نزدیک یکسان قابل ملامت ہیں، اس کا الزام تنہا کسی ایک جماعت کے سر منڈھ کر اس کی تشہیر کرنا عوام کو انتقام کے لئے ابھارنا ہے جس کے نتائج بہار میں ظاہر ہو رہے ہیں، معلوم نہیں ان کی ذمہ داری کس کے سر ہو گی ؟

ہندو مسلمان دونوں کو اس کا یقین رکھنا چاہیے کہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے کو مٹا نہیں سکتا، نہ اکثریت اقلیت کو پامال کر سکتی ہے، اور نہ اُسے نظر انداز کرکے تنہا ملک کی کوئی مفید خدمت انجام دے سکتی ہے، اور نہ اقلیت محض مخالفت اور مزاحمت سے اکثریت کو نقصان یا اپنی قوم کو حقیقی فائدہ پہنچا سکتی ہے، اور نہ مزاحمت کی پالیسی ہمیشہ چل سکتی ہے، دونوں کو اسی سرزمین میں رہنا ہے، دونوں کے بہت سے سیاسی و ملکی مفاد مشترک ہیں، اس لئے تحفظ حقوق کی پوری ضمانت کے ساتھ باہم اتحاد اور اشتراک عمل ضروری ہے،

ایسی دو قومیں جن کا چولی دامن کا ساتھ ہو، ہمیشہ برسر پیکار نہیں رہ سکتیں، اگر ابھی وہ ملک کی بھلائی کے لئے کشادہ دلی سے متحد نہیں ہوتیں، تو ایک نہ ایک دن جنگ و جدال سے تھک کر خونریزی و بدامنی اور جانی و مالی نقصان سے گھبرا کر ملنے پر مجبور ہوں گی، اس لئے جو صورت بعد از خرابی بسیار ہونے والی ہو، اس کو پہلے ہی زیادہ خوشنما طریقہ سے کیوں نہ اختیار کر لیا جائے، اس وقت ایسا موقع آگیا ہے کہ اگر دونوں جماعتوں کے لیڈر ہوشمندی سے کام لیں تو موجودہ صورت حال بدل سکتی ہے، اسی پر دونوں کی فلاح منحصر ہے،

ہیرلڈ ٹربیون نیویارک کے ایک نامہ نگار ایلن ریمانڈ جنھوں نے حال ہی میں ٹرکی کا سفر کیا تھا وہاں کے حالات پر اخبار مذکور میں ایک مضمون لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹرکی میں بڑا مذہبی انقلاب رونما ہو اور گذشتہ لامذہبیت اور بے دینی کی جگہ ہر طبقہ میں ایک عام مذہبی رجحان پیدا ہو گیا ہے مارشل چقماق جو جدید ٹرکی

کی ایک نمایان و ممتاز شخصیت ہین، راسخ العقیدہ مسلمان ہین، دیہات سے لیکر شہرون تک کی مسجدین ہر طبقہ کے نمازیون سے بھری رہتی ہین، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ ٹرکی کا پرانا مذہبی دور لوٹ آیا ہے،



غنیمت ہی کہ چند ہی برسون کے تجربہ کے بعد ترکون کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا، اوران کو معلوم ہوگیا کہ ان کی فلاح نہ قدیم تورانیت کی جانب رجعت قہقری مین ہے، اور نہ مغربیت کی اندھی تقلید مین، کوئی متمدن قوم اپنے دور وحشت پر فخر نہین کرسکتی، اور نہ اس کے احیار سے اس زمانہ مین کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے، مغرب پرستی کا بھی پورا تجربہ ہوچکا کہ اس سے نہ وہ مغربی اقوام مین شامل ہوسکتے ہین، اور نہ اُن کی نگاہ مین ان کی وقعت بڑھ سکتی ہے، اور جب بھی کوئی موقع آئے گا، تو اُن کے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو مشرقی قومون کے ساتھ ہوتا چلاآیا ہے، اگر کوئی مغربی قوم کسی موقع پر ان کی حمایت بھی کرے گی، تو ان کی ہواخواہی مین نہین، بلکہ اپنے مفاد کے لئے، اور جب مفاد بدل جائے گا، تو اس کا رُخ بھی بدل جائے گا، جو قومین اپنی ہمجنس کمزور قومون کے ساتھ انصاف نہین کرسکتین، ان سے دوسرون کو کیا توقع ہوسکتی ہے، اس لئے ترکون کی دنیاوی فلاح بھی اسلام ہی سے وابستہ ہے، اس سے وہ دنیا کی ایک عظیم الشان قوم کی برادری مین شامل ہون گے، اور ساری دنیاے اسلام کی ہمدردی ان کے ساتھ ہوگی، جو بے اثر چیز نہین،



جدید تحریکون کے اثر سے ہندوستان کے نوجوان تعلیم یافتہ مسلمان بھی جغرافی قومیت و وطنیت سوشلزم، وکمیونزم وغیرہ کی طرف بھٹک رہے تھے، خوشی کا مقام ہے کہ اب وہ اسلامی قومیت کی طرف پلٹ رہے ہین، اوران مین مذہبی رجحان، مذہبی معلومات کے حصول کا شوق اور اپنی قومی روایات کے تحفظ کا جذبہ پیدا ہوگیا ہے، اور اب وہ اپنے مسلمان کہلانے پر شرم نہین بلکہ فخر کرتے ہین، گو ابھی ان کی مذہبیت زیادہ تر سیاسی رنگ کی ہے، لیکن اگران کی صحیح رہنمائی کی جائے تو وہ اس راہ سے خالص مذہب کی طرف آسکتے ہین،



مقالات

سیرۃ نبویؐ جلد ہفتم کا ایک باب

حاکم حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے؟

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ (سورۂ یوسف) حکم کسی کا نہین مگر اللہ کا،

آیت بالا مین ارشاد خداوندی ہے کہ حکم کسی کا نہین مگر اللہ تعالیٰ کا ہے، اس لئے اسلام مین حاکم حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے، لیکن احکام الٰہی کی دو قسمین ہین، ایک تشریعی یعنی وہ احکام جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے شریعت بن کر نازل ہوتے ہین، اور دوسرے تکوینی یعنی وہ احکام جو فطری حیثیت سے مخلوقات عالم مین ودیعت رکھے گئے ہین، ان دونون قسمون کے لحاظ سے صرف اللہ تعالیٰ ہی حاکم ہے، اور اسی کا حکم جاری وساری ہے، دنیا مین ایسے بادشاہ گذرے ہین جنھون نے نمرود و فرعون بن کر دعوائے بادشاہی کیا، مگر ان کو بھی تکوینی احکام الٰہی کے آگے سرنگون ہو کر جان دینی پڑی، اور یہ شبہہ ان سلاطین عالم کو اس لئے پیش آتا ہے، کہ وہ اپنے تشریعی احکام اور فرامین کے آگے جب خدا کے بندون کو مطیع پاتے ہین، تو غرور سے تکوینی احکام کا آمر بھی اپنے کو جاننے لگتے ہین، اسلام نے شک و شبہہ کے اس رشتہ کو کاٹ ڈالا ہے، اس نے یہ قرار دیا ہے کہ سلاطین نہ تشریعی اختیار رکھتے ہین، اور نہ تکوینی، زمین سے آسمان تک ساری بادشاہی اسی کی ہے، اور امر تکوینی ہو یا تشریعی، اوس مین اسی کا فیصلہ فیصلہ ہے، اس معنی کی قرآن پاک کی کئی آیتین ہین،

ان الحکم الا للہ (یوسف)	حکم نہین مگر اللہ کا،
الا لہ الحکم وھو اسرع الحاسبین	ہان اُسی کے لئے حکم کرنا ہے، اور حساب
(انعام۔ ۸)	کرنے والون مین وہ سب سے تیز ہے،
لہ الحکم والیہ ترجعون،	اوسی کا حکم کرنا ہے اور اوسی کی طرف
(قصص)	لوٹائے جاؤگے

امر تکوینی و فطری مین تو انسان کی ناچاری و مجبوری ظاہر ہے کہ وہ زمین آسمان اور خاک و باد و آب و آتش اور جسم و جان مین ایک ذرہ کی کمی بیشی بھی نہین کرسکتا، نہ اشیاء کے خواص کو بدل سکتا ہے، نہ اس کی صفات مین تغیر کرسکتا ہے اور نہ اس کے قواعد و قوانین مین ایک ذرہ کی کمی و اضافہ کرسکتا ہے، ان احکام کے آگے سب ہی سرافگندہ اور ناچار ہین، حضرت ابراہیمؑ کے عہد مین ایک بادشاہ نے جب خدائی کا دعویٰ کیا، تو آپ نے اس کو اسی دلیل سے خاموش کردیا، فرمایا:۔

فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق	تو اللہ سورج کو پورب سے نکالتا ہے
فات بھا من المغرب فبھت	تو تو اس کو پچھم سے نکال، تو وہ کافر
الذی کفر (بقرہ۔ ۳۴)	لاجواب ہوگیا،

حکومت و سلطنت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، دنیا مین بھی جو لوگ حاکم کہلاتے ہین، وہ حقیقت مین اللہ تعالیٰ کی عطا اور بخشش سے ہوتے ہین،

اللھم مالک الملک توتی الملک	اے اللہ سلطنت کے مالک تو جس کو چاہے
من تشاء،	سلطنت دے،

اس لئے ان مین راہ صواب پر وہی ہین، جو اپنے کو اللہ تعالیٰ کے احکام تکوینی کی طرح اس کے احکام تشریعی کے بھی تابع سمجھتے ہین، اور جو یہ سمجھتے ہین، کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے حکومت اسی لئے دی ہے کہ

وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو دنیا مین رائج اور شائع اور اس کی شریعت کے مطابق احکام کو جاری کرین،

اس عقیدہ کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ یہ مانا جاتا ہے کہ احکام کے اجرا اور قوانین کے وضع کا اصلی حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت مین احکام اور قوانین مین جو کلیات اور قواعد بیان فرما دیئے ہین، اُن کے تتبع سے اہلِ علم اور مجتہدین دین نئے نئے احکام جزئیہ مستنبط کرسکتے ہین، ان احکام الٰہی کی نسبت اس حیثیت سے کہ ان مین عقلی مصلحتین ہون اور طبعی نفع وضرر پر مشتمل ہون بے شبہ اہلِ عقل اپنی عقل وفہم سے فیصلہ کرسکتے ہین لیکن شریعت مین احکام کا مدار صرف اسی حیثیت پر نہین ہے، بلکہ اس سے اہم حیثیت یہ ہے کہ ان مین سے کس بات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا یا عدم رضا شامل ہے، یا یون کہئے کہ کس فعل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب یا عقاب مترتب ہوتا ہے، اس کا حال صرف اللہ تعالیٰ کے ارشاد اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیان ہی سے معلوم ہوسکتا ہے، اہلِ عقل اپنی ناقص عقل سے جو کچھ کہتے ہین، اگر وہ حکم الٰہی کے مطابق نہین ہے، تو گو اس مین کچھ ظاہری مصلحتین ہون، مگر حقیقی مصلحتون کے جاننے کے لئے امر غائب اور مستقبل کا صحیح علم ہونا ضروری ہے، اور یہ انسان کے بس سے باہر کی بات ہے، اس لئے حقیقی مصلحتین اسی حکم مین ہین، جس کو خدائے عالم الغیب نے نازل فرمایا،

ان تمام مذکورۂ بالا امور کے لحاظ سے اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ قانون کا حاکم اور امر و نہی کا واضع صرف اللہ تعالیٰ ہے، قرآن پاک اور احادیثِ صحیحہ مین اس حقیقت کو مختلف پیرایون مین ادا کیا گیا ہے، عام طور سے فقہا نے اس پر ان دو آیتون سے استدلال کیا ہے،

۱- اِنِ الحکمُ اِلّا لِلّٰہ (انعام و یوسف)	حکم صرف اللہ کے لئے ہے،

۲- اَلَا لَہُ الخلقُ والامرُ،	ہان اسی اللہ کے لئے ہے، پیدا کرنا اور حکم دینا،	(اعراف)

یہ دونون آیتین جن موقعون پر وارد ہین، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم اور امر تکوینیات اور حوادث عالم سے متعلق ہے، پہلی آیت دو جگہ ہے، سورۂ انعام اور سورۂ یوسف مین، سورۂ انعام کا موقع یہ ہے کہ کفار نبی کی صداقت کے ثبوت مین عذاب کا جلد مشاہدہ چاہتے ہین، اس کے جواب مین ہے،

مَاعِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِہٖ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ یَقُصُّ الْحَقَّ وَھُوَ خَیْرُ الْفَاصِلِیْنَ (انعام - ۷)	جس چیز کا تم تقاضا کر رہے ہو، وہ میرے پاس نہین، حکم کسی کا نہین، بجز اللہ تعالیٰ کے، اللہ تعالیٰ واقعی بات بتا دیتا ہے اور وہی سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے،

دوسری جگہ سورۂ یوسف مین اس موقع پر ہے، جب حضرت یعقوب بیٹون کو ہدایت کرتے ہین کہ مصر مین مختلف دروازون سے داخل ہو تاکہ کسی آفت مین نہ پھنسو، پھر فرماتے ہین اکہ یہ تو انسانی تدبیر ہے، مگر ہوگا وہی جو اللہ چاہتا ہے،

وَمَآ اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَعَلَیْہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ (یوسف - ۸)	اور خدا کے حکم کو مین تم سے نہین ٹال سکتا، حکم تو بس اللہ ہی کا چلتا ہے، (باوجود اس تدبیر ظاہری کے دل سے) اس پر بھروسہ رکھتا ہون اور اسی پر بھروسہ رکھنے والون کو بھروسہ رکھنا چاہئے،

دوسری آیت کا موقع یہ ہے :-

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّھَارَ	بے شک تمھارا رب اللہ ہی ہے، جس نے سب آسمانون اور زمین کو چھ روز مین پیدا کیا، پھر عرش پر قائم ہوا، چھپا دیتا ہے

يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ، (اعراف - ۷)

شب سے دن کو ایسے طور پر کہ وہ شب اس دن کو جلدی سے آتی ہے، اور سورج اور چاند اور دوسرے تاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اسی کے حکم کے تابع ہیں، یاد رکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا بڑی خوبیوں کے ساتھ بھرے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ جو تمام عالم کے پروردگار ہیں

صاف ظاہر ہے کہ اس امر کا تعلق خلق وتکوین سے ہے، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ لفظ امر اور حکم کو لغوی وسعت کی بنا پر امور شرعی کو بھی کسی درجہ میں شامل ہوجائیں لیکن قرآن پاک اور احادیث میں جب دوسرے تصریحی دلائل اس دعویٰ پر موجود ہیں، تو اس تصریح کو چھوڑ کر صرف اجمالی دلیل پر قناعت کیوں کی جائے،

عبادت کے معنی صرف کسی کو معبود بنا کر پکارنے ہی کے نہیں ہیں، بلکہ اگر کسی کو زبان سے معبود نہ بھی کہا جائے، اور اس کی ظاہری پرستش نہ بھی کی جائے لیکن اس کے احکام کی مثل خدا کے حکم کی مستقلاً اطاعت کی جائے، تو یہ بھی عبادت ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے ادا ہوتا ہے،

لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ (مریم) شیطان کی عبادت نہ کرو،

دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے :-

أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ، (یٰسین) یہ کہ شیطان کی عبادت نہ کرو،

ظاہر ہے شیطان کی عبادت کوئی نہیں کرتا، لیکن جو شیطان کی باتوں پر عمل کرتا، اور اس کے

حکومت کو مانتا ہے، وہی شیطان کی عبادت کرتا ہے، اس لئے حکم الٰہی ہے،

وَقَضٰی رَبُّكَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ	اور تیرے پروردگار کا یہ فیصلہ ہو چکا کہ اللہ
اللّٰہ، (اسرائیل ۳)	کے سوا کی عبادت نہ کرو،

سورۂ کہف مین ہے :۔

وَلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا (۴)	اور نہ اللہ کسی کو اپنے حکم مین شریک کرتا ہے،

سورہ کے آخر مین ہے،

وَلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ	اور اپنے رب کی عبادت مین کسی کو شریک
اَحَدًا (کہف ۔ ۱۲)	نہ کرے،

یہ عبادت ہر قسم کی اطاعت کو شامل ہے، قرآن پاک نے دوسرے موقع پر تصریح کی ہے کہ شرک صرف یہی نہین ہے کہ ایک خدا کو دو خدا کہا جائے، بلکہ یہ بھی ہے کہ خدا کی اطاعت بلا واسطہ مین کسی اور کو شریک ٹھہرایا جائے، سورۂ انعام مین حلال اور حرام کھانے کی تفصیل کے بعد ارشاد ہے کہ

وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓـِٕهِمْ	اور بے شبہہ شیطان اپنے دوستون کو سکھاتے
لِیُجَادِلُوْكُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ	ہین کہ تم سے جھگڑا کرین، اور اگر تم ان کی
اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ،	اطاعت کرلو، (ان کی بات مان لو) تو
(انعام ۔ ۱۴)	یقیناً تم مشرک ہو جاؤ،

اوپر کی آیتون سے واضح ہوا کہ اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، یہان سوال پیدا ہوگا، تو پھر اسلام مین انبیاء اور ائمہ زمانہ اور خلفاء کی اطاعت کا حکم کیونکر صحیح ہو سکتا ہے، جواب یہ ہے کہ بے شبہہ اسلام مین اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، اور دوسرون کی اطاعت احکام الٰہی کی تبلیغ اور احکام الٰہی کے اجراء و تنفیذ مین حکم الٰہی کے تحت مین ہے، ارشاد الٰہی ہے،

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ	اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اور
وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ،	اولی الامر کی اطاعت کرو،

اولوالامر کی اطاعت خواہ اس سے مراد علماء ہون یا حکام، خدا کے احکام کے تحت اسی کے احکام کی تنفیذ اور اجراء مین ہے، اور رسول کی اطاعت بھی احکام الٰہی کی تسلیم اور تنفیذ ہی کی خاطر ہے، جیسا کہ ارشاد ہے :-

وَمَنْ یُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ	اور جو رسول کی اطاعت کرتا ہے، اوس نے
اللّٰہَ، (نساء - ۸)	اللہ کی اطاعت کی،

اس سے پہلے اسی سورہ مین ہے،

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا	اور ہم نے کسی رسول کو نہین بھیجا، لیکن اس لئے
لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ،	کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کیجائے

یہود اور نصاریٰ نے احکام الٰہی کو چھوڑ کر اپنے راہبون اور کاہنون اور پوپون کی اطاعت کو دین بنا رکھا تھا، اور ان کا حکم، حکم خدا سے ماخوذ و مستنبط نہین بلکہ مستقل حکم کے طور پر بجا لایا جاتا تھا، اس بنے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک مین اُن کو شرک کا ملزم قرار دیا ہے، اور ان سے جزیہ یا قتال کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد ہی

قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ	اہل کتاب مین سے اُن سے لڑو جو اللہ
وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ	اور قیامت پر ایمان نہین رکھتے، اور نہ
مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَ	جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام
لَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ	کیا، اس کو حرام مانتے ہین، اور نہ
اُوْتُوا الْکِتَابَ (توبہ - ۴)	دین حق کی اطاعت کرتے ہین،

ان آیات مین اہل کتاب پر ایمان نہ رکھنے کا جو الزام قائم کیا گیا ہے، وہ اسی لحاظ سے ہے کہ

وہ صرف حکم الٰہی کے پابند نہیں ہیں، بلکہ یہ مرتبہ انھون نے خدا کے بندون کو بھی دے رکھا ہے، چنانچہ اس کے بعد اس کی تصریح ہے،

اتَّخَذُوٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ	اونھون نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالمون اور
اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ	راہبون کو رب بنا رکھا ہے، اور مریم کے
مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا	بیٹے مسیح کو حالانکہ اُن کو صرف یہ کہا
اِلٰهًا وَّاحِدًا	گیا ہے، کہ ایک ہی معبود برحق کی
(توبہ - ۵)	عبادت کرین،

عالمون اور راہبون کو رب بنانا اسی بنا پر ہے کہ وہ اُن کے حکمون کو بھی مستقلاً خدا کا حکم تسلیم کرتے تھے کیونکہ ان کو یہ دعویٰ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو غیبی طور سے اپنے حکمون سے اور معاملات کے فیصلون سے مطلع فرماتا ہے، اسلام نے اُن کو دوسری سورہ مین اس شرک سے باز رہنے کی دعوت دی،

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ	اے کتاب والو! آؤ ایک بات کی طرف
سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا	جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکسان
نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ	مانی ہوئی ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی
شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا	اور کی عبادت نہ کرین اور نہ اس کے ساتھ
اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ،	کسی کو شریک بنائین، اور نہ خدا کو چھوڑ کر
(آل عمران - ۷)	ہم مین ایک دوسرے کو رب بنائین،

یہ رب بنانا اطاعت ہی کی بنا پر ہے، ترمذی اور مسند احمد مین ہے کہ جب عدی بن حاتم جو ایک عیسائی عرب امیر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوئے، اور آپ نے اُن کے سامنے سورہ توبہ والی آیت مذکور پڑھی، تو عدی نے کہا " وہ اُن کو معبود نہین مانتے " فرمایا کیون نہین، انھون نے

ان کے احکام کو ماننا یہی ان کو معبود بنانا ہے، الفاظ یہ ہیں، فذالک عبادتھم ایاھم[1]، ترمذی کی روایت میں ہے، کہ آپ نے فرمایا، کہ ہاں وہ اُن کی عبادت نہیں کرتے تھے، لیکن جب وہ کسی چیز کو حلال کہتے تھے، تو یہ حلال مان لیتے، اور جب حرام کرتے ہیں تو حرام سمجھ لیتے ہیں[2]،

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی شے کو حلال یا حرام ٹھہرانا کسی انسان کا کام نہیں، بلکہ خدا کا ہی، اور اسی کا نام وضع حکم ہے، اس تحلیل اور تحریم میں کسی کو شریک ٹھہرانا عین شرک ہے، اسی طرح خدا کے علاوہ یا خدا کے حکم کے ساتھ بلا وساطت حکم خداوندی بالاستقلال کسی دوسرے کے حکم کی اطاعت بھی شرک ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے عرب اور یہود منافقین کو جو قانونِ الٰہی کی سختی سے بچنے کے لئے یا عدمِ ایمان کے سبب سے اپنے مقدمات یہود یوں کی رواجی عدالت یا عرب کاہنوں کے پاس لیجاتے تھے، زجر و توبیخ فرمایا، اور اُن کے اس فعل کو کھلا نفاق اور شرک فرمایا، چنانچہ بعض اصولی احکام عدل و انصاف اور طریق اطاعتِ احکام کے ذکر کے بعد ارشاد ہے :-

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ	کیا تو نے ان کو نہیں دیکھا، جو گمان کرتے
آمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ	ہیں کہ وہ اُس پر جو تیری طرف اُتارا گیا
مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْا	اور جو تجھ سے پہلے اُتارا گیا ایمان لا چکے ہیں،
اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ	وہ چاہتے ہیں کہ طاغوت کو اپنا حاکم بنائیں،
يَّكْفُرُوْا بِهٖ،	حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے، کہ وہ اُس
(نساء - ۹)	کو نہ مانیں،

طاغوت لغت میں ہر اُس شے کو کہتے ہیں کہ جس کو خدائے تعالیٰ کو چھوڑ کر معبود بنایا جائے، یعنی معبود من دُوْنِ اللہ، اور اہلِ تفسیر نے شانِ نزول کا لحاظ کر کے کبھی اوس سے کاہنوں اور جادوگروں کو

---

[1] تفسیر ابن کثیر [2] ترمذی تفسیر آیت توبہ،

اور کبھی یہودی حاکموں کو مراد لیا ہے، اس لئے اس کا مشترک مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جس کے احکام کو قانون کا درجہ دیکر اطاعت کی جائے، اور اس کے مطابق فیصلہ چاہا جائے، وہ طاغوت ہے، قرآن مجید میں یہ لفظ سات جگہوں پر آیا ہے، اور ہر جگہ اس سے مراد حاکم باطل اور معبود باطل لیا گیا ہے،

قوانین الٰہی کو چھوڑ کر کسی اور قانون کے مطابق فیصلہ کرنا اور فیصلہ چاہنا فسق ہے، اور اس کا مرتکب فاسق کہلائے گا،

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ	اور جو اللہ نے جو اتارا ہے اس کے رو سے جو
فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ (مائدہ)	فیصلہ نہیں کرتے، وہی فاسق ہیں،

اللہ تعالیٰ نے ان احکام کا دوسرا نام حدود ارشاد فرمایا ہے، حدود وہ نشانات ہیں، جہاں تک آگے بڑھنے کی انسان کو اجازت ہے، اور جس سے تل بھر آگے بڑھنے کی جرأت گناہ اور عصیان ہے اور یہ حدود اللہ تعالیٰ ہی کے بتائے ہوئے اور قائم کئے ہوئے ہیں، قرآن پاک میں سورہ بقرہ اور نساء اور طلاق میں احکام الٰہی کے بیان کے بعد ارشاد ہے،

تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ	یہ اللہ کی بنائی ہوئی حدیں ہیں،
تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ وَمَنْ یَّتَعَدَّ	یہ اللہ کی بنائی ہوئی حدیں ہیں، جو ان
حُدُوْدَ اللّٰہِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ	حدود سے آگے بڑھے گا وہ اپنے آپ
(طلاق)	پر ظلم کرے گا،

سورۂ نساء میں وصیت کے قواعد کی تفصیل بتاکر آخر میں ارشاد ہوتا ہے :-

تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ	یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں، اور جو اللہ اور
وَرَسُوْلَہٗ یُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ	اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اللہ
مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا	اس کو جنت میں داخل کرے گا، جن کے

وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ (نساء - ۲)

نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریگا، اور اللہ کی حدود سے آگے بڑھیگا اس کو وہ دوزخ میں ڈالیگا، جس میں ہمیشہ رہیگا اور اس کے لئے ذلت کی مار ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان حدود پر عمل اللہ و رسول کی اطاعت اور اس کی جزا جنّت کی نعمت ہے اور اُن سے انحراف اللہ و رسول کی نافرمانی اور اس کا نتیجہ دوزخ کی سزا اور ذلت کی مار ہے، اور رسول کی اطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے،

قانون و شرع کی حقیقت تحلیل و تحریم ہی ہے، اور یہ حق صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے انسان اگر اپنی طرف سے کسی قانون کو وضع کرے، اور بلا سند الٰہی کسی شے کو حلال یا حرام کرے تو اس کا نام "افترا علی اللہ" خدا پر جھوٹ تہمت باندھنا ہے، ارشاد ہوا:-

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلَالٌ وَهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (نحل - ع ۱۵)

اور جن چیزوں کو تم اپنی زبان سے (حلال و حرام) بتاتے ہو اُن کی نسبت یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے، اور یہ حرام تاکہ تم اللہ پر جھوٹ تہمت لگاؤ، یہ (دنیا میں) چند روزہ فائدہ ہے، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے،

اس آیت پاک میں نہ صرف یہ کہ اس حلال و حرام کی شریعت کو اپنے لئے مخصوص فرمایا، بلکہ یہ بھی پیشین گوئی فرمادی کہ جو لوگ شریعت الٰہی کو چھوڑ کر خود اپنی شریعت بنائیں گے، گو ان کو تھوڑے دن کا فائدہ حاصل ہو جائے، مگر وہ اُن کے لئے عذاب ہی ثابت ہوگا، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو شریعت الٰہی کے مظہر تھے، اور بندوں کو احکام الٰہی سے آگاہ فرماتے تھے، اور اس حیثیت سے آپ کا ہر حکم، حکم الٰہی ہے لیکن حکم الٰہی کے بغیر ایک مرتبہ ایک چیز کو اپنے لئے آپ نے حرام قرار دیا، تو عتاب الٰہی آیا،

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ — اے پیغمبر! تو کیوں اوس کو حرام کرتا ہے

اللهُ لَكَ، (تحریم) — جس کو اللہ نے تیرے لئے حلال کیا،

اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ استحقاق بالاستقلال نبی کو بھی حاصل نہین، حالانکہ ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی مباح چیز کا استعمال اپنی کسی ذاتی مصلحت کی بنا پر ترک کر دے، مگر جب رسول نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس حق کے استعمال سے آپ کو منع فرما دیا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اس سے دو نقصان تھے، ایک یہ کہ نبی کا ہر شرعی فعل جو اس کے لئے مخصوص نہ ہو، اُمت کے لئے تحت حکم الٰہی شرع کا حکم رکھتا ہے، اس قاعدہ کی بنا پر آپ کے اس ترک سے اُمت اپنے لئے بھی ایک حلال چیز کو حرام سمجھ لیتی، دوسرے یہ ثابت ہوتا کہ نبی کو بغیر اذن الٰہی کے بھی حق تشریع ہے جو صحیح نہ ہوتا، اسی لئے نبی کی تشریعی حیثیت یہی ہے کہ وہ شریعت الٰہی کا مبلغ اور قانون ربانی کا شارح اور مظہر ہے، قرآن پاک کی اس آیت مین ہے،

وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللهُ وَرَسُولُهُ — اور یہود و نصاریٰ اسے حرام نہین کرتے

(توبہ - ۴) — جس کو اللہ اور اُس کے رسول نے حرام کیا ہے،

اس آیت مین رسول کی طرف جو تحریم کی نسبت ہے وہ اس حیثیت سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مبلغ تھے جن کی اطاعت عین اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، جس طرح احکام مین اولو الامر کی اطاعت عین رسول کی اطاعت ہے کیونکہ وہ رسول ہی کے لائے ہوئے احکام کو پیش کرتے ہین،

اسلامی علوم کی تدوین کے زمانہ مین یہ مسئلہ کہ حاکم شرع اللہ تعالیٰ ہے، اصول کا مسئلہ بن گیا ہے، چنانچہ علم عقائد اور اصول فقہ کی کتابون مین اس مسئلہ پر بحثین موجود ہین،

علم اصولِ فقہ مین یہ مسئلہ اس حیثیت سے زیر بحث آیا ہے، کہ واضع قانون صرف اللہ تعالیٰ ہے، اور اسی کے امر و نہی سے بندون نے فرض و واجب اور حرام و حلال کو جانا،

علامہ آمدی المتوفی ۶۳۱ھ اپنی کتاب الاحکام فی اصول الاحکام مین لکھتے ہین،

اعلموا انہ لا حاکم سوی اللہ تعالیٰ ولا حکم الا ما حکم بہ ویتفرع علیہ ان العقل لا یحسن ولا یقبح، ولا یوجب شکر المنعم وانہ لا حکم قبل ورود الشرع (ص ۱۱۳، مصر)	جاننا چاہئے کہ حکم دینے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہین، اور حکم وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے، اور اسی اصل پر یہ مسئلہ متفرع ہے، کہ عقل نہ کسی کو اچھا کہتی ہے اور نہ برا، اور یہ کہ محسن کا شکر عقلاً نہین ہے، اور یہ شرع کے ورود سے پہلے کوئی حکم نہین

مقصود یہ ہے کہ احکام شریعت اور قانونِ شرعی کا واضع صرف اللہ تعالیٰ ہے، اسی کا حکم حکم ہے، اور اسی کا قانون قانون ہے، اس بنا پر شرع کے نزول سے پہلے تنہا عقل کے رو سے کوئی حکم فرض، واجب، سنت، مستحب یا حرام، ناجائز، مکروہ کی صورت مین جس کے فاعل پر ثواب یا عقاب کا حکم عائد کیا جا سکے نہین ہو سکتا، اور نہ عقل اپنی تنہا کوشش سے کسی بات کو بہ اعتبار ثواب یا عذاب کے اچھا یا برا کہہ سکتی ہے،

علامہ ابن ہمام حنفی المتوفی ۸۶۱ھ تحریر مین لکھتے ہین،

الحاکم لاخلاف فی انہ رب العٰلمین، (ص ۲۹۵)	اس مین اختلاف نہین کہ حکم کا واضع پروردگار عالم ہے،

قاضی بیضاوی المتوفی ۶۱۵ھ کی منہاج الاصول کی شرح مین علامہ اسنوی واضح کرتے ہین،

حسن و قبح اور شے کے اچھے یا برے ہونے کے ایک معنی یہ ہین، کہ اس شے کو فطرت پسند کرتی ہے

یا اوس سے نفرت رکھتی ہے، جیسے ڈوبتوں کو پانی سے باہر نکالنا، اچھی بات ہے، اور کسی کا مال ظلم سے لے لینا بُرا ہے، اس کے دوسرے معنی یہ ہین، کہ ایک کمال کی صفت ہے، اور دوسری نقص کی، جیسے علم اچھا ہے، اور جہل بُرا ہے، ان دونون معنون کے لحاظ سے ان کے اچھے یا بُرے ہونے کا عقل کے رو سے فیصلہ کرتے ہین، اس میں اختلاف نہین ہو اختلاف اس میں ہے کہ کسی فعل پر ثواب اور کسی پر عذاب کے ترتب کا فیصلہ صرف شریعت سے معلوم ہو سکتا ہے، اشاعرہ (اور عام اہلِ سنت) کے نزدیک حُسن و قبح کے یہ دونون فیصلے صرف شرع پر موقوف ہین، اور معتزلہ کہتے ہین، کہ عقل اس کا فیصلہ کر سکتی ہے، اور اس فیصلہ کے لئے حکم الٰہی کے ورود کا انتظار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر بندون کے مصالح اور مفاسد کی مراعات (لحاظ کرنا) واجب ہے، شریعت کے نزول سے عقل کا فیصلہ مضبوط اور مستحکم ہو جاتا ہے، (صفحہ ۹ بر حاشیہ تحریر ابن ہمام)

معتزلہ نے حقیقت مین الٹی بات کہی ہے، ہے یہ کہ شریعت کے فیصلہ سے حکم کی معرفت ہوتی ہے، اور عقل سے اس کی مصلحت قیاس و تجربہ کی بنا پر اہل عقل کے نزدیک مضبوط اور مستحکم ہو جاتی ہے، اور یہی اہلِ سنت مین سے متاخرین ماتریدیہ (حنفیہ) کا مسلکِ حق ہے، مولانا محب اللہ بہاری المتوفی ۱۱۱۹ھ مسلم الثبوت مین کہتے ہین،

"حکم صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، اس مین کوئی اختلاف نہین کہ کمال و نقص اور دنیاوی غرض و مصلحت کے موافق یا مخالف ہونے کا فیصلہ عقل سے ہوتا ہے، اختلاف اس مین ہے، کہ کسی فعل کے کرنے والے کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مدح یا مذمت کا مستحق ہونا عقل کے رو سے سمجھا جا سکتا ہے یا صرف شرع سے تو اشاعرہ کے نزدیک وہ صرف شرع سے معلوم ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اچھا فرمایا، وہ اچھا ہے، اور جس کو بُرا فرمایا وہ بُرا ہے، اور اگر

اللہ تعالیٰ اس کے خلاف فرماتا تو وہی اچھا یا برا ہوتا، اور ہمارے (یعنی ماتریدیہ) اور معتزلہ کے نزدیک وہ عقل سے معلوم ہو سکتا ہے، لیکن ماتریدیہ اور معتزلہ مین فرق یہ ہے کہ معتزلہ اور امامیہ اور کرامیہ وغیرہ یہ کہتے ہین، کہ جس پہلو کو عقل ترجیح دے، اوسی کے مطابق حکم دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے، اور ہمارے نزدیک یہ ہے کہ جس پہلو کو عقل ترجیح دے، وہ پہلو اس بات کا مستحق ہے، کہ اللہ حکیم و دانا کا حکم ہے، لیکن جب تک اللہ تعالیٰ حکم نہ دے تو کوئی حکم محض عقل سے نہین ہو سکتا"

(المقالۃ الثانیہ فی الاحکام)

بعض اہل اصول نے معتزلہ کی طرف جو یہ نسبت کی ہے، کہ وہ حاکم قانون عقل کو سمجھتے ہین، مولانا بحر العلوم نے شرح مسلّم الثبوت مین اس مسئلہ کی شرح مین اس کی تردید کی ہے، فرماتے ہین،

"اس مسئلہ پر کہ حکم صرف اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، تمام اُمت کا اجماع ہے، اور ہمارے مشائخ کی بعض کتابون مین جو یہ لکھا ہے، کہ یہ ہمارے نزدیک ہے، اور معتزلہ کے نزدیک واضع قانون و حاکم عقل ہے، یہ غلط ہے کیونکہ ایسا کہنے کی جرأت کسی ایسے شخص کو نہین ہو سکتی جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہو، بلکہ معتزلہ یہ کہتے ہین، کہ عقل بعض احکامِ الٰہی کو جان سکتی ہے، چاہے شرع مین وارد ہو، یا نہو اور یہی ہمارے اکابر مشائخ کے نزدیک بھی ثابت ہے"

قاضی شوکانی المتوفی ۱۲۲۵ھ کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اشاعرہ اور معتزلہ کے اختلاف اور اتفاق کے موقع مین حسب ذیل فرق ہے،

"اس مین کسی کا اختلاف نہین کہ نبی کی بعثت اور اس کی دعوت کے پہنچنے کے بعد حاکم قانون صرف شرع ہے، اختلاف اس زمانہ اور حالت سے متعلق ہے جب

نبی کی بعثت نہ ہو، یا اس کی دعوت کسی تک نہ پہنچی ہو، تو اشاعرہ کے نزدیک اس وقت کسی حکم کا کوئی مکلف نہیں ہے، نہ کفر حرام ہے اور نہ ایمان واجب ہے، اور معتزلہ کے نزدیک اس وقت بھی عقل کے رو سے جو حکم ہو اس کے ساتھ حکم الٰہی کا تعلق سمجھا جائے گا"

(ص ۷، ارشاد الفحول، مصر)

اب آخر میں ہم حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قول فیصل نقل کرتے ہیں جو ان تمام مباحث کا نچوڑ (خلاصہ) ہے،

"اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاکم نہیں، اوسی کے لئے ہے پیدا کرنا اور حکم دینا، اور عقل وغیرہ کسی مخلوق کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی حکم کو ثابت کرے، اللہ تعالیٰ نے وجوب یا استحباب کے ساتھ جس کا حکم دیا، وہ درحقیقت حسن (اچھا) ہے، عام اس سے کہ وہ لذاتہ حسن یا اپنے کسی وصف یا کسی متعلق کی بنا پر، اسی طرح جس سے منع فرمایا، وہ (قبیح) برا ہے تو ان کا حسن وقبح کے ساتھ اتصاف امر ونہی سے پہلے ہی عالم حقیقت میں ہو چکا تھا اور اسی کی رعایت کرکے اللہ تعالیٰ نے امر ونہی فرمایا ہے، عقل کبھی اُن کے حُسن وقبح کو معلوم کر لیتی ہے، تو اس موقع پر اس حسن وقبح کو عقلی کہہ دیتے ہیں، لیکن شرع کے ورود سے پہلے کوئی حکم نہ تھا، تو یہ مذکورہ بالا حسن وقبح بندون کے حق مین تمامتر اللہ تعالیٰ کی حکمت پر مبنی ہے، پس احکام بندون کے حق مین صرف شرع الٰہی پر مبنی ہین" (ص ۱۲)

حضرت مولانا شہیدؒ کا یہ رسالہ اصول فقہ درحقیقت اصول فقہ کی تہذیب[1] ہے اس فن

---

[1] تہذیب منطق مین ایک مختصر متین کا نام ہے، جس مین بڑے بڑے فیصلون کو جن پر مباحث کے دفتر ہین ایک ایک فقرہ مین ادا کر دیا گیا ہے،

سے کے بڑے بڑے مسئلوں کو ایک ایک دو فقروں مین طے فرما دیا ہے، اوپر کی عبارت مین مصنف نے جو کچھ لکھا ہے، اس کی تشریح یہ ہے، کہ قانون کا واضع درحقیقت اللہ تعالیٰ ہے یہ حق مخلوقات مین سے کسی کے لئے ثابت نہین ہے، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے امر اور نہی فرمایا ہے، وہ تمامتر حکمت اور بندون کی مصلحت پر مبنی ہے، عقل کبھی اس حکمت و مصلحت کو پالیتی ہے، تو اس کو عقلی بھی کہہ سکتے ہین، ورنہ عقلی کہنے کا یہ منشا نہین کہ عقل اوس قانون کی واضع اور آمر ہے،

اس تفصیل کی ضرورت اس لے پیش آئی تاکہ معلوم ہو جائے کہ ہمارے ماہرین قانون نے شروع سے اخیر تک اس اصول کو مان لیا ہے، کہ اسلام مین وضع قانون کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، وہی ایک حاکم آمر اور واضع شرع ہے،

اس موقع پر بعض صاحبون کو یہ شبہ پیش آئے گا کہ یہ قانونِ شرع تو کسی قدیم زمانہ مین ایک وقتِ خاص مین نازل ہوا، وہ زمانہ کی ہر ضرورت، اور نئے نئے حالات کے مناسب قیامت تک کے لئے کیونکر ہو سکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ایک ہی قانون کے اصول اور کلیات اور دوسرے ہین اوس کے فروع اور جزئیات، دنیا کے ہر قانون کے اصول و کلیات خواہ وہ عقلی و تجربی ہی ہون ہمیشہ یکسان رہتے ہین، ان مین تغیر و تبدل نہین ہوتا، تغیر تبدل اور تجدد یعنی نئی نئی صورتون کا پیش آنا، یہ واقعات اور حوادث مین ہوتا ہے، جو انہی کلیات کے اندر مندرج ہوتے ہین، جیسے فنِ طب جب بھی بنا ہو لیکن اس کے اصول و کلیات پرانے اور غیر متبدل ہین، اب جو بھی بیماریان ظاہر ہون، قدیم اصول کے تحت ان کا بیان طب کی کتابون مین موجود ہے، مثال کے لئے یون سمجھئے کہ قتل ناحق کی سزا قصاص اور دیت اور کفارہ وغیرہ شرع مین مقرر ہے، اب یہ صورتین کہ وہ قتل پہلے تیر اور تلوار سے ہوتا تھا، اور اب بندوق سے تپنچہ سے ڈیوالور سے توپ سے، گولہ سے اور مختلف نئے نئے اوزارون سے ہوا کرتا ہے لیکن یہ تغیر مسئلہ کی صورت مین فرق نہین پیدا کرتا، کسی کی سواری

سے کسی کو نقصان پہنچ جائے، تو اس کا اصولی جواب شرع مین موجود ہے، پہلے یہ سواری جانورون کی صورت مین محدود تھی، اور اب گاڑی، سائیکل، موٹر، ریل وغیرہ کی صورتون مین یہ حادثے پیش آئین تو اصول کلیہ مین کوئی فرق نہ ہوگا،

دوسرا شبہہ یہ پیش آسکتا ہے، کہ اگر یہ اصول صحیح ہے، تو ہر زمانہ کے مجتہد نئے حالات کا حکم جو اپنے اجتہاد سے بتاتے ہین، کیا وہ نیا حکم نہین ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مجتہد وہ ہین جو احکام کے اصول و فروع پر پوری نگاہ رکھتے ہین، اور آیات و احادیث سے احکام کے اصول کلی اور اُن کے علل و اسباب اور مصالح و مفاسد کو معلوم کرتے ہین، اور ان کے مطابق نئی پیش آنے والی جزئی صورتون کا فیصلہ کرتے ہین، اس بنا پر ان کا اجتہاد اور قیاس کسی نئے حکم کا واضع اور مخترع نہین بلکہ مظہر ہے یعنی وہ حکم کا اختراع نہین کرتے، بلکہ یہ ظاہر کرتے ہین، کہ مقررہ احکام الٰہی کے تحت مین اس نئی صورت کا یہ جواب ہے، اہل اصول کے اس مسئلہ کے کہ قیاس حکم کا صرف مظہر ہے، یہی معنی ہین کہ وہ بتاتا ہے کہ یہ نیا جزئیہ فلان اصول کلی کے ماتحت ہے، انہی اصولون کی بنا پر ہمارے فقہا نے فتاویٰ کا پورا دفتر مرتب کیا ہے جس کے مطابق ہر زمانہ مین ہر ضرورت کا جواب دیا جا سکتا ہے، اور جس پر دنیا کے مختلف حصون مین مسلمانون کی عظیم الشان حکومتین اور عدالتین قائم ہوئین اور اب بھی ہین،

ضمیمہ مسئلہ سود و قمار وغیرہ

الملقب بہ

دافع الضنک عن الانتفاع بالبینک

از مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی صدر شعبۂ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی

(۲)

اس کے بعد کاروبار بینک کے جواز کی ایک اور خوبصورت دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ یہ مسئلہ فضل کی فرع ہے، جس کی شرح یہ ہے کہ جب قرض لیا جائے اور پھر ادا کیا جائے تو اصل کے ساتھ کچھ زائد بھی ملا دیا جائے،[۱] یہی فضل کا اصول ترقی پاکر بینک کا قالب اختیار کر گیا ہے، اس پر یہ سوال پیدا ہوتا تھا، کہ پھر بادی کاروبار (انفرادی سود) کو بھی مسئلہ فضل کی فرع کیوں نہ کہا جائے؟ اس کا یہ فلسفیانہ جواب دیا گیا ہے، جس کو سُن کر افلاطون کی روح بھی تڑپ جائے گی، کہ

"شاید یہ ابتک ایک راز کی صورت مین چھپا رہا ہے (جو ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد صرف حضرت علامہ ہی کے فلسفی دماغ پر منکشف ہوا ہے) وہ یہ ہے، کہ ربوا ایک جبری زائد یہ ہونے

---

[۱] حدیث یا قرآن سے اس مسئلہ کو ثابت کرنا مستدل کا پہلا فرض ہے، یہ دعوی سے کہا جاتا ہو کہ قرض کے متعلق حدیث و قرآن مین یہ الفاظ ہرگز نہین، اور جو کچھ حدیث مین ہے اوس کی شرح میرے رسالہ کشف الدجی عن وجہ الربوٰا مین مذکور ہے، ضرورت ہوئی تو معارف مین بھی اعادہ کر دیا جائے گا، اگر علامہ مخاطب نے دوبارہ اس مبحث پر قلم اٹھایا، وقد اشرت الی تفسیرہ فی آخر ہذہ المقالۃ ایضاً نقلاً عن المبسوط والبدائع وغیرہما والعاقل تکفیہ الاشارۃ ۱۲،

کے علاوہ تاسیسی اور تعمیری شان سے محروم ہے، یعنی وہ مستقل نظام اعانت کی بنیاد نہیں رکھتا

اور تعمیر نہیں کرتا، اس کے برعکس اصول فضل علاوہ رضائی زائد یہ ہونے کے تعمیری و تاسیسی

شان کا بھی مالک ہے"

کوئی ہے جو اس رازدرونِ پردہ کی داد دے؟ ربا دی کاروبار اور بنک کے کاروبار میں پہلا فرق تو بتلایا گیا ہے کہ ربا دی کاروبار میں جو سود لیا جاتا ہے وہ جبری ہے اور بنک کے کاروبار میں جو سود لیا جاتا ہے وہ رضائی ہے یعنی وہاں جبراً زیادہ لیا جاتا ہے، یہاں خوشی سے لیا جاتا ہے، مہربانی فرما کر ذرا اس جبر و رضا کی شرح بھی فرما دیجئے، اگر یہ مطلب ہے کہ بنک جب کسی کو قرض دیتا ہے، تو اپنی طرف سے سود نہیں لگاتا نہ سود کی شرط کرتا ہے، یونہی بلا شرط قرض دیدیتا ہے، لینے والا اپنی خوشی سے کچھ زیادہ ادا کر دیتا ہے، تو یقیناً آپ بنک کے کاروبار سے قطعاً ناواقف ہیں، بنک جب بھی کسی کو قرض دے گا، سود کی شرط سے دیگا، اور اسی وقت سے قرض لینے والے کے نام پر سود لگنا شروع ہو جائے گا، اور قرض میں زائد کی شرط لگانا ہی شرعاً ربوا اور حرام ہے، اور اگر یہ مطلب ہے کہ ربا دی کاروبار میں اگر سود نہ ادا کیا گیا تو قرض دینے والا عدالت میں نالش کر دیتا ہے، اور قرض لینے والے کی جائداد قرق کرا لیتا ہے، سو جاننے والے جانتے ہیں، کہ بنک بھی ایسا ہی کرتا ہے، ہمارے سامنے ایسے زمینداروں کی نظائر موجود ہیں، جن کی لاکھوں کی جائداد بنک نے اپنے سودی قرض میں قرق کرا لی ہے، اور آج اُن کی اولاد نان شبینہ کی محتاج ہے، اگر یہ مراد ہے کہ ربا دی کاروبار میں ڈنڈے کے زور سے سود وصول کیا جاتا ہے اور بنک ایسا نہیں کرتا، تو یہ بھی مشاہدہ کے خلاف ہے، بنیا اور یہودی بڑی خوشامد اور چاپلوسی سے سود وصول کرتے ہیں، جب اس طرح کام نہیں چلتا، تو عدالت کے ذریعہ وصول کرتے ہیں البتہ سرحدی پٹھان ڈنڈے کے زور سے وصول کرتا ہے، مگر وہ اس کو سود ہی نہیں سمجھتا، اس کے نزدیک تو مولانا گیلانی کے فتوے کے مطابق اہلِ حرب سے جو کچھ بھی عقد ربا کے ذریعہ وصول کیا جائے ربا ہی نہیں

اوسی طرح ربا نہین جس طرح عبد و مولی کے درمیان ربا نہین جس کا جواب مفصل عرض کر چکا ہون"

دوسرا فرق یہ بتلایا گیا ہے، کہ "رباوی کاروبار تاسیسی اور تعمیری شان سے محروم ہے، بنیک کا کاروبار تعمیری و تاسیسی شان کا مالک ہے" مولانا کا فرض ہے کہ اس مقدمہ کو کسی دلیل شرعی سے ثابت کرین کہ اگر قرض مین زائد یہ کی شرط تعمیری و تاسیسی شان سے ہو تو وہ سود نہین، پھر یہ بھی تبلائین کہ اگر رباوی کاروبار کرنے والا بھی روپیہ مین سے ایک آنہ یا دو آنہ تعمیری کامون کے لئے نکالتا ہو تو کیا اس صورت مین وہ رباوی کاروبار کو جائز کر دین گے؟ مشاہدہ تو یہ ہے کہ رباوی کاروبار کرنے والے بنیک والون سے زیادہ تعمیری کامون مین حصہ لیتے ہین، کیا آپ کو معلوم نہین، کہ کانگریس کو تعمیری کامون کے لئے لاکھون روپے کی تھیلیان کلکتہ کے مارواڑیون اور بمبئی کے مہاجنون ہی سے وصول ہوتی ہین، اور اُن ہی کی امداد کے سہارے کانگریس نے ترقی کی ہے"، تو کیا ان لوگون کے لئے رباوی کاروبار کو جائز کر دیا جائے گا؟ اس کے بعد آپنے ایک اور قاعدہ سے بنیک کے کاروبار کو جائز کرنے کی کوشش کی ہے، کہ

"اسلام مین عموم بلوی اور تعامل ناس کا اصول موجود ہے، جس کا منشا یہ ہے، کہ جس چیز کی حرمت منصوص نہ ہو، صرف قیاس سے محرمات مین شامل کر دی گئی ہو، اگر رواج عام اور عمل عمومی اوس کو معمول بہا بنا ڈالین تو وہ محرمات سے نکل جائے گی"

آپ کو تسلیم ہے کہ یہ اصول وہان ہے جہان کسی چیز کی حرمت منصوص نہ ہو، مگر ہم کو یہ تسلیم نہین، کہ بنیک کے کاروبار کی حرمت غیر منصوص ہے، اور محض قیاس سے اوس کو محرمات مین داخل کیا گیا ہے، کیونکہ بنیک بھی رباوی کاروبار والون کی طرح لوگون کو قرض دیتا ہے، اور قرض سے زائد وصول کرتا ہے، لوگ بنیک مین روپیہ جمع کرتے ہین، اور اس سے سود لیتے ہین، اور اس کی حرمت منصوص ہے، رہا یہ کہ رباوی کاروبار مین فرد کا معاملہ ہے، اور بنیک مین جماعت کا تو اس سے حرمت منصوصہ

منصوصہ مین فرق نہ آئے گا، بلکہ جرم قوی تر ہوجائے گا، اگر ایک آدمی کی جگہ ایک جماعت خاص نظام وانتظام کے ساتھ ڈاکہ ڈالنے لگے، تو کوئی عاقل بھی یہ نہ کہے گا، کہ ڈاکہ کی یہ صورت منصوص نہین، بلکہ ہر شخص کہے گا، کہ یہ صورت پہلی صورت سے بھی زیادہ بُری ہے، اگر صورت کے بدلنے سے حرمت منصوصہ بدلنے لگے، تو شاید آپ فلم کمپنیون مین عورتون کے ناچنے گانے اور پارٹ ادا کرنے کو بھی جائز کہدین گے، کیونکہ رقص وسرود کی یہ نئی صورت نزولِ قرآن وحدیث کے وقت کہان تھی؟ پھر عموم بلوی اور تعامل ناس اوس وقت دلیل بن سکتا ہے، جب کہ عام طور پر مسلمان خواص وعوام علمار وصلحا، اور جہلا، سب ہی کسی کام کو اپنا معمول بنالین، جس سے عملی اجماع کی شان پیدا ہوجائے، اور اس امت کا اجماع حجت ہے، لیکن اگر یہ نہ ہو بلکہ صرف ایک طبقہ نے کسی کام کو معمول بنایا ہو تو اس کو عموم بلوی اور تعامل ناس مین ہرگز داخل نہین کیا جا سکتا، اب مجھے تبلایا جائے کہ بنیک کے کاروبار کو مسلمانون کے کس طبقہ نے معمول بنایا ہے؟ صرف ایک طبقہ نے یعنی تجار نے اور ان مین سے بھی سب نے نہین بلکہ بڑی تجارت والون نے اور ان مین سے بھی صرف عوام غیر اتقیا نے تو اس کو عموم بلوی مین داخل کرنا محض فلسفیانہ مغالطہ نہین تو اور کیا ہے، ؟ حالانکہ اب تک مسلمانون نے خود اپنا ایک بنیک بھی قائم نہین کیا، بینکنگ کے جواز کے لئے آخری اصول آپ نے یہ بیان فرمایا ہے، کہ

الضرورات تبیح المحذورات ۔ ضرورتین ممنوعات کو مُباح بنا ڈالتی ہین،

مگر مجھے کہنے دیجئے کہ آپ نے اس قاعدۂ فقہیہ کا مطلب نہین سمجھا، یہان ضرورت سے مراد حالت اضطرار ہے، جیسے کوئی پیاس سے مرنے کے قریب ہوجائے اور پانی آس پاس نہ ہو کسی کے پاس شراب ہو تو اس وقت شراب سے پیاس بجھالینا اور جان بچالینا جائز ہے یا تین چار دن کے فاقہ سے جان بلب ہو تو مردار کھا کر جان بچ سکتا ہے یا ناقابلِ برداشت تکلیف مراد ہے جیسے بیمار کو روزہ کا افطار جائز ہے جبکہ ناقابل برداشت تکلیف ہونے لگے، بینکنگ کو اس درجہ مین داخل کرنا نرا فلسفہ ہے شریعت نہین خصوصاً جبکہ نظام بنیک مین ذرا سی تبدیلی کرکے اسکو جائز صورت مین

ڈھالا جاسکتا ہے، جیسا کہ آیندہ تبلایا جائے گا، اخیر مین کاروبار بنیک کو حرام تبلانے والون سے ایک سوال کیا گیا ہے کہ

"کیا اونھون نے بہتیری ایسی باتین جو اگلون کے یہان ممنوع تھین مشروع نہین ٹھہرائین؟ مثلاً تعلیم کا معاوضہ اگلون کے یہان ممنوع تھا، اور پچھلون نے اس کو مشروع اور معمول ٹھہرا لیا، اور اس کی توجیہ کیا کی؟ ضرورت کی شدت، ضرورت کی شدت، بنیک کے معاملہ مین بھی دامنگیر ہے"

اس مثال کا جواب یہ ہے کہ استیجار علی الطاعات یعنی عبادات اور طاعات کے کامون پر اُجرت لینا فقہائے اسلام مین مختلف فیہ ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ اس کو جائز کہتے ہین، امام ابوحنیفہؒ نے اس کو ناجائز فرمایا ہے، تو یہ ایسا فعل نہین ہے جس کی حرمت پر نص قطعی قائم ہو یا اجماع ہو چکا ہو بلکہ مختلف فیہ اجتہادی مسئلہ ہے اور ایسے مسائل مین شدت ضرورت کے وقت دوسرے ائمہ کے اقوال پر فتوی دینے کی فقہا کو گنجایش ہے، بنیک کا کاروبار مختلف فیہ نہین بلکہ صریح ربا ہے، صورت کے بدلنے سے حقیقت نہین بدل سکتی، جیسا اوپر تفصیل سے عرض کر چکا ہون، اس لئے اوس کو قیاسیات اور اجتہادیات مین شامل کرنا قطعاً غلط ہے، اور تعلیم کے معاوضہ پر قیاس کرنا تو غلط در غلط ہے، خاتمۂ کلام پر تو آپنے ایک ایسی بات فرمادی ہے جس نے سارا بنا بنایا قلعہ ہی منہدم کر دیا، اسلامی بنیک قائم کرنے کی ضرورت اور غیر مسلم بنیکون کی خطرناک حالت کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہین :-

"پھر کیا تم اس معمولی گر کو بھی نہین سمجھتے، کہ بنیک جہان ایک پہلو سے حفاظت کی جگہ ہے ایک دوسرے پہلو سے ہلاکت کی جگہ بھی ہے، اور اس تفریق کا دارومدار نظام کے کچھ بھیدون پر ہے، جن کی قبرین صرف منتظمین بنیک کے سینے ہین"

سبحان اللہ! اس نظام کو آپ کبھی مسئلہ فضل کی فرع قرار دینا چاہتے ہین، کبھی الضرورات

تبیح المحظورات کے تحت مین لانا چاہتے ہین، کبھی اعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ، کے تحت مین داخل کرکے واجب قرار دینا چاہتے ہین، کیا ان اصول اسلامیہ کی کوئی بھی فرع ایسی ہے، جو ایسے بھیدون پر مشتمل ہو، جو ایک پہلو سے حفاظت کا سامان ہون، اور دوسرے پہلو سے ہلاکت کا سامان،

ع بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بوالعجبی ست

ایسے گورکھ دھندے اور اندھے نظام کو اصولِ اسلامیہ کے تحت مین داخل کرنا اسلام پر بدنما داغ لگانا اور اس کو بدنام کرنا نہین تو اور کیا ہے؟ مین پوچھتا ہون کہ جب بنیک کے نظام مین ہلاکت کا سامان بھی ہے، اور اس کے بھیدون کی قبرین صرف منتظمین بنیک کے سینے ہی ہین، تو یقیناً اسلامی بنیک قائم کرنے والون کے سینے بھی ان بھیدون کی قبرین ہون گی تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ یہ اسلامی بنیک کسی وقت مسلم قوم کی پوری دولت یا بہت بڑی دولت کو اپنے شکمون مین رکھ کر اس طرح ہضم نہ کرجائین گے، کہ ڈکار بھی نہ لین، کیا آپ کے نزدیک اسلامی بنیک قائم کرنے والے سب فرشتے ہی ہون گے، اگر یہ کہا جائے کہ ہم اسلامی بنیک کو ان بھیدون سے پاک کرکے نیا نظام قائم کرین گے، تو مین کہون گا کہ جس وقت آپ ایسا نظام قائم کرلین گے، اسی وقت اس کو اسلامی اصول کے تحت مین داخل کرنے کا حق بھی ہوگا، اس سے پہلے تو آپ کو یہ حق ہرگز نہین اور موجودہ نظام بنیک کو جو اس وقت دنیا مین رائج ہے، یقیناً خلاف اسلام اور ناجائز و حرام ماننا پڑے گا، مقام شکر ہے کہ بالکل آخر مین آپنے انصاف سے کام لے کر سچی بات کہہ ہی ڈالی، کہ بنیک کی دو قسمین کی جاسکتی ہین، ایک جائز اور مفید، دوسری ناجائز اور مہلک، پہلی قسم کا نام "اسلامی ربانی" بنیک رکھا گیا ہے، اور دوسری کا "نفسانی"، اسلامی بنیک کے امتیازات حسب ذیل بیان کئے گئے ہین:-

الف:- وہ اپنے تجارتی شعبہ مین اس شرط کی پابندی کرتا ہے کہ صرف مشروع تجارتون کو اختیار کرے گا، نامشروع تجارتون کو اختیار نہ کرے گا،

ب :- اس شرط کی بھی پابندی کرتا ہے کہ صرف مشروط طریقۂ تجارت کو اختیار کرے گا، نامشروع طریقہ اختیار نہ کرے گا،

ج :- وہ اس رعایت کی بھی پابندی کرتا ہے کہ اس کا کوئی مقروض اگر تباہ ہوتا ہو تو اس سے اپنا قرض وصول کرکے اس کی قطعی تباہی کا ذریعہ نہین بنجائے گا، بلکہ اس کو مزید مدد دے کر سنبھالے گا، اور اپنا ڈوبا ہوا قرض درستیٔ حالت کے بعد رفتہ رفتہ وصول کرے گا، یا آسانیون کے ساتھ وصول کریگا

د ۔ اس اصول کو بھی جاری رکھتا ہے کہ حصہ دارون کی طرح جمع کنندون کو بھی اس کے تجارتی نقصانون مین شریک ہونا ضروری ہے، جیسا اس کے تجارتی منافع مین،

ﮦ ۔ وہ اس اصول کو بھی ملحوظ رکھتا ہے کہ جمع اور قرض کے منافع کو متعین نہین کرتا، صرف نفع (ربحیت) کے زائدیہ کو متعین کرتا ہے تاکہ اصول فضل کی بھی رعایت رہے،

و ۔ وہ اپنے کو ہر دخل و دغل (دھوکہ خیانت) سے پاک رکھتا ہے، اور کوئی ایسا بھید نہین رکھتا جو ناواقفون کو لوٹنے کے کام آئے،

ز ۔ وہ اصول ربوبیت کو بھی اپنے بنیادی اصولون مین شامل رکھتا ہے، اور اس کو برتنے کے لئے اپنے نفع کا ایک حصہ مخصوص کر دیتا ہے، نفسانی بنیک ان لطافتون کو برداشت نہین کرتا،

مین ناظرین سے دریافت کرنا چاہتا ہون کہ ان شرائط کے ساتھ دنیا مین کوئی بھی بنیک موجود ہے ؟ اس کا یقیناً جواب نفی مین ہے، تو سارے رسالہ کا خلاصہ یہ ہوا کہ بنیک کے کاروبار کی موجودہ صورت تو ناجائز اور حرام ہے، اور جو صورت جائز ہو سکتی ہے وہ موجود نہین،

بہت شور سنتے تھے پہلو مین دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا

اب حضرت علامہ کا اسی رسالہ کے اندر ایک جگہ یہ فرمانا کہ

"یہ سچ ہے کہ بینک کے شرعًا جائز ماننے مین بہتیرے علماے اسلام کو تردد ہے، بہتیرون کو اختلاف ہے لیکن ہم بخوبی جانتے ہین کہ اس تردد اور اختلاف کا سبب ان کا علم نہین، ان کا وہم ہے، افسوس ہے کہ ہمارے زمانہ کے علماے اسلام عمومًا وہ ہین جن کے لئے علماے اسلام کا لقب مشکل سے موزون ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ نہ اسلام سے واقف ہین، نہ دنیا سے جہان اسلام اترا، نہ انسانون سے جن کے لئے اسلام اترا، ان کا علم اپنا اختراعی اور من گھڑا ہوا علم اسلام ہے، یا سنا سنایا ہوا علم اسلام ہے، حقیقت سے سیکھا ہوا اور حقیقت پر پرکھا ہوا علم اسلام نہین ہے"

یہ نری فلسفیانہ تعلی نہین تو اور کیا ہے، آخر آپ ہی نے اپنے علم سے کونسا تیر مار لیا، جس کاروبارِ بینک کو علماے اسلام حرام کہہ رہے تھے، آخر مین آپ نے بھی اس کو حرام اور نقصانی تسلیم کر لیا، اور جس کو آپ جائز کہہ رہے ہین، اس کا وجود اب تک تو دنیا مین اور کم از کم ہندوستان مین ہے نہین، نہ اس کے متعلق کسی نے علماے اسلام سے استفتا کیا، نہ انھون نے اس کے عدم جواز کا ابھی تک فتویٰ دیا، علماے اسلام نے جس کاروبار بینک کے عدم جواز اور حرمت کا فتویٰ دیا تھا، آپ اس کو کسی دلیل سے جائز ثابت نہین کر سکے، اور آخر مین ان کے فتویٰ کی صحت ماننے پر خود ہی مجبور ہو گئے، اب تو آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اس رسالہ کے شروع اور وسط مین جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے وہ سب اُس غلامانہ ذہنیت کے تحت لکھا گیا ہے، جو یورپ کی مادی ترقی کی چکاچوند سے عمومًا عقول عامہ پر چھا رہی ہے، آخر مین کچھ حریت کی شان پیدا ہوئی، تو سارے بنے بنائے قلعہ کو خود ہی منہدم کر کے وہی کہنے لگے، جو علماے اسلام فرما رہے تھے، اس کو کہتے ہین، ؎

جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

آپ نے اسلامی بینک کے شرائط میں دفعہ د کے تحت جو کچھ لکھا ہے، اس کا حاصل یہ ہوا کہ اسلامی بینک کو شیئرز کمپنی ہونا چاہئے جس میں رقم جمع کرنے والے اس کی تجارت کے حصہ دار ہو کر نفع ونقصان دونوں میں شریک ہوں" فرمائیے شیئرز کمپنی کو کس عالم اسلام نے حرام کہا ہے؟ آپ تحقیق کریں گے تو معلوم ہوگا کہ شیئرز کمپنی میں بہت سے علما حصہ دار ہیں" آپ نے اسلامی بینک کی تشکیل کی بحث کو تشنہ چھوڑ دیا ہے، جی چاہتا ہے کہ میں اس کی تکمیل کر دوں،

اسلامی بینک کی تشکیل اسلامی بینک ان اصول کے ساتھ قائم ہونا چاہئے" دفعہ الف اور ب اور ج تو وہی ہیں جو آپ نے تحریر فرمائی ہیں یعنی

الف :- وہ اپنے تجارتی شعبہ میں اس شرط کی پابندی کرتا ہے، کہ صرف مشروع تجارتوں کو اختیار کریگا، نامشروع تجارتوں کو اختیار نہ کرے گا،

ب :- اس شرط کی بھی پابندی کرتا ہے، کہ صرف مشروع طریقہ تجارت کو اختیار کریگا، نامشروع طریقہ اختیار نہ کرے گا،

ج :- وہ اس رعایت کی بھی پابندی کرتا ہے، کہ اس کا کوئی مقروض اگر تباہ ہوتا ہو تو اس سے اپنا قرض وصول کر کے اس کی قطعی تباہی کا ذریعہ نہیں بن جائے گا، بلکہ اس کو مزید مدد دے کر سنبھالے گا، اور اپنا ڈوبا ہوا قرض درستی حالت کے بعد رفتہ رفتہ وصول کرے گا، یا آسانیوں کے ساتھ وصول کرے گا،

د :- اسلامی بینک کسی کو قرض دیکر زیادہ وصول نہ کرے گا، بلکہ جو شخص بینک سے رقم لینا چاہے، اس کو مضاربت پر یہ کہکر رقم دیجائے گی، کہ تم اس سے تجارت کرو یا کوئی صنعت وحرفت اختیار کرو، اور اس کے منافع سے بینک کو نصف یا ثلث یا ربع (جتنا مناسب سمجھا جائے مقرر کر کے بتلا دیا جائے گا کہ اتنا) دیتے رہو، اور اگر مقدار مقرر کر دیجائے کہ ماہوار یا سالانہ اس قدر رقم

دینا ہوگا تو گو حنفیہ کے نزدیک مضاربت مین نفع کا حصہ اس طرح مقرر کرنا جائز نہین مگر بعض فقہاے اسلام کے یہان جائز ہے، تو اس کی بھی گنجایش دیجا سکتی ہے،

ی:۔ بنیک کے حصہ دار اور جو لوگ اس مین اپنی رقم جمع کرین، سب کے سب بنیک کے تجارتی کاروبار مین شریک ہون گے، اور نفع ونقصان دونون مین حصہ لین گے، اس طرح اسلامی بنیک کی شکل شیرز کمپنی کی ہوگی،

و:۔ اسلامی بنیک اپنے حصہ دارون اور شرکار کے لئے منافع کی مقدار متعین نہ کرے گا بلکہ ہر سال جس قدر نفع تجارت مین ہوگا اوسی کے موافق نفع دیا جائے گا، جو کبھی کم ہوگا، کبھی زیادہ، ایک مقدار پر نہ ہوگا،

ز:۔ اسلامی بنیک اپنی تجارت کی زکوٰۃ بھی سالانہ ادا کرے گا، یعنی سال پورا ہونے پر جس قدر سرمایہ موجود ہو، اس کی قیمت لگائی جائے، اور جس قدر نقد موجود ہو اور جو روپیہ لوگون کو مضاربت پر دیا گیا ہو، سب کی مجموعی مقدار کا چالیسوان حصہ نکالا جائے گا، جو تمام حصہ دارون اور شرکار کی اجازت سے یتیمون، بیوا ؤن، نومسلمون کی امداد اور غریب لوگون کی اولاد کی تعلیم، نومسلمون کی تعلیم و تربیت وغیرہ مین خرچ کیا جائے گا،

ح جن لوگون کو روپیہ مضاربت پر دیا جائے گا ان کی جائداد یا مکان یا زیورات وغیرہ اس رقم کے عوض مکفول کر لئے جائین گے، تاکہ اصل رقم ضائع ہونے کا خطرہ باقی نہ رہے،

ط:۔ جو لوگ بنیک کے حصہ دار بھی ہون، اور کام کرنے والے بھی ہون، ان کی تنخواہ مقرر نہ کی جائے، بلکہ منافع تجارت مین سے ان کا حصہ دوسرون سے کچھ زیادہ مقرر کر دیا جائے، مثلاً یہ طے کر لیا جائے گا کہ سب سے پہلے منافع کا دسوان حصہ کام کرنے والون مین حسب لیاقت تقسیم کیا جائے گا، اس کے بعد باقی منافع کو ہر شخص کی جمع کے موافق بقدر حصہ رسد بانٹ دیا جائے گا، اور

اگر کام کرنے والوں کی تنخواہ ہی مقرر کرنا ناگزیر ہو تو گو حنفیہ نے اس کو منع کیا ہے، مگر دوسرے ائمہ کے قول پر گنجایش نکل سکتی ہے،

ی:- اسلامی بنک کے حصہ دار اور کارکن اور اس میں رقم جمع کرنے والے، اور اوس سے مضاربت پر رقم لینے والے سب مسلمان ہوں گے، غیر مسلموں کو اس میں شامل نہ کیا جائے، تاکہ زکوٰۃ نکالنے میں دشواری نہ ہو، اور بنک کا تمام سرمایہ پاک و صاف رہے،

ای:- اسلامی بنک کے سرپرستوں میں چند مستند علماء بھی شریک کئے جائیں گے، جو بنک کے معاملات کو شریعت اسلامی کے اصول پر چلاتے رہیں، اور جہاں بنک کو کچھ دشواری پیش آئے اس کو فقہ اسلامی کی مدد سے حل کر سکیں،

سردست یہ چند دفعات بطور اصول کے کافی ہیں، غالباً اس پر یہ اشکال وارد کیا جائے گا، کہ شرائط مذکورہ کے ساتھ جو بنک قائم ہوگا، اوس سے صرف تجارہی کا طبقہ فائدہ اٹھا سکے گا، کیونکہ مضاربت پر رقم لینے والے تاجر ہی ہوں گے، اور جو لوگ اپنی خانگی ضروریات، بچوں کی شادی یا تعلیم وغیرہ کے لئے قرض لینا چاہیں وہ اسلامی بنک سے رقم نہ لے سکیں گے، پھر مضاربت پر رقم دینا اور شرائط مضاربت کی رعایت کرنا بھی ہر شخص کے لئے آسان نہیں ہے، بنک والے اور اس سے رقم لینے والے اُن شرائط کی رعایت کیونکر کر سکیں گے ؟

اس کے جواب میں عرض ہے کہ اسلامی بنک کی ضرورت زیادہ تر تجارہی کے لئے ہے، چنانچہ رسالہ زیر نظر میں بھی اسی پر زور دیا گیا ہے، کہ آج کل تجارت کی ترقی بدون بنک کے نہیں ہو سکتی، پس اگر غیر تجار کو بنک سے نفع نہ پہونچے تو کچھ مضائقہ نہیں، رہا یہ کہ شرائط مضاربت کی رعایت کرنا آسان نہیں تو اس دشواری کو دور کرنے ہی کے لئے دفعہ نمبر ۱۱ کا اضافہ کیا گیا ہے، پس جو دشواری بھی پیش آئے، اوس کو علماء کے سامنے پیش کیا جائے، انشاء اللہ وہ جملہ مذاہب فقہاء کو سامنے رکھکر

ہر مشکل کو حل کر دینگے، اور اگر غیر تجار کو بھی نفع پہونچانا ضروری ہو، تو اوس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اُن لوگون کو بنک سے روپیہ قرض دیدیا جائے، اور جتنی رقم دیجائے اسی قدر وصول کیجائے زیادہ وصول نہ کیجائے اگر ایسا کرنے سے بنک کے کاروبار کا نقصان ہو تو دوسری صورت یہ ہے کہ بنک کی طرف سے لوگون کو روپیہ بطور بیع سلم کے دیا جائے، کہ مدت معلومہ پر رقم لینے والا بنک کو اوس رقم کے عوض فلان قسم کا غلہ یا فلان قسم کا کپڑا یا چمڑا یا گلٹ کی ریزگاری یا تانبہ کی ریزگاری وغیرہ اس بہاؤ سے جو رقم دینے کے وقت ہی مقرر کر دیا جائے، ادا کرے گا، اس صورت مین بنک کو نقصان نہ ہوگا، بلکہ بیع سلم سے جو نفع تجار کو ہوا کرتا ہے، وہ حاصل ہوجائیگا اور اگر سلاطین اسلام اپنی اپنی سلطنتون مین اور ہندوستان کے مسلمان حصول پاکستان کے بعد ہندوستان مین بیت المال قائم کر دین، جو کسی خاص جماعت کا نہین بلکہ تمام مسلمانون کا خزانہ شمار ہوگا، تو اس وقت بیت المال کی طرف سے جو بنک قائم کیا جائے گا، اس مین رقم جمع کرنے یا اوس سے قرض لینے مین مضاربت یا بیع سلم وغیرہ کا جھگڑا باقی نہ رہیگا، کیونکہ بیت المال سے قرض لے کر جو کچھ اوس کو زیادہ دیا جائے گا، وہ کسی دوسرے کو نہین، بلکہ اپنے ہی کو دیا جائیگا اور بیت المال مین رقم جمع کرکے جو کچھ اس سے زیادہ لیا جائے گا، وہ کسی دوسرے سے نہین، بلکہ اپنے ہی سے لیا جائے گا، کیونکہ بیت المال سب مسلمانون کا ہے، اور سب کا اوس پر حق ہے، اس کے ساتھ اس قسم کا معاملہ جائز ہے، مبسوط[1] سرخسی مین اس کی طرف اشارہ موجود ہے،

---

[1] مبسوط سرخسی اور بدائع وغیرہ سے بیت المال کے ساتھ اس قسم کے معاملات کا جواز جو باہم مسلمانون مین جائز نہین میرا استنباط ہے، جس مین دوسرے علما محققین کی تائید کا مجھے انتظار ہے آج حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ موجود ہوتے تو اُن سے مراجعت کی جاتی، اور معاملہ سہل ہوجاتا، اب اگر دوسرے علما نے بھی میری موافقت کی تو اس پر عمل کیا جائے گا، ورنہ نہین، ان کی اقناعت سے میری غرض فقط یہ دینا نہین، کیونکہ ہنوز بیت المال کا

قال انما الحيوان فلا يجوز استقراض شئ منه عندنا وقال الشافعي يجوز الا في الجواري لانه صلى الله عليه وسلم استقرض بكراً ورده رباعيا (وفي رواية استقرض بكراً ببكرين الطحاوي) وقال خيركم احسنكم قضاءً. وحجتنا في ذلك انه هذا مضمون بالقيمة على مستهلكه فلا يجوز استقراضه كالجواري وموجب القرض ثبوت المثل في الذمة بشرط المعادلة في المماثلة فاذا تعذر ذلك في الحيوان لم يجز استقراضه، واما الحديث فانما استقرض رسول الله صلى الله عليه وسلم لبيت المال حتى روي انه قضاه من ابل الصدقة وما كان ليقضي ما استقرضه لنفسه من ابل الصدقة وبيت المال يجوز له وعليه حقوق مجهولة (ص ۳۳ جلد ۱۴)

قال ولا خير في السلم في الحيوان عندنا وعند الشافعي يجوز واحتج في ذلك بما روينا من الآثار ان النبي صلى الله عليه وسلم استقرض بكراً وقضاه رباعيا وقال خيركم احسنكم قضاءً والسلم اقرب الى الجواز من الاستقراض فاذا ثبت جواز الاستقراض في الحيوان بالحديث ثبت جواز السلم فيه بطريق الاولى، وحجتنا في ذلك حديث ابن عباس رضي الله عنهما ان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن السلم في الحيوان وقد روينا عن عمر بن الخطاب انه قال ان من الربا ابوابا لا يكدن يخفين على احد - منها السلم في السن وما روي انه صلى الله عليه وسلم استقرض بكراً فالمراد استعجل في الصدقة ثم لم تجب الزكوة على صاحبها فردها رباعيا (وفيه ما فيه نقل ورد في رواية انه استقرض بكراً ببكرين وهو صريح في

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵۵) وجود ہی نہیں ہے بلکہ حضرات علما کے سامنے اپنا استنباط پیش کرنا ہے تاکہ وہ بھی اس پر غور کریں ممکن ہے پاکستان قائم ہونے پر اس کی ضرورت پیش آجائے ۱۲ منا

الاستقراض ببدل) او استقرض لبیت المال وکما یجوزان یثبت لبیت المال حق مجہول یجوزان یثبت ذلک علی بیت المال ایضاً جلد ۱۲ ص ۱۳۲، قلت ھذا ھو الجواب وبہ تبین انہ یجوز لبیت المال وعلیہ ما لا یجوز بین الناس والسر فیہ ان بیت المال مشترک بین المسلمین ولا یتحقق الربا فی المال المشترک بین العاقدین نص علیہ صاحب البدائع ج ۵ ص ۱۹۳ قال ومنہا ای من شرائط جریان الربا ان لا یکون البدل ملکاً لاحد المتبایعین فان کان کذلک لا یجری الربا وعلی ھذا یخرج العبد الماذون اذا باع مولاہ درھماً بدرھمین ولیس علی العبد دین انہ یجوز لانہ اذا لم یکن علیہ دین فما فی یدہ لمولاہ فکان البدلان ملک المولی فلا یکون ھذا بیعاً فلا یتحقق الربا وکذلک المتفاوضان اذا تبایعا درھماً بدرھمین یجوز لان البدل من کل واحد منہما مشترک بینہما فیکون مبادلۃ مالہ بمالہ فلا یکون بیعاً ولا مبادلۃ حقیقۃ، وکذلک الشریکان شرکۃ العنان اذا تبایعا درھماً بدرھمین من مال الشرکۃ جاز لما قلنا، اھ

وفی الکوکب الدری تحت الحدیث الذی فیہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم استقرض بکراً فقضاہ رباعیاً ما نصہ قد یشتبہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف اداہ من ابل الصدقۃ وفیہ زیادۃ ولیست مملوکۃ لہ صلی اللہ علیہ وسلم وانما کانت لعامۃ المسلمین و الجواب انہ (ای المقرض) ایضاً من المسلمین المفتقرین فکان لہ حق فی بیت المال اھ ج ۱ ص ۳۰۴ قلت والمفتقر لیس بقید فان المسلمین لھم حق فی بیت المال اغنیاءً کانوا او فقراء نعم للفقراء فیہ حقوق کثیرۃ لیست للاغنیاء

مثلها وبالجملة فهذه نصوص من الفقهاء تدل على جواز اخذ الزيادة من بيت المال فى القرض باذن الامام وعلى انه يجوز لبيت المال من العقود مالا يجوز مثله فيما بين الناس كاستقراض الحيوان مثلاً، وليس معناه انه يجوز لقيم بيت المال ان يبيع صاعين من بيت المال بصاع اور درهمين منه بدرهم فان درهم البائع وصاعه ليس من بيت المال فى شئ فلو يكن البدل من الجانبين مشتركاً بخلاف ما اذا استقرض لبيت المال فانه يصير بالاستقراض داخلاً فى مال الله ثم اذا قضاه بزيادة فقد قضى من مال الله بزيادة منه والبدل كان مشتركاً فلا يرد ما فى الحديث الصحيح ان عامل خيبر جاءه صلى الله عليه وسلم بتمر جنيب فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم اكل تمر خيبر هكذا قال لا والله يا رسول الله انا لناخذ الصاع من هذا بالصاعين والصاعين بالثلاثة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا تفعل بع الجمع بالدراهم ثم اشتر بالدراهم جنيبا اھ فان هذا فى البيع دون الاستقراض وصاع البائع ليس بمال مشترك بين المتبايعين ومع ذلك فانه صلى الله عليه وسلم لم يفسخ العقد ولم يامر العامل بالرد لكونه قد وقع لبيت المال فهو فا

اس سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ نظام اسلام بحمد اللہ ہر زمانہ و ہر حالت میں مسلمانوں کی ہر طرح کی ترقی کا کفیل ہے، جو کچھ وقت یا پریشانی مسلمانوں کو اس وقت پیش آرہی ہے اس کا منشا یہ ہے کہ اس وقت کوئی حکومت نظام اسلام کے ساتھ قائم نہیں ہے، اور باقاعدہ بیت المال کسی جگہ نہیں، اور اس سے کانگریسی ہندوؤں کو بھی سمجھ لینا چاہئے کہ مسلمانان ہندوستان کا مطالبہ پاکستان کسی جذبۂ عداوت کا نتیجہ نہیں، بلکہ مذہبی و اقتصادی ضرورت پر مبنی ہے، کہ مسلمان اس کے بغیر نہ بیت المال قائم کر سکتے ہیں، اور نہ اپنے مذہب کے موافق ترقی کر سکتے ہیں، اگر قاعدہ اسلامی

کے موافق اس وقت بیت المال قائم ہوتا تو بیت المال کے بنک سے مسلمان اسی طرح فائدہ حاصل کرتے جس طرح دوسری قومیں اپنے بنکوں سے فائدہ حاصل کر رہی ہیں، بیت المال کے بنک سے دوکانوں اور جہازوں کا بیمہ بھی ہو سکتا تھا، لائف انشورنس بھی ہو سکتا تھا، راز وہی ہے کہ بیت المال سب مسلمانوں کا قومی مشترک خزانہ ہے، اوس سے زائد لینا یا اوس کو زائد دینا اپنے ہی سے لینا اور اپنے ہی کو دینا ہے، کسی دوسرے پر ظلم نہیں، اور حرمت ربوا کی علت یہی ہے کہ وہ ظلم کی ایک بڑی صورت ہے لا تَظلِمُون ولا تُظلَمُون، نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر ہمارے مصنف رسالہ کتب فقہ سے مراجعت کرتے تو بجائے علمائے اسلام کو بُرا بھلا کہنے کے قوم کو یہ مشورہ دیتے کہ وہ سب متفق ہو کر جلدی سے پاکستان حاصل کریں اور اس کے بعد ہندوستان میں بیت المال قائم کریں، اور بیت المال کی طرف سے جابجا بنک کھولے جائیں، شیرز کمپنیاں قائم کی جائیں، انشورنس کمپنیاں کھولی جائیں اور اس طرح اسلامی تجارت کو اور مسلمانوں کو ترقی دی جائے، جو لوگ بار بار موجودہ بنک کے کاروبار کو جماعتی کہہ رہے ہیں، غلط ہے، کیونکہ وہ بھی چند افراد ہی کا ہوتا ہے، جماعتی بنک حقیقت میں وہ ہے، جو بیت المال کی طرف سے قائم کیا جائے، جس میں فی الواقع تمام مسلمانوں کا حق ہوتا ہے جب تک یہ صورت پیدا نہ ہو اوس وقت تک کے لئے مسلمان تاجروں کو یا خود ایسا بنک قائم کرنا چاہئے کہ جس کا سرمایہ کسی خاص فرد یا جماعت کی ملک نہ ہو، بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے باقاعدہ وقف ہو تاکہ وہ بھی بیت المال کی طرح قومی ملکیت ہو جائے، اس سرمایہ میں سب سے پہلے وہ رقم جمع کیجائے جو ڈاکخانہ میں ان مسلمانوں کی جمع ہے جنھوں نے ۱۹۲۷ء سے اس وقت تک اپنی رقموں پر سود نہیں لیا، اور جس کی مقدار ساٹھ ہزار روپیہ بتلائی گئی ہے، اس کے ساتھ کچھ اور ملا کر ایک لاکھ کے سرمایہ سے کام شروع کیا جائے، یا پھر گورنمنٹ کے بنک سے معاملہ کرنا چاہئے، کیونکہ گورنمنٹ ہمارے بھاری ٹیکس وصول کرتی ہے، تو اس کے بنک میں روپیہ جمع کرکے سود لینا حقیقت میں اپنے

حق کو وصول کرنا ہے، اور سخت ضرورت اور مجبوری کی صورت مین گورمنٹ ہی کے بنک سے قرض لیکر اس کو سود دے بھی سکتے ہین، کیونکہ گو وہ اس وقت ہمارا نہین ہے، مگر فی الجملہ مشترک ہے اور امید ہے کہ آزادی ہندوستان کے وقت اس کا کل یا بعض ہمارا ہو جائے گا، مگر سخت مجبوری کے بغیر سودی قرض ہرگز نہ لیا جائے کہ سود کا گناہ بہت سخت ہے، واما الاول فهو فرع مسئلة الظفر بجنس حقه کما اشرت اليه سابقاً، وصلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا النبي محمد وآله واصحابه مثل ادركنا متلاحقا، وسلم تسليما كثيرا كثيرا ه يكون لحقه موافيا ومكافيا وموافقا

سیرۂ عائشہ رض

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رض صدیقہ کے حالاتِ زندگی اور اُن کے مناقب و فضائل و اخلاق اور اُن کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنفِ نسوانی پر اُن کے احسانات، اسلام کے متعلق اُن کی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات،

قیمت :- عہ ضخامت :- ۳۲۹ صفحے، طبع سوم باضافہ حواشی

اُسوۂ صحابیات

جدید اڈیشن

صحابیات رض کے مذہبی اخلاقی اور علمی کارنامون کا مرقع،

منیجر

اسلامی نظریہ سیاست

از
مولانا حیدر زمان صدیقی فاضل دیوبند

(۴)

اسلام کا ہمہ گیر دستور سیاسی موجودہ طرز جمہوریت میں جو چیز سب سے زیادہ مہلک تصور کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد ہی طبقاتی احساسات (سکشنل فیلنگس) پر ہے، ملک میں ایک سے زائد سیاسی پارٹیاں ہوتی ہیں، ہر پارٹی درحقیقت ملک کے کسی ایک طبقہ کی ترجمان ہوتی ہے، اور ہر طبقہ کا مفاد دوسرے طبقہ سے جدا بلکہ بعض اوقات اُن سے متصادم ہوتا ہے، اس بنا پر ہر طبقہ کا دستور سیاسی (پولٹیکل پروگرام) بھی دوسری پارٹیوں سے الگ یا ان سے متصادم ہوتا ہے، جمہوری ممالک میں مختلف ناموں سے متعدد پارٹیاں عالم وجود میں آتی ہیں، ڈیموکریٹک پارٹی، کمیونسٹ پارٹی، سوشلسٹ پارٹی وغیرہ، ہر پارٹی کے نام سے اس کے سیاسی مسلک اور رفتار فکر کا بآسانی اندازہ کیا جاسکتا ہے، اور ہر پارٹی اپنے مخصوص سیاسی پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے جد وجہد کرتی ہے، اور اس کو عوام میں مقبول بنانے کے لئے زیادہ سے زیادہ خوبصورت رنگ میں پیش کرتی ہے، اور عوام کی طرف سے جب ایک پارٹی کے پروگرام کو سند قبول مل جاتی ہے تو انتخاب عام میں اس پارٹی کی کامیابی کے لئے راستہ صاف ہوجاتا ہے، اب یہی پارٹی برسر اقتدار آکر حکومت کا نظم ونسق سنبھالتی ہے، غرض ملک کی بہت سی پارٹیاں اقتدار حکومت کی ہوس میں اپنے اپنے پارٹی پروگرام کی نشر و اشاعت

مین وقت اور دولت کا انتہائی بے دردی کے ساتھ خون کرتی ہے، جہان اپنی مدح و تعریف مین زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہین، وہان دوسری پارٹیون کی مذمت مین بھی کچھ کمی نہین کی جاتی، اور مختلف پارٹیون کا تصادم بسا اوقات خطرناک صورت اختیار کرلیتا ہے، ملک کی دولت نہایت مسرفانہ طریقہ پر صرف ہوتی ہے، اور جماعتی رقابت کی وجہ سے عام بداعتمادی پیدا ہوجاتی ہے اجمالی نتائج کے لحاظ سے کسی طرح بہتر نہین خیال کی جاسکتی،

نیز ہر پارٹی اپنے جماعتی وقار اور طبقاتی نقطۂ نظر سے ہر مسئلہ پر غور کرتی ہے، عام انسانیت کے نقطۂ خیال سے نہین، اور بسا اوقات طبقاتی مفاد کی حفاظت و حمایت عصبیت کی حد تک پہنچ جاتی ہے، جس کا ردِ عمل دوسرے طبقون پر ظلم و ناانصافی کی شکل مین ظاہر ہوتا ہے، اور جس پارٹی کو عوام مین زیادہ اثر و رسوخ حاصل ہوتا ہے، وہ اپنے زیادہ نمایندون کو کامیاب بناتی ہے، اور جمہوری آئین کے مطابق اس کو حق پہنچتا ہے، کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق ہیئت حاکمہ کو ترتیب دے اور اپنی جماعتی پالیسی کے ماتحت ملک کے لئے دستور اساسی (کانسٹی ٹیوشن) مرتب کرے، چونکہ اس کو اکثریت حاصل ہوتی ہے، اس لئے اس کا ہر فیصلہ خواہ وہ کتنا ہی ظالمانہ ہو، حق بجانب اور درست شمار ہوتا ہے، اور اقلیتین اس کی مدت حکومت تک محکوم بن کر رہ جاتی ہین، بلکہ ان کی ہر خواہش اکثریت کے لئے سامان تضحیک بن جاتی ہے،

اسلامی نظریۂ سیاست ان نقائص سے بالکل پاک ہے کیونکہ اس کا تعلق انسانون کے کسی ایک طبقہ سے نہین، بلکہ نفسِ انسانیت سے ہے، اسلام کسی ایسے طبقاتی نظریہ سیاست کو جو کسی خاص طبقہ کے ساتھ مخصوص ہو برداشت نہین کرسکتا ہے، مسلمان قوم دراصل ایک عالمگیر پارٹی ہے، اور اس کی بنیاد کسی اقتصادی جغرافی، اور ثقافتی تصور کے بجائے عالمگیر اصول و معتقدات پر ہے، ان اصول و نظریات مین عالم انسانیت کی فلاح اور حیاتِ انسانی کے تمام شعبون کو مدنظر رکھا گیا ہے، اس لحاظ

سے تمام مسلمانانِ عالم ایک بین الاقوامی جماعت ہین، اور اس جماعت کا طرزِ فکر، رجحانِ طبیعت اور لائحۂ عمل ایک اور اس کا سیاسی دستور متعین اور غیر متبدل ہے جس طرح اس پارٹی کی ہیئت ترکیبی مین کسی معاشی وطنی، قومی اور لسانی تصور کو دخل نہین، اسی طرح اس کے سیاسی دستور العمل مین کسی خاص طبقہ کا مفاد مد نظر نہین، اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ،

لہذا اسلام مین اکثریت اور اقلیت کا کوئی سوال ہی پیدا نہین ہوتا، کیونکہ اس کی بنیاد جماعتی سیاست (پارٹی پالٹکس) پر نہین، بلکہ عالمگیر نظریۂ سیاست پر ہے، لہذا اسلامی حکومت مین نہ جماعتون کا تعدد ہے، اور نہ جماعتی نظریون کا تصادم، نہ کوئی اکثریت ہے اور نہ اقلیت،

خواہش امارت اور اسلام موجودہ تصورِ جمہوریت مین سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ نمایندگی کے لئے چند اشخاص خود اپنے آپ کو پیش کرتے ہین، اس مین فرقہ وارانہ تصادم اور مستقل پولٹیکل جنگ کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، کیونکہ قدرتی طور پر ہر انسان کو حکومت و سیاست کی خواہش ہوتی ہے، اور خواہشات کی تکمیل مین افراط و تفریط اور جنگ و قتال تک نوبت آجاتی ہے، اس لئے شارع علیہ السلام نے خواہشِ امارت کی ممانعت فرمادی ہے؛

اگر اسلام کے منشا کے مطابق کوئی شخص امارت کی خواہش ہی نہ کرے تو اس سے لازماً دو فائدے ہو سکتے ہین، اوّلاً یہ کہ مدعیانِ خلافت کے دعوون مین نہ تصادم کا امکان ہوگا اور نہ دو فریقون مین انتخابی کشمکش ہوگی، اس طرح امت نت نئے فرقہ وارانہ تنازعات، فتنہ و فساد اور زر و مال کے اتلاف و ضیاع سے محفوظ رہے گی، آج کل انتخابی جنگون مین جس قسم کے واقعات پیش آتے ہین، وہ کسی سے پوشیدہ نہین، نہایت بے دردی کے ساتھ ایک فریق دوسرے فریق کو ہدفِ ملامت بناتا ہے، نہایت ذلیل حملے کئے جاتے ہین، سیم و زر کی تھیلیان کھول دی جاتی ہین، اور بعض دفعہ قتل و خون ریزی تک نوبت آجاتی ہے، ثانیاً یہ کہ جب امارت و سیادت کا مدعی کوئی نہ ہوگا، تو جمہور مسلمانون کو صحیح خلیفہ کے

انتخاب میں کوئی دقت پیش نہ آئے گی اور کسی قسم کا خوف یا لالچ اُن کی آزادی راے پر غالب نہ آسکے گا، یہی وجہ ہے کہ سرکار دوعالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے امارت وخلافت کی خواہش کرنے سے روکدیا ہے، کتب احادیث مین اس کی متعدد روایات ہین ایک روایت کے الفاظ یہ ہین،

فنعم المرضعة وبئست الفاطمة (بخاری) حکومت وامارت کی ابتدا بڑی خوبصورت ہے مگر انتہا بڑی خطرناک ہے،

دوسری روایت ہے :-

انا لا نولی ھذا الامر لمن سالہ، (بخاری) ہم امارت کے سائل کو امارت نہین دون گا،

راے دہندگی کا معیار | اس سے پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ موجودہ طرز جمہوریت مین راے دہندگی کے لئے کوئی اخلاقی معیار مقرر نہین بعض جمہوری ممالک مین ہر بالغ کو حق راے دہندگی حاصل ہے، اور نیم جمہوری ممالک مین جائداد، تعلیم اور اس قسم کے امور کو شرط راے دہندگی قرار دیا گیا ہے، مگر ان حالات مین جب کہ ملک کے بنیادی آئین اور سوسائٹی کے رجحان فکر کو ہر قسم کی اخلاقی پابندیون سے آزاد چھوڑ دیا گیا ہے، عوام سے یہ توقع نہین ہوسکتی کہ وہ قوم وملک کی نمایندگی کے لئے کسی بہتر اور صالح شخص کا انتخاب کرین گے، اور ان سے زیادہ سے زیادہ یہی توقع ہوسکتی ہے، کہ ملک کی کسی پارٹی سے تعلق رکھنے والے لوگ صرف جماعتی زاویۂ فکر کے پیش نظر کسی ایسے آدمی کو منتخب کرسکین گے جو پارٹی مین کافی اثر ورسوخ رکھتا ہو اور ان کی ذاتی جماعتی خواہشات کی تکمیل کرسکتا ہو، اس صورت مین ملک کے عوام کی ذاتی خواہشات اور جماعتی مفاد مین تصادم پیدا ہونا ناگزیر ہے، اور چونکہ کوئی اخلاقی پابندی نہین ہوتی ہے اس لئے ہر پارٹی اپنے امیدوار کو کامیاب بنانے اور دوسری پارٹی کو شکست دینے کے لئے ہر قسم کے جائز وناجائز وسائل کے اخذ واختیار مین مکمل طور پر آزاد ہوتی ہے،

رائے دہندگی کے اس معیار اور موجودہ طرز انتخاب سے کسی ایسے شخص کا منتخب ہونا قطعًا ناممکن ہے، جو عوام کی ذاتی اور جماعتی خواہشات کا پابند نہ ہو، بلکہ ہمہ گیر نظریۂ اخوت انسانی کے پیش نظر تمام انسانون مین یکسانیت و مساوات اور طریق عدل قائم کرنا چاہتا ہو،

اس کے برعکس اسلام مین رائے دہندگی کا معیار اس سے بالکل جداگانہ ہے، انتخاب امیر کے سلسلہ مین یہ لازمی نہیں کہ ہر بالغ سے بلا واسطہ رائے حاصل کی جائے، کیونکہ انسانون کی اتنی بڑی کثرت مین یہ ضروری نہین کہ اکثریت کا فیصلہ جائز اور درست ہو، یہ ظاہر ہے کہ عوام مین اکثریت عمومًا ایسے لوگون کی ہوتی ہے، جو ذاتی خواہشات کو قومی و ملی مفاد پر ترجیح دیتے ہین، یا کم از کم ان کی نگاہ حیات انسانی کے بعید گوشون تک پہنچنے سے قاصر ہوتی ہے، اور اُن کے انبوہ مین ارباب دانش اور اصحاب بصیرت بہت کم ہوتے ہین، اور اس صورت مین جب کہ ہر باشندۂ ملک کو مساوی طور پر رائے دینے کا حق حاصل ہو، بڑے سے بڑے علامۂ دہر اور پیکر دیانت و صداقت کی رائے کو بھی اتنی ہی وقعت ہو گی جتنی کہ ایک عام آدمی کے ووٹ کو، اگر ایک امیدوار کے حق مین خودغرض اور جاہل مطلق انسانون کی اکیاؔون آرار اور دوسرے کے حق مین بڑے بڑے اصحاب علم و بصیرت کی انچاس رائین ہیں، تو جمہوریت کے موجودہ آئین کے اعتبار سے اوّل الذکر امیدوار کے سر کامیابی کا سہرا بندھے گا، اور یہ نہین دیکھا جائے گا کہ دوسری طرف کا ایک ووٹ اُن کے ہزارون ووٹون سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے،

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

یہی وجہ ہے کہ اسلام مین انتخاب خلیفہ کا حق صرف ملت کے اصحاب علم و عمل اور ارباب عقل و دانش کو دیا گیا ہے، جن کو امت مین زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل ہوتا ہے، اور ان کی دیانت، صداقت اور اخلاقی تقدس پر کسی کو انگشت نمائی کا موقع نہین ہوتا، اور ان کا فیصلہ پوری امت کا فیصلہ متصور ہو سکتا ہے،

کیونکہ اسلام مین اعتمادِ عام اور ترجیح و امتیاز کی وجہ صرف علم و عمل ہے، اور اسی شخص کی، اسے با وزن ہو سکتی ہے جو ان اوصاف سے متصف ہو، اس بنا پر حکومتِ اسلامی مین اسی قسم کے لوگون کو اختیار و اقتدار حاصل ہوتا ہے، اور انتخاب فیصلہ کے سلسلہ مین ان ہی لوگون کو ارباب حل و عقد کی اصطلاح سے موسوم کیا جاتا ہے، چنانچہ عہدِ خلافتِ راشدہ مین خلفاے اربعہ کا انتخاب اسی طرز پر ہوا خلیفہ اول سے لے کر خلیفہ چہارم تک انصار و مہاجرین کو اہلِ حل و عقد تسلیم کیا جاتا رہا، اور اُن کے فیصلہ کو پوری اُمت کے لئے حکم ناطق کی حیثیت حاصل رہی، حضرت علیؓ کے زمانہ مین جب خلافت کے سلسلہ مین نزاع برپا ہوئی تو مسلمانون مین دو فریق پیدا ہوگئے، گو مسلمانون کی ایک بڑی تعداد امیر معاویہؓ کے ساتھ بھی تھی، مگر اسلام کے اربابِ حل و عقد یعنی انصار و مہاجرین کی حمایت حضرت علیؓ کو حاصل تھی، اس لئے قریبًا مسلمانون کے تمام فرقے اس امر پر متفق ہین کہ حضرت علیؓ کی خلافت جامع الشروط تھی، خود حضرت علیؓ کا وہ خط جو انھون نے امیر معاویہؓ کو لکھا تھا، اس بات کے لئے بطور سند پیش کیا جا سکتا ہے کہ عہدِ خلافتِ راشدہ مین حل و عقد کے اختیارات صرف انصار و مہاجرین کو حاصل تھے،

انّہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابا بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ وعلی ما بایعوھم علیہ فلم یکن للشاھد ان یختار ولا للغائب ان یرد وانما الشوری للمھاجرین والانصار الخ،

(نہج البلاغہ - جلد ۲)

اس قوم نے میری بیعت کی جس نے ابو بکرؓ عمرؓ، عثمانؓ کی بیعت کی تھی، جس شرط پر ان کی بیعت عمل مین آئی اسی شرط پر میری بیعت کی گئی ہے، لہذا جو شخص انتخاب کے وقت موجود تھا، اس کو یہ حق حاصل نہین کہ وہ اپنی راے پر اڑا رہے اور جو اس وقت حاضر نہین تھا، اس کو بھی یہ حق نہین کہ وہ اس انتخاب کو رد کرے کیونکہ حق انتخاب صرف

مہاجرین و انصار کی طرف اشارہ

عزل امیر کا بغیر مشروط اختیار | بہت سی جمہوری ممالک میں نمایندگان کا انتخاب ایک معین مدت کے لئے کیا جاتا ہے، اس مدت سے قبل اُن کے عزل کا کسی کو اختیار نہیں یعنی انتخاب سے پہلے تو عوام کو قوت و اقتدار کا اصل منبع قرار دیا گیا ہے، لیکن انتخاب کے بعد ان کو مجبور محض اور عضو معطل بنا کر رکھدیا گیا ہے؛ اگر عوام کا منتخب شدہ نمایندہ انتخاب کے بعد اُن کی خواہشات کا احترام نہ کرے، اور حکومت کی گدی پر بیٹھتے ہی اس کا رُخ بدل جائے، اور اس کو عوام کا اعتماد حاصل نہ رہ جائے، تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک طویل مدت تک کے لئے وہ لوگوں کی گردنوں پر مسلط رہے کیا یہ امر جمہوریت (ڈیموکریسی) کی روح کے منافی نہیں ؟

اسلام میں امارت وخلافت کی پہلی اور آخری شرط اتباعِ شریعت ہے، یعنی امیر کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ ایک قدم بھی حدودِ شریعت سے تجاوز نہ کرے اور اسی ذریعہ سے وہ عوام کا اعتماد حاصل کرسکتا ہے، اسلام میں امتیاز و ترجیح کا سبب علم وعمل اور کتاب وسنت کا اتباعِ کامل ہے، اگر یہ نہیں تو اس پر اعتماد بھی نہیں، اس لئے اگر کوئی شخص امارت وخلافت کی گدی پر بیٹھنے کے بعد اسلام کے طریقہ سے انحراف کرتا ہے، یا امور دینی کے انتظام و انصرام میں کوتاہی کرتا ہے، تو امت کو اس کو معزول کرنے کا حق ہے، اس سلسلہ میں مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت معاذ بن جبل کے وہ الفاظ کافی ہوں گے جو انھوں نے دربارِ روم میں ارشاد فرمائے تھے،

وَ امیرنا رجل منا، ان عمل	ہمارا امیر ہماری طرح کا ایک آدمی ہوتا
فینا بکتابنا وسنۃ نبینا اقررنا	ہے، اگر وہ ہم میں کتاب وسنت کے
علینا وان عمل بغیر ذالک	مطابق عمل کرے تو اس کو ہم خلافت پر
عزلناہ عنا،	برقرار رکھتے ہیں، ورنہ ہم اس کو
(فتوح الشام ازدی ص ۱۰۵)	معزول کردیتے ہیں،

حضرت معاذؓ نے مسلمانوں کے امیر کا منصب نہایت دلچسپ پیرایہ مین بیان کر دیا ہے، علم کلام کی مشہور اور مستند کتاب مواقف اور شرح مواقف مین اس مسئلہ کو زیادہ وضاحت سے پیش کیا گیا ہے،

وللامة خلع الامام وعزله	جمہور اسلام کو امیر کے معزول کرنے کا
بسبب یوجبه مثل ان یوجد	حق حاصل ہے جب کہ اس کی وجہ سے احوال
منه ما یوجب اختلال احوال المسلمین	مسلمین اور امور دین مین اختلال رونما ہو جائے
وانتکاس امور الدین کما کان لهم	جس طرح ان امور کے انتظام و اعلاء کی
نصبه اقامة لانتظامها واعلائها (ص۷۰۷)	خاطر ان کو انتخاب امیر کا حق حاصل ہے،

تاریخ فقہ اسلامی

مصری عالم خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جس میں ہر دور کی فقہ اور فقہاء پر مکمل اور ایسا تبصرہ ہے جس سے جدید فقہ کی ترتیب میں مدد مل سکتی ہے، حجم ۴۸۰ صفحے قیمت للعہ

القضاء فی الاسلام

اس میں طریقہ شہادت اور انفصال مقدمات کے متعلق قرآن حدیث اور فقہ کی کتابوں سے اخذ کر کے اسلامی اصول اور قوانین کی تشریح کی گئی ہے، اور قانون پیشہ حضرات کے لئے اس کا مطالعہ بیحد مفید ہے،

ضخامت :- ۹۲ صفحے، قیمت : ۱۰ر

"منیجر"

براکلمانؒ کتاب کا نیا اڈیشن

از

پروفیسر زبید احمد صاحب الہ آباد یونیورسٹی

حضرت مخدومی المحترم السلام علیکم

بآداب نیاز مندی عرض ہے، کئی روز ہوئے والا نامہ سامی میرے عریضے کے جواب مین پٹنے سے شرف صدور لاکر میری سرفرازی کا باعث ہوا تھا، علالت دشمنان کا حال معلوم کرکے رنج ہوا خدا کرے کہ اب آپ پوری طور پر صحت یاب ہوگئے ہون امید ہے کہ آپ پٹنے سے اعظم گڈھ واپس تشریف لے آئے ہون گے، ورنہ یہ خط وہین بھیج دیا جائے گا،

براکلمان طبع ثانی ۳۷ء یا ۳۸ء مین شائع ہوئی، اور میرے مطالعہ مین ایسے وقت مین آئی کہ مین اُس سے فائدہ نہین اُٹھا سکتا تھا، میرا مقالہ ۲۹ء مین مرتب ہو چکا تھا، البتہ بعد مین وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہا، اگر براکلمان کا دوسرا اڈیشن وقت پر مجھے مل جاتا تو اس سے بھی متمتع ہوجاتا، اس مین تیس ، ایسے مصنفین ہین، جن کا میری کتاب مین ذکر نہین، پہلے اڈیشن مین تو ہندوستان کے متعلق بہت ہی کم مواد تھا، نئے اڈیشن مین کئی صفحے ہین،

براکلمان طبع ثانی کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یورپ والے کس قدر محنت وکاوش دماغ سوزی اور تجسس سے کتاب لکھتے ہین، ان کے ذرائع غیر محدود، فراغت خاطر حاصل، پھر طباعت کی سہولتین میسر براکلمان کے مقابلے مین میری کتاب کوئی وقعت نہین رکھتی تاہم مین دیکھتا ہون کہ براکلمان مین جو

چند صفحات ہندوستان کی بابت ہیں، اس میں کم از کم چار قسم کی غلطیاں ہیں، حالانکہ اس کی تصحیح و تنقیح کے لئے کیا کچھ نہ کیا گیا ہوگا،

۱- ایک قسم کی غلطی تو یہ کہ کتابون کے نامون مین تلفظی غلطی رہ گئی ہے، مثلاً سبحۃ المرجان کو بفتح سین لکھا ہے،

۲- دوسری قسم کی غلطی یہ کہ ایک ہی مصنف کو دو مختلف ہستیان مان کر اُن کا دو جگہ ذکر کیا گیا ہے،

۳- تیسری قسم کی غلطی یہ کہ بعض کتابون کے نام صحیح نہین لکھے، مثلاً عوارف کی ایک ہندی شرح کا نام ذوارف اللطائف ہے براکلمان نے لطائف العوارف لکھا ہے،

۴- بعض کتابون کو غلط مصنفون سے منسوب کر دیا ہے، مثلاً ملا محمود جونپوری کی شمس بازغہ ملا جیون کی تصنیف بتائی ہے، اور شاہ ولی اللہ کی مسوی شرح موطا کو شاہ عبد العزیز علیہ الرحمۃ کی

براکلمان کو جو سہولتین حاصل تھین، ان کا عشر عشیر بھی مجھے میسر نہین،

کلیاتِ شبلی فارسی

مولانا شبلی مرحوم کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات اور قطعات کا مجموعہ، جو اب تک متفرق طور سے دیوانِ شبلی، دستۂ گل، بوئے گل، برگِ گل کے نامون سے چھپے تھے، اس مین سب یکجا کر دیئے گئے ہین،

ضخامت :- ۱۲۴ صفحے، قیمت :- عہ

"منیجر"

آثارِ علمیہ عتیقہ

مکاتیب مولانا عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ

"مولانا محمد ادریس صاحب نگرامی مولف تذکرہ علمائے حال، حضرت مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ فرنگی محلی کے شاگرد تھے، استاد نے شاگرد کے نام جو خطوط لکھے تھے، وہ مولانا محمد ادریس کے پوتے مولانا محمد ادریس صاحب نگرامی استاذ ندوۃ العلماء سابق رفیق دارالمصنفین کی وساطت سے ہم کو مل گئے ہیں، ان میں ایک خط مولانا محمد نعیم فرنگی محلی اور ایک مولانا شاہ ہادی عطا صاحب سلونوی کا بھی ہے، ان تاریخی تبرکات کو ناظرین معارف کی ضیافت طبع کے لئے شائع کیا جاتا ہے۔"

مکتوب اول:۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم، از محمد عبدالحی عفا عنہ مولوی صاحب مجمع لطف و کرم معدن عنایت اتم مولوی محمد ادریس صاحب زاد اللہ فضلہ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ رقعۂ عنایت مع ہدایہ رسیدہ مطمئن ساخت قبل ازین یک رقعہ رسیدہ بود لسبب عدم فرصت نوبت تحریر جوابش نرسیدہ زبانی حامل رقعہ جوابش گفتہ بودم ہمیشہ از اخبار خود مطلع فرمودہ باشند و بخدمت حافظ صاحب[۱] سلام مع شوق رسانند نشان قیام حیدرآباد این چنین است بحیدرآباد دکن قریب مکہ مسجد محلہ مغلپورہ بہ مکان مولانا محمد حید مرحوم رسیدہ فلان را برسد والسلام فقط

تحریر یازدہم جمادی الاولیٰ ۱۲۹۶ھ

---

[۱] مکتوب الیہ کے والد ماجد مولانا حافظ عبدالعلی صاحب نگرامی۔ "ادریس"

مکتوب دوم:- بسم اللہ الرحمن الرحیم از محمد عبدالحی عفا عنہ بمولوی صاحب جامع فضائل حاوی فواضل مولوی محمد ادریس صاحب دام فضلہ السلام علیکم مع الخیر بودہ مستدعی الخیر می باشم محبت نامہ رسیدہ مبہج گردانیدہ بسبب لحوق تردد تر دوست در تسطیر جواب تاخیر افتاد اولاً دختر خود فقیر رحلت کرد پس ازان در علالت والدہ صاحبہ شفاہا اللہ کہ از عرصہ شش ماہ علیل اند اشتداد شدہ حتی کہ صاحب فراش شدند او تعالیٰ رحم فرماید، ہرچند کہ امسال قصد مصمم سفر حیدرآباد می داشتم، مگر بوجہ علالت والدہ صاحبہ مجبور ہستم عرضی رخصت دیگر ارسال کردہ ام، اگر منظور شدہ فبہا ورنہ تا شوال صورت روانگی خواہد شد، باقی حال بدستور بخدمت جناب مولوی حافظ عبدالعلی صاحب دام مجدہ سلام مسنون برسانند یک نسخہ سعی مشکور ہدیہ مرسل است قبول باد والسلام۔ فقط

تحریر یازدہم شعبان روز جمعہ ۱۲۹۶ھ

مکتوب سوم:- از محمد عبدالحی عفا عنہ بمولوی صاحب جامع فضائل مولوی محمد ادریس صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ قبل ازین خطے ارسال کردہ ام و یک رسالہ خود سعی مشکور نیز ہدیہ برائے جناب حافظ صاحب ارسال ساختہ ام رسیدہ باشد یا خواہد رسید از خیر رسید نفس مطمئن خواہند فرمود امروز محبت نامہ مورخہ درماہ رواں رسیدہ مسرور ساختہ بر ادراک مضامین آن حیرتے بردا شتم حاشا وکلا کہ تخطیہ جناب حافظ صاحب کردہ باشم یا بر تحریر جناب شان حکم غلط کردہ باشم، عادتم چنان است کہ ہم چو کلمات بر تحریرات جہلا ہم نمی آرم چہ جائیکہ بر تحریر جناب شان یا آن عبارت خط مشوق علی کہ تحریر کردند، زنہار عبارت فقیر نیست، بلکہ از مخترعات فرقہ شان است، ودر تحریر خود حوالہ درمختار ہم ندادم البتہ باسناد عبارت ردالمحتار حاشیہ درمختار والذی یظہر ان العلۃ الاستلذاذ فقط ویفہم منہ انہ حیث لا استلذاذ لا کراہۃ ولاسیما اذا کان بعاقۃ انتہیٰ نوشتہ ام کہ" قت عدم استلذاذ مکروہ نہیں ہے" عبارت تحریر خود بجنسہ یاد ندارم ورنہ نقل آن نزد خود

نداشتہ بودم، اصل استفتا کہ بر آن تحریر فقیر است طلب داشتہ ملاحظہ فرمایند کہ از آن کیفیت افتا معلوم خواہد شد والسلام بخدمت حافظ صاحب سلام مسنون برسانند بتاریخ ۲۹ رجب درین جا ابر بود ہلال بنظر نرسیدہ لاجرم بروز سہ شنبہ غرہ شعبان مقرر شدہ، از بعض تحریرات بعض بلاد مدرک گشتہ کہ در آنجا غرہ بروز دوشنبہ شدہ مگر ہنوز ثبوت آن بطور شرعی نشدہ کہ بر آن اعتماد کردہ شود،

فقط تحریر بست دیکم شعبان روز دوشنبہ ۱۲۹۶ھ،

مکتوب چہارم: از محمد عبدالحی عفا عنہ، سلام مسنون الاسلام قبول فرمانید محبت نامہ رسید مسرور فرمودہ جواب استفتا ہائے مرسلہ انشاء اللہ بماہ شوال ارسال خواہم کرد، درین ایام فرصت یک لحہ ندارم والدہ معظمہ بتاریخ ۲۳ شعبان رحلت فرمودند تفکرے وملالے کہ لاحق حال ست خارج از تحریر رضینا بقضاء اللہ وقدرہ، ہمین سبب نوبت تحریر جواب عنایت نامہ سابقہ نرسیدہ معاف خواہند فرمود والسلام، بخدمت جناب حافظ صاحب سلام مسنون برسانند،

مکتوب پنجم: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، نامہ محبت رسیدہ مسرور فرمودہ فی الواقع درین جا عید بروز پنجشنبہ شدہ بروز چہار شنبہ ۲۹ رمضان مطلع صاف بود، اکثر کسان را ہلال بوجہ این کہ نہایت باریک بود ودر شعاع شمس مختفی بودہ بنظر نرسید لیکن بسیارے از کسان آنرا معائنہ کردند، چنانچہ درین محلہ دو کس دیدند وخارج آن از محلات متعددہ شہادت رسیدہ در ثبوت آن شکے نماندہ، ارباب تشیع ہم ہلال دیدہ، نزد مجتہد گواہی رسانند لیکن ایشان تسلیم نکردند طلبا لمخالفتنا، وعید بروز جمعہ کردند، پس از بلاد متفرقہ مثل بنارس وبمبئی وناگپور وغیرہم خبر رویت بروز چہار شنبہ رسید، رخصت دو سال فقیر از حیدرآباد منظور شد، جواب استفتا ہائے مرسلہ بسبب قلت فرصت ہنوز نوشتہ نشد انشاء اللہ از عقب خواہند رسید، والسلام بخدمت والد ماجد خود سلام مسنون برسانند،

مکتوب ششم از محمد عبدالحی عفا عنہ بخدمت مولوی صاحب جامع فضائل مولوی محمد ادریس صاحب دام لطفہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ نامہ محبت رسیدہ باعاث خبر خیریت مسرور گشتم وبدریافت اشتغال علمی وقرب فراغ کمال فرحت دست داد تعالیٰ شانہ زود تر بدرجہ کمال رساناد عنایت نامۂ سابقہ کہ رسیدہ بود، بوجہ قلت فرصت نوبت تحریر جوابش نہ رسید معاف خواہند فرمود و دائماً از کوائف خود مطلع فرمودہ باشند تا ماہ شعبان رخصت فقیر باقی است اگر سامان رخصت دیگر بست فبہا ورنہ تا شوال عازم حیدرآباد خواہم شد، باقی حال بدستور خدمت جناب حافظ صاحب دام مجدہٗ سلام مسنون رسانیدہ شود، فقط،

تحریر ۲۰ صفر روز پنجشنبہ ۱۲۹۶ھ

مکتوب ہفتم جامع فضائل حاوی فواضل مولوی حافظ محمد ادریس صاحب السلام علیکم وقلبی لدیکم ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ انا الی اللہ لاقوا من کل مصیبۃ فباللہ تثقوا ؎

وَاذا اصبتک مصیبۃ تشجی بھا ۔۔۔ فاذکر مصابک بالنبی محمد

دو قطعہ محبت نامہ رسیدند بسبب علالت کہ از عرصۂ یک ماہ مبتلائے تپ ولرزہ واسہال شدہ، تکالیف بر داشتم، در تحریر جوابات تاخیر افتاد وہنوز فساد معدہ باقی است وضعف بحدے ست کہ در تحریر این چند سطور نیز تکلف می شود، رحلت والدآن مہربان نہ امریست کہ صرف آن مہربان در ملالش گرفتار شدند بلکہ ہر کس کہ از جناب شان ملاقات می دارد درین ماتم مبتلا است خصوصاً فقیر کہ باستماع این خبر ملالے کہ لاحق گشتہ از حیطہ تحریر بیرون است فرحم اللہ رحمۃ واسعۃً صبر فرمودہ بدرجات اللہ مع الصابرین نائز شوند طیاری چبوترہ بلندی قبر از ان بقدر یک شبر مضائقہ ندارد در پختہ کردن قبر اختلافے است عبارت کشف الغطائی رسدہ[۱]،

---

[۱] مکروہ است گچ کردن قبر کذا فی اکثر الفتاوی والشروح ودر معدن گفتہ این قول قدماء است ومتاخرین،

روز ظاہر اعند الضرورت لاباس بہ است الان الاولیٰ ہو الترک بالفعل رسالہ قد حالی علمائے ہندی نوسیم بنا بر علیہ تکلیف کہ از حال والد مرحوم خود مفصلاً مطلع سازند یعنی امور عنزدری الاطلاع اند نسب دو پشت تا ہیل ممکن تاریخ و ماہ و سنہ ولادت تاریخ و ماہ و سال وفات ذکر اساتذہ ذکر تصانیف ہر قدر کہ معلوم باشد اطلاع فرمائیدہ دائماً از اخبار خیریات خود مطلع فرمودہ باشند و فقیر را از خلص احباب خود تصور سازند والسلام فقط

تحریر ۱۶ ذیقعدہ روز یکشنبہ ۱۲۹۶ھ

مکتوب ہشتم . بخدمت مولوی محمد ادریس صاحب ام لطفہ السلام علیکم ، محبت نامہ رسیدہ مسرور الوقت گردانیدہ بسبب قلت فرصت در تحریر خطوط ازیں جانب تاخیری شود خیالش نفرمودہ دائماً بارسال عنایت ناجات یاد و شاد کردہ باشند بسبب عدم فرصت ہنوز نوبت معائنہ رسالہ ہائے آں مہربان ہم نہ رسیدہ اگر فرمائید آنہا را حوالہ میاں حسین علی سازم کہ نزد آں مہربان رسانید غرۂ رمضان اگرچہ دینجا ہم بروز دوشنبہ گشتہ مگر از بمبئی و حیدرآباد و سہارنپور و اطراف دیوبند و رائے بریلی وغیرہ خبر بود کہ یکشنبہ غرۂ رمضان رسیدہ بلکہ در دیوبند غرہ بروز شنبہ شدہ ہلال بروز جمعہ دیدہ شد حکم مادہ شد کہ ہر کہ بروز یکشنبہ روزہ داشتہ در رمضان محسوب شدہ و ہر کہ نداشتہ قضا بروئے لازم . فقط محمد عبدالحیؒ از فرنگی محل لکھنؤ ۹ رمضان روز یکشنبہ ۱۲۹۷ھ،

مکتوب نہم ، مولوی صاحب علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ، کتب مطلوبہ متعلق می ماندہ مرا آنجان ہمراہ برند از مولوی عبدالوہاب صاحب اجازت خواہم گرفت ، مگر بعرصہ دو ماہ ضرور ارسال خواہند فرمود ، موطا و ابراز الغی از عقب خواہد رسید والسلام فقط محمد عبدالحیؒ از لکھنؤ،

بقیہ حاشیہ ص ۳۷۳ متحقق داشتہ اند و در کہگل نمودن قبر نیز اختلاف است روایت مشہور قول بکراہت و در تحسین لاباس بہ است و در تاتار خانیہ مذکور است اگر خراب شوند قبور باک نیست بکہگل نمودن و در جواہر اخلاقی آوردہ کہ ہمیں صحیح است و بر ہمیں است فتویٰ کشف الغطا عما لزم للموتیٰ علی الاحیاء ،

مکتوب دہم:۔ مشفق مہربان مولوی حافظ محمد ادریس صاحب، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، محبت نامہ مورخہ ۲۳ رسیدہ بر مضامین مندرجہ مطلع ساختہ از عرصہ دو ماہ بتلائے تپ و آشوب چشم شدم، ازیں جہت نوبت معائنہ رسائل آں مہرباں نرسیدہ، اگرچہ از تپ وغیرہ نجات حاصل گشتہ مگر در چشم ہنوز خللے باقیست، انشاء اللہ بعد حصول صحت کاملہ آنہا را معائنہ کردہ ارسال خواہم کرد، شرح فرائض شریفیہ وغیرہ چونکہ دریں ایام متعلق شدند نوبت ارسالش نرسیدہ موطا امام محمد قریب ربع طبع شدہ است، چہ عجب کہ در عرصہ شش ماہ تیار گردد، والسلام محمد عبدالحیٔ عفا عنہ از فرنگی محل لکھنؤ،

تحریر ۲۲ ربیع الثانی روز دوشنبہ ۱۲۹۷ھ

مکتوب یازدہم:۔ از محمد عبدالحیٔ عفا عنہ بجی مولوی محمد ادریس صاحب بعد سلام مسنون الاسلام واضح باد منیفہ محبت رسیدہ بر مضامین مندرجہ اطلاع بخشید قیمت موطا رسیدہ حوالہ جناب مولوی خادم حسین صاحب کردہ شد، والسلام،

مکتوب دوازدہم:۔ بخدمت مولوی حافظ محمد ادریس صاحب دام لطفہ، السلام علیکم ورود محبت نامہ بہیج شدم بسبب قلت فرصت در ارسال خطوط تاخیر می شود از رسائل مطلوبہ بجز قول اشرف و امام الکلام دیگرے طبع نہ شدہ، قول اشرف مفقود، امام الکلام بدوکان مصطفائی بقیمت ۸ر فروخت می شود، قبر فاطمہؓ مختلف فیہ بعضے در بقیع و بعضے قریب روضہ نبویہ می گویند، در مدینہ طیبہ ہر دو جا قبر موجود ست، درباب والدین توقف اسلم است اللہ اعلم بحقیقۃ الحال باعث شدن اجتماع مکروہات تنزیہیہ کراہت تحریمیہ را ہنوز ندیدہ ام، و درباب وفات نووی اختلاف اقوال معلوم می شود، بالفعل بتحریر تاریخ علمائے ہند مصروف ام شنیدہ ام کہ در بھوپال جواب ابراز الغی نوشتہ می شود باوجود ہمچو اغلاط جرأت لائق مضحکہ است باقی حال بدستور فقط محمد عبدالحیٔ عفا عنہ از لکھنؤ فرنگی محل

تحریر یازدہم صفر روز چہارشنبہ ۱۲۹۸ھ،

مکتوب سیزدھم:۔ از محمد عبد الحیٰ عفا عنہ بخدمت مولوی صاحب مجی مفضل اتم منبع لطف
کرم مولوی حافظ محمد ادریس صاحب، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ للہ الحمد مع الخیر بودہ مستدعی الخیر
باشم، محبت نامہ بذریعۂ ڈاک رسیدہ بدریافت اخبار خیریات اطمینان بخشید، فی الواقع از عرصہ ازیں جانب
نوبت ارسال خطوط نرسیدہ مگر سبب آں بجز عدم فرصت دیگرے نیست بسبب تدریس و تالیف فرصت
یک لحہ نمی شود، ہمیں سبب در تحریر جواب خطوط احباب تاخیر می شود و در تحریر جوابات فتاویٰ کہ از
اطراف می آید نیز تاخیر می شود، خیال ایں امر بنوعے نہ فرمائید و فقیر را یکے از خلص احباب خود دانند
و ضرورت دریافت ہر امر کہ باشد بلا تکلف ازاں مطلع فرمودہ باشند، بالفعل رسالہ درباب سقوط حد
زنا از نکاح محارم کہ جہلا دریں مسئلہ لعن و طعن بر حنفیہ می سازند می نویسم انشاء اللہ تعالیٰ بعد طبع ارسال
خواہم کرد والسلام فقط

تحریر ۱۲ ار رجب بروز جمعہ ۱۲۹۸ھ

مکتوب چہاردھم:۔ از محمد عبد الحیٰ عفا عنہ مولوی صاحب مشفقی و مجی مولوی حافظ
محمد ادریس صاحب دام لطفہ، سلام مسنون الاسلام قبول باد للہ الحمد مع الخیر بودہ مستدعی الخیر
می باشم در ینجا بشہادت معتبر رویت ہلال ۲۹ ر شعبان ثابت شدہ و غرہ رمضان بروز دوشنبہ
مقرر گشتہ و بہ سلخ رمضان روز سہ شنبہ ہلال عید بنظر آمدہ بروز چہارشنبہ نماز عید ادا شد اہل تشیع
مخالفت کردہ غرہ رمضان بروز سہ شنبہ مقرر کردہ و عید بروز پنجشنبہ ساختند بسبب قلت فرصت
از عرصہ نوبت ارسال خطوط نہ رسیدہ بریں تاخیر لحاظ نفرمودہ ہمیشہ بارسال عنایت نامجات
یاد و شاد فرمودہ باشند والسلام،

تحریر نہم شوال بروز پنجشنبہ ۱۲۹۹ھ

مکتوب پانزدھم:۔ بخدمت مولوی محمد ادریس صاحب دام لطفہ، السلام علیکم

ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، محبت نامہ پہونچا، حال مندرج معلوم ہوا، مقدمہ معلومہ کی بابت مین اس وقت تک کوئی شخص نہین آیا، نہ کوئی فتویٰ، وقت آمدن دیدہ خواہد شد، مین اپنا حال کیا لکھون، شوال مین چند سبق شروع کرائے دورات مرع کا پھر اعادہ ہوا، پھر وہی کیفیت دردسر وضعف کی ہو گئی، علاج مین مصروف ہون، حق جل شانہٗ رحم فرمائے، مجامیع مطلوبہ ابھی زیر طبع ہین، کلہ ہلال ذیحجہ دیکھا گیا، آج روز چہارشنبہ غرہ بلا خلاف مقرر ہے، والسلام

محمد عبدالحی عفاعنہ،

مکتوب شانزدہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ، از صبح تا فراغت نہ گھنٹہ فرصت می ماند طبیعتم بہ نسبت سابق درست است، مگر ہنوز اعتدال کلی نیست، درین ایام در منشور متعلق است ازین جہت از ارسالش معذورم یک فہرس برائے ملاحظہ مرسل است،

محمد عبدالحی عفاعنہ ۲۵ شعبان یکشنبہ،

مکتوب ہفتدہم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حسب الطلب جواب سوالات بھیجتا ہون، کتاب ذہبی واستیعاب مولوی حامد حسین صاحب کے پاس ہے، آج مین نے طلب کیا تھا، انھون نے عذر متعلق ہونے کا کیا، اصابہ میرے پاس نہین، والسلام

محمد عبدالحی عفاعنہ،

مکتوب ہشتدہم از محمد عبدالحی سلام مسنون قبول فرمائید، محبت نامہ پہنچا، حال معلوم ہوا، ان دنون ایسے ترددات مین مبتلا رہا، کہ تحریر جواب مین تاخیر ہوئی، پہلے تو میری طبیعت کسلمند ہو گئی پھر دختر خرد سالہ کہ عمر سہ سال کی تھی، بعارضہ چیچک قضا کر گئی، اس مرتبہ اس مرض کی یہان ایسی وبا ہے، کہ باہزار اطفال ضائع ہو چکے ہین، حق جل شانہٗ اپنا رحم فرمائے، مال زکوٰۃ مین تملیک شرط ہے، مرمت مسجد مین صرف ہونے سے ادا نہ ہوگی، ہان ایک صورت یہ ہے کہ صاحب زکوٰۃ وہ مال کسی محتاج کو دے دیوے، اور وہ محتاج

اس کو مرمت مسجد میں لگا دے، والسلام از لکھنؤ فرنگی محل،

تحریر بست ویکم صفر روز سہ شنبہ ۱۳۰۰ھ

مکتوب نوزدھم بخدمت مولوی حافظ محمد ادریس صاحب دام لطفہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، قبل ازین جو خط آپ کا گڈاہی سے آیا تھا، اُس کا جواب مین نے بھیج دیا ہے، شاید نہین پہنچا، رسالہ نفع الحسن نہایت عمدہ اور محقق ہے، دو رکعت نوشتہ کی کچھ اصل نہین ہے، در باب نشر سکر احادیث وارد ہین مگر ضعیف، فضائل اعمال مین کافی ہین، ظواہر احادیث صحاح سے معلوم ہوتا ہے، کہ ثقب آذان بنات زمانہ رسول اللہ مین تھا، بالا پہننا کان مین عورتون سے مروی ہے، "ابراز الغی یعنی والسیوطی فی بغیۃ الوعاۃ" اصل مسودہ مین نہین ہے، تنبیہ اس کی رد الرد مین جواب لکھ رہا ہون کر دی ہے، ظاہر الحاق مین کھڑے ہونے سے اگر حال اُس کا مقتدیون پر مخفی ہو جاوے، تو کراہت تنزیہی ہو گی، ورنہ نہ، مقتدی بعد امام کے رکوع وسجدہ مین جاوے نہ ہمراہ، دو چار روز کے بعد مین مرزا پور جانے والا ہون، اول رجب تک انشاء اللہ واپس آؤن گا، والسلام محمد عبد الحی عفا عنہ از لکھنؤ فرنگی محل،

تحریر بستم جمادی ثانیہ روز دو شنبہ ۱۳۰۰ھ،

مکتوب بستم:- جامع فضائل مولوی حافظ محمد ادریس صاحب زاد لطفہ، از محمد عبد الحی عفا عنہ، سلام مسنون قبول فرمایند، محبت نامہ رسیدہ کاشف مندرجہ گردید، کتب حدیث دفعۃً اکثر متعلق می مانند گاہے احتیاج بکتابے وگاہے بدیگرے می ماند، ازین جہت در ارسال آنہا معذور می مانم، نقل اسانید شیوخ کنانیدہ و اجازت حصن حصین بوقت فرصت نوشتہ از عقب ارسال خواہم کرد، والسلام، از لکھنؤ فرنگی محل، تحریر ۱۹ شوال روز پنجشنبہ ۱۳۰۰ھ

مکتوب بست ویکم، بخدمت مولوی صاحب جامع فضائل دام لطفہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، میزان نزد خود دارم، چون از کتب مطلوبہ اکثر تعلق می ماند، در ارسال آنہا معذورم

مجموعہ فتح المنظور بالفعل می فرستم در عرصہ دو یک ماہ واپس ارسال خواہند ساخت، والسلام

محمد عبدالحی عفا عنہ،

مکتوب بست و دوم:۔ جامع کمالات و فضائل مولوی حافظ محمد ادریس صاحب از محمد عبدالحی عفا عنہ سلام مسنون قبول فرمائید عنایت نامہ رسیدہ حال مندرجہ معلوم گردید، در بحث نکاح زوجہ مفقود بمقتضائے تصریحات جمہور حنفیہ ہمین منقح است کہ شوہر اول زوجہ خود را بگیرد، لیکن بہ مقتضائے مذہب امام مالک کہ حنفیہ بضرورت برآن فتوی می دہند، شوہر اول نمی تواند چہ صحیح بمذہب مالکی ہمین است کہ بعد صحبت شوہر ثانی، شوہر اول گرفتن نمی تواند، اجازہ حصن حصین بسبب قلت فرصت ہنوز نوشتہ نہ شد، انشاء اللہ بوقت فرصت نوشتہ خواہم فرستاد، والسلام، از لکھنؤ فرنگی محل،

تحریر ۱۲ ربیع الثانی روز شنبہ ۱۳۰۱ھ

مکتوب بست و سوم از مولوی عبدالحی عفا عنہ، بخدمت مولوی صاحب جامع کمالات اشفاق مولوی محمد ادریس صاحب دام فضلہ، پس از سلام مسنون ابراز مرام یہ ہے، کہ رسالہ موضوعات ملا علی قاری پہنچا، مین دو مہینے سے اکثر سفر مین رہا، کبھی مرزاپور کبھی کاکوری، کبھی کسی اور طرف گیا، اسی وجہ سے نوبت تحریر کی نہین آئی، بروز دوشنبہ پھر سفر فیض آباد کی طرف کا پیش ہے، تا شب برات انشاء اللہ واپس آؤنگا، رسالۂ زدہ بھوپال قریب الختم ہے، صرف غلطنامہ چھپنے کو باقی ہے، بعد تیاری ارسال کرونگا، والسلام

تحریر ۲۰ رجب روز شنبہ ۱۳۰۱ھ

مکتوب بست و چہارم شفیقی مولوی حافظ محمد ادریس صاحب از محمد عبدالحی عفا عنہ، سلام مسنون قبول ہو، بشہادت شاہدان کہ رام پور و ٹانڈہ سے آئے رویت ہلال رمضان ۲۹ شعبان کو ثابت ہوئی یہان جمعہ کو اعلان کر دیا گیا، کہ غرہ رمضان چہارشنبہ کو ہوا جس نے اُس روز روزہ نہ رکھا ہو اس کو قضا لازم ہے، اب اگر بروز چہارشنبہ ۲۹ رمضان کو چاند عید کا ہو گیا، تو بروز پنجشنبہ عید ہوگی ورنہ بروز جمعہ

ضرور عید ہو گی، رو د نواب بھوپال کے ادسال مین ۳۰ روپے صرف ہوتا ہے، کوئی وہان جانے والا ملے گا، تو اس کے ساتھ ضرور بھیجدون گا، والسلام

تحریر شانزدہم رمضان روز پنجشنبہ سنہ ۱۳۰۱ھ

مکتوب بست و پنجم از محمد عبدالحی عفا عنہ بخدمت مولوی صاحب جامع کمالات

د الطاف مولوی حافظ محمد ادریس دام لطفہٗ پس از سلام مسنون الاسلام ابراز مرام یہ ہے، بعد عرصہ کے محبت نامہ پہنچا، دریافت خیریت سے اطمینان ہوا، مین حیدرآباد مین سخت علیل ہو گیا تھا، آج تک اس کا اثر باقی ہے، کہ ہر روز درد سر رہتا ہے، ضعف دماغ اس درجہ رہتا ہے، کہ تدریس و تالیف سے بالکلیہ معذور ہون، اب انشاء اللہ بشرط صحت انتظام تدریس شوال مین ہوگا، ان دنون جلد دوم شرح وقایہ کی تحشی مین مصروف ہون، غالباً ماہ مبارک مین ختم ہو جاوے، محمد سعید نومسلم نامی نواب صاحب کے جواب تذکرۃ الراشد کا اردو مین چھاپ دیا ہے، اُس مین مغلظ گالیان دی ہین، اور سے التزام اس امر کا ہے، کہ ان رسائل تبرا کا جواب نہ دیا جاوے گا، درباب مجددیت ناحق نافہمون نے غل مچایا ہے کیا مولوی سید احمد صاحب مرحوم و مغفور کی فضیلت صفت مجددیت پر موقوف ہے، کیا غیر مجدد مجدد سے افضل نہین ہوتا ہے، سیوطی جن کا انتقال سنہ ۹۱۱ھ مین ہوا مجدد مایۃ تاسعہ شمار کئے گئے ہین، حالانکہ ان سے ابن حجر عسقلانی کہ جن کا انتقال سنہ ۸۵۲ھ مین ہوا بدرجہا افضل تھے، اصل یہ ہے کہ مجدد وہ ہوتا ہے، کہ جب ایک صدی تمام ہو اور دوسری شروع ہو تو اس شخص کا فیض شائع ہو جس کا نشوونما ابتدا صدی مین ہوا، وہ مجدد نہین ہو سکتا، حدیث علی راس مایۃ سنۃ مین راس بمعنی آخر صدی کے ہے نہ اوّل صدی تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے، امام غزالی کہ جن کا انتقال سنہ ۵۰۵ھ مین ہوا، مجدد مایۃ خامسہ شمار کئے گئے، نہ مجدد مایۃ سادسہ، امام رازی کہ جن کا انتقال سنہ ۶۰۶ھ مین ہوا، مجدد مایۃ سادسہ سمجھے گئے، نہ مجدد مایۃ سابعہ اس بحث مین رسالہ سیوطی کا اور ابن حجر عسقلانی کا مبسوط ہے، پس مایۃ ثالثہ عشر

عشر کا وہ مجدد ہو نہیں سکتا جس کی ولادت ابتدا مین اور نشو ونما وسط مین ہوا ہو، والسلام خیر اختتام،

شعبان کا غرہ یہان بروز یک شنبہ مقرر ہوا، کانپور اور حیدرآباد مین کچھ گواہیان ۲۹ کی رویت کی گذری

ہین، مگر کانپور مین اس کا اعتبار نہین ہوا، البتہ حیدرآباد مین غرہ شنبہ کا مقرر ہوا، استفتاء انشاء اللہ دو

تین روز مین پہونچے گا،

مکتوب بست وششم، مولوی صاحب دام لطفکم، السلام علیکم، مین بوجہ علالت کے آپ

کے خطوط اور استفتے کا جواب نہ دے سکا، ماہ شوال سے دردسر، درد سینہ، ضعف دماغ مین مبتلا ہون کہ

جس کی وجہ سے انتظام تدریس وتالیف کا بالکل مختل ہے، ضعف ایسا ہوگیا ہے، کہ ان چند سطرون کے

لکھنے مین تکلف ہوتا ہے، اب استعمال منضج کا ہوتا ہے، بعد انشاء اللہ مسہل ہوگا، والسلام

محمد عبدالحئی عفا عنہ، ۶؍ ذی حجہ روز چہار شنبہ ۱۳۰۲ھ

مکتوب بست وہفتم، مشفقی مولوی محمد ادریس صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ

وبرکاتہ اگرچہ ایک مہینہ سے دورہ نہین ہوا، مگر دردسر کی شدت ہے، اس وجہ سے آپ کے عنایت نامہ

کی تحریر کے جواب مین تاخیر ہوئی، اب منضج کا استعمال ہے، سات آٹھ روز مین مسہلات ہون گے، فوائد بہیہ

کے مسودہ مین عبارت یہ ہے وفات حسن چلپی کان اختتام لسنۃ مائتہ، اب دوبارہ طبع ہوتا ہے،

انشاء اللہ اغلاط سابقہ محو ہو جائین گے، امام مغیث کا کلمہ موافق اُن کے زعم کے لکھا گیا کہ وہ

اپنے کو مظلوم اور دوسرے کو ظالم سمجھ کے فریاد کرنے لگے، والسلام باقی از عقب محمد عبدالحئی عفا عنہ،

۲۵؍ ذی حجہ روز جمعہ ۱۳۰۳ھ نماز عید اگرچہ یہان بھی جمعہ کو ہوئی، مگر بعد اس کے ثابت ہوگیا، کہ غرہ ذیحجہ

سہ شنبہ کو ہوا تھا،

مکتوب بست وہشتم، از محمد عبدالحئی عفا عنہ بجامع کمالات علیہ، مشفقی مولوی حافظ

محمد ادریس صاحب: پس از سلام مسنون الاسلام ابراز مرام اینکہ عنایت نامہ پہنچا، دریافت خیریت سے

اطمینان ہوا، بہ نسبت سابق کے اب بحمد اللہ طبیعت درست ہے، دوران صرع سے نجات ہے، مگر ضعف دماغ ابھی تک باقی ہے، تدریس وغیرہ پر ابھی تک قوت نہین ہے، حق جل شانہ رحم فرمائے کبھی اگر طبیعت درست ہوتی ہے، تو حاشیہ امام الکلام لکھ لیتا ہون، بالفعل میرے چند مجامیع رسائل ومجموعہ خطب تمام سال تالیف فقیر چھپ رہے ہین، انشاء اللہ تعالیٰ بعد طبع کے اس سے اطلاع دون گا، والسلام از لکھنؤ فرنگی محل،

۲۰ رجمادی ثانیہ روز شنبہ ۱۳۰۳ھ

مکتوب بست ونہم، بخدمت مشفقی مولوی حافظ محمد ادریس صاحب دام لطفہ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اپنا حال کیا لکھون، ماہ گذشتہ مین پانچ مسہل ہوئے، مگر دورات صرع سے نجات نہین ہوئی، دوسرے تیسرے دورہ عارض ہوجاتا ہے، کل مغرب کی نماز مین سخت دورہ عارض ہوا کہ جس کی وجہ سے اس وقت تک ایسی طبیعت نحیف ہے، کہ ان چند سطور کی تحریر مین بھی تکلف ہے، جملہ انتظام تحریر و تدریس وغیرہ سب مختل ہے، خدا رحم فرماوے، کتب مطلوبہ آپ کو ابھی وقت نہین بھیج سکا، والسلام

۹ رصفر روز جمعہ ۱۳۰۴ھ

مکتوب سیم، بخدمت شفیقی جامع کمالات مولوی حافظ محمد ادریس صاحب دام لطفہ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ محبت نامہ مورخہ غرہ پہنچا، حال مندرج معلوم ہوا، چھ سات روز سے میری طبیعت درست ہے، دورات صرع سے نجات ہے، مگر جب تک دو ایک مہینہ نہ گذرین اعتماد نہین ہوسکتا ہے، اس وجہ سے اشتغال علمیہ دماغیہ کی طرف ابھی تک توجہ نہین کی ہے، حق جل شانہ رحم فرمائے مسئلہ تکبیر عند القنوت کی تفصیل انشاء اللہ آیندہ مین خدمت عالی مین پہونچے گی والسلام

محمد عبد الحی از لکھنؤ فرنگی محل، چہارم ربیع الاول روز چہار شنبہ ۱۳۰۴ھ

مکتوب مولانا محمد نعیمؒ لکھنوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لا الٰہ الا ھُوَ العلی الرب الحکیم من الفقیر الحقیر خادم کل صغیر وکبیر الی الاحیاء محمد المدعو بالنعیم جعل من ورثۃ جنۃ النعیم الی الحبیب اللبیب الادیب الاریب المولوی محمد ادریس وفقہ اللہ تعالیٰ للتعلیم والتدریس السّلام علیکم وعلیٰ من لدیکم وبعد فقد وصلت النمیقۃ الانیقۃ المنبئۃ عن المحبۃ العمیقۃ فکنت مسروراً وارجو من اللہ الحکیم ان یجعلکم سلیماً ومبروراً وکتاب الطبقات الی الان من المتعلقات والباقی عند التلاقی،

والسّلام علیٰ مَن اتبع الھُدیٰ ۱۱ شوال ۱۲۹۷ھ

مکتوب آخر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، لا الٰہ الا ھو العلی الربّ الحکیم

محبّ صمیم مخلص حمیم مولوی حافظ محمد ادریس صاحب صانہ اللہ سبحانہ عن تلبیس ابلیس، سلام مسنون الاسلام ودعاے بلوغ المرام مطالعہ نمایند، نامہ بررسید ونامہ رسانید دبراخبار احیاء مطلع گردانید غنیۃ لطالبی طریق الحق عزوجل فرستادہ می شود، رسیدش رسانند، وتحمل باینبایہ باین پیرمرد ندیدہ ترسلیں موقوف گردیدہ، ورفیق ایشان الی الآن کیفیت قصیہ سیہجہ ارسال نداشتند تقاضا نمایند، واز نور چشمان سلام مسنون قبول فرمانید، زیادہ زیادہ وباہل وعیال، وبرادر بزرگوار[1] خویش ازین درویش دل ریش دعا وسلام رسانند۔ اللہ بس باقی ہوس،

فقیر حقیر اثیم ابو الاحیا محمد نعیم عفا عنہ عزوجل از محلہ فرنگی محل

روز سہ شنبہ ۲۰ ذیحجہ ۱۳۰۰ھ

---

[1] مولانا محمد یحییٰ صاحب نگرامی، م ۔ ''ادریس''

مکتوب مولانا شاہ مہدی عطا صاحب سلونوی

مولوی صاحب جامع الفضائل والکمالات مجمع حسنات و برکات سلمہم اللہ تعالیٰ، بعد سلام مسنون، اشواق مشحون المرام آنکہ رسالہ در باب مجددین بہت خوب آپنے تالیف فرمایا ہے، جزاکم اللہ احسن الجزاء، مجھ کو اس امر کی تحقیق مدت سے تھی، گویا الہاماً آپ میرے مدعا پر آگاہ ہو گئے، مین تین چار مہینے سے عجب کرب مین ہون، یعنی اہلِ خانہ فقیر کو عارضہ فالج ولقوی کا ہو گیا ہے، علاج ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ شفائے کامل عطا فرمائے، بحرمتہ و نبیہ وحبیبہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلّم امر معلوم معرض نسیان مین نہین آیا، مکروہات چند در چند مانع رہے، معاف فرمائے گا،

والسلام حسن الختام، فقط

خلافت و سلطنت

بغداد کی خلافت عباسیہ کے دور زوال سے، خوارزمشاد اور بغداد کی تباہی تک خلافت بغداد اور اس کی ماتحت سلطنتوں اور حکومتوں کے درمیان صلح و جنگ کے جو تعلقات رہے اور ان سے جو نتیجے پیدا ہوتے رہے، ڈاکٹر امیر حسن صدیقی بدایونی نے ان کو اپنی ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے موضوع بنایا اور اس پر ایک محققانہ اور دلچسپ مقالہ لکھکر پیش کیا، وہی مقالہ کسی قدر ترمیم کیسا تھ اردو میں ترجمہ ہو کر ان اوراق کی صورت مین پیش ہے،

اصل مقالہ انگریزی میں تھا، لیکن بدایوں ہی کے ایک لائق مترجم جناب سبطین احمد صاحب بی اے علیگ نے اس کا ایسا سلیس اور شگفتہ ترجمہ کیا ہے کہ ترجمہ ترجمہ نہیں معلوم ہوتا، بلکہ اصل تصنیف معلوم ہوتا ہے، پوری کتاب مولف و مترجم دونوں کی تصنیفی صلاحیتوں کی آئینہ دار ہے،

"منیجر"

استفسار و جواب

"شق القمر کا ذکر قرآن مجید میں"

اور

بعض دوسرے سوالات

جناب غلام قادر صاحب
مدیر ادارہ فلاح عالم ہباگی، پرانی منڈی اجمیر

"براہ کرم ذیل کے سوالات کے تشفی بخش جوابات عنایت فرما کر شکر گذار فرمائیں،

۱۔ شق القمر کے قرآن مجید میں بیان فرمانے سے خدا کا کیا منشا ہے،

۲۔ حدیث لولاک لما خلقت الافلاک مسلمانوں کے لئے قابل قبول ہے یا لائق ترک،

۳۔ حضرات خضر و موسیٰ کی مجمع البحرین والی ملاقات کے بیان میں خدا کا کونسا راز مضمر ہے،

معارف:- (۱) قرآن مجید میں خدا نے جس غرض سے انشقاق قمر کا ذکر کیا ہے، وہ اسی آیت سے ظاہر ہے، جس میں اس کا ذکر ہے، اقتربت الساعۃ وانشق القمر، الساعۃ کا لفظ اپنے اندر جن مفہوموں کو متضمن ہے، ان میں سے ایک یہ ہے، کہ زمین اور اجرام فلک پاش پاش ہو جائیں گے، چاند کے انشقاق کو جس کے آثار دوربین سے آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں، خدا نے قیامت کا ثبوت قرار دیا ہے جس طرح زمین میں زلزلے آتے ہیں، آتش فشاں پھوٹتے ہیں، اسی طرح بارہا چاند میں بھی زلزلے آئے، اندرونی حرارت باہر نکل آئی اور چاند بے جان ہو گیا، انشقاق صرف کسی چیز کے اندر شگاف پڑ جانے کا نام ہے

کفار مکہ اس بات کو بحث کئے بغیر نہین مان سکتے تھے، کہ چاند پھٹ گیا، اس لئے خدا نے فرمایا،

وَاِنْ یرَوْا آیۃ یعرضوا عنھا ویقولوا سحرٌ مستمر،

(انعام رکوع ۱۴ - آیت ۹)

یہ آیت سن کر کفار نے قسم کھائی کہ اگر ہمارے پاس کوئی نشانی آجائے تو ہم ضرور ایمان لائینگے، صحیح روایت مین وارد ہے کہ کفار مکہ نے کہا ہمین چاند دو ٹکڑے کرکے دکھا دو، آپ نے اشارہ کیا اور لوگون نے دیکھا کہ چاند کا ایک ٹکڑا حرا کے ادھر ہے، اور ایک ادھر، یہ دیکھنے کے باوجود انھون نے اپنا وعدہ پورا نہین کیا، چنانچہ جب اُن کے پاس ایک نشانی پہنچی، کہنے لگے، ہم تو اب بھی ایمان نہ لائینگے یہان تک کہ خود ہمین اس کا مثل دیا جائے، جو اللہ کے رسولون کو دیا گیا ہے، (انعام ۱۵، آیت ۳) انشقاق قمر کے بارہ مین قرآن مجید مین اس حادثہ کا ذکر ہے، جو ہماری نگاہون سے ہزارون میل دور جرم قمر مین واقع ہوا ہی، احادیث مین وہ مرئی حالت مذکور ہے، جو لوگون نے آنکھون سے دیکھی، خواہ دراصل چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے ہون، یا خدا نے ان کی آنکھون مین ایسا تصرف کر دیا ہو کہ اُن کو چاند دو ٹکڑے نظر آیا، جو خدا انسانون کی آنکھون مین خلاف عادت تصرف کر سکتا ہے، وہ خود چاند مین بھی خلاف عادت تصرف کرسکتا ہے، یہ کچھ عقل سے بعید نہین، اور اگر انشقاق کے لغوی معنی ہی سامنے رکھے جائین، تو ہم یہ کہ سکتے ہین، کہ شگاف پڑنے سے جو گیس نکلی، اس کے تموج نے آنکھون کے سامنے چاند کو مرتین یا قمرین منشقین کرکے دکھا دیا، خلاصہ یہ کہ قرآن مجید مین انشقاق قمر کا ذکر اثبات قیامت کے لئے ہے، احادیث مین اُس واقعہ کا ذکر ہے، جس کے ذریعہ سے خدا نے انشقاق قمر کو ثابت کیا ہے،

(۲) سنداً موضوع ہے، مگر معنیً صحیح ہے،

(۳) حضرت موسیٰ اور خضرؑ کا قصہ جو قرآن مجید مین مذکور ہے، اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے، کہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک ذی علم سے ملنے کے لئے بھیجا تھا، جس کے متعلق فرمایا ہے، کہ علّمنٰہ

مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا،

امام بخاری نے باب الخروج فی طلب العلم مین روایت کی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ سے بھی زیادہ کوئی علم والا ہے' انھون نے کہا نہین تب خدا نے ان کو مجمع البحرین کے سفر کا حکم دیا، امام بخاری نے الخروج فی طلب العلم کا عنوان دیکر اس راز کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آدمی کتنا ہی بڑا عالم ہو اسے دوسرے عالم سے علم حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، نیز علم کی کوئی انتہا نہین ہے، وَفَوۡقَ كُلِّ ذِى عِلۡمٍ عَلِيۡمٌ، "ا۔ ج"

"نہایہ" کی اصلیت

جناب یوسف سلیم صاحب
متصل بلڈنگ سلطان بخش ریلوے روڈ ملتان چھاونی

ایک کتاب "تاریخ نہایۃ" زیر تالیف ہو' اس غرض سے جدوجہد کے لئے مین حضرت مولانا مولوی احمد علی صاحب، (شیرانوالہ دروازہ لاہور) کی خدمت اقدس مین حاضر ہوا، ان کے مشورہ سے آپ کی خدمت اقدس مین معروضات لاکر باریاب ہونا مفید خیال کیا، امید واثق ہے کہ مندرجہ ذیل سوالات کا مفید اور بصیرت افروز جواب پاؤن گا،

اس امر کی تحقیق ہو چکی ہے، کہ محمد بن قاسم کے وقت عربی حملہ آورون مین سے قوم نہایۃ کے چند ایک افراد شامل تھے، جنھون نے سندھ اور بلوچستان وغیرہ مین اپنی سکونت اختیار کی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ

۱۔ قوم نہایۃ کی وجہ تسمیہ کیا ہے، اور یہ کس نسل سے تعلق رکھتے ہین،

۲۔ عرب مین ان کی آبادی اور ان کے بندگون کے مذہبی خدمات وحالات کیا ہین،

۳۔ ابن اثیر مصنف کتاب نہایۃ قوم نہایۃ سے تعلق رکھتے تھے، ؟ نیز ایسی کتابین جن سے قوم نہایۃ

کے حالات و خدمات ظاہر ہو سکیں، نام تحریر فرماویں،

معارف:- مجھے افسوس ہے کہ "قوم نہایۃ" کا سُراغ مجھ سے نہ لگ سکا، مجھے معلوم نہیں کہ یہ کسی عربی قبیلہ کا نام بھی ہے کہ نہیں، قبائل عرب میں جو معروف ہیں ان میں تو اس نام کا کوئی قبیلہ موجود نہیں بلکہ قبائل کے ہزاروں ناموں میں سے کوئی ایک نام بھی اس سے موسوم نظر نہیں آیا، ہو سکتا ہے کہ نظر کی چوک ہو اور احتوا کرنے سے قاصر رہی ہو، لیکن یہ تحقیق آپ کو کہاں سے ہوئی، کہ محمد بن قاسم کے ساتھ ہندوستان میں "قوم نہایۃ" کے چند افراد بھی تھے، میری نظر سے ایسی بھی کوئی تصریح نہیں گذری، اگر آپ نے کتب حوالہ میں سے کسی میں دیکھا ہو تو مجھے بھی مطلع فرمائیں، پھر یہ بھی خیال شریف میں رہے کہ محمد بن قاسم کی فوج میں ہندوستانی سپاہی کی بھی تو ایک بڑی تعداد موجود تھی، علامہ ابن اثیر بلا شبہہ ایک ایسی کتاب کے مصنف ہیں، جس میں لفظ النہایۃ آیا ہے، لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس کتاب کے نام کو کسی قبیلہ کے نام سے دور کی نسبت بھی نہیں ہے، علامہ ابن اثیر متوفی سنہ ۶۰۶ھ کی کتاب النہایۃ فی غریب الحدیث سے موسوم ہے، النہایہ کے معنی ہیں غایۃ، پایان، آخری حد، مثلاً بلغ نہایتہ یعنی وہ اپنی آخری حد کو پہنچا، جن کتابوں کے ناموں میں "النہایۃ" آیا ہے، اس سے مقصود یہ ہے کہ اس موضوع پر یہ مختلف حیثیات کے لحاظ سے یا جو حیثیت مصنف کے پیش نظر ہے، اس لحاظ سے یہ تصنیف اپنے آخری معلومات رکھتی ہے، علامہ ابن اثیر نے اسی لحاظ سے اپنی اس تصنیف کا نام "النہایۃ فی غریب الحدیث" رکھا ہے، اس تصنیف میں انھوں نے اس عہد کی دو مشہور کتابوں کو جو اس موضوع پر تھیں، جمع کرکے اس پر مزید اضافے کیے ہیں، وہ دونوں علامہ ہروی متوفی سنہ ۴۰۱ھ اور ابو موسیٰ اصفہانی متوفی سنہ ۵۸۱ھ کی تصنیف تھیں، انھوں نے پہلے ان دونوں کی حدیثوں کو علاحدہ علاحدہ جداگانہ علامتوں کے ساتھ درج کیا، پھر اُن پر اپنے اضافے کیے،

علامہ ابن اثیر کی یہ تصنیف اہلِ علم کے حلقوں میں مقبول ہوئی، چنانچہ علامہ صفی الدین ارموی متوفی سنہ ۷۲۳ھ نے اس کا ایک ذیل لکھا، پھر عیسیٰ بن محمد صفوی متوفی سنہ ۹۵۳ھ نے اس کا ایک مختصر تیار کیا،

اسی طرح علامہ سیوطی اور ہندی عالم شیخ علی بن حسام الدین معروف بہ المتقی نے اس سے اپنے اختصار تیار کئے،

بہرحال اس کتاب کے نام النہایۃ کو موہوم ذہنی قوم "نہایۃ" سے کوئی علاقہ نہیں ہے، کتاب النہایۃ فی غریب الحدیث کی تفصیل اوپر اس لئے درج کی، کہ آپ کو اس تصنیف کو "النہایۃ" سے موسوم کرنے کی اصل وجہ معلوم ہو جائے، یہ سمجھنا کہ علامہ ابن اثیر چونکہ قوم "نہایۃ" سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے یہ کتاب اس نام سے موسوم ہوئی، قطعی بے اصل ہے،

نیز علامہ ابن اثیر کے متعلق تحقیق معلوم ہے، کہ وہ نسلاً شیبانی تھے، قبیلۂ شیبان، قبائل بکر بن وائل میں سے ایک مشہور قبیلہ ہے، علامہ ابن اثیر کی نسبت شیبانی تراجم و طبقات کی کتابوں میں عام طور پر درج ہے، اس لئے انھیں کسی مفروضہ قبیلہ سے منسوب کرنا ایک بڑی جسارت ہوگی، اگر سندھ و بلوچستان میں کچھ لوگ اپنے کو قوم "النہایۃ" سے کہتے ہیں، تو آپ براہ راست ان لوگوں سے ملیں، وہ اپنی قومیت کے متعلق جو کچھ کہیں اس کو تاریخ کی کسوٹی پر پرکھیں، اس کے بعد اس کو اپنی زیر تالیف تاریخ نہایۃ میں جگہ دیں، تو پھر وہ بیان لائق اعتماد و استناد ہوگا، ورنہ ذہنی مفروضات اور سنی سنائی باتوں پر کسی تاریخ کی بنیاد ڈالنا ہمارے نقطۂ نظر سے صحیح راہ عمل نہیں ہے، امید ہے کہ آپ اس پر غور فرمائیں گے، والسلام "س"

عقوقِ والدین

مولوی نظیر الحسن صاحب
موضع پارو ضلع مظفر پور

"عقوق والدین کا کیا مطلب ہے، کیا جو کوئی اپنے لڑکے کو عاق کر دے تو وہ لڑکا وراثت سے محروم ہو جائے گا ؟"

معارف:- عقوق والدین کے معنی ہیں والدین کی نافرمانی کر کے ان کو آزردہ کرنا،

احادیث مین آیا ہے کہ عقوق والدین گناہ کبائر مین داخل ہے، آخرت مین ایسی نافرمان اولاد سے سخت مواخذہ ہوگا، بشرطیکہ والدین اور اولاد کے مابہ النزاع مسئلہ مین شرعًا حق بھی والدین کے ساتھ رہا ہو، لیکن اس کے باوجود اولاد پر فرض ہے کہ ہر حال مین والدین کی اطاعت و دلجوئی کرے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

وَقَضَیٰ رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡا
اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَبِالۡوَالِدَیۡنِ
اِحۡسَانًا اِمَّا یَبۡلُغَنَّ عِنۡدَکَ
الۡکِبَرَ اَحَدُہُمَاۤ اَوۡ کِلٰہُمَا
فَلَا تَقُلۡ لَّہُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡہَرۡ
ہُمَا وَقُلۡ لَّہُمَا قَوۡلًا کَرِیۡمًا
وَاخۡفِضۡ لَہُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ
مِنَ الرَّحۡمَۃِ وَقُلۡ رَّبِّ
ارۡحَمۡہُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیۡ صَغِیۡرًا
رَبُّکُمۡ اَعۡلَمُ بِمَا فِیۡ نُفُوۡسِکُمۡ
اِنۡ تَکُوۡنُوۡا صٰلِحِیۡنَ فَاِنَّہٗ
کَانَ لِلۡاَوَّابِیۡنَ غَفُوۡرًا،

(بنی اسرائیل ع ۳)

تمھارے پروردگار نے حکم کر دیا ہے کہ بجز اس کے کسی کی عبادت مت کرو، اور تم ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو، اگر تمھارے پاس ان مین سے ایک یا دونوں کے دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائین، تو اُن سے کبھی اُف بھی مت کہو، اور نہ اُن کو جھڑکو، اور ان سے خوب ادب کی باتین کرو، اور ان کے سامنے شفقت سے انکسار کے ساتھ جھکے رہو، اور یون دعا کرتے رہو کہ اے میرے پروردگار ان دونون پر رحمت فرما جیسے انھون نے میرے بچپن مین میری پرورش کی، تمھارا پروردگار تمھارے دلون کا حال خوب جانتا ہے، اگر تم سعادت مند ہو تو وہ توبہ کرنے والون کو معاف کر دیتا ہے

سورہ بنی اسرائیل مین جس موقع کی یہ آیتین ہین، ان مین مسلسل پندرہ احکام اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندون کو عطا ہوئے ہین، دیکھیے کہ پہلے حکم توحید کے بعد دوسرا حکم والدین کے حقوق کی ادائی ہی کا آیا ہے، اس سے اس مسئلہ کی اہمیت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے، پھر والدین سے کس طور پر پیش آیا جائے اس کی پوری تصریح کر دی گئی، نہ صرف ظاہری توقیر و تعظیم کی ہدایت کی گئی، بلکہ دل سے اطاعت کا قصد رکھنے اور اُن کا ادب کرنے کی تلقین کی گئی ہے، پھر اگر کبھی غلطی تنک مزاجی یا کسی سبب سے فروگذاشت ہو جائے تو دل سے توبہ کرنے اور اس پر نادم ہونے کا اشارہ کیا گیا، اور بارگاہِ الٰہی سے یہ بھی خوشخبری سُنائی گئی، کہ ایسے سعادتمندون کی خطائین جو نادم ہو کر رجوع کرین گے، بارگاہِ الٰہی سے معاف ہو جائینگی،

لیکن والدین کے ان تمام حقوق کے باوجود کسی باپ کی طرف سے کسی لڑکے کو عاق کر دینے کی جو ایک عام اصطلاح ایک خاص معنی مین مسلمانون کے درمیان رائج ہو گئی ہے شرعاً اُس کی کوئی اصل نہین، کوئی باپ اپنے لڑکے کو ان معنون مین عاق کرنے کا شرعاً حق نہین رکھتا، اگر کسی نے اپنے کسی لڑکے کو عاق کر دیا، اور عند اللہ وہ لڑکا حق پر ہے، تو آخرت مین اس لڑکے سے کوئی مواخذہ نہین ہوگا، پھر باپ حق یا ناحق کسی طور پر ناراضی سے اپنے لڑکے کو محروم الارث نہین کر سکتا، لڑکے کا حق ارث بجز مرتد ہو جانے کے کسی حال مین باطل نہین ہوتا، یہ ملک اضطراری دحق شرعی ہے، جو مورث کے قصد و ارادہ کے بغیر بھی وارث کو ملتا ہے، اگر مورث اپنے کسی وارث کے خلاف کوئی وصیت کر جائے، تو وہ وصیت موثر نہ ہوگی، شرعاً ہر مورث کا متروکہ قضاے دین کے بعد وارث کی ملکیت مین داخل ہو جاتا ہے، البتہ اگر مورث نے اپنے لڑکے کو عاق کر کے اپنی جائداد و مال و متاع کو اپنی زندگی ہی مین کسی دوسرے کو دیدیا، تو یہ ہبہ کے حکم مین آجائے گا، ترکہ نہ ہوگا، ورنہ اگر وہ اپنی ملکیت مین اپنے مال و متاع کو چھوڑ کر مرے گا، تو اس کا عاق شدہ

لڑکا بھی اپنا حصہ رسدی ترکہ میں شرعاً پائے گا، شرعاً اس کو اس حق سے کوئی بھی محروم نہ کرسکے گا،

والسلام " "

لحم خنزیر کی حرمت

مولوی نظر الحسن صاحب موضع پار، ضلع مظفر پور، | سور کا ہر عضو حرام ہے، پھر قرآن مجید میں صرف لحم خنزیر کی حرمت کا کیوں ذکر آیا ؟

معارف :۔ یہ صحیح ہے کہ سور کا بال بال حرام ہے، لیکن قرآن مجید میں لحم خنزیر یعنی سور کے گوشت کے حرام ہونے کا ذکر خاص طور پر اس لئے آیا، کہ خنزیر کے اجزا میں سے کھانے میں زیادہ وہی کام آتا ہے، ذبیحہ میں اصل غرض گوشت ہی کا حاصل کرنا ہوتا ہے، اور دوسرے اجزا تبعاً کام آتے ہیں، جب اصل کی حرمت ثابت ہو جاتی ہے، تو اس کے ذیل میں دوسری چیزوں کی حرمت آپ سے آپ ہو جاتی ہے، جیسے قرآن مجید میں حالتِ احرام میں قتل الصید کو حرام کیا گیا ہے، اور اس سے مراد نہ صرف شکار کو مار ڈالنا، بلکہ نفس شکار کرنا ہی حرام ہے، چنانچہ احرام کی حالت میں شکار کو نشانہ لگانا بھی حرام کہا گیا ہے، کہ اس نشانہ کا مدعا تو قتل صید ہی ہوگا، اسی طرح سورۂ جمعہ میں جمعہ کی نماز کے وقت خرید و فروخت کرنے کی حرمت کا ذکر آیا ہے، اور اس سے مدعا در اصل ایسی تمام مشغولیتوں سے علٰحدہ ہو جانا ہے، جو نماز میں حارج ہوں، اس لئے در اصل کسی شئے کے اہم جزء کی حرمت کا ذکر کر کے تبعاً اس ذیل کی ساری چیزوں کی حرمت مراد لے لی گئی ہے،

"والسّلام" "س"

ادبیات

عرضِ حال

بحضور خواجۂ کائنات فخرِ موجودات علیہ افضل الصّلوٰۃ والتحیات

از جناب طالوت

اے کہ تیرا وجود ہے شمعِ منازلِ حیات
تجھ سے ہی مستنیر ہے حسن و جمالِ کائنات

عرش سے لیکے فرش تک تیری ضیاء جلوہ پاء
شرق سے تا بغرب ہیں تیری ہی سب تجلیات

تیرے سبھی تشخصات عینِ حدود شرع ہیں
شرحِ بطونِ ذات ہیں تیرے سبھی تعینات

آن عرب کے طنطنے تیرے جلال کا ظہور
شانِ عجم کے ہمہمے تیرے جمال کی نکوت

تیری گلی میں پا بنی جس کا گذر ہوا کبھی
خضر کی طرح پا گیا جادۂ چشمۂ حیات

تیری تجلیات میں عکسِ فروغِ ذات ہو
تیرے تبرعات میں پرتوِ کثرتِ صفات

سحرِ یغوث مٹ گیا قدر یعوق گھٹ گئی
ہو گیا تار تار سب جادوئے عابدانِ لات

اُعلُ ہُبَل کے نغمہ خوان محو ہیں ذاتِ یکتا میں
اُن کے تصورات ہیں، مرکزِ صد تجلیات

اس کی بھی ایک ایک جنت کعبہ کی ہمسری کرے
تیرے جمال کی جھلک دیکھ جو پائے سومنات

چہرہ ترا ہے والضحیٰ زلف تیری اذا سجیٰ
چشم تری ومانطقُ وحیِ خدا ہی تیری بات

تیرے ہر ایک قول پر لگ گئی مہرِ عاشقانہ
تا بہ ابد بچھائے اب کوئی نہ دامِ ترہات

رغبت و رہبت و حیل پیدا نہ کر سکے خلل — تیرے ہر اک غلام کو بخش دیا گیا ثبات
تیرے قدم کی خاک ہے سرمۂ چشم اولیا — منحصر ایک تجھ پہ ہے دونوں جہان کی نجات
ہاتھ میں ہے لوائے حمد سر پہ ہے تاجِ اتمّا — پھر نہ ہوں کس طرح سے حل ہر دوسرا کی مشکلات
بابِ کرم بھی باز ہے لطف بھی چارہ ساز ہے — حشر تلک دراز ہے سلسلۂ نوازشات
بندۂ آستاں ترا موجِ بلا میں ہے گھرا — ٹوٹ پڑے غریب پر دورِ فلک کے حادثات

گو وہ گنہگار ہے، تیرا ہی جاں نثار ہے
اس کے بھی حالِ زار پر مبذول ہوں کچھ توجہات

کیف اضطراب

از جناب انور کراچی

تڑپ ہے درد ہے فریاد و آہ و شور و فغاں — اک اضطرابِ مسلسل فقط ہے عمرِ رواں
تعینات سے آگے ہے شوق کی منزل — نہیں ہیں اہلِ جنوں تابعِ زمان و مکان
ہر ایک بات میں مغرب سے استفادہ نہ کر — یہ علم و فن یہ سیاست ہے کارِ راہزناں
ترا ضمیر غلامی نے کر دیا مردہ — وگرنہ بندۂ مومن ہے صاحبِ دو جہان
خودی کی جلوت و خلوت کی واردات نہ پوچھ — حدیثِ رندی و مستی نہیں رہینِ بیان
جہانِ فریبِ خرد لا الٰہ الا اللہ — وہی نظر سے نہاں ہے وہی نظر پہ عیاں
نصیب اہلِ وفا سوز و ساز و دردِ فراق — سکونِ قلب میسر مجھے یہاں نہ وہاں
خدا رکھے ترا میخانہ تا ابد ساقی — حقیقتیں نظر آتی ہیں بے حجاب یہاں

غریب تر ہیں مقاماتِ بے خودی انور
اب آرزو نہ تمنا نہ فکرِ سود و زیاں

مطبوعات جدیدہ

مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا — ازمولانا سید ابوالحسن علی استاذ ندوۃ العلماء لکھنؤ، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۳۰۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۲ ؎

پتہ:۔ مکتبۂ اسلام گوئن روڈ لکھنؤ،

لائق مصنف دین وملت کی جو قلمی خدمت انجام دے رہے ہیں، اس سے اہل علم پوری طرح واقف ہیں، مذکورۂ بالا کتاب بھی ایک اہم اور وقیع قلمی خدمت ہے، اس میں انھوں نے دکھایا ہے، کہ اسلام ساری دنیا کے لئے ہدایت بن کر آیا تھا، اور اس نے زندگی کے نصب العین اور دین و دنیا کے بارے میں قوموں کے تصورات اور ان کے عقائد و اعمال میں ایک انقلاب پیدا کر دیا، اور جب تک دنیا کی سیاسی قیادت کی باگ مسلمانوں کے ہاتھوں میں رہی، وہ اس کے پاسبان رہے، اور مذہب و اخلاق کے اثرات دنیا میں باقی رہے، اور مادیت کا سیلاب بڑھنے نہ پایا، مگر ان کے زوال کے بعد جب مغربی اقوام نے ان کی جگہ لی، تو پھر وہی پرانے جاہلی تصورات عود کر آئے، اور پہلے سے زیادہ خطرناک شکل میں دور جاہلیت کی وحشت اور اخلاقی پستی تنی نمایاں تھی کہ اس سے بچنا زیادہ دشوار نہ تھا، لیکن اس جدید جہالت کے چہرہ پر علم و تمدن کی زرتار نقاب پڑی تھی، اس لئے اس کا پہچاننا بھی مشکل تھا، اور وہ یورپ کے عالمگیر اقتدار کے ساتھ ساری دنیا میں پھیل گئی، اس سلسلہ میں مصنف نے یورپ کی پوری مذہبی اور تمدنی تاریخ کھنگال ڈالی ہے، اور تاریخی شواہد سے دکھایا ہے کہ مغربی تمدن کی بنیاد یونان اور روما کی قدیم تہذیبوں پر تھی، جو سراسر مادی تھیں، اس لئے ابتدا ہی سے اس میں خرابی کی صورت مضمر تھی، اس کے بعد اس میں جو تغیرات و انقلابات ہوئے

وہ ایسے حالات میں ہوئے کہ اس کا قدم مادیت ہی کی طرف بڑھتا گیا، عیسوی مذہب ضرور اس راہ میں عنان گیر ہو سکتا تھا، لیکن اولاً رومیوں کے اثر سے اس میں بھی بت پرستی کے اثرات پیدا ہوگئے تھے، پھر پاپائیت نے اس کو مسخ کیا، اس سے بھی برے نتائج مذہب میں افراط و تفریط نے پیدا کئے اور خلافِ فطرت رہبانیت کے ردِ عمل نے اربابِ کلیسا کو انتہا درجہ کا عیش پرست اور دنیا دار بنا دیا، اور مذہبی اجارہ داری کے ساتھ وہ دنیاوی حکومت پر بھی حاوی ہوگئے، اور اپنے دورِ اقتدار میں انھوں نے بڑی سفاکیاں کیں، اسی زمانہ میں یورپ کی نشاۃ ثانیہ اور اس کی علمی ترقی کا آغاز ہوا، اس راہ میں بھی کلیسا نے مذہب کی آڑ لے کر مزاحمت پیدا کی اور علماء محققین پر بڑے مظالم ڈھائے، بالآخر ان کی زیادتیوں کی وجہ سے ان کی عام مخالفت شروع ہوگئی، اور کلیسا کا اقتدار ختم ہوگیا اور ان کی تنگ نظری کی وجہ سے مغربی قومیں سرے سے مذہب ہی کے خلاف ہوگئیں اور انھوں نے جدید تمدن میں مذہب و روحانیت کو کوئی جگہ نہیں دی، اور اس کی تعمیر خالص مادی اصولوں اور نظریوں پر ہوئی، اور اس کا مقصد صرف مادی ترقی، حصولِ دولت، دنیاوی راحت و آسائش کے سامانوں کی فراہمی اور ان سے تمتع قرار پایا، جس میں خدا شناسی، محاسبۂ آخرت کے تصور اور اخلاق کا کوئی حصہ نہ تھا، اس لئے اس تمدن کی ترقی کے ساتھ مادہ پرستی عام ہوتی گئی، اور سائنس و حکمت کے انکشافات بھی جو اس تمدن کے بڑے برکات سمجھے جاتے ہیں، انسانوں کے لئے رحمت کے بجائے ان کی ہلاکت و بربادی کا سامان بن گئے، زندگی کے اس مادی نصب العین اور خود غرضی اور نفس پرستی نے وطنی و نسلی برتری کا جذبہ اور جغرافی و نسلی وطنی اور قوم پرستی کے بت پیدا کئے، جس سے قوموں میں ایک عالمگیر کشمکش شروع ہوگئی، اور یہ ساری خرابیاں مغربی اقوام کے سیاسی اقتدار اور مغربی تہذیب کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ساری دنیا میں پھیل گئیں، اور مذہب و اخلاق کا درس بالکل فراموش اور خود شناسی اور خدا شناسی اور اس کے اثرات و نتائج کا بالکل خاتمہ ہوگیا، اور اس کی جگہ نفس پرستی نے لی، یہ کتاب کے مباحث کا اجمالی خاکہ ہے، ان کی اصلی خوبی اور مصنف کی نکتہ سنجی کا پورا اندازہ کتاب کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے، گو یہ معلومات نئے نہیں ہیں لیکن لائق مصنف نے جس

ترتیب کے ساتھ ان کو پیش کیا ہے، اور ان سے جو نتائج نکالے ہیں، اس نے اس کتاب میں بڑی ندرت پیدا کر دی ہے، اس نقطۂ نظر سے اردو میں اب تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے، انداز بیان موثر اور دل آویز ہے، یہ کتاب اپنے گوناگون محاسن کے اعتبار سے بلا امتیاز مذہب و ملت اور قدیم و جدید ہر طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہے، اللہ تعالیٰ مصنف کو اس کی جزائے خیر دے،

محمد بن عبدالوہاب از مولانا مسعود عالم ندوی، تقطیع بڑی ضخامت ۱۲۸ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت : عہ/ پتہ دار الاشاعۃ نشاۃ ثانیہ حیدر آباد دکن،

گیارہویں صدی ہجری کے آواخر میں عموماً دنیائے اسلام سے اسلامی روح رخصت ہو چکی تھی، ہر جگہ دین سے غفلت اور بدعات و اوہام عام تھے، حتی کہ اسلام کا سرچشمہ عرب بھی اس سے محفوظ نہ تھا، اس کی تجدید و اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے سرزمین نجد میں ایک مرد مومن محمد بن عبدالوہاب کو پیدا کیا جنھوں نے اس راہ میں قلم اور تلوار دونوں سے جہاد کیا، ابتدا میں ان کو بڑی دشواریاں پیش آئیں، لیکن پھر رفتہ رفتہ ان کی دعوت پھیلنے لگی، اور نجد کا حکمران خاندان آل سعود ان کی دعوت قبول کرکے ان کا پشت و پناہ ہو گیا، اس سے شیخ کے کام میں بڑی مدد ملی، اور ان کی وفات کے وقت تک نجد اور اس کے قرب و جوار میں ان کی دعوت پھیل گئی، شیخ کی وفات کے بعد ان کے لائق جانشینوں اور ان کے اتباع نے بھی ان کے مشن کو جاری رکھا، اس زمانہ میں بدعات عام تھیں کوئی طبقہ بھی اس سے محفوظ نہ تھا، اور یہ دعوت ہر طبقہ کے خلاف پڑتی تھی اس لئے حرمین کے علماء و اشراف مکہ اس کے خلاف ہو گئے اور ان میں اور آل سعود میں بڑی معرکہ آرائیاں ہوئیں، جن میں انجام کار آل سعود غالب آئے، اور حجاز پر ان کا قبضہ ہو گیا، اور ان کا اقتدار ایک طرف شام اور دوسری طرف عراق اور خلیج فارس تک قائم ہو گیا، خلیج فارس میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت تھی، اس سے بھی آل سعود کا تصادم ہوا، ان کی روز افزوں قوت عثمانی حکومت کے مفاد کے خلاف پڑتی تھی، اس لئے اس نے محمد علی پاشا خدیو مصر کو ان کے مقابلہ پر مامور کیا، انھوں نے

نجد بھی زد میں ان پر قبضہ کرکے سعودی حکومت کا خاتمہ کر دیا، اس کے ساتھ ہی یہ دعوت بھی رک گئی، شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے متبعین عقائد کی صحت اور رد بدعات میں بڑے متشدد تھے، اور اس میں دینی معاملات بھی ان کو گوارا نہ تھی، اس تشدد کی وجہ سے ان سے بعض افعال ایسے سرزد ہوگئے، جو گو مذہبی حیثیت سے صحیح تھے، لیکن عام مسلمانوں کے جذبات پر اس کا برا اثر پڑا، اور ان کے مخالفین کو انھیں بدنام کرنے کا موقع مل گیا، اور انھوں نے ان کی جانب غلط عقائد منسوب کرکے انکو مسلمانوں کا دشمن مشہور کر دیا، ان کے تشدد کی وجہ سے لوگوں کو اس کے یقین کرنے میں تامل نہ ہوا، اور ان کی جانب سے ایک عام غلط فہمی پھیل گئی جس کا کچھ نہ کچھ اثر اب تک باقی ہے، لائق مصنف نے اس کتاب میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کے حالات ان کی دعوتِ اصلاح کی دینی حیثیت اور اس کی تبلیغ میں شیخ کی زندگی سے لے کر آل سعود کے خاتمہ تک جو واقعات پیش آئے، اُن کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اور شیخ اور اُن کے اتباع کی کتابوں سے اُن کے عقائد بیان کرکے اُن کے متعلق غلط فہمیوں کی پوری تردید کی ہے، اور شیخ کی تصانیف کا مختصر ذکر کیا ہے، اردو میں شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی دعوت کے متعلق صحیح معلومات کم ہیں، یہ پہلی کتاب ہے جس میں پوری تحقیق و تفصیل سے اس کی تاریخ قلمبند کی گئی ہے، اور اس کے تمام اہم اور ضروری پہلوؤں پر نقد و تبصرہ کیا گیا ہے، مصنف ایک کہنہ مشق اور صاحب نظر اہل قلم میں، ان کی یہ کتاب معلومات تلاش و تحقیق اور ترتیب و انداز بیان ہر حیثیت سے قابل قدر ہے، لیکن جا بجا مصنف کے خیالات کی شدت نمایاں ہے،

ہمارا قائد، از جناب محمد احمد خان صاحب ایم اے عثمانیہ، تقطیع اوسط، ضخامت ۷۲ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد ا۔ عاریہ پتہ قائد ملت اکیڈمی فیلخانہ قدیم حیدرآباد دکن۔

نواب بہادر یار جنگ مرحوم کی ایک سوانح عمری اس سے پہلے قائد ملت کے نام سے شائع ہو چکی ہے جس پر معارف میں ریویو ہو چکا ہے، دوسری سوانح عمری ہے جو قائد ملت اکیڈمی کی جانب سے شائع

ہوئی ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مصنف برسہا برس تک قائد ملت کے ہمدم و ہم جلیس رہے ہیں، اور ان کی زندگی کا ہر پہلو اُن کی نگاہ کے سامنے رہا ہے اس لئے یہ کتاب قائد ملت کی زندگی کا سب سے زیادہ مستند مرقع ہے، اس میں ان کے حالات، اوصاف و خصوصیات اور اُن کے مذہبی و ملی کارناموں کا اجمالی ذکر، اور ریاست حیدرآباد سے متعلق مرحوم کی خدمات کی تفصیل ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف انھوں نے حیدرآباد کے مسلمانوں میں زندگی کی روح پیدا کی، اور دوسری طرف ایسے نازک دور میں جب کہ ریاست کی مخالف قوتیں آئینی حربوں سے اس کی قدیم حیثیت کو بدلنے اُس کے اقتدار کو گھٹانے اور مسلمانوں کی سیاسی برتری کو توڑنے کی کوشش میں تھیں، اور ارکان حکومت تک اُن کے اثر میں آگئے تھے، مرحوم نے بڑی جرأت اور دانشمندی سے اس خطرہ کو دور کیا، ان کے خدمات و کارنامے بڑے گوناگوں ہیں، اس کتاب سے ان کا اجمالی اندازہ ہو جاتا ہے، انداز بیان دلکش اور انشائیہ پردازانہ ہے،

مقالات یوم اقبال، مرتبہ جناب آل احمد صاحب سرور، تقطیع بڑی ضخامت ۹۰ صفحے کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت معلوم نہیں، پتہ :- غالباً رضا انٹر کالج رامپور سے ملے گی،

رضا انٹر کالج رامپور کے یوم اقبال، اپریل ۱۹۴۵ء میں جو مقالات پڑھے گئے تھے، اُن کا مجموعہ ہے، اس میں حسب ذیل مضامین ہیں، خطبۂ صدارت پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی، خطبۂ میں شخصیت کا اظہار آل احمد صاحب سرور، اقبال اور ابن عربی محمد عبد السلام صاحب، سر محمد اقبال میری نظر میں عطاء الرحمن صاحب، فلسفۂ اقبال کے بعض مسائل مسعود حسین خان صاحب، اکبر و اقبال نور محمد صاحب ایم اے، اقبال کا تصور عشق فرید الدین صاحب شمسی، مولانا محمد علی مرحوم کی وفات پر داری مفتی بشیر الدین صاحب ایم اے اس مجموعہ کے اول الذکر تینوں مضامین خاص طور سے مفید اور پڑھنے کے لائق ہیں، رشید احمد صاحب نے اپنے خطبہ میں اقبال کی شاعری اور تعلیمات کی روح، ذہن کے بنیادی پہلو اور اس کے مفید نتائج پر مبصرانہ نگاہ ڈالی ہے اور اقبال کی شاعری کے ماخذ اس کی اسلامیت اور تضاد

خیال کے متعلق جو اعتراضات کئے جاتے ہیں، ان کے وجدانی مگر نہایت صحیح جوابات دیئے ہیں، اسرور صاحب نے غالب، سرسید، حالی، شبلی، اکبر، ایم مہدی، مولانا محمد علی، اقبال، اور نیاز فتحپوری کے خطوط کے مضامین سے ان کی زندگی کا عکس دکھایا ہے، ناقد مبصر نے ان خطوط کے متعلق نہایت صحیح رائے ظاہر کی ہے، جس میں کسی ترمیم کی گنجایش نہیں، مضمون گو مختصر ہے لیکن مضمون نگار کی جدت اور نکتہ سنجی کا نمونہ ہے، عبدالسلام صاحب کا مضمون گو بہت عالمانہ ہے لیکن خشک اور دقیق ہے، اور اس سے مخصوص اشخاص ہی لطف اٹھا سکتے ہیں، باقی مضامین بھی فائدہ سے خالی نہیں،

لاجونتی از سر آنند سروپ بھٹناگر، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۱۲ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، مجلد قیمت معلوم نہیں، پتہ: مصنف نمبر ۲۵، تغلق روڈ، نئی دہلی سے ملے گی،

مذکورۂ بالا کتاب ڈاکٹر سر آنند سروپ بھٹناگر کے اردو کلام کا مجموعہ ہے، مصنف ہندوستان کے ان مایۂ ناز علماے طبیعیات میں ہیں جن کی تحقیقات وانکشافات اس فن میں یورپ کے بڑے بڑے علماء سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں، لیکن یہ نہ معلوم تھا کہ وہ ایک قادر الکلام اور نکتہ سنج شاعر بھی ہیں، طبیعیات کے خشک مسائل اور شاعری کی رنگین خیالی دنیا میں ایک طرح کا بیر ہے لیکن مصنف نے حقیقت اور مجاز دونوں کو ملا دیا، پھر ان کی شاعری محض قافیہ پیمائی اور گل وبلبل کا افسانہ نہیں بلکہ ظاہری حیثیت سے حسن بیان کی تمام لطافتوں سے آراستہ اور معنوی حیثیت سے حکیمانہ خیالات پر مشتمل ہے، چنانچہ اس مجموعہ میں مختلف قلبی واردات، اخلاقی وحکیمانہ خیالات اور مختلف قومی وملی جذبات پر پاکیزہ نظمیں ہیں لیکن خشک سے خشک موضوع میں بھی لطف بیان کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہے، مصنف کی دوسری قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ وہ غالب کے شاگرد رشید منشی ہرگوپال تفتہ کے نواسے ہیں جنھیں مرزا نے محبت سے مرزا تفتہ لقب دیا تھا، مکاتیب میں ان کے نام بہت سے خطوط ہیں جن سے اُن کے ساتھ غالب کی محبت کا اندازہ ہوتا ہے، اس لئے شاعری گویا سر آنند سروپ کی موروثی دولت ہے، اس لئے یہ مجموعہ ہر حیثیت سے اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے، "م"

جلد ۵۸ ماہ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۴۶ء عدد ۶

مضامین

ضروری تصحیح: ص ۴۷۴ سطر اٹھارہ میں "۱۱۵۶ھ غلط ہے" کے بعد یہ عبارت چھوٹ گئی ہے "اصل عربی عبارت میں صفر ۱۱۵۶ھ ہے اور یہی صحیح ہے"

شذرات

ناظرین معارف کو نہایت رنج و اندوہ کے ساتھ یہ اطلاع دیجاتی ہے کہ ہمارے ایک دیرینہ رفیق کار دار المصنفین کے پرانے اور اہم کارکن منشی محمد اویس صاحب وارثی بتیس سال کی رفاقت کے بعد ہم سے جدا ہوگئے، مرحوم نے ۸ ارذی الحجہ کو ایک مختصر علالت کے بعد انتقال کیا، وہ دار المصنفین کے قیام کے آغاز سے اس سے وابستہ تھے، اور آخر دم تک بڑی جانفشانی اخلاص، خیرخواہی اور دیانتداری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہے' اور ہمیشہ اس کو اپنا ذاتی کام سمجھ کر انجام دیا، مکتبہ دار المصنفین کی ترقی مین اُن کی محنت کو بڑا دخل تھا، اس کے تجارتی کاروبار مین اُن کی ذات بڑا سہارا تھی، اور دفتری کامون کا دارومدار انہی پر تھا، اب اُن کا جانشین ملنا مشکل ہے، ان خوبیون کے ساتھ مرحوم شرافت اور وضعداری کا نمونہ تھے، نہایت خوش خلق، شریف الطبع حق گو، حق پرست، مرنجامرنج، اعزہ کے مددگار، احباب کے ہمدرد وغم گسار، اُن کا برتاؤ ایسا تھا کہ ہر شخص اُن کو اپنا سمجھتا تھا، سب کے دل مین اُن کی یکسان عزت و وقعت تھی، بتیس سالہ زندگی مین کسی کو اُن سے کوئی شکایت پیدا نہین ہوئی' وہ دنیاوی معیار سے کوئی اونچی شخصیت کے مالک نہ تھے، نہ صاحب جاہ و ثروت تھے، نہ کوئی علمی حیثیت رکھتے تھے، لیکن اگر بڑائی نام ہے اخلاق و شرافت اور سیرت و کردار کی بلندی کا تو مرحوم بہت بڑے آدمی تھے اللّٰھم اغفرلہ مغفرۃ واسعۃ ناظرین معارف سے بھی مرحوم کے لئے دعاے مغفرت کی درخواست ہے،

راقم الحروف نومبر کے پہلے ہفتہ مین ایک لمبے سفر مین جانے والا تھا، اور ۶ سے بقرعید کی تعطیل ہورہی تھی، اس لئے اس سے پہلے معارف کا کام ختم کردینا ضروری تھا، گو بہار کا فساد اس وقت شروع ہوچکا تھا، لیکن اُس نے ایسی سنگین شکل اختیار نہ کی تھی، اس لئے اس وقت کے حالات کے مطابق شذرات مین خیالات ظاہر کئے گئے تھے، لیکن بہار اور گڈھ مکتیسر کے واقعات نے ایک نئی صورت حال پیدا کردی ہے، جو اس سے پہلے خیال مین بھی نہ آسکتی تھی، ان دونون مقامون مین مسلمانون پر جو سفاکانہ مظالم ہوئے، اور ضعیف و ناتوان بوڑھون

مجبور و بیکس عورتون اور شیر خوارون کا جس بے دردی سے قتل عام کیا گیا اور مسلمانون کی بستیان جس طرح خاک مین ملائی گئین، اس کی مثال وحشی درندون کے سوا انسانون مین نہین مل سکتی، اور یہ قتل و غارتگری جس تیاری وسعت اور تنظیم کے ساتھ ہوئی، اس کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے، کہ بہار کے مسلمانون کو بالکل پست و پامال کرکے بزور اُن سے اپنی قوت کا لوہا منوایا جائے، اور معتبر اور مستند اطلاعات کی بنا پر یہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس قتل عام مین بہار کی نیشنلسٹ جماعت اور کانگریس کے مقامی لیڈرون کا بھی ہاتھ شامل تھا اور حکام نے بھی غفلت سے کام لیا، حکومت کے نشۂ اقتدار کے سوا اس کی کیا توجیہ کی جاسکتی ہے، اگر آزاد قومی حکومت کا نمونہ یہی ہے، تو اس سے مسلمانون کی بدگمانی کیا بیجا ہے،

کانگریس کی آئینی و دستوری حیثیت سے بحث نہین، لیکن چند مستثنیٰ افراد کو چھوڑ کر اس پر جس قسم کی ذہنیت کی جماعت کا غلبہ ہے، اس کا اندازہ ان اشتعال انگیز تقریرون سے ہوسکتا ہے، جو کانگریس پلیٹ فارم سے مسلمانون کے خلاف ہوئین، اور جن مین علانیہ ہندوؤن کو ان کے خلاف اُبھارا گیا، بہار کے واقعات نے اس ذہنیت کو اور زیادہ بے نقاب کر دیا ہے، اس پر طرّہ یہ ہے کہ اس کے بجائے کہ کم از کم کانگریسی لیڈرون کی جانب سے ان وحشیانہ واقعات پر متفقہ ملامت اور اس سے اظہار بیزاری کیا جاتا، الٹے ان کی اہمیت کو گھٹانے اور اُن کی پردہ پوشی کی کوشش کی جارہی ہے، اس کے بعد کانگریس کا مشترکہ نمایندگی کا دعویٰ کہان تک صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہی،

اگر کانگریسی لیڈرون کی یہی ذہنیت قائم رہی، اور کانگریس نے اپنی ذمہ داری کا احساس اور آیندہ کے لئے اس قسم کے واقعات کا پورا انسداد نہ کیا تو اس کا لازمی نتیجہ، اس کا خاتمہ، انگریزون کی دائمی غلامی یا قیام پاکستان ہی، اس لئے کہ مسلمانون سے اتحاد اور اُن کی مدد کے بغیر آزادی کا تصور ایک خیال خام ہے، اور اگر لیگ کے مجوزہ پاکستان کی مخالفت بھی کی جائے تو بھی ان حالات مین جہان جہان مسلمان اقلیت مین ہین، اور اپنی حفاظت نہین کرسکتے۔ وہان سے وہ دوسرے مقامون پر منتقل ہونے کے لئے مجبور ہونگے جیسا کہ بہار مین شروع ہوگیا ہے، اس طرح ہندوستان کے گوشہ گوشہ مین پاکستان قائم ہوجائین گے،

بہار کے واقعات ایسے دردناک ہین، کہ ان سے ان نیشنلسٹ مسلمانون کے دلون پر بھی چوٹ لگی جو

صرف وطن کے بت اور آزادی کی دیوی کے پجاری نہین ہین، بلکہ اپنی قوم کا بھی درد رکھتے ہین، اور اس کی عزت و وقار کے لئے وہ آزادی کے طلبگار ہین، چنانچہ بعض نے علانیہ اور بعض نے بلیغ پیرایہ مین اپنے تاثرات کا اظہار کیا اور کانگریسی لیڈرون کو دلون کی کھوٹ اور ان کے اصلی منصب کی جانب توجہ دلائی،



کاش بہار کے واقعات سے مسلمان یہ سبق حاصل کرتے کہ وہ اپنی اندرونی تنظیم اور قوت مدافعت پیدا کئے بغیر باعزت زندگی بسر نہین کرسکتے، ورنہ سیاسی حقوق تو الگ رہے ان کا جینا بھی دشوار ہو جائیگا، بے جان جسم تملاج شاہی بھی نہین سنبھال سکتا، اس وقت ضرورت اس کی ہے کہ تمام اسلامی جماعتین سیاسی اختلافات سے قطع نظر کرکے [illegible]ن کی تنظیم کے مسئلہ مین متحد ہو کر عملی کام شروع کردین، سب سے بڑی جماعت مسلم لیگ ہے اس لئے اس پر یہ فرض سب سے زیادہ عائد ہوتا ہے ورنہ محض سیاسی رزم آرائی اور تیغ زبان کی تابانی مسلمانون کو نہین بچا سکتی، جب تک بازؤون مین حفاظت کی قوت نہ ہو،



جامعہ ملیہ کی جوبلی مین مہینون سے شرکت کا مصمم ارادہ تھا، اور سفر کی پوری تیاری ہو چکی تھی، کہ عین موقع پر ایسے موانع پیش آگئے، کہ رخت سفر باندھکر کھول دینا پڑا، جوبلی ایسے ناموافق حالات مین ہوئی جب کہ ہندوستان کے مختلف حصون مین فتنہ و فساد کی آگ مشتعل تھی، اور لوگون کا اپنی جگہون سے نکلنا مشکل تھا، لیکن اخبارات کی اطلاعات اور جوبلی مین شرکت ہونے والے احباب کی زبانی معلوم ہوا کہ ان موانع کے باوجود جوبلی ہر حیثیت سے کامیاب رہی، اس کے اجتماع مین بہت کم فرق آیا، اور ہندوستان کے اکثر اکابر اور مختلف طبقون اور جماعتون، اور ہر مسلک و خیال کے اشخاص نے جوبلی مین شرکت کی، اور جامعہ نے متضاد عناصر کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا، جو اس کی مقبولیت کی دلیل ہے، ہم محترم شیخ الجامعہ اور کارکنان جامعہ کی خدمت مین اس کامیابی پر مبارکباد پیش کرتے ہین،



جامعہ مسلمان نوجوانون کا پہلا سنجیدہ اور ٹھوس کارنامہ ہے، اس کی کامیابی کا راز اس کے کارکنون کا ایثار اخلاص، اشتراک عمل، اور ان سب سے بڑھکر شیخ الجامعہ کی شخصیت جامعہ ہے، جن کی کشش سے جامعہ کا نظام شمسی قائم ہے، جامعہ اپنی عمر کی کٹھن منزلین طے کر چکی، اب اس کے سکون اور اطمینان کا دور آیا ہو لیکن یہی سب سے زیادہ نازک ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اس کے خطرات سے محفوظ رکھے اور جامعہ ملیہ کو ملک و ملت کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید اور ان مین مقبول بنائے،

مقالات

خطبۂ اسناد طبیہ اسکول پٹنہ ۱۹۴۴ء

ھُوَ الشّافی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دو تین برس ہوئے کہ طبیہ اسکول پٹنہ نے مجھے اپنے جلسۂ تقسیم اسناد کا خطیب منتخب کیا تھا، مگر افسوس کہ میں اپنی علالت کے سبب سے شریک جلسہ نہ ہو سکا، آیندہ سال پھر یہ موقع آیا اور پھر میں نہ جا سکا اور یہ خطبہ یوں ہی پڑا رہا، اب چونکہ میرے حالات کے لحاظ سے آیندہ اور بھی وقت ان کاموں کے لئے نہ مل سکے گا، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دفینہ کو وقف عام کر دیا جائے ،

"سید سلیمان ندوی"

طب سے میرا خاندانی تعلق حضرات! آپ نے دعوت دی، میں نے قبول کی، اس آسانی قبول کی وجہ ایک تو وطن کا رشتہ تھا، دوسرا یہ خیال کہ شاید اس ذریعہ سے کچھ مفید باتیں کانوں میں پہنچ جائیں، تاہم اس مناسبت کے وجوہ پر غور کرتا رہا کہ طبیبوں کے بھرے مجمع میں ایک غیر طبیب کو دعوت کیوں دی گئی، آپ کے سابق خطیب اسناد ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی طرح تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ ڈاکٹر کی شہرت نے طبیبوں میں شامل کر دیا، کیونکہ مجھے "ڈاکٹر" بنے ابھی ایک ہی سال ہوا ہے، اور اس نے نام کے جزء کی حیثیت حاصل

نہیں کی ہے تاہم اس دعوت میں ایک ایسی مناسبت ہے جس کا استحقاق گو ذاتی طور سے مجھے حاصل نہیں، لیکن موروثی استحقاق حاصل ہے، یعنی میرا تعلق اس صوبہ کے اُس خاندان سے ہے جس نے ایک صدی سے زیادہ اس فن شریف کی خدمت کی ہے، میرے نانہال میں غالباً اخیر شاہی زمانہ سے یہ فن باقی ہے، اور میرے دادیہال میں سنہ ۱۲۵۰ھ سے جو میرے جد امجد کی تحصیل طب کا زمانہ ہے سنہ ۱۳۴۶ھ تک جو میرے بڑے بھائی مرحوم کی وفات کا زمانہ ہے سو برس تک اس فن کی خدمت ہوئی، میرے والد ماجد کے ماموں نے غدر سے پہلے دہلی و آگرہ کے اطبا سے تحصیل کی اور نواب امیر علی خاں بارہ کے توسط سے واجد علی شاہ کے ساتھ کچھ دن گذارے اور پھر بہار میں بیٹھ کر آج سے سو برس پہلے مطب کیا، اور فقیرانہ صورت میں امرا اور رؤسا میں قبولیت حاصل کی، میرے نانا مرحوم نے غالباً فیض آباد جا کر طب پڑھی، دادا مرحوم نے طب کی تعلیم اسی عظیم آباد پٹنہ میں قاضی القضاۃ قاضی محمد وحید الدین خاں کے یہاں رہ کر حکیم خواجہ عبید اللہ شاہجہان آبادی اور حکیم اکمل مرحوم عظیم آبادی سے سنہ ۱۲۴۷ھ سے سنہ ۱۲۵۰ھ تک حاصل کی اور پہلے بہار میں شاہ اظہر حسین صاحب کے مکان پر سنہ ۱۲۵۲ھ میں مطب کھولا اور پھر شیخپورہ جا کر سنہ ۱۲۵۸ھ میں نوابان حسین آباد و روسائے شیخپورہ کے اصرار سے مطب قائم کیا، اور جہاں انھوں نے سنہ ۱۳۰۲ھ تک جو اُنکی وفات کی تاریخ ہے اُن اطراف میں فن طب میں وہ ناموری حاصل کی کہ اب تک اس دیار میں اُن کا نام روشن ہے، "کیا ہوا ثانی بقراط و ارسطا طالیس" ان کی تاریخ وفات ہے، جو نواب محمد علی خاں صبا حسین آبادی کی یادگار ہے۔

والد مرحوم نے طب کا آغاز اپنے والد ماجد سے سنہ ۱۲۷۶ھ میں کیا اور کامل ہو کر رؤسائے اسلام پور و نیر کی قدردانی سے سنہ ۱۳۴۲ھ تک اس فن کی خدمت میں مصروف رہے، بڑے بھائی صاحب نے اسی پٹنہ میں حکیم نصیر الحق صاحب سے طب پڑھی اور مرتے دم تک یعنی سنہ ۱۳۴۶ھ تک اسی کام میں لگے رہے، میرے حقیقی چچا حکیم لیاقت حسین صاحب مرحوم حکیم ابراہیم صاحب جھوائی ٹولہ لکھنؤ کے شاگرد تھے، جو موجودہ حکیم عبد المعید صاحب لکھنوی کے دادا تھے،

میرے دادا کے نانا حکیم سید خادم حسین صاحب بھی نامور طبیب تھے، دادا صاحب لکھتے ہیں،

جد امجد طبیب حاذق بود میر خادم حسین فائق بود

بے شک و شبہہ آں طبیب زمن عالم طب و ماہر ہر فن

ان کے صاحبزادے حکیم کاظم حسین بھی طبیب تھے، اور واجد علی شاہ کے مٹیا برج میں جا کر اکتسابِ فیض کیا تھا، میرے بڑے پھوپھا حکیم نور الحسن نے پٹنہ میں تحصیل کی اور استھاواں میں پچاس ساٹھ برس تک مطب گرم رکھا، اور ایسی حذاقت دکھائی کہ ان اطراف کے لوگ آج بھی شاہد ہیں، ان بزرگوں کے قلمی اور مطبوعہ متروکات اور سفینے اب تک موجود ہیں، اور ان کی اس امانت کی حفاظت کی سعادت اس ناچیز کو حاصل ہے، یہ تفصیل اس موقع پر گو بے محل ہو، لیکن اس لئے کی گئی تاکہ ایک نااہل کی ذاتی نااہلیت پر بزرگوں کی اہلیت سے پردہ پڑ جائے،

گرچہ خرد یم نسبتے است بزرگ

ایک گاؤں سے صوبہ کا قیاس اس ذکر کا دوسرا سبب یہ ہے کہ جب بہار کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں طبی چہل پہل اور رونق کا یہ عالم تھا تو پورے صوبہ نے اس کی جو خدمت کی ہوگی اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے،

طب کا آغاز طِبّ عربی زبان کا لفظ ہے، اس کے اصلی معنی جھاڑ پھونک اور سحر و جادو کے ہیں، عربی شاعر کہتا ہے، ولما نا مطبوبٌ بمکحولتی عینہا، یعنی میں محبوب کی سرمگیں آنکھوں کے جادو میں نہیں مبتلا ہوں، گویا مطبوب مسحور کے معنی میں ہے، یہ لفظ بتاتا ہے کہ اس فن کا آغاز ابتدائی قوموں میں جھاڑ پھونک، ٹوٹکے اور جادو منتر سے ہوا، آخر زمانہ کی رفتار کے ساتھ تجارب اور قیاسات نے اوہام و تخیلات کی جگہ لے لی، یہاں تک کہ آج یہ سرتاپا تجربیات اور دلائل عقلی و طبعی پر مبنی ہے، عربوں میں بھی یہ فن اسی طرح شروع ہوا اور بڑھا، عرب کا پہلا تجربی طبیب حارث بن کلدہ سمجھا جاتا ہے جو اسلام کے آغاز میں تھا، اسلام نے اپنے ظہور کے ساتھ طب روحانی کے ساتھ طب جسمانی کا مطب بھی قائم کر دیا، محدثین نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں جو کچھ پایا اس کو طب نبوی کے نام سے الگ جمع کر دیا ہے

چنانچہ ساتویں صدی میں حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں اس کا ایک مستقل طویل باب باندھا ہے،

طبی تراجم | مسلمانوں میں غیر قوموں کے طبی تجربوں سے استفادہ کا آغاز دولت بنوامیہ کے آغاز سے ہوا جس کا دار الحکومت دمشق تھا، اور جہاں یہودی و عیسائی طبیب موجود تھے، جو یونانیوں کے خوشہ چین تھے سب سے پہلے حکیم ابن آثال نے امیر معاویہؓ کے زمانہ میں یونانی طبی کتابوں کا ترجمہ عربی میں کیا مروان کے زمانہ میں ماسرجویہ یہودی نے یونانی طبیب اہرن کے کناش دسفینہ کا ترجمہ عربی میں کیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے پہلی صدی کے خاتمہ پر اس سفینہ کو پبلک کے فائدہ کیلئے عام کیا، سب سے پہلا شفا خانہ عبدالملک نے اپنے زمانہ میں قائم کیا، عباسی خلفاء نے اپنے دور میں اس فن کی ترقی کا شاندار دور پیدا کیا، ایک طرف ہندوستان کے وید، اور دوسری طرف یہودی و عیسائی اطبا کو جو سُریانی و یونانی زبانوں کے ماہر تھے یکجا کیا اور تیسری طرف جندیسا پور کے ایرانی طبیبوں کو بغداد آنے کی دعوت دی،

طب اسلامی یونانی نہیں | اسی ایک واقعہ سے سمجھا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے علم طب کو یونانی کہنا کہاں تک زیبا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے آج یوروپین طب کو اس لئے عربی کہا جائے کہ عربی زبان اور عربی طبیبوں کی کتابوں پر اس کی بنا ڈالی گئی تھی، اور سلرنو کا شہر اس کا پہلا مقام تھا، اس نظریہ پر ایک اور حیثیت سے نظر ڈالئے، ہماری طب میں جو دوائیں زیر استعمال ہیں ان کے زاد و بوم کی تحقیق یہ ظاہر کر دے گی کہ اس طب کو دنیا بھر کے تجربہ گاہوں سے یکساں تعلق رہا ہے، عرب اگر اس کا مولد، شام اس کا منشا، عراق اس کا گہوارہ، مصر اس کا بازیگاہ، اور اسپین اس کا مرغزار رہا، تو دوسری طرف ترکستان اس کی سیر گاہ ایران اس کا تجربہ گاہ اور ہندوستان کی سرزمین اس کا دار الشباب ہے، اس طرح اسپین سے لیکر ہندوستان تک تمام طبی تجربے اس اسلامی طب کے اجزاء و عناصر ہیں، قسط ہندی، عود ہندی، سانوج ہندی، سناے مکی، مصطگی رومی، آلوے بخارا، اجوائن خراسانی، تغلب مصری، نمک لاہوری، تمغاقی مصری، ریوند چینی، دار چینی، صبر سقوطری، عشبہ مغربی، زہر مہرہ خطائی، زیرہ کرمانی، گل ارمنی، گل ملتانی،

گل داغستانی، بورہ آرمنی، افسنتین رومی، عقیق یمنی، گلنار فارسی، تربد اکبرآبادی، اسگند ناگوری، صمغ عربی، شیرخشت ولایتی، انار قندھاری، یہ نام سرسری زبان پر آگئے ہیں، ہمارے اطبا اس قسم کے اور بیسیوں نام بتا سکتے ہیں، لغات طب جیسے جامع ابن بیطار، تحفۃ المومنین، مجمع الجوامع اور مخزن الادویہ وغیرہ کا جائزہ لیا جائے تو بڑی فہرست تیار ہو سکتی ہے، جس کا دائرہ اسپین سے لے کر چین تک کی زمینوں کو محیط ہوگا،

عجم میں طب چھٹی صدی میں رشید الدین فضل اللہ سلطان غازان خاں کا حکیم اور وزیر تھا، اس نے تبریز اور ایران کے اور بعض شہروں میں شفاخانے قائم کئے تھے، جہاں کے استعمال کے لئے دنیا کے مختلف حصوں سے دوائیں منگوائی جاتی تھیں، پروفیسر براؤن آنجہانی نے ۱۹۲۱ء میں طب عربی پر چند لکچر انگریزی میں دیئے تھے جو چھپ چکے ہیں، اس کتاب میں رشید کے خطوط کے ایک قلمی نسخہ کا حوالہ دیا گیا ہے اور اس کے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں دواؤں کا یہ اہتمام تھا کہ امراء اور وزراء کی طرف سے وکلاء اور ایجنٹ دنیا کے مختلف حصوں میں اس غرض سے پھیلے تھے کہ دوائیں اور ضرورت کی دوسری چیزیں ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجتے رہیں، ان مختلف ملکوں میں سے ایک نام ہندوستان کا بھی ہے جہاں دواؤں کی بہم رسانی کے لئے ایک ایجنٹ موجود تھا، دوسری صدی ہجری میں جب برامکہ بغداد کے وزیر تھے ان کے ایجنٹ ہندوستان، کشمیر اور کاروندل تک دواؤں کی تلاش میں آتے تھے، اس کا ذکر ابن ندیم نے کیا ہے،

دنیائے اسلام میں طب طب عربی یا طب اسلامی کی شاندار تاریخ کے مطالعہ کا اگر شوق ہو تو ابن ابی اصیبعہ کی طبقات الاطباء کی چار جلدیں ملاحظہ کی جائیں، جو صرف ساتویں صدی تک کے اطباء کے حالات میں ہے، اس کتاب کی تقسیم ملکوں پر ہے، ان چاروں جلدوں میں حسب ذیل ملکوں کے طبیبوں کے حالات اور تذکرے ہیں، یونان، عرب، مصر، شام، عراق، ایران، ترکستان، خراسان، ہندوستان، اسپین، مراکش، تونس و الجزائر،

ہندوستان میں طب | اہل نظر کو معلوم ہے کہ ایران اور ہندوستان میں اس طب کے فروغ کا زمانہ اس کے بعد آتا ہے جن کے نام سے یہ کتاب خالی ہے، ضرورت تھی کہ اس کا تکملہ لکھا جاتا، خصوصاً آج جب کہ ہندوستان کے سوا ہر ملک سے یہ طب رخصت ہو چکی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان نے بھی اپنے زمانہ میں اس طب کی بڑی خدمت کی ہے، یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان میں یہ فن ایران اور ترکستان سے آیا اور اس نے یہاں آکر سلاطین و امرا کے زیر سایہ بڑی ترقی کی، یہاں بڑے بڑے شفاخانے اور دواخانے قائم ہوئے، اور تجربہ کار محقق طبیبوں نے اپنی حذاقتوں سے اس کو چار چاند لگائے، تیموریوں سے پہلے فیروز شاہ کے عہد کا ایک ٹکڑا آپ کو سناتا ہوں، سراج عفیف لکھتا ہے

"چوں سلطان فیروز شاہ بچندیں تید موکلاں کہ آستانہ شفاخانہ و صحت خانہ برائے عامۂ مریضاں بنا فرمودہ و اطباے حاذق و حکماے صادق و حذماے مصدق و جراحان و کحالان دراں مقام تعین گردانیدہ و ادویہ و اطعمہ و اشربہ برائے مریضاں از خزانہ مقرر کردہ باب کرم عام بہ شفقت تمام بر خلائق خاص و عام کشادہ"

شاہان ہندوستان کے دربار میں وید | تیموریوں سے پہلے مسلمان طبیب اور ہندو وید برابر بادشاہی درباروں میں کام کرتے تھے، جن میں سے بعض بعض کے نام تاریخوں میں مذکور ہیں، سب سے پہلا برہمن جس کو ترک شاہانِ دہلی کے یہاں اعتبار ہوا وہ بھی وید ہی تھا، جس کا نام گنگو برہمن تھا جس کے نام سے جیسا کہ مورخین لکھتے ہیں بہمن شاہی سلاطین دکن پیدا ہوئے، کشمیر میں سلطان زین العابدین (۸۴۶ھ) کے عہد میں سری بھٹ نے ناموری حاصل کی، فرشتہ میں ہے،

"سلطان بجہت طبابت سری بھٹ را کہ طبیبے حاذق بود تربیت کرد"

ہندوستان میں اسلامی طب کی ترقیاں | ہندوؤں کے ہاں مسلمانوں کی آمد سے پہلے طب میں چرک اور سشرت کی کتابیں مشہور تھیں، جن کا عباسیہ نے اپنے زمانہ میں ترجمہ کیا تھا، مسلمانوں کا علم طب اب ترقی پا کر عرب، یونان، ایران اور ہندوستان کے تجربات کا خلاصہ ہو چکا تھا، اور خود انھوں نے بہت کچھ اس پر اضافہ کیا تھا، اس لئے یہ

نیا علم طب ہندوستان کے قدیم علم طب پر امتیاز خاص رکھتا تھا، ہندوستان کے علم طب میں مسلمانوں کی آمد کے بعد جو ترقیاں رونما ہوئیں وہ حسب ذیل ہیں،

۱۔ حاکم قوم اپنے علوم و فنون کو محکوم قوم کے علوم و فنون سے بہت بالا دست سمجھتی ہے اور اس سے استغنا برتتی ہے، چنانچہ اسی علم طب کے متعلق دیکھیے کہ گذشتہ کونسل میں جب بعض ممبروں نے دیسی طب کی سرکاری حمایت کی اور اسکو مستند تسلیم کرنے کا رزولیوشن پیش کیا تو نااتفاقی کے ساتھ رد کر دیا گیا لیکن مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت میں ایسا نہیں کیا، ہندی علم طب کی بیسیوں کتابیں اُنھوں نے اپنی زبان میں منتقل کیں، اور اپنا علم طب ہندوستان میں پھیلایا، خاص اہل ہند کے مزاج اور طبیعت کا خیال کرکے خود یہاں کے علم طب کو فارسی میں منتقل کیا اور شاہی حیثیت سے اسکو مستند قرار دیا، سلطان سکندر لودی سے خواص خاں ایک درباری امیر نے عرض کی کہ جہاں پناہ یونانی طب ہندوستان کی آب وہوا میں موافق نہیں ہے، حکم ہوا کہ سنسکرت سے ہندی طب کو فارسی میں منتقل کیا جائے، چنانچہ میاں بہوہ بن خواص خاں نے اس کام کو انجام دیا، اور کتاب کا نام معدن الشفا سکندر شاہی رکھا، قاسم فرشتہ نے اکبری عہد سے پہلے اختیارات قاسمی کے نام سے ہندی علم طب کو زندہ کیا، ہندوستان میں اس وقت فارسی میں جو علم طب ہے، اور خصوصاً خاندانی اطبار کے سفینوں میں اور مجربات ناموں میں جو سیکڑوں نسخے اور دوائیں ہیں ہندوستان زاہیں اسی طریقے سے بیدوں نے مسلمانوں کے سینکڑوں نسخے، دوائیں اور اصول علاج اپنے ہاں لے لئے اور اسی طرح مل ملا کر ایک ایسا طرز علاج رائج کیا جو ہندوستان کے حالات کے مطابق تھا،

۲۔ پہلے بیدوں میں وہ دوائیں متداول تھیں، جو ہندوستان میں پیدا ہوتی تھیں، طب اسلامی نے تمام دنیا کے ملکوں میں جو دوائیں اور جڑی بوٹیاں زیر تجربہ آچکی تھیں ان کو ہندوستان میں رواج دیا ان کے فوائد اور منافع لوگوں نے سیکھے، مفردات کے ذخیرے کو بیحد بڑھا دیا،

۳۔ دواؤں کی ترکیب میں عرق، معجون، قیروطی، سفوف وغیرہ مختلف طریقوں کو پھیلایا،

۴- چیچک وغیرہ متعدد بیماریاں جن کو یہاں وہم پرستی سے دیوتاؤں، دیبیوں اور بھوت پریت کا اثر سمجھا جاتا تھا اور اس لئے ان کا طبی علاج نہیں کیا جاتا تھا، ان کو لائق علاج بتایا، چیچک کی بیماری پر سب سے پہلی کتاب عربوں ہی نے لکھی، اور وہ ابوبکر رازی کا رسالہ الحصبہ ہے جو چھپ کر عام ہو چکا ہے،

فن طب کو ہندوستان میں فروغ | بہرحال مجھے کہنا یہ ہے کہ وہ طب جس کا ہیولیٰ دمشق میں تیار ہوا تھا اور جس میں زندگی کی روح بغداد میں ڈالی گئی، اور جس میں شباب کی قوت شیراز پہونچ کر آئی تھی اس نے دلی آکر مرحلۂ اربعین کی منزل طے کی، اور اس کی جوانی اپنے پورے کمال عروج کو پہونچی اور اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ ہندوستان کے بادشاہوں کی قدردانی نے اپنے انعامات سے اور ہندوستان کی سرزمین نے اپنے نباتات کی فراوانی اور دواؤں کی بہتات سے اس کے دواخانوں کو بھر دیا اور ہمارے طبیبوں نے پرانے ہندوستان کے تجربات سے فائدہ اٹھانے میں بیجا شرم نہیں کی،

ہیچ گہ ذوق طلب از جستجو بازم نہ داشت ۔ دانہ می چیدم من آں روزے کہ خرمن داشتم

ہندوستان کے نامور اطبا | اکبر کے زمانہ کے نامور طبیبوں کے نام سنئے، حکیم الملک گیلانی، حکیم سیف الملوک دماوندی، حکیم زنبیل شیرازی، حکیم عین الملک شیرازی، حکیم مسیح الملک شیرازی، حکیم مصری، حکیم علی، حکیم ابوالفتح گیلانی، حکیم حسن گیلانی، حکیم ہمام تبریزی، حکیم احمد ٹھٹھوی، حکیم لطف اللہ گیلانی، حکیم مظفر اردستانی، حکیم فتح اللہ گیلانی، شیخ بینا سرہندی جراح، جہانگیر کے عہد میں چند اور نامور ہوئے حکیم رکنائے کاشی، حکیم مسیح الزماں کاشی، حکیم الملک ابوالقاسم گیلانی، حکیم مومنائے شیرازی، حکیم روح اللہ بھروچی، حکیم حمید گجراتی، حکیم تقی گیلانی،

شاہجہاں کے عہد نے چند اور مشاہیر کا اضافہ کیا، حکیم علیم الدین، حکیم صدائے شیرازی، حکیم الملک حکیم ابوالقاسم، حکیم رکنا کاشی، حکیم مومنائے شیرازی، حکیم فتح اللہ شیرازی، حکیم محمد داؤد، مقرب خاں جراح، شیخ قاسم جراح، اور اخیر زمانہ مغلیہ میں حکیم علوی خاں دہلی میں اور حکیم یعقوب نے لکھنؤ میں

اس فن کو چار چاند لگائے،

مسلمانوں کے دوش بدوش اکبر کے عہد میں مہا دیو، بھیم، ناتھو، نارائن اور شیوجی ہندو طبیب اور وید مشہور ہوئے، عالمگیر کے عہد میں حکیم سکھراج نے شہرت پائی، عالمگیری و محمد شاہی دور میں حکیم لچھمی نارائن گنجاری نے ناموری حاصل کی، اسی پٹنہ میں کمپنی کے راج میں منشی رام پرشاد تھے جنھوں نے ۱۲۴۷ھ میں معیار الامراض نام کتاب لکھی تھی، جس میں سر سے لے کر ناخن تک کے تمام امراض کے قوانین کلیہ درج ہیں، اسی زمانہ کا تنخص حکیم رائے منولال فلسفی المتوفی ۱۲۴۲ھ ہے، مفردات طب نام اس نے ایک کتاب لکھی، لالہ سوہن لال سندیلوی اسی عہد کا ایک اور طبیب تھا، ان کے علاوہ بیجولال تمکین حیدرآبادی مجربات طبی کا مصنف، پنڈت لالہ چند کحل الابصار کا مصنف، دیاناتھ جس نے ویدک سے پاکانبولی کا ترجمہ فارسی میں کیا، منشی دھتاب نرائن جس نے ادویہ کے خواص میں ضروری الطب لکھی،

ویدک اور طب کا لین دین | اس تفصیل سے معلوم ہوگا کہ مسلمان طبیبوں نے جہاں ہندوستان سے بہت کچھ لیا، اس کو بہت کچھ دیا بھی، ہمارے بزرگوں کی قلمی کتابوں اور سفینوں میں ویدک نسخے بکثرت ملتے ہیں، اسی طرح ویدوں نے طبیبوں اور طبی کتابوں کی تحقیقات سے فائدہ اٹھایا، یہ دینا اسی داد و ستد پر قائم ہے اور اسی طرح قائم رہے گی،

طب کی تجدید | حضرات! یہ تو ماضی تھی اب حال و مستقبل کی بھی فکر چاہئے، زمانہ کے حالات بدل گئے ہیں، اب طب اور وید کے علاوہ سات سمندر کی نئی طب بھی سامنے ہے، جس کا آغاز گو عربی ہی طب سے ہوا ہے مگر تجربات کی فراوانی، آلات کی عمدگی اور سلطنتوں کی قدردانی نے اس کو وہ دن دکھائے کہ تاج شاہی اب اس کے سر پر ہے اور خلعت قبول اس کے جسم پر ہے، لیکن غور کے قابل بات یہ ہے کہ عام شاہی قدردانی کے نہ ہونے سے گو اکثر قدیم مشرقی علوم و فنون موت کے گھاٹ اتر گئے ہیں تاہم طب اور ویدک اب بھی اس کے مقابلہ میں تین سو برس کے بعد بھی کھڑے ہیں، اور قبول عام کے زور سے زندہ ہیں،

حالانکہ یہ وہ فن ہے جس کا تعلق موت و حیات اور زندگی جیسی قیمتی چیز سے ہے تاہم ملک کی لاکھوں جانیں بخوشی ان کے حوالہ کی جارہی ہیں اور شفایاب ہو رہی ہیں، چنانچہ اب حکومت نے بھی چند سال سے اسکی بقا کی ضرورت سمجھی اور لکھنؤ، علی گڈھ، پٹنہ اور ڈھاکہ میں سرکاری امدادوں نے اس کی ترقی کا کچھ سامان کر دیا ہے، اسی سلسلہ میں مجھے چند باتیں عرض کرنی ہیں،

اس فن طب کی پچھلی تاریخ سے یہ ظاہر ہے کہ اس نے دوسری قوموں کے تجربوں سے فائدہ اٹھانے میں کبھی تعصب کو راہ نہیں دی ہے، اس بنا پر اس زمانہ میں جو نئے نئے تجربے اور نئے نئے نظریئے اور جدید طریق تشخیص اور ادویہ سازی کے جو طریقے پیدا ہو گئے ہیں ان سے بھی وہ پوری طرح مستفید ہوگا، چنانچہ ہمکو معلوم ہے کہ بعض انگریزی دوائیں اسمیں ابتدا ہی میں رواج پاگئیں، کنین اور انگریزی سالٹ کے نام ملتے ہیں، اسی طرح بعض دوسرے تجربات سے فائدہ اٹھانے میں گریز نہ کرنا چاہئے، نیز بعض قدیم اصول و بیانات جن کی تائید تجربہ اور تحقیق سے نہیں ہوئی اس کی صحت پر اصرار کرنے سے فائدہ نہیں، مثلاً یہ اصول کہ اعدل الاعمی ارض سکان خط الاستواء، محض غلط قیاسی دعویٰ ہے جس کی تردید ابن رشد و ابن خلدون وغیرہ نے بہت پہلے کر دی اور یہ صرف یونانیوں کے ناتمام علم جغرافیہ کی بنیاد پر قائم ہے جو آج تک ہماری عام کتابوں میں اسی طرح زیر درس ہے، اسی طرح موجودہ طب جو اخلاط اربعہ کے نظریہ پر قائم ہے، اپنی حد میں بالکل صحیح ہے لیکن محض یونانی قیاسات طبعی کی بنا پر دواؤں میں کیفیات اربعہ کے وجود پر زور دینا قیاس سے تجربہ کو رد کر دینا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ متاخرین نے اپنی تحقیقات میں تجربوں کے مقابلہ میں اس قیاسی چیز کی اہمیت کم کر دی ہے،

نظریہ اخلاط اور جراثیم | نظریۂ اخلاط اربعہ کی تشریح یہ ہے کہ طب کا اصول یہ ہے کہ المعدۃ بیت الداء باہر سے انسان کے پیٹ میں جو چیز عموماً جاتی ہے وہ غذا ہے، غذا کے طبخ صحیح و عدم طبخ سے اخلاط اربعہ کا وجود ہوتا ہے، ان کے توازن و عدم توازن سے مزاج کا اعتدال و انحراف ہوتا ہے اور صحت

مرض کا وجود ہوتا ہے، یہ تشریح تمام تر تجربی اور سراسر صداقت ہے، ڈاکٹری میں ادھر کچھ دنوں سے جراثیم کی وبا پھیلی ہے، ہر چیز جراثیم کا مخزن ہے اور علم الامراض علم جراثیم کا دوسرا نام ہوگیا ہے اب وہ آنکھوں سے نظر آتا ہے، اور اس کی تحقیق روز بروز بڑھ رہی ہے، اس کو اس حد تک ماننے میں کیا ہرج ہے کہ غذا اور پانی اور سانس کی ہوا کے ساتھ جراثیم شامل ہوکر فساد کا باعث ہوتے ہیں،

طب اور آلات کا استعمال | تحقیقات کے معاملہ میں آلات سے کام لینے میں بھی بخل نہ چاہئے علم جراحی اور کحالی اور دایہ گری جو ہماری طب کی شاخیں تھیں وہ رفتار زمانہ سے ایسے جاہل طبقوں میں پہنچ گئیں کہ ہمارے اطبا سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں رہا، ضرورت ہے کہ ان کٹی ہوئی شاخوں کو پھر اصل فن سے ملایا جائے، طب قدیم کی تاریخ اور شفاخانوں پر حضرۃ الاستاذ علامہ شبلی مرحوم نے ۱۸۹۲ء کے درمیان یعنی آج سے اٹھاون برس پہلے جو کچھ لکھا تھا، اور خاکسار نے زہراوی اندلسی کی تقریب سے ۱۹۰۸ء کے قریب الندوہ میں جو کچھ لکھا تھا ضرورت ہے کہ ہمارے اطبا ان تحقیقات تاریخی میں وقتاً فوقتاً اضافہ فرماتے رہیں،

قدیم کتب طب کی فراہمی | ہمارے طبی مدرسوں میں قدیم طبی کتابوں کی فراہمی اور حفاظت کا بھی سامان کیا جائے، ادھر کامل الصناعۃ اور حاوی کی اشاعت نے کچھ اطبا میں دلچسپی پیدا کی ہے، ابن طبری کی کتاب فردوس الحکمۃ ایک بہاری فرزند ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی کی تصحیح سے برلن میں ۱۹۲۸ء میں چھپی ہے، محمد بن زکریا رازی کی برء ساعۃ جس کو فرسٹ ایڈ کہتے ہیں، پیرس سے ۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی، اسی مصنف کی کتاب گردوں اور مثانوں کی کنکریوں کے علاج میں مقالہ فی الحصی فی الکلی والمثانہ لائیڈن سے ۱۸۹۶ء میں شائع ہوئی، اور اب آج کل دائرۃ المعارف حیدرآباد میں عمدۃ الجراحین ابن القف اور مختارات ابن ہبل زیر طبع ہیں، عمدۃ الجراحین کا موضوع یہ ہے، کہ بغیر آپریشن کے زخموں کا علاج کیا جائے، مصر کے ایک لائق ڈاکٹر احمد عیسیٰ بے نے عربوں کے آلات طب و جراحی و کحالی پر ایک نہایت محققانہ مقالہ لکھا ہے، اور مع تصاویر کے شائع

کیا ہے، چند سال ہوئے کہ قانون بوعلی سینا کا ترجمہ لندن سے انگریزی میں شائع ہوا ہے، اگر ہمارے اطبا میں سے کچھ اہل علم قدیم کتب طب کی تلاش و جستجو اور اشاعت کا کام انجام دیں تو اس فن کے بہت سے مردہ تجربات کو زندہ کر دیں گے، تجربات کو چھپانے کی پرانی بیماری اب زائل ہو جانی چاہئے،

عمدہ اور تازہ دواؤں کی فراہمی ہماری طب کی کمزوری کا ایک بڑا سبب عمدہ اور تازہ دواؤں کی بہم رسانی کی طرف سے پوری غفلت ہے، اب تک یہ کام بنیوں اور خالص دوکانداروں کے سپرد ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عمدہ اور تازہ دواؤں سے ہم محروم رہتے ہیں، اس پوری مجرمانہ غفلت کے باوجود اگران مفردات سے فائدہ پہنچتا ہے، تو اس طب کی یہ بھی کرامت ہے،

مفردات اور مرکبات مفردات کے بعد پھر مرکبات کی تیاری کا سوال ہے، محسن طب جناب حکیم مسیح الملک مرحوم نے جب سے ہندوستانی دواخانہ کی بنیاد ڈالی ہے بے شبہ مرکبات کی عمدگی اور صفائی کے کام نے بہت ترقی کی ہے، مگر ابھی تک اس کا اثر صرف چند شہروں تک محدود ہے،

مفردات سے علاج کا اسکول جو لکھنؤ میں رواج پذیر تھا وہ اس لحاظ سے کہ ہر نسخہ ہر شخص کے موجودہ حالات کے مطابق ہوتا تھا، بہت کامیاب تھا، مگر صرف اس لئے کہ اس کا گھسنا اور لگانا دردسر یہ بھی تو ہے۔ اب سرعت سے اس کی جگہ مرکبات سے علاج کا طریقہ سہل الحصول ہونے کے سبب سے لے رہا ہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ ہر مرض کے علاج میں نہیں چل سکتا، اس لئے ضرورت ہے کہ مفردات سے فی الفور جوشاندہ بنانے کا وہ طریقہ جو حیدرآباد دکن کے شفاخانہ طبی میں زیر عمل ہے قبول کر لیا جائے، یعنی عطاروں کے یہاں گرم پانی کا اہتمام خاص رکھا جائے اور ہر نسخہ کا جوشاندہ اور تازہ عرق فی الفور نکال کر حوالہ کیا جائے،

حیدرآباد دکن کا طبی شفاخانہ مجھے حیدرآباد دکن کے اس طبی شفاخانہ، دواخانہ اور کلیۂ طبیہ کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے، یہ پورا ادارہ اس بات کا ثبوت ہے، کہ حکومتوں کی سرپرستی سے یہ طب کتنی ترقی

پاسکتی ہے، اعلیٰ حضرت نظام خلد اللہ ملکہ کی شاہانہ توجہ سے اس طب نے جو ترقیاں کی ہیں، طریقہ دوا سازی دواؤں کے رکھنے کی ترکیب، جوشاندہ بنانے کا طریق آلات کا استعمال، مریضوں کی تیمارداری، دیکھ بھال سامان ہر چیز میں یہ شفاخانہ اسپتالوں کے بالمقابل ہے، اسی طرح اس کا طبیہ کالج لائق اساتذہ اور تجربہ کار معلمین نصاب، طریقہ تعلیم، مدت تعلیم علمی و عملی تعلیم کتب خانہ اور دیگر شعبوں کی بنا پر وہ نمونہ ہے، جس کی مثال دنیا میں اس وقت کہیں نہیں، ڈاکٹری کی بے شمار کتابیں اردو میں اصطلاحات کیسا تھ دارالترجمہ عثمانیہ نے اردو میں منتقل کر دی ہیں،

دیسی طب کی حمایت | بے شبہہ خوشی کی بات ہے کہ اصلاحات ہند کے رواج کے بعد حکومت انگریزی کے بعض صوبوں نے دیسی طب کی حمایت و حفاظت کی طرف توجہ کی ہے لیکن صاف کہنا چاہئے کہ یہ عمل ایمان کے بغیر ہے، اس لئے حمایت و حفاظت و اعانت بیدلی کے ساتھ کی اور دی جارہی ہے، اسی لئے بعض غلطیوں کا علانیہ ارتکاب کیا جارہا ہے، اور ہم اس لئے اس کو احسان مندی کے ساتھ قبول کرتے ہیں کہ ایک غیر حکومت کی طرف سے اتنی ہمدردی بھی بہت ہے،

طب کی زبان | پہلا مسئلہ تعلیم کا ہے، اس طب کی ساری مستند کتابیں عربی میں ہیں اور کچھ فارسی میں ہیں، گو ایک بہاری طبیب حکیم کبیر الدین صاحب شاگرد رشید حکیم اجمل خاں مرحوم کے ہم سب ممنون ہیں کہ انھوں نے اپنی محنت اور قابلیت سے اس فن کا اچھا خاصہ ذخیرہ ہماری زبان میں منتقل کر دیا ہے، اور اس نے ہماری طبی درسگاہوں میں رواج پایا ہے، تاہم نقل اصل کو نہیں پاسکتی، اس لئے اگر یہ سرکاری طبی درسگاہیں صرف اردو کے ذریعۂ تعلیم طب کے رواج پر عمل کریں گی تو فن کے زوال میں کوئی شبہہ نہیں، ایلوپیتھی کے لئے اگر انگریزی زبان کی ضرورت اور سائنس کے ذریعہ سے اعلیٰ کامیابی پر داخلہ میڈیکل کالج میں مشروط ہے تاکہ اعلیٰ قابلیت کے ڈاکٹر پیدا ہوں تو طب کے لئے نیم ملا عربی داں اور معمولی انگریزی داں و اردو خواں بلا امتیاز طب کی درسگاہوں میں داخلہ کی اجازت کیوں پاتے ہیں

کیوں نہ اس میں بھی اعلیٰ قابلیت کے لڑکوں کا انتخاب عمل میں آئے

طبیب ڈاکٹر نہ بنیں | اسی طرح کا تعلیمی نقص ترقی کے نام سے ان درسگاہوں میں پھیلایا جارہا ہے اور وہ ایلوپیتھی کے ناقص طریقوں کی ادھوری تقلید کا شوق ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری ان درسگاہوں کا طبیب، طبیب سے زیادہ ڈاکٹر بننے کا شائق ہے، اور لفظوں سے خوش ہوتا ہے، وہ کوشش کرتا ہے کہ اپنے طور و طریق میں بھی ڈاکٹر معلوم ہو، یہ حد درجہ مذموم طریقہ ہے، یہ کوے کے ہنس کی چال اختیار کرنے کا طریقہ ہے،

طب اور مذہب | ہمارے دوسرے مشرقی فنون کی طرح ہماری طب بھی ہمارے مذہبی فرائض ہی کا ایک گوشہ ہے، اسی لئے ہمارے پرانے طبیب نیچر اور فطرت کے بے ارادہ، بے رحم اور غیر مستولی دیوتاؤں کے بجائے، شافی مطلق، ہمہ رحم یفعل ما یشاء و یحکم ما یرید خدا کے پرستار تھے، انکی کتاب کا آغاز صدائے ابراہیمیؑ اذا مرضت فھو یشفین اور آیت الٰہی فیہ شفاء للناس اور حدیث لکل داء دواء اور کلمہ منسوبہ بہ سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العلم علمان علم الادیان وعلم الابدان سے ہوتا تھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے فنون کی طرح یہ فن بھی دین ہی کے تحت میں تھا، اسی لئے ہمارے طبیب کے ہر نسخہ کا طرۂ پیشانی طغرائے ہوالشافی سے مزین ہوتا تھا، وہ ہر مریض کی نبض پر ہاتھ رکھنے کے ساتھ شافی مطلق کے سامنے سرنگوں ہوجاتا تھا، وہ ہر مشکل کے وقت ادسی مشکل کشا کے روبرو دست بدعا ہوتا تھا، وہ مغرورانہ حتمی احکام لگانے کے بجائے ہمیشہ انشاء اللہ تعالیٰ کے دامن میں اپنے لئے پناہ ڈھونڈھتا تھا، وہ اپنی تدبیروں اور دواؤں کی تاثیرات کو اپنی فکر و نظر و تدبیر یا دواؤں کے طبعی خواص کی طرف منسوب کرنے کے بجائے مدبر حقیقی اور موثر حقیقی، حکیم علی الاطلاق جل شانہ کی طرف منسوب کرکے اپنے کو بندۂ بے اختیار ظاہر کرتا تھا، میں نے اس شہر کے ایک پرانے ڈاکٹر صفدر حسین صاحب کو دیکھا تھا، جنھوں نے غدر سے پہلے ڈاکٹری اردو میں پڑھی تھی اور

اور اُس سال پاس ہوئے تھے، جب واجد علی شاہ قید کرکے مٹیا برج لائے گئے تھے، ان ہی نے ہمارے صوبہ میں ہومیوپیتھک کو پہلے رواج دیا ہے، میں نے ان کو پرانے طبیبوں کی طرح ہمیشہ اسی حال میں دیکھا کہ وہ ہر علاج کے وقت شافی مطلق کی طرف متوجہ اور دست بدعا رہتے تھے، ان کا ایک فقرہ ہمیشہ یاد رہے گا' فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ اندھیری کوٹھری میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولتے ہیں،

نوجوان طبیبوں کو نصائح نوجوان طبیبو! اب آپ زندگی کے میدان میں اتر رہے ہیں، آپ کو دکھ سے بھرے انسان ملیں گے، ان سے ہمدردی کرنا آپ کا فرض ہوگا، کبھی آپ بیمار بن کر دیکھیں کہ طبیب کی ایک شفقت بھری نگاہ مایوس مریض کے لئے کس طرح آبحیات کا جام نوشیں بنجاتی ہے، حرص طمع اور دولت دنیا کے لالچ سے ایک شریف طبیب کا دامن پاک ہونا چاہئے، آپ کا تعلق کائنات کے اس راز سربستہ سے ہے، جس کا نام موت وحیات ہے، آپ کے سامنے خدا جانے موت وحیات کے کیسے کیسے موثر اور حیرت انگیز واقعات اور دل کو کپکپانے والے حادثے آئیں گے، ان حادثوں سے ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر کی قوت میں اضافہ کا کام لیں، آپ کے شہر کے ایک دیندار و خوش نام ڈاکٹر نے خوب فرمایا کہ ہم بیماری کا علاج کرتے ہیں، موت کا نہیں،

جائیے اور متوکلاً علی اللہ خلق کی خدمت میں مصروف ہوجائیے، اور بلا تفریق مذہب وملت غمزدوں کی غمخواری اور بیماروں کی تیمارداری اور دکھی لوگوں کے دکھ درد کو امکان بھر اخلاص اور ایمان داری اور محنت اور دیانت سے کم کرنے کی کوشش کیجئے، اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے، اور آپ کو فہم صحیح، دست شفا اور رزق حلال عنایت فرمائے،

والسلام

مجدد ملت

اور

قومیات وسیاسیات حاضرہ

از مولانا شاہ عبد الباری صاحب ندوی

حضرت حکیم الامۃ تھانوی کے خلیفہ مجاز مولانا شاہ عبد الباری ندوی اب مجدد وقت کے تجدیدی کارناموں پر ایک مبسوط کتاب تیار کر رہے ہیں، ذیل کا مقالہ اسی کتاب کا ایک باب مع دیباچہ وخلاصہ کے ہے، مولف ممدوح نے اپنے امکان بھر کوشش اس کی کی ہے کہ حضرت مولانا کی تعلیمات وہدایات کی صحیح صحیح ترجمانی وتعبیر کر دیں، اور اس کوشش میں وہ قابل مبارکباد حد تک کامیاب بھی ہوے ہیں، پھر بھی بشر بشر ہی ہے، معارف میں اس کی اشاعت سے مقصود یہ ہے کہ دوسرے ارباب نظر بھی اسے ملاحظہ فرمائیں اور جہاں جہاں ان کو فروگذاشتیں نظر آئیں ان سے مولف سلمہ اللہ کو مطلع کر دیں، حضرت کے منتسبین سے یہ التماس خصوصیت کے ساتھ ہے، سب سے پہلے ان تمہیدی سطور کا راقم، خود اس فرض کو ادا کرتا ہے، اور جہاں جہاں کوئی بات اسے لفظی یا معنوی حیثیت سے کھٹکی ہے اس کا وہ بے تکلف اظہار کرتا گیا ہے، تنقید میں مروت، تقاضاے اخلاص کے بالکل منافی ہے۔"

"عبد الماجد دریابادی"

دیباچہ | دین کی تکمیل وتحفظ کے بعد نبوت کا ختم ہو جانا بالکل قدرتی امر تھا یعنی جب دین کا ہر جہت سے اور ہمیشہ کے لئے اکمال واتمام فرما دیا گیا، اور قیامت تک اس کی حفاظت کی ضمانت بھی فرما لی گئی، تو ظاہر ہے

کہ اب کسی نبی و حی کی کیا ضرورت رہی، البتہ ایک اور ضرورت رہجاتی ہے، امتداد زمانہ سے بشری فطرت، نفس و نفسانیت اور اتباع ہوی وغیرہ کے خارجی عوامل کی بدولت کامل و محفوظ دین کے احکام و تعلیمات کی بھی فہم و تفہیم اور عمل و اجرا میں طرح طرح کے خلل و فساد کا لاحق ہوتے رہنا ناگزیر تھا، کوئی چہرہ بذات خود حسن و جمال کے خواہ سارے صفات کمال سے متصف ہو، مگر خارجی و عارضی گرد و غبار اس کو بھی مکدر کرہی دیتا ہے، جس سے صاف کرتے رہنے کی ضرورت وقتاً فوقتاً پڑتی رہتی ہے، دین کامل کے چہرۂ کمال و جمال سے اسی گرد و غبار کو جھاڑتے رہنے کے لئے بعثت انبیا کو ختم کرنے کے بعد بعثت مجدد دین کا سلسلہ صدی بصدی جاری فرمایا گیا، تاکہ طالبان حق کو کج رویوں سے بچ کر ہمیشہ "صراط مستقیم" ملتی رہے، اور "ضالین و مغضوبین" کی گمراہیوں سے محفوظ رہیں، خیر القرون سے جتنا بعد بڑھتا جاتا ہے، دینی کجراہیاں اور فتنے بھی بڑھتے جاتے ہیں، لہذا ہر وقت اور ہر عہد میں مسلمانوں کو اس وقت کی کجراہیوں اور گمراہیوں سے محفوظ رہنے کے لئے مجدد وقت کو معلوم کرنا اور اس کی تجدیدات وقت کی پیروی کرنا، اسی میں سلامتی ہے،

البتہ نبی اور مجدد میں ایک فرق یہ ہے کہ نبی وقت پر ایمان نفس نجات و مغفرت کے لئے لازم ہے، بخلاف اس کے مجدد وقت کی یافت و پیروی پر نجات موقوف نہیں، وہ تو انشاء اللہ خاتم الانبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان کے بعد مر مٹ کر حاصل ہی ہو جائیگی لیکن دین کے اصلی پاک و صاف سرچشمہ تک پہنچنا، اسکی کامل و بے غبار تعلیمات کو سمجھنا اور ان پر عمل کی دینی و دنیوی برکات کا پوری حاصل ہونا، اس کے لئے بلا شبہہ مجدد وقت کا پانا اور اس کا دامن تھامنا لابد ہے، ورنہ پھر بعثت مجدد دین اور تجدید دین کے کوئی معنی نہیں، بلا شبہہ مجدد نبی کی طرح معصوم نہیں ہوتا، بشری لغزشیں اس سے بھی ہونگی، لیکن دیگر علماء و محققین کے مقابلہ میں نسبۃً بہت کم، اس لئے مجدد وقت کی تجدید و تحقیق کا قبول و اتباع اسلم و احوط ہر حال میں ہوگا،

مسلمانوں کی حالت کم وبیش ہر لحاظ سے روز بہ روز رو بہ تنزل ہی نظر آرہی ہے، قومیات وسیاسیات یا دنیوی معاملات تک میں جن راہوں اور تدبیروں سے غیروں کو ان کی مزعوم و مطلوب ترقی وکامیابی حاصل ہوتی ہے، انہی راہوں سے اور انہی مقاصد کے لئے مسلمانوں کا حصہ ناکام نقالی کے سوا کچھ نہیں معلوم ہوتا ہے،

راقم احقر کوئی قومی وسیاسی آدمی بالکل نہیں، اور نہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے موجودہ قومیات وسیاسیات کا اسلام کے اصول ومقاصد یا طریق کار سے کوئی سروکار سمجھ میں آتا ہے، تاہم الحمد للہ برا بھلا مسلمان ہوں اور برے بھلے مسلمان بھائیوں کی زبون حالی پر دل کڑھتا ہے، ان کے کسی قومی یتیم خانہ کا حال سنو تو ابتر، کسی مدرسہ کا حال دیکھو تو بد سے بدتر، جس ادارہ پر بھی نظر ڈالو" ہر روز بتر می بینم" ہی کا مشاہدہ ہوتا ہے، سب سے زیادہ شور وغل سیاسیات کا ہے، مگر اس ڈھول کے اندر بھی پول ہی پول ہے بلکہ مسلمانوں کے حق میں سب سے زیادہ فتنہ وشر، ناکامی ونامرادی اسی میں دکھلائی دیتی ہے،

بعض تازہ واقعات سے دل پر زیادہ چوٹ لگی، مسلم لیگ کے ساتھ وفد وزارت اور وائسرائے سب کی طوطا چشمی واستخفاف یا غداری جو کچھ بھی کہو اس کا بڑا سبب یہی ہوا کہ کانگریس کے مقابلہ میں لیگ کی اندرونی کمزوریوں کی بنا پر اس کو زیادہ خاطر میں نہیں لایا گیا، بظاہر مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت مسلم لیگ کی ہم آواز ہے، مگر وہی آواز دہل کہ اندر سے خالی اور دل ہم آہنگ نہیں، ذاتی وانفرادی اغراض ومطالبہ کا غلبہ، انتخابات میں غیر معمولی کامیابی کے باوجود خود مسلمانوں کی اکثریت کے صوبوں میں لیگ اور لیگی وزارتوں کا حال دوست و دشمن سب کے سامنے ہے، کلکتہ، بمبئی وغیرہ میں ہزاروں بے گناہ مسلمانوں، بچوں، بوڑھوں، عورتوں تک کا جس درندگی کے ساتھ قتل عام ہوا اس کے تصور سے بھی کلیجہ منہ کو آتا ہے، دوسروں پر اس کا الزام جا ہے جتنا دھرا جائے اور قانون وکمیشن کی نگاہ میں چاہے سراسر دوسروں ہی کی زیادتی ثابت ہو، تاہم اس کا حقیقی اور بڑا سبب اوپر سے نیچے تک خود ہماری جماعتی ابتری

و بدنظمی، عدم انضباط و عدم تربیت کے سوا کیا ہے،

ہمارے جماعتی امراض میں سب سے مہلک مرض یہی ہے کہ ہمارا کوئی کلمہ جامعہ نہیں جس پر ہم زبان و دل دونوں سے جمع ہوں، مسلمان مسلمان رہ کر صرف اسلام ہی پر جمع ہو سکتے تھے، اور اس جمع ہونے کی صورت سیاسی غیر سیاسی چھوٹے بڑے کسی مسئلہ میں یہی ہو سکتی تھی کہ کسی ایک راے پر جمع ہو جائیں، یہ نہیں کہ جس لیڈر یا اڈیٹر جس عالم یا مولوی کا جدھر جی چاہے چل پڑے، جو مسلک چاہے اختیار کرے، اور پھر سارے مسلمانوں کو اس کی طرف بلانے لگے، یہ تو وہی اعجاب کل ذی رای برائہ کی خود رائی ہے جس کا نتیجہ اس فشل اور ذہاب ریح یا ہوا خیزی یا پست ہمتی کے سوا کیا ہو سکتا ہے، جو دن رات آنکھوں کے سامنے ہے،

لہذا اہم و مقدم سوال یہ طے کرنے کا ہے کہ وہ ایک راے جس پر مسلمانوں کو جمع ہونا چاہئے، کون اور کس کی ہو سکتی ہے ؟ اسلامی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کے لئے اس کا جواب ایک ہی ہے کہ مجدد وقت کی تجدیدی راے، اس لئے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی عہد میں خاص طور پر اسلامی احکام و تعلیمات کے احیاء و تجدید ہی کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہو، اس سے بڑھ کر دینی اعتبار سے قومیات و سیاسیات حاضرہ میں اور کسی کی راے قابل اعتنا و اتباع ہو سکتی ہے،

راقم ہذا آج کل عہد حاضر کے جامع المجددین (حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی علیہ الرحمہ) کی اسلامی زندگی سے متعلق ہر شعبہ کی تجدیدات ہی کو ایک مستقل کتاب کی صورت میں جمع و مرتب کر رہا ہے، اور اتفاق وقت سے اس وقت قومیات و سیاسیات حاضرہ ہی کا باب زیر تحریر تھا، اس لئے تازہ واقعات سے مجروح و متاثر قلب میں اس کو پیش کر دینے کا تقاضا ہوا، لیکن احقر نہ کوئی چھوٹا بڑا لیڈر نہ مولوی، نہ کانگرسی نہ لیگی کہ اس کے معروضات قابل توجہ کیا قابل سماعت بھی ہوں، تاہم "گاہ باشد کہ کودک ناداں" کے احتمالی فقرہ کے مطابق ممکن ہے کوئی قابل قبول بات نکل آئے،

اس کے علاوہ راقم کی حیثیت اصل میں جامع یا زیادہ سے زیادہ کہیں کہیں شارح کی ہے، سو اگر جمع و شرح میں کہیں غلطی یا غلط فہمی ہوئی ہو تو اس سے قطع نظر فرما کر بلکہ احقر کو آگاہ و متنبہ فرما کر، خود حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی اس باب میں جو تجدید و تحقیق ہے، اس پر تعصب و تحزب سے خالی الذہن ہو کر اگر توجہ فرمائی تو انشاء اللہ نفع سے خالی نہ ہوگی، اُن حضرات سے خصوصاً اس کی درخواست ہے، جو حضرت علیہ الرحمہ سے ارادت و عقیدت کی کوئی نسبت رکھتے ہیں، کہ وہ ان معروضات پر خاص توجہ فرمائیں، اور اگر حضرت کی رائے و تحقیق کے پیش کرنے میں کوئی خطا نظر آئے تو اس کی تصحیح سے ضرور مطلع فرمائیں تاکہ کتاب کی اشاعت میں لحاظ رکھا جائے، وما توفیقی الا باللہ،

بظاہر حضرت جامع المجددین علیہ الرحمہ کے تجدیدی اوراق حیات کا یہ ورق بالکل سادہ معلوم ہوتا ہے، اور یہ صحیح بھی ہے کہ متعارف قومی و سیاسی تحریکات میں حضرت نے کبھی کوئی عملی حصہ نہیں لیا، اور بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں کوئی تجدیدی و اصلاحی خدمات بھی نہیں انجام دیں، بات یہ ہے، کہ قومیات و سیاسیات حاضرہ کا عملی پہلو ہی دینی اعتبار سے زیادہ غیر عملی ہے، ان کا بڑا وصف یہ ہے کہ کام بہت کم اور نام بہت زیادہ، خیر بہت کم شر بہت زیادہ اور اس نام و نمائش کے شور و غل میں اوقات الگ ضائع، سب سے بڑھکر یہ کہ قدم قدم پر طرح طرح کے دینی مفاسد میں آلودگی و ابتلا پھر اس غل غپاڑہ میں پڑکر کسی بڑے سے بڑے صحیح الدماغ دینی یا دنیوی خادم یا رہنما کا اتنا توازن دماغی برقرار رہنا مشکل کہ ڈ

حدود و اعتدال کو محفوظ رکھ سکے، جو اسلامی صراط مستقیم کی خصوصیت خاصہ ہے، اور حضرت مجدد وقت علیہ الرحمہ کی حکیمانہ و مجددانہ خدمات و اصلاحات کا سب سے نمایاں وصف،

اس لئے ان نام نہاد قومی و سیاسی تحریکات یا انجمن سازیوں، جلسہ بازیوں، نعرہ زنیوں، اخبار فروشیوں اور ووٹ خریدیوں، ہڑتالوں، بائیکاٹوں وغیرہ کے جو طرح طرح کے آئے دن طوفان بے تمیزی برپا رہتے ہیں ان کی طرف نہ خود طبعاً عقلاً یا شرعاً کسی طرح رخ فرما سکتے تھے اور نہ کسی کو مشورہ دے سکتے

تھے، خالص دینی خدمات تک میں ان پر مفاسد ذرائع سے کام لینا پسند نہ تھا، خدمات تبلیغ کے سلسلہ میں ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ

"ہر ضلع میں ایک مجلس قائم کر دیجائے جس کا نام وغیرہ رکھنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں نہ عہدہ داروں کے نام مقرر کرنے کی ضرورت کیونکہ آج کل انجمن کے قوانین اور عہدہ داروں کی فہرست میں تو رجسٹر سیاہ کر دیئے جاتے ہیں، مگر کام نہیں ہوتا،" (قواضی بالحق منہ)

پھر قومیات و سیاسیات حاضرہ کے بازار میں قومیت و وطنیت، جمہوریت و اکثریت، انقلاب و بغاوت، حریت و مساوات وغیرہ کے ظاہر فریب ناموں سے جیسے جیسے کھوٹے اور جعلی سکے رائج ہیں ان کو جوہر شریعت کی معمولی پرکھ رکھنے والا بھی اپنی جیب میں نہیں ڈال سکتا، تو بھلا جو مجدد وقت شریعت مطہرہ کو ہر کھوٹ کی ادنیٰ سے ادنیٰ آمیزش سے پاک و صاف فرمانے ہی کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہو وہ ان جھوٹے جعلی سکوں کو سرے سے بدل ڈالنے کے سوا ان میں اصلاح کی کیا گنجایش دیکھ سکتا تھا،

قومیت نام ہے رنگ و نسل، ملک و وطن، یا کسی خاص و خالص مادی تہذیب و تمدن کے خود تراشیدہ اور غیر اختیاری و خارجی امتیازات و معیارات پر مبنی جماعتی تصور کا جس کو اسلام کے دشمن بھی اب جان گئے ہیں کہ قومیت کا یہ تصور اسلام کی عین ضد ہے، اور اسلامی شریعت ایسے قوانین سے مطلقاً ناآشنا ہے، جن میں حق و انصاف، عطا و منع، جنگ و صلح ترجیح و تفوق کی کسوٹی کھال کا کوئی رنگ ہو یا ماں کے پیٹ سے گر پڑنے کا کوئی مقام یا بہت اونچے جائے تو زبان و ادب، شعر و شاعری یا موسیقی و مصوری، تعمیر و صناعی، بت تراشی و بت پرستی وغیرہ کا کوئی روایتی و خرافاتی مجموعہ جس کو تہذیب و تمدن کا لقب دیکر زندگی کا نام کا فور رکھدیا جاتا ہے،

ان سب کی مشترک خصوصیت ایک طرف تو یہ ہے کہ بجائے انسان کے اندر کسی باطنی یکرنگی و برتری کو معلوم کرنے کے سارا زور اس کی خارجی و مادی نیرنگیوں اور پستیوں پر دیدیا گیا، دوسری خصوصیت

ان کا غیر اختیاری ہونا ہے، کہ جو جس رنگ ونسل جس سرزمین یا جس روایاتی و خرافاتی تمدن میں پیدا ہو گیا تو اب نہ وہ اپنی کھال چھیل کر پھینک دے سکتا ہے کہ کالے سے گورا بن جائے نہ ہندوستان سے ہزاروں میل دور افریقہ میں جا بسنے کے باوجود وہ ہندی کے بجائے فرنگی بن کر فرنگیوں کے مرتبہ و معیار برتری کو حاصل کر سکتا ہے، اس خارجی اور غیر اختیاری معیار کی قدرتی گوناگونیوں کے انسانوں میں باہمی تفریق وامتیاز اور تقسیم در تقسیم کا معیار قرار پا جانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ کرۂ ارض پر اقوام در اقوام کا ہر چہار طرف سے ایک سیلاب ابل پڑا، پھر ہر قوم و ملک کے اندر معاشی تقسیمات و طبقات، اسی طرح سیاسی جماعات (یا پارٹیوں) کا اکھاڑا الگ ہے اور ہر چھوٹی بڑی قوم طبقہ و جماعت کا پیش جہاد اپنے لئے زیادہ سے زیادہ مادی منافع کا بٹورنا ہے، لیکن یہ مادی منافع مادی ہونے ہی کی بناء پر محدود بھی ہیں، پٹرول بھی محدود، خام مواد کی پیداوار بھی محدود، مال کی نکاسی کی منڈیاں بھی محدود، رہنے بسنے کے لئے نوآبادیں بھی محدود، اور مطالبہ ہر قوم و جماعت کا نامحدود، اس لئے کہ اسی کا نام ترقی رکھا گیا ہے کہ مادی فوائد کے حصول میں کسی نقطہ پر بھی پہونچ کر قناعت نہ ہو، جس کی صورت یہی ہے کہ جہانتک بن پڑے ہر ایک دوسرے کے منہ کا نوالہ حلق سے کھینچ لینے کی کوشش کرے، نتیجہ یہ ہے کہ ساری زمین فساد سے بھر گئی، ملک ملک سے، قوم قوم سے، جماعت جماعت سے، طبقہ طبقہ سے برسرِ پیکار رہے،

اسلام نے ان خودساختہ مادی و خارجی بنیادوں پر اولادِ آدم کی نہ کوئی گروہ بندی تسلیم کی ہے، نہ ان کی بناء پر کسی تفوق و ترجیح کو جائز مانا، نہ مادی منافع کی نامحدود حرص و ہوس کو ترقی قرار دیا، اور گو اب اس قومیت کے منافع و مصالح سے زیادہ مفاسد و معاسد کو اسلام کے نہ ماننے والے بھی دل و دماغ سے مانتے جارہے ہیں اور بین الاقوامیت و اشتراکیت و اجتماعیت وغیرہ کے راستوں سے ہلاکت سے بچنے کی تدابیر کی جارہی ہیں، مگر وہی کڑاہی سے بچ کر چولھے میں گرنے کی سب تدبیریں ہیں، مادی و خارجی اغراض و مقاصد کی نامحدود طلب و ہوس کا نصب العین جب تک افراد اور جماعتوں

کے دل و دماغ پر مسلط ہے، اس وقت تک زہر کا نام تریاق رکھ دینے سے ہلاکت سے مفر نہیں، اور نہ حرص و ہوس کا یہ جنون دل و دماغ سے اُس وقت تک خارج ہو سکتا ہے، جب تک اسکی جگہ کوئی ایسا عظیم و محکم روحانی و باطنی نصب العین نہ لے لے جس کی عظمت و اہمیت کے سامنے بڑی سے بڑی مادی ترقیاں بھی طفلانہ لہو و لعب معلوم ہونے لگیں، وما الحیٰوۃ الدنیا الا لھو و لعب۔

جمہوریت کا ملمع قومیت سے بھی زیادہ ابلہ فریب و بے حقیقت ہے، بلکہ ایک ایسا اسم ہے جس نے عملاً کبھی اپنے مسمی کی شکل نہیں دیکھی، کسی بڑے پیمانہ پر ملک و حکومت کا کاروبار اس نام نہاد جمہوریت سے چلنا تو درکنار حضرت علیہ الرحمۃ نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ "اگر روٹی پکانے میں بھی جمہوریت ہو تو ایک روٹی بھی نہ پک سکے"[1] انگریزی میں بھی مثل ہے کہ "زیادہ باورچیوں میں شوربے کی خرابی لگتی ہے"! بات یہ ہے کہ جمہوریت و عمومیت وغیرہ کے ناموں سے یہ دعویٰ تو صحیح ہے کہ حکومت عوام کے لئے یعنی اُن کی فلاح و بہبود کے لیے ہو لیکن دوسرا دعویٰ کہ حکومت عوام کی ہو یا عوام کی رائے سے ہو یہ ناقابل عمل ہی نہیں احمقانہ بھی ہے، اس لئے کہ فہم و فکر کے لحاظ سے صد فی صد تعلیمیافتہ ملک کے عوام بھی بہر حال عوام ہی ہوں گے جو اپنے نفع و ضرر کو پوری طرح سوچ سمجھ تک نہیں سکتے، اور ان کی فلاح و بہبود کو بھی ان کے خواص یا اہل فکر و فہم ہی صحیح طور پر سمجھ اور سمجھا سکتے اور وہی عمل میں لا سکتے ہیں، عوام الناس تو غریب اتنی بھی صلاحیت نہیں رکھتے کہ اپنے خیر خواہ و بدخواہ میں تمیز کر کے اپنے ووٹ تک کا صحیح استعمال کر سکیں، وقت پر اپنی چرب زبانی چکنی چپڑی باتوں اور جھوٹی سچی ترغیب و تحریص یا چالاکی و مکاری سے ان کا دشمن بھی ان سے ووٹ حاصل کر سکتا ہے اور کر لیتا ہے، پھر ظاہر ہے کہ دنیا میں عقل و فہم کے اعتبار سے اکثریت ہمیشہ کاملین کے مقابلہ میں ناقصین ہی کی رہی ہے، اور رہے گی تو اکثریت کی رائے و انتخاب کے معنی، عقلمندوں کے مقابلہ میں کم عقلوں یا احمقوں کی رائے و انتخاب کے سوا کیا ہے،

---

[1] الافاضات الیومیہ حصہ پنجم ص۵۵،

اور جس طرح لاکھوں کروڑوں عوام کا حال ہے، اسی طرح ان کی رائے سے منتخب ہو کر جو سیکڑوں ہزاروں خواص کی قانون ساز مجالس یا اسمبلیاں وغیرہ بنتی ہیں اُن میں بھی عقل و فہم، علم و عمل، اخلاق و دیانت، اخلاص و بے نفسی کے اعتبار سے نسبتہً کاملین ہمیشہ اقلیت ہی میں ہونگے، اس لئے کسی معاملہ و فیصلہ کو اکثریت کے تابع کرنا دراصل کم عقلوں، کم علموں اور خود غرضوں کے حوالہ کر دینا ہے، اقبال مرحوم پر ہزاروں رحمتیں ہوں حرف بحرف سچ کہا ہے کہ

گریز از طرز جمہوری غلامے پختہ کارے شو که از مغز دو صد خر فکر انسانی نمی آید

صحیح اور فطری اصول یہی ہے کہ سیاسی و غیر سیاسی چھوٹا بڑا کوئی ادارہ ہو دو صد خر کے بجائے بس کسی ایک انسان کو تلاش کرکے اس کے حوالے کر دینا چاہئے، البتہ بڑے سے بڑا انسان بھی زیادہ سے زیادہ عقل و علم، اخلاص و دیانت کی جامعیت کی باوجود فکر و رائے میں غلطی کر سکتا ہے، اس لئے عوام ان سے نہیں بلکہ اہل الرائے سے مشورہ لینا اس پر واجب ہو، تاکہ بحث و گفتگو سے معاملہ کے تمام اطراف و جوانب سامنے آجائیں لیکن نفس مشورہ کے وجوب و پابندی کے باوجود مشورہ لینے اور دینے میں پوری آزادی حاصل ہونی چاہئے کہ مشورہ لینے والا عوام کالانعام کے منتخب کردہ "دو صد خر" کا پابند ہو بلکہ جس معاملہ میں جس وقت جو لوگ بھی اس کو زیادہ اہل الرائے نظر آئیں سب سے مشورہ لینے کے لئے آزاد ہو، اسی طرح مشورہ دینے کے لئے بھی ہر شخص آزاد ہو، یہ نہیں کہ ایک دفعہ الٹا سیدھا اپنا کسی کو نمائندہ منتخب کر دیا، تو اب ہم تین یا پانچ برس کی کسی مقررہ مدت تک خود کوئی رائے نہیں دے سکتے، چاہے وہ ہمارا نمائندہ ہو کر ہمارے خلاف ہی رائے دیتا رہے، بس اسلام کی جمہوریت یہی صحیح و متوازن شورائیت ہے، اور فیصلہ بالآخر "دو صد خر" نہیں بلکہ ایک انسان کے ہاتھ میں ہوتا ہے، البتہ وہ اپنی انسانی فکر و فہم کے ساتھ ایمانی فراست اور شرح صدر کی روشنی میں ہوتا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اتنی روشنیوں کے بعد بھی عمل کا قدم محض ناقص انسانی علم و روشنی کے تحت نہیں اٹھاتا کہ انسان کا کامل سے کامل

علم بھی ناقص ہی ہے نبی کو بھی حکم ہے کہ مشورہ لیجئے اور اپنی رائے قائم ہو جانے پر بھروسہ عالم کل و قادر مطلق ذات ہی پر ہے، قرآن مجید نے اپنی موجز و معجز تعبیر کے ایک ہی جملہ میں اسلام کے اجتماعی نظام کار کے اصول ثلاثہ (۱) مشورہ (۲) عزم (۳) اور توکل کو منصوص فرما دیا ہے، کہ شاورھم فی الامر، فاذا عزمت، فتوکل علی اللہ۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اسکی طرف جا بجا اشارات فرمائے ہیں، مثلاً احکام المال نامی وعظ میں فرماتے ہیں کہ

"قرآن شریف میں مشورے کی تاکید ہے، مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ کرنا وہی جو اپنی سمجھ میں آجائے، چنانچہ شاورھم فی الامر میں مشورے کا امر بھی ہے اور آگے یہ بھی کہ فاذا عزمت فتوکل علی اللہ کہ جب خود قصد ہو جائے تو خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرکے کام کو کر ڈالے، یہ نہیں فرمایا کہ فاذا عزموا کہ جب وہ عزم کریں یا فاذا عزم اکثرھم کہ ان میں سے اکثر عزم کرلیں مطلب یہ کہ مشورہ تو کیجئے اور مشورے کے بعد جس بات پر خود آپ کی رائے قرار پائے وہ کیجئے،

یہاں سے جمہوری سلطنت کا قلع قمع ہوتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جدھر کی کثرت رائے ہو اس جانب کو لیا جائے، سو قرآن شریف کی تعلیم اس کے خلاف ہے، اس میں فاذا عزم اکثرھم نہیں فرمایا، بلکہ فاذا عزمت فرمایا، خلاصہ یہ ہے کہ مشورہ تو سب کا ہو اور عزم آپ کا ہو، دوسروں کی رائے پر عمل کرنا لازم نہیں، اگرچہ وہ اہل ہی ہوں، اور آج کل کے تو اہل الرائے ماشاء اللہ اہل بھی نہیں ہوتے ...... کمیٹیوں میں ایسے ایسے ممبر ہوتے ہیں، جن کو بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہوتی، واقعات بتلا رہے ہیں کہ آج کل کی کثرت رائے بالکل ہی مہمل ہے (ص۵۳ تا ص۵۵)"

حضرت کو تو بحمد اللہ اس مہمل کثرت رائے سے سابقہ شاید ہی کبھی ہوا ہو، راقم ہذا کو آج کل کی کمیٹیوں اور ان کی اکثریت کا کچھ تھوڑا تجربہ ہوا تو بس اکثر اس اکثریت میں "دو صد خر" کا منظر ہی دیکھا اور بالآخر

اس سے طبیعت میں اتنی کراہیت پیدا ہوگئی کہ کسی کام میں جہاں کمیٹی کا نام آیا کہ ذہنی متلی شروع ہوگئی،[1] خالص عقلی راہ سے بھی دیکھئے تو اجتماع کا نفسیاتی لازمہ یہ ہے کہ جو جماعت جتنی کثیر ہوگی، اسی نسبت سے اس کے افراد کی انفرادی عقل بھی قلیل ہوتی جائے گی،

حریت یا آزادی کا ڈھول سب سے زیادہ پیٹا جاتا ہے لیکن اسلامی حریت و آزادی کے مقابلہ میں اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ آزادی نام ہے آقاؤں کی صرف تبدیلی کا، کہ ہم فلاں رنگ و نسل یا فلاں ملک و سرزمین کے انسانوں کی غلامی قبول نہ کریں گے، ان کے بجائے ہم کو ایسے آقا درکار ہیں جو ہمارے ہی رنگ و روپ یا ہمارے پاس پڑوس کے ہوں، بس یہ ملکی و قومی آزادی کی پرواز ہے، یا پھر خود اپنے ملک و قوم میں آزادی یہ ہے کہ اپنی غلامی کے لئے کسی فرد یا جماعت کو ہم خود اپنا آقا منتخب کرلیں، بخلاف اس کے اسلام کی عطا کردہ حقیقی آزادی یہ ہے کہ وہ انسان پر انسان کے حکم و حکومت کا قطعاً روادار نہیں نہ اپنوں کی نہ پرایوں کی، نہ ملکیوں کی نہ آفاقیوں کی نہ فرد کی نہ جماعت کی حتی کہ وہ کسی شخص کو خود اپنا یا اپنے نفس و ہوا کا محکوم و تابع رکھنا بھی گوارا نہیں کرتا[2] ان الحکم الا للہ[3]

فرد و جماعت، ملک و قوم سب کا حاکم بالادست یا آقا و مالک صرف وہی ہو سکتا ہے جو واقع کے لحاظ سے بھی ان کا مالک و خالق ہے یا پھر وہی جس کو جس درجہ میں اپنے ملک اور اپنی سلطنت میں اپنا کارندہ تجویز کردے، باقی اپنے ذاتی اختیار سے نہ کسی فرد کو نہ کسی جماعت کو، نہ اپنے اوپر کسی طرح کی سروری و سرداری کا حق حاصل ہے، نہ دوسروں پر، نہ خود ساختہ قومی و ملکی، تجارتی و تمدنی اغراض و مقاصد کے لئے کسی ملک و سرزمین کے لینے دینے یا تقسیم کرنے کا حق، نہ محض اپنی رائے و عقل سے خود اپنے

---

[1] لیکن اس سلسلہ میں جمہوری حکومتوں اور ان کے ہاں کے جمہوری اداروں کے تجربات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے، (عبدالماجد)

[2] اس عبارت کو ذرا محدود و مقید کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ امامت و اقتدار و امر و اطاعت پر تو اسلام کیا ساری اجتماعی زندگی ہی کا دارومدار ہے (عبدالماجد)

[3] یہ الفاظ قرآن مجید میں جہاں جہاں اور جس سیاق میں آئے ہیں وہ اس دعوی کی تائید میں نہیں، (عبدالماجد)

یا غیروں کے لئے کسی فرد یا جماعت کو کوئی قانون وضع کرنے کی اجازت، خدا کی زمین پر صرف خدا ہی کا اُتارا ہوا قانون چلنا چلانا چاہیئے، جو ایسا نہیں کرتے قرآن کا اعلان ہے کہ وہی کافر، ظالم، فاسق، سب کچھ ہیں؛ [۵۹]
من لم یحکم بما انزل اللہ او لٰئک ھم الکافرون۔ ھم الظالمون، ھم الفاسقون[۶۰]۔

مساوات کے دعوی کا یہی حال ہے، کہ اسلامی اعتقاد پر مبنی اخوت کے بغیر یہ عملاً ایک محال فطری کا دعوی ہے، خدا کے سوا انسان کسی معنی میں بھی اپنے کو کسی دوسرے انسان کا تابع و محتاج مان کر یا اس کے قبضہ میں اپنا نفع وضرر جان کر بھلا اس کے آگے بندگی و سرافگندگی سے کیسے رُک سکتا ہے، پھر اس بندگی و سرافگندگی کے بعد مساوات کہاں! توحید کی یہ بصیرت و اخوت نصیب نہ ہونے ہی کا نتیجہ ہے کہ آدمی آدمی کے آگے جھکتا ہے؛ "آدم از بے بصری بندگی آدم کرد"، جو کتے بھی نہیں کرتے؛ "من نہ دیدم کہ سگے پیش سگے سرخم کرد" حقیقی حریت و اخوت اسی کا حصہ ہو سکتا ہے جس کے دل نے لاالٰہ الا اللہ کا راز پالیا،

مردِ حر از لاالٰہ روشن ضمیر　　　　می نگردد بندۂ سلطان و وزیر

پھر اسلام کی اصل روح سمع و اطاعت ہے اور قومی و سیاسی تحریکات کا سب سے بڑا سرمایہ انقلاب و بغاوت، اگر بیرونی حکومت سے آزادی ہے، تو خود اپنی ہی حکومت کے خلاف کوئی نہ کوئی شکایت پیدا ہوتے رہنا لازم، ایک پارٹی کی وزارت ہے تو دوسری اس کے لئے ہر وقت عدم اعتماد کی تحریک کا علم بغاوت لئے کھڑی ہے، رعایا و عوام کی فلاح و بہبود سے زیادہ اپنی پارٹی کی وزارت کے قیام اور مخالف کے انہدام کی فکر، حکومتی و سیاسی، ملکی و قومی، تجارتی و صنعتی کسی ادارہ یا فرد و جماعت سے کوئی شکایت ہو تو احتجاج ہے ہڑتال ہے، جلسے ہیں، جلوس ہیں، نعرے ہیں، جن میں کشت و خون تک کی نوبت! اور یہ کیوں نہ ہو اس لئے

---

۵۹ ان سب عبارتوں کو محدود اور مقید کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ مطلق صورت میں تو ہر عقل اور ہر تجربہ سے انکار لازم آئیگا، حالانکہ یہ عقل اور تجربے بھی اللہ ہی کے عطیے ہیں، (عبدالماجد)
۶۰ یہ سب عیدیں صرف ان لوگوں کے حق میں وارد ہوئی ہیں، جو خدا کی ہدایات و احکام کے موجود ہوتے ہوئے انہیں چھوڑ کر ہوائے نفس کے ماتحت قانون بنا رہے ہیں، (عبدالماجد)

کہ حق و انصاف کا اور کوئی ترازو ہی نہیں، تعلیم یہ ہے کہ جس قدر زیادہ شور و غل مچاؤ اور ہنگامہ فساد برپا کرو اُسی قدر زیادہ تمہارا حق زوردار سمجھا جائیگا، جتنے زیادہ زور سے پیٹ پیٹو گے اتنے ہی بھوکے سمجھے جاؤگے اور اتنا ہی زیادہ پاؤگے' لاحول ولا قوۃ یہ بھی کوئی نظام حکومت و سیاست ہے؟ جس کی بدولت ملک بھر میں روزانہ طرح طرح کے ہنگامے اور فسادات کھڑے رہیں اور شہریوں کا امن وامان برباد ہوتا رہے، رعایا حکومت سے برسرپیکار رہے، مزدور کارخانہ دار کے خلاف شورش برپا کررہے ہیں، کاشتکار زمیندار پر دانت نکالے ہیں، کیونکہ اس کے بغیر کوئی زبردست زیردست کے ساتھ حق و انصاف پر آمادہ نہیں، جس نظام جماعت کی بنا حقوق شناسی کے بجائے حقوق طلبی پر ہو، وہاں ہر چہار طرف سے دن رات مطالبات و احتجاجات کی شورشوں اور شوریدہ سریوں کے سوا ہو ہی کیا سکتا ہے، اسلام نے انقلاب و بغاوت کی اجازت بہت ہی انتہائی حالتوں میں دی ہے کہ نسبتہً اور قابل تحمل حد تک بُری حکومت کے تحمل کر لینے میں اتنا ضرر نہیں، جتنا روز روز کے انقلاب حکومت شور و شر اور فتنہ و فساد میں، اس لئے کہ اسلام کی نگاہ میں محض یہی زندگی اور اسکی کاسہ لیسی نہیں ہے، یہ انسانی زندگی کا بہت ہی حقیر و فانی جزو ہے، اسلام کے پیش نظر تو اصلاً انسان کی اعلیٰ اور غیر فانی زندگی کی فلاح ہے، اور فکر و عمل کی مشغولیت کا وہی اصل میدان ہے، باقی یہ دنیا خود فانی و ناقص ہے اور اس کی ہر چیز فانی و ناقص ہی رہے گی، تم لاکھ جدوجہد کرو لیکن نہ اس کی سیاسیات کو کامل و بے عیب بنا سکتے ہو، نہ اسکی قومیات و معاشیات کو، بلکہ اس کی ساخت تو کچھ ایسی ہے کہ ایک طرف سے کسی نقص کو دور کرو تو دوسری طرف سے اس کے ردعمل کا فساد اُٹھ کھڑا ہوتا ہے، اس کے بناؤ بگاڑ میں دن رات لگے رہنا ایسا ہی ہے جیسے بچوں کو دن رات کھیل کود اور اس کے لئے لڑائی جھگڑوں میں لگا رکھا جائے، اور جوانی یا مستقبل کی دیرپا زندگی کے لئے تیاری کی ان کو مہلت ہی نہ ملے، اسلام نے اپنی تعلیمات میں حقوق طلبی کے حریصانہ و حریفانہ جذبات کو نہیں اُبھارا کہ یہ تو فساد فی الارض کا سرچشمہ ہیں، بلکہ حقوق شناسی کا

اور ادا سے فرض پر زیادہ زور دیا ہے، وہاں کسی حق کی طلب کے لئے حلق کا زور لگانے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے، جہاں ایسے حقوق تک کے ادا کرنے کی تاکید و حکم ہو جن کی خود صاحب حق کو خبر تک نہیں اسلام کی اس حقوق شناسی اور آج کل کی حقوق طلبی کے اسی فرق کو ایک موقع پر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ واضح فرماتے ہیں:

"آج کل جو محکوم حاکم کا مقابلہ کرکے سختی کے ساتھ اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگے تو اس کو کچھ حق مل جاتا ہے، یوں کہئے کہ آج کل کے اہل حکومت یہ چاہتے ہیں کہ جب تک محکوم محکوم بن کر رہے اُس وقت تک اس کو حقوق نہ دیئے جائیں، ہاں جس وقت محکوم حاکم بن کر یا کم از کم مساوی بنکر اپنے حق کا مطالبہ کرنے لگے، اسی دن سے اس کو حقوق ادا ہونے لگیں، بس وہی مثل کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس، لاٹھی کے بغیر اپنی بھینس بھی نہیں مل سکتی، اور لاٹھی ہو تو پرائی بھی ہانک لیجائے، اگر شریعت میں معاملہ برعکس ہے، اور ایسے مردہ حقوق کے ادا کرنے کی زیادہ تاکید ہے، جن کا کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں، حدیث میں ہے کہ جس حق کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا حتیٰ کہ صاحب حق بھی نہیں جانتا، ایسے حقوق کا خدا تعالیٰ خود حساب و مطالبہ فرمائیں گے۔"

مسلمانوں کے دینی و ایمانی ضعف و اضمحلال کے اس گئے گذرے زمانے میں بھی اس کی مثالیں بالکل نایاب نہیں، ایک مرد مومن کا خود راقم ہذا کے ساتھ ایک معاملہ پیش آیا کہ راقم کے دادہال قصبہ امیٹھی میں اس کا پشتہا پشت پہلے کا ایک مشترک سکنہ تھا جس پر بہت ہی پرانا املی کا ایک درخت تھا جس کے متعلق گھر میں کبھی صرف اتنا سنا تھا کہ دادی مرحومہ اپنی زندگی تک اس کی املی کا اپنا حصہ سالانہ ضرور وصول فرمایا کرتی تھیں، ان کی وفات کے بعد نہ وہاں کے تعلقات رہے نہ اس درخت کے متعلق کسی کو کوئی وہم و خیال تھا، لیکن راقم کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اسی سکنہ کے ایک خاندانی شریک و رئیس[۵] نے غالباً ۱۹۳۵ء میں جو یہ کہ وہ املی اگر گئی تھی کو لکڑی بنا کر فروخت ہوا یہ اس کا حصہ ہے، راقم کو بھی حصہ کر کے خاندان کے وارثوں تک آنے پائی سے ان کا حصہ پہنچانے کی سعادت نصیب ہوئی، فالحمد للہ،

---

[۵] قاضی خادم حسین صاحب وکیل و رئیس امیٹھی ضلع لکھنؤ،

اللہ اکبر جب ہماری اس گئی گذری حالت میں ایسی مثالیں مفقود نہیں، تو خیر القرون اور صحابہ و تابعین کا ذکر نہیں، جب تک مسلمان اپنے ایمان و عمل میں مسلمان رہے ہوں گے کیا حال رہا ہوگا، اور آج بھی دنیا اگر محض مادی و خارجی انقلاب پر سارا زور لگانے کے بجائے اسلامی تعلیمات کا یہ روحانی و باطنی انقلاب کسی درجہ میں بھی پیدا اور قبول کرے تو دنیا بھر میں روز روز کے جنگ و جدل، فتنہ و فساد، اور کشت و خون کا کتنا سد باب ہو جائے، اور ظاہری دنیا کے امن و امان کے ساتھ قلوب کی باطنی دنیا کو بھی کتنا سکون و اطمینان نصیب ہو جس دولت سے شاید اب ہزاروں لاکھوں ہی میں کوئی قلب آشنا رہ گیا ہو، ایک معمولی سی بات ہے کہ اب عام طور سے کسی سے کوئی معاملہ کرنے یا کچھ قرض تک دینے میں یہی ڈر لگتا ہے، کہ خدا جانے کیا دھوکا دیدے اور لینے والا دینے کے بجائے بالعموم مار لینے ہی کی فکر میں رہتا ہے انا للہ، دنیا ہی میں انسان کو قلب و دماغ کی کس بے اطمینانی و بے اعتمادی کی جہنم میں ڈھکیل دیا گیا ہے! اسلامی شریعت کا ایک معمولی قانون یہ ہے کہ بیع میں اگر کوئی عیب ہو تو بائع کا فرض ہے کہ خود ہی مشتری کو اس سے آگاہ کر دے، آج کل معاملہ بالکل برعکس ہوتا ہے، کہ مشتری کو کسی نہ کسی طرح پھنسا لینا ہی بڑا کمال ہے،

بہر حال یہ تو ہماری موجودہ قومیات و سیاسیات کے وہ جھوٹے اور جعلی سکے تھے، جھنوں نے انسانیت کے سارے بازار کو گندہ اور پراگندہ کر رکھا ہے لیکن ان سب کی جڑ قرآن کی اصطلاح میں علو فی الارض کا ارادہ یا نصب العین ہے، بلکہ یہی ساری قومی و سیاسی تحریکات حاضرہ کا لفظی ترجمہ ہے جو دوسرے لفظوں میں نام ہی ہے فساد فی الارض کا اور کبھی مصر کے ایک فرعون نے علو فی الارض (ان فرعون علا فی الارض) سے زمین مصر میں فساد بپا کیا تھا، تو آج قومیات و سیاسیات کی راہ سے کرۂ ارض کے چپہ چپہ پر چھوٹے بڑے فرعونوں نے اسی علو طلبی کا فساد مچا رکھا ہے، ادنیٰ ادنیٰ ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپلٹی، چھوٹے سے چھوٹے سرکاری و غیر سرکاری، سیاسی و غیر سیاسی، قومی و تعلیمی اداروں کی ممبریوں اور صدارتوں سے لے کر بڑی سے بڑی حکومتوں اور ملکوں تک کے اعلیٰ سے اعلیٰ حکومتی و غیر حکومتی، قومی و غیر قومی، اعزازی

و تنخواہی منصبوں، عہدوں اور لیڈریوں یا قومی وملکی آزادی و خود مختاری سب کی طلب کا حاصل وہی اپنی ذات یا ملک و قوم کے لئے مالی و جاہی سروری یا سربلندی یا علو و کبریائی کی طلب کے سوا کیا ہے! یعنی لے دیکر اسی فانی دنیا اور اسی فانی زندگی کے ظاہری و مادی منافع!

عملاً اسلامی قومیات و سیاسیات کو اس پستی و پست نظری اور دل و دماغ کی اس درجہ دنارت و خست سے دور کا بھی کوئی واسطہ ہو سکتا ہے؟ وہاں اپنے حق و استحقاق لیاقت و اہلیت کے لمبے لمبے قصیدے شائع کرنا کیا معنی! کسی جاہ و منصب کی طلب و خواہش کا زبان تک آجانا ہی اس کے لئے نالائقی اور نااہلی کی اولین دلیل ہے، اس کی انفرادی و اجتماعی، سیاسی و قومی، علمی و تعلیمی ہر حرکت و جنبش کا مدعا صرف حق اور کلمۂ حق کا علو و اعلاء ہے، نہ اپنی ذات کے لئے کسی علو و سربلندی کا ارادہ جائز ہے، نہ اپنی قوم و وطن کیلئے، نہ اپنی نسل و رنگ کے لئے، نہ اپنی تجارت و صنعت کے لئے اور نہ کسی خود ساختہ تہذیب و تمدن یا نام نہاد ثقافت کے لئے اور نہ کسی ہوائی یا نفسانی نظریہ و خیال کے لئے، ان چیزوں کا تو اگر ذہن میں خیال بھی شریک ہو گیا تو شرک ہو گیا، اور مسلمان خالص کلمۂ حق کے علو و اعلاء کے مقام توحید سے گر گیا، حتیٰ کہ حکومت و سلطنت بھی جو کسی دنیوی جاہی و مالی سروری و سربلندی کی نیت و ارادہ سے اور خدا کی نافرمانی و ناراضی کی راہ سے حاصل کیجائے تو اسلام کی نگاہ میں اس کے مقابلہ میں خدا کو راضی رکھ کر "پاخانہ اٹھانا" ہزار درجہ بہتر ہے، اگر سلطنت سلطنت ہی کے لئے دین و اسلام کا بھی مقصود ہے تو یہ تو فرعون، شداد و نمرود سب ہی کو حاصل تھی، پھر کیا اسلام بھی اسی فرعونیت کی از سر نو دعوت دینے آیا ہے! اسی حقیقت کی طرف حضرت مجدد وقت کس ایمانی قوت و حرارت کے ساتھ متوجہ فرماتے ہیں کہ

"خدا کی قسم اگر ہم کو پاخانہ بھی اٹھانا پڑے اور خدا ہم سے راضی ہو تو وہی ہمارے لئے سلطنت ہے، اور اگر خدا راضی نہ ہو تو لعنت ہے ایسی سلطنت پر جو خدا کو ناراض کر کے حاصل کیجائے، یاد رکھو کہ سلطنت کوئی تقرب الی اللہ کا سبب نہیں، بعض انبیاء علیہم السلام ایسے بھی ہوئے ہیں جن کو

سار ی عمر سلطنت نصیب نہیں ہوئی، حدیث میں آیا ہے کہ ایک نبی کے ساتھ صرف ایک آدمی ہوگا اور بعض کے ساتھ ایک بھی نہ ہوگا، تو کیا سلطنت نہ ہونے سے ان انبیار کے درجے میں کوئی کمی آگئی اگر محض سلطنت کوئی قرب کی چیز ہوتی، تو فرعون کو بڑا مقرب ہونا چاہیئے ؟

علم و فضل، تقویٰ و طہارت، شہرت و عظمت، ہر اعتبار سے اس وقت جو دو بڑے علمائے دین و سیاسیات حاضرہ میں سب سے پیش پیش ہیں، راقم ہٰذا کو لکھنؤ اسٹیشن پر ایک دفعہ دونوں کی ایک ساتھ زیارت نصیب ہوئی، تو بعینہٖ اپنا یہی خلجان ان کی خدمات میں پیش کیا کہ فرض فرمایئے کہ ایک طرف مسلمان محکوم و محتاج، مفلس و جاہل سب کچھ ہیں، لیکن دین و ایمان کے ساتھ مرتے ہیں، اور دوسری طرف حکومت و دولت، جاہ و ثروت، علم و عزت سب کچھ حاصل ہے، لیکن دین و ایمان برائے نام یا خطرہ میں ہے، تو دینی و اسلامی نقطۂ نظر سے مہلک حالت کون سی ہے ؟ اور اہم و اقدم فکر دین و ایمان کی ہے یا حریت و حکومت کی!

غرض مسلمان اگر مسلمان ہے تو اس کی نگاہ میں حکومت و سلطنت سب سے مقدم آخرت ہی ہوگی اور آخرت انہی کے لئے ہے کہ جو زمین میں علو یا تفوق و برتری، سرور ی و سربلندی اور فتنہ و فساد کا ارادہ نہیں رکھتے، تلک الدار الآخرۃ نجعلها للذین لا یریدون علوا فی الارض و لا فسادا

اے دل آں بہ کہ خراب از مے گلگوں باشی   بے زر و گنج بصد حشمت قارون باشی

قومیت و وطنیت، جمہوریت و اکثریت، انقلاب و بغاوت، مساوات و حریت وغیرہ یہ تو وہ گندگیاں تھیں جو آج کل کی قومیات و سیاسیات کے شجرۂ خبیثہ کی جڑوں میں پیوست ہیں، پھر اس کے برگ و بار کا کہنا ہی کیا، کذب و افترار، جعل و فریب، سازش و دغا، بغض و حسد، سب و شتم، توہین و تذلیل، غیبت و بہتان کو فسا بڑا چھوٹا گناہ ہے، جو انتخابات کے ہنگاموں، جلسوں کے پنڈالوں اور اخباروں کے کالموں میں عین ثواب نہیں!

یادش بخیر، یہ اخبارات اور ان کا جھوٹ سچ پروپگنڈا جو آج قومیات و سیاسیات کے بال و پر ہیں

اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھئے تو ایسے اخبارات سراسر منبع شر و فساد اور ان کا نکالنا اور پڑھنا سب ناجائز و حرام۔ لیکن اس حرمت و عدم جواز کا نام بھی کون لے سکتا تھا، تاہم وقت کے مجدد کی نظر و ہمت اتنے بڑے مفسدہ پر تنبیہ اور اس کی اصلاح سے کیسے باز رکھ سکتی تھی، پہلے اس پر ایک چھوٹا سا مستقل رسالہ تحریر فرمایا، اور پھر لوگوں کے شور و غل پر بقدر ضرورت زبانی و تحریری تشریح بھی فرمائی، مخالف کی توہین و تذلیل صریح بہتان و افترا کا ذکر ہی کیا ایک عام اخباری مفسدہ و معصیت یہ ہے کہ ہر خبر کو بلا کافی تحقیق و توثیق کے شائع کر دیتے ہیں، خصوصاً اگر وہ ان کے مفید مطلب یا ان کے اخبار کی پالیسی کے موافق ہو اس کی مذمت جیسا کہ حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا خود قرآن مجید کی اس آیت سے ثابت ہے کہ

"واذا جاءھم امر من الامن او الخوف الی قولہ یستنبطونہ منھم"

یعنی جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے، خواہ وہ موجب امن ہو یا موجب خوف ہو تو اسکو فوراً مشہور کر دیتے ہیں (اس میں ایسے اخبار اور ایسے جلسے بھی آگئے) حالانکہ کبھی وہ خبر غلط ہوتی ہے اور کبھی اس کا مشہور کرنا خلاف مصلحت ہوتا ہے، اور اگر یہ لوگ اس خبر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے پر اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں اُن کی رائے پر حوالہ رکھتے تو وہ حضرات (اس کی حقیقت) کو پہچان لیتے، جو ان میں تحقیق کر لیا کرتے ہیں۔"

آگے جو اصلاحی ہدایات فرمائی ہیں اُن میں سے بعض مختصر یہ ہیں،

(۱) جو قصہ کسی کی مذمت و معائب پر مشتمل ہو، اس کو اس وقت تک ہرگز شائع نہ کیا جائے جب تک حجت شرعیہ سے اس کا کافی ثبوت نہ مل جائے، کیونکہ جھوٹا الزام لگانا کافر پر بھی جائز نہیں، لیکن آج کل اخبارات کا شاید کوئی صفحہ اس سے خالی ہوتا ہو،

(۲) یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ حجت شرعیہ کے لئے کسی افواہ کا عام ہونا یا کسی اخبار کا لکھ دینا ہرگز کافی نہیں، بلکہ شرعی شہادت ضروری ہے،

(۳) کسی شخص کے عیب یا گناہ کا واقعہ اگر حجت شرعیہ سے بھی ثابت ہو جائے تب بھی اس کی اشاعت اور اخبار میں درج کرنا جائز نہیں بلکہ فرض یہ ہے کہ خیر خواہی سے تنہائی میں اس کو سمجھایا جائے، کیونکہ اس کو رسوا کرنا علاوہ شرعی ممانعت کے تجربہ سے ثابت ہے کہ بجائے مفید ہونے کے ہمیشہ مضر ہوتا ہے،

(۴) البتہ اگر کسی مسلمان کا عیب یا گناہ شرعی حجت سے ثابت ہو اور اس کا نقصان یا ظلم اپنی ذات کو پہنچتا ہو تو پھر اس کی برائی کو علانیہ شائع کر سکتا ہے کہ لا یحب اللہ الجھر بالسوء الا من ظلم یعنی اللہ تعالیٰ برائی کے اعلان کو پسند نہیں فرماتے مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو.... لیکن اس صورت میں بھی تجربہ یہ ہے کہ عام اعلان و اشاعت کے بجائے صرف ان لوگوں کے سامنے بیان کرے جو دادرسی کر سکیں،

(۵) جو خبر کسی کی مذمت و ضرر پر مشتمل نہ ہو اس کی اشاعت جائز ہو مگر اس شرط سے کہ کسی مسلمان کی خاص مصلحت یا عام مصلحت کے خلاف نہ ہو، اور جس میں ایسا احتمال ضعیف بھی ہو تو بجز ان لوگوں کے جو عقل و شرع کے موافق اس معاملہ کو ہاتھ میں لئے ہوں، عام لوگوں پر اس کو ظاہر نہ کرنا چاہئے،

(۶) خلاف شرع مضامین اور ملحدین کے عقائد باطلہ اول تو شائع نہ کئے جائیں اور اگر کسی ضرورت سے اشاعت کی نوبت آئے تو جس پرچہ میں شائع ہوں اسی میں تردید اور کافی جواب بھی شائع ہو، کیونکہ بہت سے آدمی وہ ہوتے ہیں کہ جن کی نظر سے آئندہ پرچے نہیں گذرتے، خدانخواستہ اگر وہ اس سے کسی شبہہ میں گرفتار ہو گئے تو اس کا سبب شائع کرنے والا ہوگا،

(۷) اگر مسلمانوں پر کافروں کے ظلم کی خبر شائع کرنا ہو تو جب تک اس ظلم کی نسبت کافروں کی طرف حجۃ شرعیہ سے ثابت نہ ہو، اس طرح شائع کیا جاوے کہ فلاں مقام کے مسلمانوں پر مظالم ہو رہے ہیں، مسلمان ان کا انسداد کریں اور جائز طور پر ان کی جانی و مالی امداد کریں،

(۸) اخبار کا اڈیٹر ہمیشہ ایسا شخص بنے جو تمام علوم اسلامیہ پر عبور رکھتا ہو، یا کم از کم علماء سے رجوع کرنے کا پابند ہو اور نہ ظاہر ہے کہ اخبار کی اشاعت بیدینی و بے قیدی کا ایک کامیاب آلہ ہے،

(۹) ایسی کتاب کا جو دین کو مضر ہو یا ایسی دوا کا جو شرعاً حرام ہو یا کسی ایسے معاملہ کا جو شرعاً فاسد ہو اشتہار نہ دیا جائے، اور نہ اخبار میں تصویر بنائی جائے،

ظاہر ہے کہ اس دور میں ان ہدایات پر عمل کرنا تو الگ رہا ان کو سننے کی برداشت بھی کتنے کانوں کو ہوگی، تاہم اتمام حجت کے لئے تجدید و اصلاح کا جو فرض تھا وہ حضرت مجددؒ نے اس معاملہ میں بے تکلف ادا فرما دیا خود فرماتے ہیں کہ

"یہ مختصر گذارش محض دل سوزی و ہمدردی پر مبنی ہے، اگرچہ زمانہ کی مسموم ہوا میں کارگر ہونے کی توقع نہیں لیکن بایں امید کہ شاید خدا تعالیٰ کسی نیک بندہ کو عمل و اصلاح کی توفیق عطا فرمائیں، یہ سب عرض کر دیا گیا، والله الحمد" (ملفوظات ص ۵۲)

سوچنے کی بات ہے کہ اگر ایک اخبارات اور پروپگنڈہ ہی کے معاملہ میں اسلامی تعلیمات و ہدایات کے حدود و قیود کو ملحوظ رکھا جاتا تو روزمرہ کی باہمی تلخیوں اور سیاسی شر و فساد کا کتنا سدِّ باب ہو جاتا، اور غیروں پر بھی اس کا کتنا اثر ہوتا کہ مسلمان دشمنی میں بھی کتنا حدود شناس اور احتیاط پسند ہوتا ہے، (باقی)

کلیاتِ شبلی فارسی

مولانا شبلی مرحوم کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات اور قطعات کا مجموعہ، جو اب تک متفرق طور سے دیوانِ شبلی، دستہ گل، بوے گل، برگ گل کے ناموں سے چھپے تھے، اس میں سب یکجا کر دیئے گئے ہیں،

ضخامت :- ۱۴۴ صفحے، قیمت ۱۲؍

"منیجر"

فتاوی عالمگیری اور اسکے مؤلفین

جناب حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

عرب جہاں بھی گئے اپنے ساتھ اسلامی علوم و فنون، تہذیب، معاشرت بھی لے گئے، یہی وجہ ہے کہ ایشیا، یورپ اور افریقہ جس سرزمین میں انھوں نے قدم رکھا وہاں کے مذہب کے ساتھ ساتھ تہذیب، معاشرت اور زبان کو بھی بدل دیا، اس کے برخلاف ترک و تاتار اور دوسری عجمی مسلمان قومیں جہاں گئیں وہاں کا مذہب تو اسلام رہا، لیکن تمدن انھوں نے اپنا پھیلایا اسی لئے تمام مصر و شمالی افریقہ کے مقابلہ میں ہندوستان میں عجمی تمدن اور عجمی مذاق کو زیادہ فروغ ہوا،

ہندوستان میں اگرچہ صدیوں مسلمانوں کی حکومت قائم رہی، لیکن اس کے تمام حکمراں خانوادے اور ان کے بیشتر عمال حکومت عجمی تھے، اس لئے ان کے اثر سے یہاں زیادہ تر عقلی و عجمی علوم کا چرچا رہا اور ان کے مقابلہ میں خالص دینی علوم تفسیر و حدیث و رجال و طبقات کی خدمت و اشاعت کم ہوئی تاہم ہر زمانہ کے اکابر علماء اپنے طور پر اس فرض کو انجام دیتے رہے، اور دینی علوم کی خدمت میں دوسرے اسلامی ممالک سے ہندوستان کا قدم بہت پیچھے نہیں رہا، لیکن حکومت کے بیشتر قوانین اسلامی تھے، خصوصاً مسلمانوں کی روزانہ زندگی کے معاملات و معاشرتی مسائل کا تعلق فقہ سے تھا، اس لئے ہر دور میں فقہ کی جانب خاص توجہ رہی، اور فقہ کی کتابوں پر شروح و حواشی لکھے گئے، مطولات کے مختصرات لکھے گئے، فقہ و فتاوی کی متعدد اہم کتابیں فتاوی تاتارخانیہ، فتاوی حمادیہ اور فتاوی ابراہیمیہ تالیف ہوئیں، اور اورنگ زیب علیہ الرحمہ نے فتاوی عالمگیری مدون کرائی جو ہندوستان کا قابل فخر

[illegible]

کارنامہ اور گذشتہ فتاوی کی کتابوں میں سب سے مقدم و ممتاز ہے، اول الذکر فتاویٰ افراد کی تالیف تھے، اور فتاویٰ عالمگیری گیارہویں صدی ہجری کے بعد سے ہندوستان کے منتخب علماء کی کوششوں کا نتیجہ ہے، اسی لئے اس میں جو جامعیت اور جزئیات کا جس قدر استقصاء ہے، وہ دوسرے فتاوں میں نہیں ہے اور اس کو گذشتہ فتاوی میں خاص اہمیت حاصل ہے لیکن تعجب ہے کہ اب تک نہ عالمگیری کے مولفین کے حالات یکجا جمع کئے گئے اور نہ اس کی خصوصیات اور ماخذ پر کچھ لکھا گیا، اس مضمون میں اس کمی کو پورا کرنا مقصود ہے،

(۱) فتاوی عالمگیری کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی ایک شخص کی تالیف نہیں بلکہ علماء کی ایک ممتاز جماعت کی تالیف ہے، اس لئے وہ ان نقائص اور فروگذاشتوں سے پاک ہے، جن کا ایک فرد واحد کی تالیف میں امکان رہتا ہے،

(۲) اس میں وہی مسائل لئے گئے ہیں جو راجح، مفتیٰ بہ یا ظاہر الروایت[۱] کے ہیں اگر کوئی مسئلہ ظاہر الروایت میں نہیں ہے تو نوادرات سے لے لیا گیا ہے، لیکن اس تصریح کے ساتھ کہ کتاب میں اس پر فتوی کا اشارہ موجود ہے،

(۳) ہر مسئلہ کے ساتھ اس کے ماخذ کا مفصل حوالہ بھی دے دیا ہے جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے، اگر اس میں کسی دوسری کتاب سے نقل کیا گیا ہے تو ناقل عن فلاں کرکے اصل ماخذ کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے،

(۴) اگر کسی مسئلہ کے بارہ میں دو مختلف اقوال ہیں اور دونوں میں سے کوئی قابل ترجیح نہیں ہے تو دونوں کو مع حوالہ نقل کر دیا گیا ہے، اگر کسی کتاب کی لفظ بلفظ نقل ہے، تو کذا لکھ دیا ہے اور اگر اس کا خلاصہ اور مفہوم لے لیا ہے تو ہکذا سے اشارہ کر دیا گیا ہے،

(۵) یہ کتاب تقریباً آٹھ برس میں تیار ہوئی اور کم و بیش دو لاکھ روپئے اس پر صرف ہوئے،

---

[۱] چھ کتابیں ظاہر الروایت میں شمار کی جاتی ہیں، جامع کبیر، جامع صغیر، مبسوط، زیادات، سیر الکبیر، السیر الصغیر،

عالمگیری کے مآخذ فتاویٰ عالمگیری فقہ کی تمام اہم اور معتبر کتابوں کا خلاصہ اور عطر ہے ذیل میں عالمگیری کے تمام مآخذ کی فہرست دیجاتی ہے، جس سے اندازہ ہوگا کہ علماء نے کس جانکاہی سے سیکڑوں خرمنوں سے خوشہ چینی کرکے فقہ و فتاویٰ کا یہ ذخیرہ جمع کیا ہے،

(۱) ہدایہ ص برہان الدین المرغینانی۔ (۲) شرح طحاوی ص غالباً امام بدر الدین العینی کی شرح مراد ہے (۳) ذخیرۃ العقبیٰ ص شرح منیۃ المصلی (۴) مضمرات ص قدوری کی شرح اس کا دوسرا نام جامع المضمرات ہے، (۵) البدائع ص (۶) المغنی ص (۷) عینی شرح ہدایہ ص (۸) الخلاصۃ ص (۹) فرائض الزاہدی ص، ابو الرجاء مختار بن محمود م ۶۵۸ھ (۱۰) ظہیریہ ص ظہیر الدین البخاری م ۶۱۹ھ (۱۱) محیط ص اس نام کی دو کتابیں ہیں ایک برہان الدین صدر الشریعۃ کی تصنیف ہے جو المحیط البرہانی کے نام سے موسوم ہے، دوسری رضی الدین السرخسی کی جو محیط السرخسی کے نام سے مشہور ہے، ثانی الذکر کے بعض نسخے مصر وغیرہ کے کتبخانوں میں موجود ہیں، غالباً عالمگیر کے شاہی کتب خانہ میں بھی اس کا کوئی نسخہ موجود تھا، الفوائد البہیۃ میں مولانا عبد الحئی نے لکھا ہے کہ اس کے بعض نسخے میری نظر سے گذرے ہیں (۱۲) طحاوی (۱۳) فتاویٰ قاضی خان ص (۱۴) شرح وقایہ ص (۱۵) التبیین ص امام نسفی (۱۶) محیطین ص شاید اس سے مراد محیط برہانی اور محیط سرخسی ہو، (۱۷) السراج الوہاج ص (۱۸) فتح القدیر ص ابن ہمام (۱۹) البحر الرائق ص (۲۰) الجامع الصغیر ص امام محمد (۲۱) الجامع الوجیز ص الکردری م ۸۱۲ھ کی تصنیف ہے (۲۲) الیتیمۃ ص (۲۳) تاتارخانیہ ص عالم بن العلاء (۲۴) فتاویٰ سراجیہ ص علاء الدین الاوشی الفرغانی ۵۶۹ھ میں لکھی گئی۔ (۲۵) الاختیار فی شرح المختار ص (۲۶) کفایہ شرح ہدایہ ص جلال الدین الخوارزمی (۲۷) فتاویٰ برہانیہ ص (۲۸) الجوہرۃ النیرہ ص قدوری کی پہلی شرح ابو بکر الحدادی العبادی متوفی ۸۰۰ھ (۲۹) قنیۃ المنیۃ ص نجم الدین الزاہدی الغزمینی م ۶۵۸ھ (۳۰) محیط السرخسی ص (۳۱) النہر الفائق ص (۳۲) مبسوط ص امام سرخسی (۳۳) فتاویٰ الحجہ ص (۳۴) النہایۃ ص (۳۵) تحفہ ص (۳۶) الفتاویٰ ص (۳۷) الوافی ص (۳۸) الکافی ص (۳۹) خزانۃ الفقہ ص امام ابو اللیث م ۳۸۳ھ (۴۰) الملتقط ص

(۴۱) شرح المنیۃ للحلبی ص۱۱ (۴۲) الزاد و ص۱۳ (۴۳) فتاوی غیاثیہ ص۸ (۴۴) شمنی ص۱۴ تقی الدین الشمنی م ۸۷۲ھ
(۴۵) فتاویٰ شیخ الاسلام ص۸ المعروف بخواہر زادہ ص۸ (۴۶) شرح المبسوط ص۱۲ (۴۷) عتابیہ ص۸ (۴۸)
منیۃ المصلی ص۱ (۴۹) خزانۃ المفتین امام حسین بن محمد السمنقانی ۷۴۰ھ کی تصنیف ہے (۵۰) عینی شرح کنز ص۲۲
(۵۱) المفید والمزید (۵۲) شرح منیہ ص۳ لابن امیر الحاج (۵۳) کنز الدقائق ص۲۴ (۵۴) خزانۃ الفتاویٰ ص۲
احمد بن محمد الحنفی صاحب مجمع الفتاوی (۵۵) الاسرار فی الاصول والفروع ص۳ ابو زید عبید اللہ بن عمر الدبوسی
م ۴۳۰ھ (۵۶) شرح الزیادات ص۲۹ (۵۷) شرح النقایہ ص۳ شیخ ابو المکارم (۵۸) الصغری ص۳۵ (۵۹) شرح المجمع
ص۳ لابن الملک (۶۰) تجنیس ص۳ صاحب ہدایہ (۶۱) نصاب ص۱ (۶۲) الکبریٰ ص۱۲ (۶۳) تنویر ص۲ شرح تلخیص
جامع الصغیر (۶۴) غایۃ ص۱۴ شرح ہدایہ (۶۵) فتاوی الغرائب ص۴ (۶۶) محیط السرخسی ص۴ (۶۷) فتاویٰ عتابیہ
ص۴ ابو نصر عتابی م ۵۸۶ھ (۶۸) فتاویٰ قراخانی ناقلاً عن الواقعات الحسامیہ ص۴ (۶۹) صیرفیہ ص۱ دوسرا نام
فتاویٰ آہو ہے، (۷۰) مختار الفتاویٰ ص۵ لابی الفضل مجد الدین الموصلی م ۶۸۳ھ (۷۱) قدوری ص۵ (۷۲) شرح
منیہ ناقلاً عن الحاوی ص۵ (۷۳) فتاوی التمرتاشی ص۵ ابو محمد ظہیر الدین الحنفی م ۶۰۰ھ (۷۴) ینابیع ص۵ اسفرائینی
کی ینابیع الاحکام مراد ہے یا شرح القدوری (۷۵) شاہان شرح الہدایہ ص۵ (۷۶) الفتاویٰ العتابیہ المعروف
بجامع الفتاوی ص۵ (۷۷) شرح مقدمۃ ابی اللیث متوفی ۳۹۳ھ (۷۸) مصفی ص۶۹ (۷۹) وقایۃ ص۵ (۸۰)
النقایہ ص۵ (۸۱) تہذیب ص۵ شیخ احمد القلانسی (۸۲) خانیہ ص۵ (۸۳) جامع الجوامع ص۵ (۸۴) جواہر الاخلاطی
ص۹۱ (۸۵) الحصیر ص۹۳ (۸۶) البرجندی ص۱۰۲ (۸۷) غایۃ البیان ص۵ شرح ہدایہ (۸۸) مختارات النوازل لصاحب
الہدایہ (۸۹) برجندی ص۵ (۹۰) اقرار العیون ص۱۱ (۹۱) نفقات ص۵ (۹۲) فتاوی الولوالجیۃ ص۵۶۹ فتاوی کی کتاب
ظہیر الدین ابو بکر الحنفی متوفی ۵۴۰ھ کی تصنیف ہے (۹۳) شرح نقایہ برجندی ص۵۶۹ (۹۴) الغایۃ السروجی، ہدایہ کی شرح
ابو العباس احمد بن ابراہیم السروجی کی تصنیف ہے م ۷۱۰ھ (۹۵) المنتقی ص۵۶۶ (۹۶) فتاوی الکبری ص۵۴۶،
حسام الدین عمر بن عبد العزیز ۵۳۶ھ (۹۷) فتاوی الصغری ص۵۳۳ حسام الدین عمر بن عبد العزیز ۵۳۶ھ (۹۸) الواقعات ص۵۲۳

(۹۹) المجتبیٰ (۱۰۰) التجرید شرح جامع الکبیر الحصیری جمال الدین محمود بن احمد البخاری المعروف بالحصیری م ۶۳۶ھ نے دو شرحیں لکھی ہیں، ایک مفصل اور ایک مختصر، یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ حوالہ کس شرح کا ہے (۱۰۱) فتاوی امام کرخی م ۳۴۰ھ امام کرخی مشہور فقیہ ہیں (۱۰۲) البقالی (۱۰۳) شرح تلخیص جامع الکبیر (۱۰۴) ملخص المحیط (۱۰۵) الفصول العمادیہ، جمال الدین بن عماد الدین الحنفی (۱۰۶) الحاوی القدسی، قاضی جمال الدین احمد بن محمد المتوفی ۵۹۳ھ یا ۶۰۰ھ (۱۰۷) شرح کتاب الاستحسان، کتاب الاستحسان شمتی کی شرح شمس الائمہ حلوانی نے کی ہے یہ وہی شرح ہے (۱۰۸) شرح الزیادات للعتابی، امام ابو القاسم احمد بن محمد العتابی متوفی ۵۸۶ھ کی تصنیف ہے یہ کتاب اپنے موضوع پر بے نظیر ہے (۱۰۹) کتاب رزین (۱۱۰) البحر الزاخر، سراج الوہاج جو مختصر القدوری کی شرح ہے، یہ کتاب اسی کا خلاصہ ہے، (۱۱۱) فصول الاستروشنی، امام مجد الدین ابو الفتح متوفی ۶۳۲ھ کی تالیف ہے (۱۱۲) فتاوی فضلی، ابو عمر عثمان نسقی متوفی ۵۵۵ھ (۱۱۳) فوائد العلامہ شیخ الاسلام برہان الدین (۱۱۴) فوائد نظام الدین (۱۱۵) فتاوی نسفی، نسفی مشہور فقیہ ہیں (۱۱۶) فتاوی الخجندی، اپنے وقت کے تمام مشائخ کے فتاوی کو جمع کر دیا ہے (۱۱۷) فوائد بن سماعہ (۱۱۸) الواقعات ناطفی (۱۱۹) الاسعاف، برہان الدین ابراہیم بن ابی بکر الطرابلسی م ۹۲۲ھ نے اس میں اوقاف کے تمام مسائل اور جزئیات جمع کر دیئے ہیں (۱۲۰) فتاوی رشید الدین (۱۲۱) شرح ادب القاضی، غالباً صدر الشہید کی شرح مراد ہے (۱۲۲) فتاوی آہو جس کا دوسرا نام فتاوی صیرفیہ بھی ہے (۱۲۳) المستصفی شرح المنافع (۱۲۴) فتاوی ابی الفتح غالباً مجد الدین ابو الفتح م ۶۳۲ھ کے فتاوے مراد ہیں،

ماخذ کی یہ فہرست سرسری مطالعہ سے تیار کی گئی ہے، مزید تلاش و تفحص سے ممکن ہے کچھ اور نام بھی حاصل ہوں، تاہم اس سے تنا اندازہ ہو گیا ہو گا کہ فتاوی کی تالیف میں کس قدر اہتمام تلاش و جستجو اور تحقیق سے کام لیا گیا ہے،

عالمگیری کا سنہ تصنیف | فتاوی عالمگیری کے سنہ تصنیف کی یقینی تعیین کرنا تو بہت مشکل ہے، لیکن ذیل کے بیانات سے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے، عالمگیر نامہ کا مصنف عالمگیر کی حکومت کے گیارہویں سال کے واقعات میں لکھتا ہے

"چوں ہمگی ہمت والا نہمت شریعت پیرائے آں خدیو دین پرور حق پژوہ مصروف است بآنکہ

کافۂ مسلمین را احکام دین متین مبسائے کہ اکابر علماء و ائمہ مذہب شریف حنفی بداں فتوی دادہ معمول بہا معمول علیہا دانستہ عمل نماید ...... معہذا مجموع آں را یک کتاب حاوی نیست .... لاجرم بہ ضمیر حقائق درامور دین و دولت بتقوی الہام کارگذار است پر تو ایں عزیمت تافت کہ جمعے از علمائے پایۂ سریائی کتب معتبرہ نسخ مبسوط آں فن را کہ در کتاب خانہ خاصۂ شریفہ بروزگاراں از اطراف و اکناف عالم فراہم آمدہ جلوہ گاہ انظار تتبع ساختہ از روی تحقیق و تدقیق وخوض و غور ایں بجمع تالیف آں مسائل پردازند و از مجموع آں نسخۂ جامعہ مرتب سازند تا ہمگناں را انکشاف مسئلہ مفتی بہا در ہر باب بمراجعت آں کتاب بسہولت و آسانی دست دہد .... چوں آں کتاب مستطاب صورت اتمام گیرد و پیرایۂ اختتام پذیرد جہانیاں را از سائر کتب فقہی مغنی خواہد بود"[1]

مراۃ العالم میں ہے،

"چنانچہ قریب دو لکھ روپیہ صرف لوازم ایں کتاب مستطاب کہ زیادہ از یک لکھ بیت باشد شدہ وان شاء اللہ ہر گاہ آرائش تمام و پیرایۂ اختتام یابد جہانیاں را از سائر (کتب) فقہی مغنی خواہد بود"[2]

ان بیانات سے اتنا معلوم ہوتا ہے، کہ ۱۰۷۸ھ میں جو عالمگیر کی حکومت کا گیارھواں سال ہے، اس سے پہلے فتاوی کا کام شروع ہو چکا تھا، مگر "چوں آں کتاب صورت اتمام گیرد و پیرایۂ اختتام پذیرد" ظاہر ہوتا ہے کہ ابھی اس کی تکمیل نہیں ہوئی تھی،

---

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر کا ذاتی کتبخانہ تھا جو بڑی کوشش سے جمع کیا گیا تھا جس میں فقہ کی تمام متداول کتابیں تھیں [2] عالمگیر نامہ ص ۱۰۸۶ قلمی نسخہ دار المصنفین یہ کتاب بھی عالمگیر کی حکومت کے ابتدائی دس سال کے واقعات پر مشتمل ہے،

اگر ۱۰۷۷ھ یا ۱۰۷۸ھ کو اس کی تالیف کا زمانہ قرار دیکر اسی کے ساتھ اس مشہور[۱] روایت کو بھی ملا لیا جائے کہ اسکی تالیف میں آٹھ برس کی مدت صرف ہوئی تو اس کی تکمیل کا زمانہ ۱۰۸۵ھ یا ۱۰۸۶ھ قرار پائیگا،

فتاوی کا فارسی ترجمہ کتاب عربی میں لکھی گئی تھی، اس لئے عام لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے انکی آسانی کے لئے اورنگ زیب نے چلپی عبداللہ اور ان کے چند شاگردوں کو اس کے فارسی ترجمہ کے لئے مامور کیا،

مراۃ العالم میں ہے،

"برائے سہولت ہمگناں ... چلپی عبداللہ ... باچند تلامذہ بترجم نوشتن این بفارسی مامور ا" (ص ۱۲۵ قلمی نسخہ)

تبصرۃ الناظرین میں ہے،

"چلپی عبداللہ بہ ترجمہ آں (عالمگیری) مامور بود" (ص ۸۵ قلمی نسخہ)

مگر یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ ترجمہ پورا بھی ہوا یا نہیں اور نہ اس کے وجود کا کوئی سراغ لگ سکا،

فتاوی کے مولفین کی صحیح تعداد کی تعیین مشکل ہے تلاش و تفحص سے سولہ آدمیوں کے متعلق تذکروں میں یہ تصریح مل سکتی ہے کہ وہ اسکی تالیف میں شریک تھے، جن کے حالات درج ذیل ہیں،

شیخ نظام برہان پوری نظام نام، برہان پور (گجرات) وطن تھا، ابتدائی حالات اور خاندان کے متعلق تذکروں میں اور کوئی تصریح نہیں ہے،

قاضی نصیر الدین برہان پور کے مشہور متبحر اور متبع سنت عالم تھے، زیادہ تر انہی کی خدمت میں شیخ کی تعلیم و تربیت ہوئی، اور استاذ کی توجہ اور نسبت سے خود بھی بڑے وسیع العلم متبحر عالم ہوئے[۲]،

عالمگیر کو شاہزادگی کے زمانہ میں جب دکن کا انتظام سپرد ہوا تو وہیں شیخ نظام سے ملاقات ہوئی اور ان کو اپنے دامن دولت سے وابستہ کر لیا، اور پھر آخر وقت تک جدا نہیں کیا، شیخ نے اپنی استعداد و قابلیت

---

۱ معارف نمبر ۵ جلد ۴۳ مضمون "عالمگیر کا علمی ذوق" سید صباح الدین صاحب علیگ ۲ اقتباس [illegible] ۳ تذکرہ علمائے ہند

سے حکومت کے بڑے سے بڑے عہدے اور مرتبے حاصل کئے[۱]،

عالمگیر کی کوئی علمی و سیاسی مجلس مشکل سے شیخ نظام کی شرکت سے خالی ہوتی تھی، صاحب مآثر عالمگیری نے متعدد جگہ انکا تذکرہ کیا ہے[۲]، عالمگیر ان کا اتنا احترام کرتا تھا کہ دربار کے آداب و تسلیم کی پابندی سے مستثنیٰ تھے، محبوب الالباب میں ہے،

"از کورنش و تسلیم و دیگر تکالیف نوکری معاف بود (ص ۵۱۶)

جب فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب و تالیف کے لئے علماء کی جماعت منتخب ہوئی تو اس کی صدارت شیخ نظام کو تفویض ہوئی، عالمگیر نامہ کا مصنف "فتاویٰ عالمگیری" کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے،

"و سرکردگی و اہتمام این مہم صواب انجام بفضیلت مآب شیخ نظام کہ جامع فضائل معقول و منقول است تفویض یافت" (ص ۱۰۸۶)

مراۃ العالم اور مآثر عالمگیری میں ہے،

"و سرکردگی این مہم اہم بقدوۃ انام شیخ نظام تفویض یافت" (ص ۴۶۳)

تذکرۂ علمائے ہند میں ہے،

"در فتاویٰ عالمگیری سعی فراوان نمود"

شیخ عبد الرحمن بحراوی جن کی تصحیح کے بعد تیسری بار فتاویٰ عالمگیری ۱۳۱۰ھ میں مصر سے شائع ہوئی ہے، اپنے مختصر سے مقدمہ میں لکھتے ہیں،

"وجعل رئیسھم فی ذٰلک المولیٰ الھمام الشیخ النظام"

زمانۂ وفات کے متعلق کوئی تصریح تذکروں میں نہیں ملتی، اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اسی برس سے زیادہ کی عمر پائی، محبوب الالباب میں ہے،

---

۱ اقتباس فرحۃ الناظرین، تذکرۂ علمائے ہند، مآثر عالمگیری ص ۲۰۱ ۲ مآثر عالمگیری ص ۴۳۶، ص ۲۰۱، ۳ ص ۲۶۵ قلمی نسخہ دار المصنفین،

"ہنگام تحریر کتاب مرأۃ العالم عمر شریف شیخ مزبور از ثمانین متجاوز بود و تاریخ وفات شیخ دیدہ نہ شد" (ص ۲۱۶)

محمد ساقی مستعد خاں نے ان کے پسماندگان میں چار لڑکوں ملک منور، شیخ لاڈ، شیخ عبداللہ اور شیخ ابو الخیر کا ذکر کیا ہے، ان میں تین یعنی ملک منور، شیخ لاڈ اور شیخ عبداللہ شاہی خطابات کے علاوہ منصب چار ہزاری سے بھی سرفراز تھے[۱]، اور شیخ ابو الخیر داروغہ جائے نماز تھے[۲]۔

میر سید محمد قنوجی: محمد نام، اور میر خطاب تھا، قنوج کے باشندے عہد عالمگیری کے مشہور اور وسیع العلم علماء میں تھے، ریاضی و ادب میں خاص دستگاہ رکھتے تھے شاہجہاں نے بڑی تعظیم و اکرام کیا تھا انھیں دربار میں بلایا اور اپنے مقربین خاص میں شامل کیا[۳]، شاہجہاں کے بعد جب عالمگیر تخت نشین ہوا تو اس نے بھی ان کے ساتھ وہی برتاؤ قائم رکھا، اور جب اکبر آباد سے دلی آیا تو انھیں بھی اپنے پاس بلا لیا[۴]۔

عالمگیر کو امام غزالی کی تصنیفات، خصوصاً احیاء العلوم سے بڑا شغف تھا اس نے امام کی اکثر کتابیں سید محمد قنوجی کی زیر نگرانی اور ان کی مدد سے مطالعہ کی تھیں، تذکرہ علمائے ہند میں ہے،

"مصنفات حجۃ الاسلام غزالی خصوص احیاء العلوم بیشتر ازوے (سید محمد) دیدہ" (ص ۲۱۶)

ہفتہ میں تین دن عالمگیر کی مخصوص علمی مجلس ہوتی تھی جس میں لوگ میر صاحب سے استفادہ کرتے تھے، تذکرہ علمائے ہند میں ہے،

"در ہفتہ سہ روز بمذاکرۂ علوم در خدمت شاہی مجلس افادہ گرم داشتی" (ص ۲۱۶)

ان کو دربار میں بھی کافی درخور حاصل تھا، عالمگیر کی ہر مجلس میں وہ شریک ہوتے تھے، شاہزادہ اعظم کا نکاح انہی کی وکالت میں ہوا تھا[۵]، ۱۰۹۱ھ میں عالمگیر اودے پور اور اجمیر کی مہم میں گیا، اور وہاں کے سیاسی حالات کی وجہ سے اسے کئی مہینہ رک جانا پڑا، اس لئے سید محمد قنوجی نے اجمیر جا کر

[۱] مآثر ص ۳۱ [۲] ایضاً ص ۱۹۱ [۳] تذکرہ علمائے ہند ص ۲۱۶ [۴] ایضاً ص ۵ اردو ترجمہ مآثر عالمگیری ص ۶۸ [۶] مآثر ص ۱۸۱،

عالمگیر سے ملاقات کی، اس نے انکا بڑا اعزاز و اکرام کیا اور ایک ہزار نقد اور میووں کے دو خوان تحفۃً میں پیش کئے،[1]

جب فتاویٰ عالمگیری کی تالیف کے لئے علماء کا انتخاب ہوا تو قرعۂ انتخاب ان کے نام بھی پڑا، چنانچہ اس کی تکمیل میں ان کا بھی کافی حصہ تھا، تذکرۂ علمائے ہند میں ہے،

"در تالیف فتاویٰ عالمگیری مساعی جمیل بکار برد" (ص ۲۱۶)

وفات کے متعلق کوئی تصریح تذکروں میں نہیں ملتی، صاحب مآثر عالمگیری ۱۰۹۱ھ کے واقعات کے ضمن میں لکھتا ہے،

"سید شریف پسر قدوۃ المشایخ میر سید محمد قنوجی استاذ اعلیٰ حضرت فردوس آشیانی (شاہجہاں) جو فضل و کمال عقل و شعور میں مشہور و معروف تھے، کرورہ گنج کی خدمت میں مامور ہوئے" (ص ۲۰۶)

اس بیان سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ ۱۰۹۱ھ سے پہلے وفات پا چکے تھے، مآثر عالمگیری نے ضمناً ان کے دو لڑکوں سید شریف و سید احمد کا ذکر کیا ہے، سید شریف کرورہ گنج کی خدمت پر مامور تھے[2] اور سید احمد قاضی محمد حسین کے انتقال کے بعد عہدۂ احتساب پر سرفراز ہوئے،

تلامذہ میں مولوی اصغر علی قنوجی بڑے صاحب علم اور صاحب تصنیف گذرے ہیں،[3]

ملا محمد جمیل | جون پور کے ایک علمی خانوادہ میں ۱۰۵۵ھ میں پیدا ہوئے، ان کے دادا ملا شمس نور اور والد ملا عبد الجلیل اور دو چچا ملا صادق اور ملا خلیل اپنے زمانہ کے ممتاز علماء میں تھے، اسی ماحول میں ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت ہوئی اور اسی علم پرور فضا میں پروان چڑھے،

ابتدائی عربی و فارسی تعلیم کے بعد علامہ دیوان عبد الرشید (جو اپنے وقت کے مفتی عنایت احمد تھے)

---

[1] مآثر ص ۱۷۱ [2] ایضاً ص ۲۰۶ [3] تذکرہ علمائے ہند ص ۲۲؛ ان کی چند تصنیفات یہ ہیں، تصوف میں لطائف العلیہ، تبصرۃ المدارج، تفسیر میں ثواقب التنزیل، اور اس کے علاوہ فصوص الحکم کی شرح اور کئی عربی قصیدے انکی یادگار ہیں،

سے مختصر المعانی اور شرح وقایہ وغیرہ پڑھی پھر مولانا نور الدین مداری کے درس میں شریک ہوئے، ان سے درسی کتابوں کے علاوہ اور علوم خاص طور سے پڑھنی شروع کی، ابھی کتاب ختم نہیں ہوئی تھی کہ استاذ نے دلی کا قصد کیا، شاگرد نے کتاب کے ختم نہ ہونے پر افسوس کا اظہار کیا، استاذ نے فرمایا کہ اب تمھیں درس کی ضرورت نہیں ہے مطالعہ کافی ہے[1]۔

ملا جمیل طالب علمی کے زمانہ ہی سے ذہانت و طباعی میں ضرب المثل تھے، نہایت اخاذ طبیعت پائی تھی ایک مرتبہ مطول[2] کی کسی دقیق عبارت کا مطالعہ کرکے اپنے استاذ مولانا نور الدین کی خدمت میں گئے اور اس عبارت کا مطلب وضاحت سے بیان کیا، استاذ نے فرمایا کہ اس عبارت کا مطلب آج میں نے تمھاری تشریح سے سمجھا[3]،

ملا جمیل کی فطانت اور ذہانت کی وجہ سے ان کے اساتذہ ان کو ملا جلال اور میر شریف کہا کرتے تھے جس وقت وہ دہلی گئے تو سارے علماء پر ان کی ہیبت طاری ہوگئی، مشاہیر جونپور میں ہے،

در آنچناں جودت ذہن بود کہ اگر یک یا متن کسے کتاب بے حاجت حاشیہ نہ افتد، ہر مطالب دقیق کہ پیش آید فوراً بقوت ذہن حل گردد، بارہا استاذش فرمودی کہ ملا جمیل را مماثل علامہ میر شریف و ملا جلال گفتن بیجا نیست، وقتیکہ ملا جمیل وارد دہلی شد، شہرۂ فضیلتش چناں شائع گردید و ہیبتش تاری (طاری) شد کہ ہر درسے کہ رسید سے درس موقوف گشتے روزے در مدرسہ ملا لطف اللہ دہلوی رفت دریک سطر ہفت یا ہشت شبہات پیش نمود، ملا لطف اللہ از جوابش عاجز آمدند[4]"

ان کی زندگی کا عزیز ترین مشغلہ درس و تدریس تھا، چنانچہ تعلیم سے فراغت کے بعد ہی مسند درس پر بٹھا دئے گئے، اور تشنگان علم ان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہونے لگے، مشاہیر جونپور میں ہے،

"عالم جمہ علوم گردید و درس گفتن آغاز کرد و چناں شد کہ بہ زمرۂ علماے مشاہیر پیوست و علم یکتائی برافراشت، بسیاری طلبا از دستاں فاتحہ فراغ خواندند[5]" (ص ۴)

[1] مشاہیر جونپور ص ۴ [2] معانی و بیان کی ایک کتاب [3] مشاہیر جونپور ص ۴ [4] ایضاً ص ۵ [5] ...

جونپور کے محلہ مفتی میں ایک بہت وسیع اور پختہ خانقاہ اور ایک مدرسہ تعمیر کرایا تھا، اور خود اس میں درس دیتے اور اصلاح باطن کرتے تھے، سید نور الدین اس عہد علمی اور روحانی کی بربادی پر بڑی حسرت سے لکھتے ہیں،

"چون زمانہ دگرگون شد اکنون آثاری ہم باقی نہ ماند جز اینکہ برایں سرزمین کہ پیش دروازہ شاہ طفیل حسین است کشت کاری می شود و چشم بصیرت مشاہدہ بیجا دنیا می کند (ص۵۹)"

ان کے تلامذہ کی تعداد بہت ہے لیکن ان میں مولوی نظام الدین اورنگ آبادی، مولوی نور الہدی مچھلی شہری اور ملا فیض الدین جعفر غازی پوری زیادہ مشہور ہیں،

اصلاح باطن | مشاہیر جونپور میں ہے،

علاوہ فضائل صوری صاحب کمالات باطنی ہم بود و بیعت و ارادت از دیوان عبد الرشید آورد (ص۵۹)

اٹھتر برس کی عمر پاکر ۴ رجب ۱۱۲۳ھ میں وفات پائی اور اپنے والد ملا عبد الجلیل کی قبر کے پہلو میں سپرد خاک کئے گئے، ذیل کی رباعی سے تاریخ وفات نکلتی ہے،

خانہ باقی نہ صاحب خانہ	مُرد ملا جمیل علمش مرد
از فضیلت ربود افسانہ	بہر تاریخ فاضلِ نامی

پسماندگان میں تین صاحبزادوں کا ذکر صاحب مشاہیر جونپور نے کیا ہے، مولوی غلام معین الدین عرف شاہ احمد علی، شاہ طفیل حسین و شاہ تمیم الحسن[1]،

ان کی اصل علمی یادگار تو تلامذہ کی وہ کثیر تعداد ہے جن کے ذریعہ ہزارہا تشنگانِ علم سیراب ہوئے ان کے علاوہ کچھ قلمی یادگاریں بھی ہیں، جن سے اہلِ علم آج بھی مستفیض ہو سکتے ہیں،

آپ نے مطول، شرح جامی کے ایک باب عطف اور بہت سی دوسری کتابوں پر حاشیے لکھے، اس کے علاوہ دو رسالے ایک فقہ اور ایک تصوف میں تنبیہات جیسی تحریر کئے لیکن سب سے بڑا زندہ جاوید کارنامہ فتاوی عالمگیری

---

[1] تیسرا نام صاف طور سے پڑھا نہیں گیا،

کی تصنیف میں شرکت ہے، مشاہیر جونپور میں ہے،

"وقتیکہ عالمگیر بادشاہ دہلی جہت نمود فتاوی منسوب باسم خود فضلاے نامورانِ دیارِ ہند

طلبید از جون پور ملا جمیل را برچیدہ ایشاں را بجود خواستہ شریک مجمع اجتماع نمود (ص۳)

قاضی محمد حسین جونپوری | جون پور کے باشندے اور اپنے وقت کے ممتاز علمار میں تھے، فرحۃ الناظرین میں ہے

"از علم و فضل بہرہ وافر داشت (ص۱۳۲)"

شاہجہاں کے عہد میں جون پور کے قاضی تھے، عالمگیر کے عہد میں الہ آباد کے قاضی مقرر ہوئے، جلوس

عالمگیری کے ساتویں سال دربار شاہی میں حاضر ہوئے، عالمگیر نے انعام و اکرام کے علاوہ فوج کا عہدہ احتساب

بھی ان کے سپرد کر دیا، اور اس کے بعد سے برابر وہ اسی خدمت کو انجام دیتے رہے، محبوب الاجاب میں ہے،

"و خدمت احتساب عسکر خلعت امتیاز پوشید در رفع مناہی و ترویج احکام رسالت پناہی و قمع

آلات ملاہی کوشش وارادہ بکار برد" (ص۱۱۶)

بہادر خاں پر جو عالمگیر کا بہت مقرب امیر تھا قاضی صاحب اور اُن کے علم و تقوی کا بڑا اثر تھا، چنانچہ

عالمگیر سے بھی ان کے علم و فضل دیانت و تقوی کی تعریف کرتا تھا، ۱۰۸۰ھ میں عالمگیر نے ان کو عہدہ احتساب کے

علاوہ اور بھی مناصب و مراتب عطا کئے، مآثر عالمگیری میں ہے،

"بادشاہ ہنر پرور نے ان کو ایک صدی منصب پر مقرر فرمایا، رفتہ رفتہ حسین علی خان کی امانت داری

اور اپنی سلیقہ شعاری سے مرتبہ امامت خانی پر سرفراز ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے،" (ص)

ان کے ان کمالات کی بنا پر ان کو بھی فتاوی عالمگیری کی تالیف میں شریک کیا گیا، اور اس کی تکمیل میں ان کا

بڑا حصہ ہے، تذکرۂ علمائے ہند میں ہے،

"در تالیف فتاوی عالمگیری سعی نمودہ" (ص)

محبوب الاجاب میں ہے،

"یک ربع فتاوی عالمگیری تالیف نمودہ" (ص۸۳)

مآثر عالمگیری کے بیان سے سنہ وفات ماہ ذیقعدہ ۱۰۹۸ھ ظاہر ہوتا ہے چنانچہ اس سنہ کے واقعے کے ضمن میں لکھا ہے

"قاضی محمد حسین کے انتقال کی وجہ سے سید احمد پسر سید محمد قنوجی کو خدمت احتساب عنایت ہوئی" (ص۲۹۵)

ارباب تذکرہ نے اولاد و پسماندگان کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے اور نہ فتاویٰ کے علاوہ کسی دوسری علمی یادگار کا کوئی علم ہے

شیخ وجیہ الدین گوپاموی | اودھ کا مشہور اور مردم خیز قصبہ گوپامئو ان کا وطن تھا، نہایت ہی ذہین ذکی اور صاحب باطن تھے، علم و فن کے علاوہ تحریر و تقریر میں بھی ملکہ تھا، علم معانی و بیان میں بے نظیر تھے، فرحۃ الناظرین میں ہے

"خصوصاً در علم معانی و بیان عدیم المثال عصر بود" (ص۸۳)

شیخ جب دلی گئے تو پہلے پہل دارا شکوہ سے ان کا علمی تعلق رہا، دارا شکوہ کی وفات کے بعد عالمگیر کی حکومت کے نویں سال یعنی ۱۰۷۷ھ میں عالمگیر کے دربار میں حاضر ہوئے، اس نے حسب مرتبہ ان کی بڑی توقیر کی، اور منصب و مراتب سے بھی سرفراز کیا،

فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں عالمگیر نے ان کی خدمات بھی حاصل کیں، محمد اسلم کے بیان کے مطابق ایک چوتھائی کام ان کے سپرد کیا گیا،

"بہ ترتیب و تالیف ربعی از فتاویٰ عالمگیری مامور شدہ" (ص۸۳)

فتاویٰ کی تالیف میں ان کے کام کی نوعیت و اہمیت کا اندازہ ذیل کی عبارت سے بھی ہوتا ہے،

زمخشری کی قسطاس کا ایک قلمی نسخہ خدا بخش خاں کی لائبریری میں ۱۲۰۰ھ کا لکھا ہوا موجود ہے، اس پر شیخ وجیہ الدین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی عبارت ہے، کاتب اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے،

"عبارت منقول از دستخط مولانا وجیہ الدین رئیس علمائے فتاویٰ عالمگیری"

اس عبارت کے آخری ٹکڑے سے معلوم ہوتا ہے کہ فتاویٰ کی تالیف میں ان کا کافی حصہ تھا، اور غالباً اس میں کوئی امتیازی حیثیت حاصل تھی، (باقی)

دو کمیاب کتابیں

از جناب مولوی سید مقبول احمد صاحب صمدنی

جنوری ۴۶ء کے معارف میں محترمی سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب نے حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس سرہ العزیز کے حالات میں اُن کے ایک صحیح الارادت معتقد کا تذکرہ فرمایا تھا، جو زاد المسافرین اور نزہتہ الارواح وغیرہ کے مصنف تھے، ان کا متعارف نام تو امیر حسینی تھا، لیکن اصل اور پورا نام یا پورا لقب ہر تاریخ نویس اور تذکرہ نگار نے کم و بیش مختلف لکھا ہے، تفصیل صفحہ ۶۹ پر ملے گی، صاحب سیر العارفین نے امیر کی منجملہ متعدد تصانیف کے نظم میں زاد المسافرین اور نثر میں نزہتہ الارواح کا نام لیا ہے، سید مکرم نے نزہتہ الارواح کے ایک قلمی نسخہ کا موزۂ برطانیہ میں موجود ہونا ارقام فرمایا ہے،

صمدن (موطن سادات) میں ان میں سے بعض کتابوں کے موجود ہونے کا مجھے علم تھا، میری طلب و خواہش پر برادر زادہ عزیز سید انیس احمد متعنا اللہ بطول حیاتہ ان کو لے کر میرے پاس آئے، میں نے ان کو دیکھا ان میں دونوں کتابیں موجود تھیں، مگر متنوع اشغال سے ان کے متعلق کچھ لکھنے پر معذور رہا، ذیل کے سطور میں انہی کے متعلق کچھ تفصیل پیش کرنا ہے،

(۱) زاد المسافرین :- یہ مختصر سی مثنوی امیر کبیر سید حسینی ہروی کی قابل عزت تصنیف ہے، جن کی نسبت متعارہ کی زبان فتویٰ دے چکی ہے،

چشم دولت ز سوادِ قلمش گشتہ منیر   باغ دانش ز سحابِ کرمش گشتہ نضیر

زاد المسافرین کمیاب کتابوں میں سے ہے، اپنے شدید مگر ناکام شوق مطالعۂ کتب قدیمہ اور محدود معلومات لیکن وسیع تلاش پر نگاہ ڈال کر مجھے بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ کتاب عزیز الوجود ہے، پیش نظر نسخہ انتخاب حدیقہ کے ہم جلد نور چشم سید انیس احمد کا حاصل کردہ و مملوکہ ہے، جن کو بیش قیمت قلمی کتابوں کے فراہم کرنے کا خاص سلیقہ اور ان پر طالبعلمانہ دست وبرد و تصرف میں ید طولیٰ حاصل ہے، آثار یہ کہتے ہیں کہ شروع ہی میں کسی شوقین و خوش فکر خوش حال کی ملک میں رہا ہوگا، جلد برابری یا چمڑے کی زیبائی ارغوانی رنگ کی کاشانی مخمل نے پائی ہے، جس پر باہر کی جانب سفید جدول یا اکہری دھاری تھی، یا کوئی نازک سی باریک بیل رہی ہو، مگر اب مٹ چکی ہے، پٹھا کوٹے ہوئے کاغذ کی لبدی سے بنا تھا، کیڑوں کی ترک تازسے مشبک اور خاک و خاکستر ہو رہا ہے، عمر لوری ہو چکی پھول کی پنکھڑیوں کی طرح دفینتین کے اجزا خود بخود بکھرتے چلے جاتے ہیں، کاغذ ولایتی، چکنا اور چمکدار، تقطیع اوسط کتابی، تعداد صفحات ۷۴ سطریں فی صفحہ اخوصنہ میں اور ۲۰-۲۸ مصرعے حاشیہ پر، جدول دہری خوش نما، نظر فریب، الکیریں نیلی اور سیاہ اور سنہری، مصنف اور کاتب کے نام سے پوری کتاب خالی ہے، حالانکہ کئی ورق اسی اہتمام و تکلف سے تیار کئے ہوئے آخر جلد میں سادہ لگا دیئے گئے ہیں، انتخاب حدیقہ اور اس کے آخری صفحہ کی آخری سطر کے ساتھ ورق الٹ جاتا ہے اور بلا کسی فصل وافتراق کے پہلی ہی سطر میں شنجرف سے زاد المسافرین لکھا ہوا جلوہ افروز ہوتا ہے، دوسری سطر خدائے رحمان و رحیم کے پاک نام اور اچھی شوخ سیاہی سے شروع ہوتی ہے، مثنوی کا خاتمہ اس شعر پر ہوتا ہے۔ ؎

گشت آخر ایں کتاب تمت   در ہفصد و بست و نہ ز ہجرت

معارف نے "ایں کتاب خمت" لکھا ہے، میرے نسخہ نویس نے تمت، اسی طرح پہلے مصرع کو معارف میں "ہفت صد و بست و نہ" چھاپا ہے، میرے نسخہ میں ہفصد و بست و نہ ہے، شاید شعر کا

وزن بھی ہفت کی ت گرا دینے کا متقاضی ہے، ممکن ہے کہ الفاظ کا یہ ردوبدل تذکرۂ دولت شاہ کے دخل در معقولات کرنے والے کاتب کے قلم کا ثمرہ ہو، جہاں سے مولانا نے اس کو نقل فرمایا ہے ایسے اختلافات اور لفظی تغیرات معارف کے نقل کردہ چوبیس اشعار اور اس مکتوبہ میں جابجا نظر آتے ہیں، شعروں کا بے تکلفانہ تبادلہ اور کمی بیشی بھی نمایاں ہے، مگر اس کا اثر نفس مضمون یا ادائے مدعا پر نہیں پڑتا،

شیخ صدر الدین (سید حسین) نے اس کتاب کو اپنے بزرگ مرشد شیخ بہاء الدین زکریا کے آستانہ فیض گنجینہ پر ملتان میں بیٹھ کر لکھا تھا، اور حضرت نے اس کو بغور ملاحظہ فرمانے کے بعد اس ستودہ صفات ناظم کی تحسین و آفرین فرمائی تھی، مولانا صباح الملۃ والدین کے روبرو اصل کتاب نہ تھی تاہم موصوف نے اس کے متعلق علمی و عملی سرمایہ اور ظاہری و باطنی کمالات و کرامات سے مالامال ذخیرہ فراہم کر دیا ہے، عجائب خانہ برطانیہ اور کتب خانہ شاہان اودھ کی فہرستوں اور نیاز اللہ اور تلامیذ الرحمٰن کے تذکروں سے اقتباس و التقاط فرما کر بقدر ضرورت سب کچھ لکھ دیا ہے (معارف جنوری ۱۹۴۶ء صفحات ۲۴ لغایۃ ۵۱)

مجھے ان کے اعادہ و بازخوانی کی ضرورت نہیں ہے، میں صرف ان ہی چند باتوں کو حوالۂ قلم کرنا چاہتا ہوں، جو مولانا کے خامۂ عنبر افشاں کے رشحات سے فیض یاب نہ ہو سکیں، اور اس کم سواد و بے بضاعت کے لئے خود بخود چھوٹ گئی ہیں، مولانا کا یہ خیال بالکل صحیح ہے، کہ سید علیہ الرحمۃ کی اور تصانیف کی طرح زاد المسافرین کا موضوع سلوک و طریقت و معرفت ہے،

سب سے پہلے اپنی اس بے باکانہ جرأت اور گذارش کا عذر خواہ ہوں، کہ شیخ کے طریق بیان اور طرز ادا یا صوفیانہ تعلیمات کا اندازہ کرنے کے لئے جس حصہ مثنوی کا انتخاب دو ناقد با کمالوں یعنی دولت شاہ نے تذکرہ میں اور آذر نے آتش کدہ میں فرمایا ہے، وہ ایک حکایت ہے، بجائے خود وہ کیسی ہی دلچسپ و سبق آموز سہی تاہم اس ناقص الفہم تبصرہ نگار کے نزدیک اس کے اشعار میر کے

بہترین کلام یا زاد المسافرین کے زیادہ بلند و برتر یا شیریں ترین ابیات میں شمار نہیں ہو سکتے،

مثنوی کا آغاز حمد باری تعالیٰ شانہ سے کیا جاتا ہے، پروردگار عالم و عالمیاں کے حضور میں اسکی نعمتوں اور رحمتوں کا اقرار و اعتراف کرتے ہوئے انبیاء و رسل علیہم السلام کی حیرانی و سرگردانی کا ذکر فرماتے ہیں اور بلاشبہہ بڑی قابلیت اور عالمانہ فضل و کمال کے ساتھ اس صحیفۂ رشد و ہدایت اور وحدت پرستی کی تعلیم کا آغاز فرماتے ہیں، حتیٰ کہ نعت شریف و مناقب ابرار و اطہار کی منزلیں طے کرنے کے بغیر، ہم ایسے نااہل دنیا داروں سے خطاب ہوتا ہے،

بشنو بسرا بیان حالت — علم و جد ست قیل و قالت
علمے کہ خدائے داں شوی تو — انیست کجا ہمی دوی تو
آں علم طلب کہ با تو ماند — واں دم کہ ترا ز تو رہاند
آں علم فریضہ تا نہ خوانی — تحقیقِ صفاتِ حق نہ دانی
اے طبع و ہوا معلم تو — تا کی لم و لا نسلم تو
خود را بگذاشت کردۂ گرم — آخر ز خدا نیایدت شرم
از خود بجدا مرد بتاویل — تشبیہ مکن بوجہ تسئیل،
زنہار بحجتِ قیاسی — عزہ نشوی بحق شناسی

اس کے بعد مقالات شروع ہو جاتے ہیں اور ان مقالات کے دوران ذیل میں متعدد حکایات قصیر و طویل بھی آتی جاتی رہتی ہیں،

پہلا مقالہ جس کو خوشنویس نے "مقالات اول" لکھدیا ہے، حق سبحانہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس اور سالک کو ریاضت دیجاہدہ کی تلقین و تشویق میں ہے، اس میں بھی وہی خطیبانہ رنگ اور واعظانہ انداز بیان قائم رکھا ہے، فرماتے ہیں! -

ہندو کہ ہمیشہ بت پرستند — ہر صبح دعات می فرستند
جز ذکر تو نیست در زبانش — زنار و فاست در میانش
این جملہ ز دین و ملت خویش — جز تیر غمت ندیدہ در کیش

اس کے آگے وہ شعر آجاتا ہے جو مشہور عام اور مقبول خاص ہو چکا ہے اور جس کی نسبت مجھے شبہہ ہے کہ کسی اور باکمال ہنرمند کا ہے، یعنی

مرغانِ چمن بہر صباح — خوانند ترا با صطلاح

مرغان چمن کی کچھ تفصیل بھی موجود ہے،

چون فاختہ ہر کہ در جہان است — کوکو زنِ کوے تست پیوست

دوسرا مقالہ فضیلت و شرف انسانی کی بحث میں ہے، غفلت و نادانی پر سرزنش،

اس میں فارسی زبان کی سلاست و لطافت کے ساتھ ساتھ بعض غیر معمولی عربی الفاظ یا نامانوس کلمے بھی کہیں کہیں آگئے ہیں، اس کی پہلی حکایت ملاحظہ ہو،

موسیٰ ز پیٔ فراق مخمور — مستانہ دوید بر سر طور
گفت اے ز تو بود ہر چہ بودہ — ما را بتو ہم تو رہ نمودہ،
گر نزد منی کجات جویم — تا با تو حدیثِ خویش گویم
ور دور تری بر آرم آواز — باشد کہ بخود درم کنی باز
بشنو تو ز ما سخنے جوابے — کے از تو بہ پیش تو نقابے
این جائے حوالہ نیست بگذار — من با تو ام از خودم طلب دار
افتادنِ مہرہ ہا بششدر — اینجا بود اے حریف بنگر
شاہانِ جہان درین خیالات — بر نطع غمند جملگی مات

از غایت قرب در دوراست	ہر مرغ بہ دانۂ جسو راست
ایں آتش ما چگونہ میرد	کیں درد دوا نمی پزیرد
یا قادر خود کہ نیست یا دت	بے شرم کسے کہ شرم یا دت

تیسرا مقالہ طریقت اور سلوک کی کیفیت میں ہے،

چوتھا ارشاد و معاملت میں، اس میں سالک طریقت کی توصیف میں ایک مستقل عنوان اختیار کیا ہے، حکایتیں کئی ہیں "رسیدن سالک بہ نفس دل" پہلی ہے،

ایک حکایت وہ بھی ہے جس کو دولت شاہ اور آذر نے نقل کیا ہے، یعنی

ایں طرفہ حکایت ست بنگر

پانچویں مقالہ میں عشق اور اس کے مرتبہ کا بیان ہے، اپنے مخصوص رنگ میں پورے زور کیساتھ لکھا ہے

چھٹا مقالہ معرفت نفس انسانی اور اس کی صفت میں ہے،

ساتویں میں معرفت کا بیان اور اسکی تحقیق ہے اور خوب ہے،

آٹھویں مقالہ کا عنوان ہے "در بیان حال شرف باد شرف می رسد" یہ مقالہ اپنے ماسبق مقالوں سے کسی قدر دراز تر اور تمثیلات سے معمور ہے، اور اسی پر چند در چند مواعظ و نصائح و مخاطبات کے ساتھ مثنوی ختم ہو جاتی ہے، ارشاد ہوتا ہے:-

دُر یست گراں بہا کہ سفتم	دریاب کہ گفتنی بگفتم
ہدستہ، گلبن یقین است	ہم توشۂ رہ روان دین است
از بس کہ فشاند بحر من دُر	شد دامن آخر الزماں پر
ایں گلشکرے کہ من سرشتم	در ہشت مقالتش نبشتم
شمع است کہ از دلم برافروخت	ہفتاد و ہزار پردہ را سوخت

یک نکتہ او کہ جان کند شاد — بر دل در بہشت باغ بکشاد
آنکس کہ بیافت از کے بوے — دانست کہ چون شگافتم موے
تا جست سران نا مور را — نہ پارہ دست کون خور را
چون اہل خرد ہبر دیارے — زین تحفہ برند یادگارے
این نور بہر طرف کہ تابد — یعنی کہ قبول ہر کہ یابد
زین گنج کہ رایگان کشادم — دارد بدعاے خیر یادم
در ہفصد و بیست و شش ہجرت — گشت آخر این کتاب بفت

یہی آخر اس چودہ سو چھبین (۱۴۲۶) بیتوں کی مثنوی اور میرے ناچیز تبصرہ کا ہے،

۲- نزہۃ الارواح :- یہ کتاب بھی امیر حسینی کی تصنیف ہے، اکتوبر ۱۹۲۶ء کے معارف میں مولوی پروفیسر عبدالحمید خاں صاحب نے سلطان جہاں منزل کے کتبخانہ عالی کے نزہۃ کے ایک قلمی نسخہ کا حوالہ دیا ہے، اور نمبر ۲۲ پر کسی قدر زیادہ شرح و بسط سے بیان فرمایا ہے، اپنی کتاب کے مطالعہ کے بعد میں بھی موصوف کی تحریر اور راے زرین کی تائید کرتا ہوں، اس کی مضامین فصلیں ہونا مسلّم، اور ان کی تفصیلات و مباحث بھی صحیح ہیں، زبان البتہ بعض جگہ توجہ طلب اور قدرے مشکل ہی طرز ادا مغلق اور پیچیدہ ایک تو تصوف و طریقت خود ہی ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں، اس پر مستزاد ئ کہ فاضل مصنف نے اپنی مشکل پسندی اور دقت نظر سے مجھ ایسے عامی پڑھنے والے کے لئے کہیں کہیں اور بھی دشوار فہم و لغت آموز بنا دیا ہے، نزہت میں جو عربی ابیات و اشعار داخل ہیں وہ بھی دشواری و اشکال سے خالی نہیں، جو تشبیہیں تبائیں دوسروں سے مستعار لی ہیں ان میں بھی یہ خش اور کریاسی پیوند نمایاں ہیں، اللّٰھم احفظنا،

اسمیں ہر عمرہ کا نسخہ جیبی تقطیع کا قیمتی ولایتی کاغذ ہے، مطلا و مذہب، جداول نہایت خوشرنگ

تکہ غریب، سرورق سنہرا نازک، باریک قلم کا، خط نہایت پاکیزہ نستعلیق شاندار، اوراق موجودہ کا شمار ۵۱۱،

حاشیوں پر جو عبارتیں اور اشعار بعد کتابت اضافہ کردئے گئے ہیں ان میں سے بعض میں حضرت مصنف نے

خود کو حسینی، کہہ کر یاد فرمایا ہے، ع "اے حسینی چو دوست فاش و نہاں ۔ ۔ ۔ ۔"

یہ سب اضافے پختہ اور صاف خط میں مگر دوسرے قلم اور دوسری سیاہی سے ہیں، میں نہیں کہہ سکتا

کہ یہ اضافے حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ہیں یا کسی غیر کے،

تصوف کی کسی کتاب کی نسبت یہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ اس کا مصنف جماعت اہل سنت سے ہے

تاہم قاریان فخام کے لئے اس قدر اطلاع مناسب سمجھتا ہوں کہ اس میں نعت پاک کے بعد امیر المومنین

ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم اور عثمان ذی النورین کے مناقب ہیں، رضی اللہ عنہم،

امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے بارہ میں اُن کے دونوں بابرکت پیش رووں کے مقابلہ میں کسی قدر

زیادہ سطریں پائی جاتی ہیں اور در دار لیکن حاشا کہ ان میں تفضیل یا میل الی التشیع کا شائبہ بھی نظر نہیں آتا، اس کے بعد

فصول اور مبادی و معارف و مقالات سلوک شروع ہو جاتے ہیں،

میرے لئے سب سے زیادہ رنج وہ یہ بات ہے کہ اس کے اوراق آخریں غائب ہیں، حتیٰ کہ مصنف علیہ الرحمۃ

والغفران کا لکھا ہوا خاتمہ جو غلام نے نقل فرمایا ہے وہ بھی اس نسخہ میں باقی نہیں، اس نسخہ میں فصل بست و ہشتم

کے دو صفحے پورے کرکے لکھا ہے،

"شیخ چوں بمقصد رسید مقصود آں نامراد بخاطرش بگذشت دست بدعا برد تا دستبردی

نماید گفت اے کرمت باہی ماندگانرا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (باقی مفقود)

معارف کے قاریان معظم میں سے کسی خوش نصیب کے یہاں نزہتہ کے یہ آخری اوراق محفوظ ہوں تو براہ کرم

(مقبول صمدنی، یحییٰ پور، الہ آباد کے پتہ سے) مجھے آگاہ فرما دیں تاکہ ان اوراق کی نقل حاصل کرنے کا انتظام کروں،

اور یہ قدیم نسخہ مکمل ہو جائے، واللہ لا یضیع اجر المحسنین،

استدراک، تبصرۂ بالا کی رسید ادارہ عالیہ معارف سے آچکی تھی کہ ایک اضافہ طلب بات میرے علم میں آئی، تحقیق ضروری کے بعد مزید تفصیل گذارش کیجائے گی، انشاء اللہ المستعان،

مطبوعات کی فہرستوں کی ورق گردانی سے جو انتخاب حدیقہ کے لئے کی گئی یہ واضح ہوا کہ (۱) مثنوی زاد المسافرین منشی نول کشور کے مطبع میں چھپ گئی ہے، ڈیڑھ آنہ قیمت ہے، البتہ ۱۹۲۴ء کی فہرست کتب (ص ۹۳) میں معمولی بے احتیاطی یا ناواقفیت سے یہ لکھا گیا تھا کہ "ملا حسین واعظ کاشفی کی تصنیف ہے، تصوف کے رموز خوب بیان کئے ہیں" ۱۹۳۴ء (ص ۱۴۵) میں اصلاح ہوگئی، سید حسینی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف قرار پائی ہے ۱۹۳۵ء کی فہرست میں بھی یہی انتساب قائم رہا،

(۲) اسی نام زاد المسافرین کی ایک کتاب حکیم ناصر خسرو کی تصنیف ہے، برلین (جرمنی) کی شرکت کاویانی نے جو قدیم و جدید فارسی کی قابل قدر مفید کتابوں کی طباعت و اشاعت کے لئے مشہور ہے، اسکو چھاپا ہے، اور اس کو حکمت و فلسفۂ اسلامی پر بہترین تصنیف، معرکۃ الآرا کتاب، اور عرصہ سے نایاب بتایا ہے، ناشران کی جانب سے یہ بھی اعلان ہے کہ اس کی چھپائی میں اہتمام خاص کیا گیا ہے، حجم چھ سو صفحات سے زاید، قیمت آٹھ روپیہ،

القضاء فی الاسلام

اس میں طریقۂ شہادت اور انفصال مقدمات کے متعلق قرآن حدیث اور فقہ کی کتابوں سے اخذ کرکے اسلامی اصول اور قوانین کی تشریح کی گئی ہے، اور قانون پیشہ حضرات کے لئے اس کا مطالعہ بیحد مفید ہے،

ضخامت:- ۹۲ صفحے، قیمت ۱۰/

"منیجر"

سندھی رسم الخط کی تاریخ

سندھ کے ایک سابق گورنر کے قلم سے

مترجمہ جناب نیاز احمد صاحب صدیقی ایم اے لکچرار شبلی کالج اعظم گڈھ

"آپ کا بھیجا ہوا نوٹ پڑھا، ماشاء اللہ آپ کے نئے گورنر صاحب علمی بھی ہیں، شاید سندھ سے مسلمانوں کی محبت بھی تحفہ میں ساتھ لائے ہوں، گو انگریزوں کو مقامی حالات کے مطابق بدلنے میں کچھ دیر نہیں لگتی، سندھی رسم الخط کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، یہ صحیح معلوم ہوتا ہے، ۳۷۵ھ میں مقدسی عرب سیاح یہاں آیا ہے، اور اس نے لکھا ہے کہ یہاں کی زبان سندھی ہے، اور فارسی عربی بھی سمجھی جاتی ہے، یہ صوبہ مدت تک ایرانیوں کے ماتحت رہا ہے، اور اثرات یہاں پہلے سے تھے، عربوں کے داخلہ کے بعد عربی الفاظ کی آمیزش ہوئی، چنانچہ آپ کو تعجب ہوگا کہ سندھی میں پیاز کو بصل اور پہاڑ کو جبل کہتے ہیں، جو خالص عربی لفظ ہیں، پانچویں صدی ہجری کے شروع میں یہاں ابوریحان بیرونی آیا اور کئی سال مقیم رہا ہے، اس نے اپنی کتاب الہند میں جو ہندی الفاظ لکھے ہیں محققین کا بیان ہے کہ وہ سندھی تلفظ میں ہیں، البتہ علمی و مذہبی مسائل میں اسکی اصطلاحیں سنسکرت ہیں،

جن مسلمانوں کی زبان عربی یا فارسی تھی وہ عربی رسم خط رکھتے تھے، فارسی نستعلیق خط نویں صدی ہجری کی پیداوار ہے، وہ اگر سندھی میں بھی کچھ لکھتے تھے تو عربی ہی خط میں لکھتے تھے، نستعلیق فارسی رسم الخط صرف مغل دربار وں اور دفتروں میں رائج تھا، ورنہ بنگال میں بنگالی اور دکن میں دکھنی اور گجرات میں گجراتی جو مسلمان لکھتے تھے وہ عربی ہی خط میں لکھتے تھے، چنانچہ چند سال ہوئے کہ کلکتہ ایجوکیشنل کانفرنس

میں ایک بہت موٹی بنگالی زبان کی کتاب پیش کی گئی تھی جسکو میں نے دیکھا تھا وہ عربی رسم الخط میں تھی سلطان قطب شاہ وغیرہ کے دیوان دکھنی میں اسی خط میں ہیں اور گجراتی کتابیں بھی اس خط میں میں نے دیکھی ہیں،

یہی حال سندھی کا بھی تھا گو دربار کی زبان فارسی تھی، مگر خط عربی آمیز تھا، اور انگریزوں کے داخلہ کے وقت یہی صورت تھی لیکن ہندو جن کا تعلق شاہی درباروں سے نہ تھا اپنے بنج کے اغراض سے ہندی رسم الخط رکھتے تھے، جب انگریزوں نے فارسی کو بیدخل کیا تو ہندوستان میں اردو کو دفتری زبان قرار دے کر اردو و ہندی رسم الخط کو قبول کیا، اسی طرح سندھ میں عربی اور ہندی دونوں رسم الخط مسلمان اور ہندوؤں میں رواج پذیر تھے، اب جیسا کہ صاحب مضمون نے بیان کیا ہے کہ دو برطانی افسروں میں سے ایک نے عربی رسم الخط کو اور دوسرے نے ہندی رسم الخط کو پیش کیا لیکن بحث و اتفاق سے یا سندھ میں مسلمانوں کی کثرت آبادی کے سبب سے عربی رسم الخط کی تجویز کامیاب ہوئی اور انگریزوں کے اثر سے یہ بات ہوئی کہ ہندوؤں نے بھی اس رسم الخط کو مجبوراً مان لیا لیکن سندھی ہندوؤں میں اب تک اسکے خلاف تحریک اٹھتی رہتی ہے، جیسے پنجاب میں سکھوں نے گو فارسی رسم الخط قبول کر لیا ہے مگر گورمکھی کے لئے اب بھی وہ کوشاں ہیں " س"

(۱) عام طور سے لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ سندھی حروف تہجی اور اس کی تحریری زبان کے لئے سندھ اپنے برطانوی حکاموں کا مرہون منت ہے، جب سر چارلس نیپر نے سندھ فتح کیا، اس وقت گو ملک کی خود اپنی ایک مستقل زبان موجود تھی لیکن اس کے ایسے حروف تہجی نہ تھے جو عام طور سے رائج ہوں، عام تحریری کاروبار ہندو منشی کرتے تھے، جس میں وہ فارسی رسم الخط میں مخلوط فارسی و سندھی زبان لکھتے تھے، کتاب "ابوالحسن سندھی" جس کو برطانوی فتح کے وقت ملا مسجدوں میں پڑھاتے تھے، درحقیقت با محاورہ سندھی کو عربی حروف تہجی میں لکھنے کی ایک کوشش تھی، "ورداشن کی گرامر آف سندھی"، کا بھی یہی مقصد تھا، یہ کتاب سنہ ۱۸۶۲ء میں عربی رسم الخط میں ان پولیٹیکل افسروں کے لئے لکھی گئی تھی جو امرائے سندھ کے درباروں سے وابستہ تھے ہندو تاجروں نے بھی اپنے حساب و کتاب کیلئے ایک قسم کا دیوناگری رسم الخط قبول کر لیا تھا،

(۲) فتح سندھ کے آٹھ سال بعد جب سر بارٹل فریر نے صوبہ کا نظام حکومت اپنے ہاتھ میں لیا اس وقت صرف دو ایسے برطانوی افسر تھے جو سندھی بول سکتے تھے، لیکن ان کے کلرکوں میں کوئی ایسا نہ تھا جو سندھی لکھ سکتا ہو، اس لئے سول حکام کو عام بول چال کی زبان کا امتحان پاس کرنے کے احکام صادر کئے گئے، لیکن سندھی زبان کو سرکاری مراسلات میں استعمال کرنے کے لئے اس کے حروف تہجی کا متعین کرنا ضروری تھا، اس بارہ میں صرف دو افسروں کو جو سندھی زبان جانتے تھے، رائے دینے کا حق تھا، ایک کیپٹن رچرڈ دوسرے کیپٹن اسٹیک، لیکن بدقسمتی سے اس بارہ میں ان دونوں کے خیالات ایک دوسرے کی ضد تھے، رچرڈ عربی حروف تہجی کی حمایت میں تھا، اور اسٹیک ہندی رسم الخط کے حق میں، جو پہلے سے سندھ کے تاجروں میں رائج تھا، اس زمانہ میں بھی فریر اس مسئلہ کے نسلی و قومی پہلو کی وجہ سے تذبذب میں پڑ گیا، اس کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ ہندو عربی رسم الخط سیکھنے کے لئے آمادہ نہ ہوں گے، اور مسلمان ہندی رسم الخط کے استعمال سے انکار کریں گے، لیکن ۱۸۵۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے کورٹ آف ڈائرکٹرز نے عربی حروف تہجی کے حق میں فیصلہ کر دیا، اس وقت سر فریر نے مسٹر ایلس کو جو اس وقت حیدر آباد کے کلکٹر تھے، ایک قسم کے حروف تہجی کے اختیار کا کام سپرد کیا، موجودہ سندھی حروف تہجی اسی کا نتیجہ ہیں، لیکن سندھی میں ۵۲ حروف تہجی ہیں اور اس کے مقابلہ میں عربی میں کل ۲۹ ہیں، اس لئے اصل سندھی کے لہجوں اور اس کی صوتی خصوصیات کو قائم رکھنے کے لئے اس کمی کو نقطوں کے ذریعہ پورا کیا گیا،

۳۔ اس نئے رسم الخط نے بڑی سرعت کے ساتھ ترقی کی اور اس کی وجہ سے سندھی صوبہ کی سرکاری زبان بن گئی، اور سرکاری دفاتر سے فارسی خارج ہو گئی، اس رسم الخط کے اجراء کے بعد اگر یہ نامناسب کوشش نہ کی گئی ہوتی کہ ہندوؤں کے استعمال کے لئے ہندی حروف تہجی بنائے جائیں تو اس رسم الخط کی فضیلت مسلم ہو جاتی، اس نئی اور غلط تحریک کے بانی ایک دکنی برہمن مسٹر ناراین جگناتھ واویا تھے، جن کو حکومت بمبئی نے سندھ کا ڈپٹی ایجوکیشنل انسپکٹر مقرر کیا تھا،

(۴) یہاں یہ بات بھی واضح کر دینا چاہئے کہ ۱۸۵۲ء تک پھر اس کے بعد ۱۸۵۵ء سے ۱۸۵۸ء تک سندھ میں کوئی مستقل ایجوکیشنل انسپکٹر مقرر نہیں کیا گیا تھا، بلکہ اس عہدہ کے فرائض بھی یورپین افسروں کے سپرد کردئے جاتے تھے، جو دوسری ذمہ داریوں اور کاموں کی مشغولیت کی وجہ سے تعلیمی پالیسی سے پوری دلچسپی نہ لے سکتے تھے، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مسٹر دادیا جو سندھ میں ۲۵ سال تک رہے اس سے ناجائز فائدہ اٹھا کر دیہاتی ہندو حروف تہجی کے بارہ میں پورے زور وشور کے ساتھ تجربات کرتے رہے اور انھوں نے انکو حروف علت کی مزید علامات کی مدد سے ترقی دے کر معیاری بنا دیا، اس کے بعد ۱۸۵۸ء میں ان نئے حروف کو اسکولوں میں رائج کرنے کے لئے حکومت بمبئی کو آمادہ کیا گیا، اور اسکے لئے اور بہت سی مراعات اور سہولتیں حاصل کی گئیں، اس کی تعلیم کے لئے خاص اسکول کھولے گئے، جو اساتذہ ٹریننگ حاصل کر رہے تھے انھیں مجبور کیا گیا کہ وہ اسے خود سیکھیں اور موجودہ عربی سندھی مدرسوں میں طلبہ کو سکھائیں، اسی کے ساتھ کل مدرسوں کو میونسپل رقبہ میں یکجا کرنے کا کام بھی جاری رہا، اور اس کے باوجود کہ اسکولوں کے اخراجات مشترکہ مالگذاری اور سیس سے چلتے تھے اس کوشش سے دس سال میں یعنی سنہ ۱۸۶۰ء سے ۱۸۷۰ء تک جبکہ زیر تعلیم مسلمان لڑکوں کی تعداد کل دونی ہوگئی تھی ہندو لڑکوں کی پانچ گنی ہوگئی،

(۵) لیکن مسٹر ہنتہ کی پرجوش حمایت اور سیس کی امدادی رقم کے باوجود ہندی سندھی حروف تہجی کو مقبول بنانے کی مہم ناکام ثابت ہوئی، اور سندھ کے اسسٹنٹ کلکٹر مسٹر دیارام گدمل کو جو خود سندھی کے عالم تھے اس رسم الخط کی منسوخی کی سفارش کرنا پڑی، انھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ تجارتی جماعتیں بھی اس نئے حروف تہجی سے بے تعلقی کا اظہار کرتی ہیں، اور بنیوں کے بچے اس کو صرف اس لئے سیکھتے ہیں کہ اسکول چھوڑنے کے ساتھ ہی اس کو بھلا دیں، اور اپنے پرانے شارٹ ہینڈ والے خط کو اختیار کرلیں، اس وقت اور جیسا کہ اب بھی ہے، ہندو دوکاندار اپنے حساب وکتاب کے لئے کچھ خفیہ علامات رکھتے تھے جس کو وہی سمجھ سکتے تھے، اور وہی اس کی تشریح کر سکتے تھے، ان کو کسی ایسے طرز تحریر سے کوئی دلچسپی نہ تھی جس کو ہر شخص سمجھ سکتا ہو، مسٹر گدمل کے ان خیالات کی تائید مسٹر گائیز کمشنر نے بھی کی اور سرکاری سرپرستی ختم ہو نے

کے بعد یہ رسم الخط آپ اپنی موت مرگیا،

(۶) لیکن اس نامبارک تجربہ کا یہ نتیجہ نکلا کہ بارِیک بین مسلمانوں میں ناراضی پیدا ہوگئی، انھوں نے دیکھا کہ فرقہ دارانہ پروپگنڈے کو تعلیمی جوش و خروش کا جامہ پہنا کر کس طرح بیرونی حکومت کو گمراہ کیا جاسکتا ہی،

اب اس قسم کی کوشش کہ عربی سندھی رسم الخط کے بجائے کوئی ہندی رسم الخط رائج کیا جائے، محض بے نتیجہ اور ناکامی کے مرادف ہے لیکن اب بھی سندھ میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو مسلم کلچر کی افضلیت کو لعنت تصور کرتے ہیں اور اپنی مایوس امیدوں کو تقویت دینا چاہتے ہیں، تقریبًا دس سال ہوئے مروجہ رسم الخط پر یہ نیا حملہ کیا گیا کہ اس میں کم سے کم نو زائد حروف ہیں جن کو خارج کر دینا چاہئے اور یہ کہ ابتدائی خالص سندھی ایسے الفاظ کی آمیزش سے جن کی بنیاد عربی اور فارسی پر ہے، مسخ ہوگئی ہے اس لئے ان مصلحین کے لئے جن کی یہ خواہش ہے کہ سندھی کو پھر اس کی ابتدائی خوبصورت شکل میں لے آیا جائے مناسب ہے کہ عربی و فارسی مادوں کے تمام الفاظ کو جن سے سندھی زبان مالا مال تھی نکال دیں اور ان کے صرفی قواعد اور جملوں کے آخری کلمہ میں بھی تبدیلی کیجائے جو اس قابل نفرت بنیاد کی یادگار ہیں اور زائد حروف کو بالکل نکال دیا جائے،

(۷) چونکہ آج بھی ایسے فرقہ پرست خواب دیکھنے والے موجود ہیں، اس لئے ان موانع کی طرف اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوا جو اس خواب کی تعبیر میں حائل ہیں، اب ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو اس نئی خوبصورت زبان سے واقف اور اس کے لئے آمادہ ہو کہ اپنی تمام کوششیں اس زبان کو سکھانے میں صرف کر دیگا،

تاریخ فقہ اسلامی

مصری عالم خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جس میں ہر دور کی فقہ اور فقہاء پر مکمل اور ایسا تبصرہ ہے، جس سے جدید فقہ کی ترتیب میں مدد مل سکتی ہے، حجم ۴۸۰ صفحے، قیمت ؎،

"منیجر"

خاتمہ مسئلہ سود و قمار وغیرہ

از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی

میں متلصص (یعنی مسلمان جاسوس جو بطور جاسوسی دار الحرب میں جائے) اس کے جواز عقد ربا"

کا قائل ہوں، حالانکہ اہل حرب اس سے بالفعل برسر جنگ نہیں ہوتے، مگر چونکہ ان سے نہ حکومت اسلام کا

معاہدہ ہے، نہ جاسوس نے معاہدۂ امن کیا ہے، اسلئے اس کے حق میں اہل حرب کے نفوس و اموال دونوں

غیر معصوم اور مباح ہیں، اور اس کے لئے اہل حرب کے وہ اموال بھی حلال ہیں جو عقد ربا سے حاصل

کرے" (معارف جولائی ۱۹۴۶ء صفحہ ۲)

ہمارے واجب الاحترام بزرگ مولانا ظفر احمد صاحب کا جب یہی فتویٰ ہے تو اب ان سے خاکسار کا

اختلاف ہی کیا رہ گیا، مسلمانان ہند نے موجودہ غیر اسلامی حکومت سے اگر معاہدہ بھی کیا ہے، تو ظاہر ہے کہ اسی

بات کا معاہدہ کیا ہے کہ جو قانون قیام امن و امان کے لئے وہ نافذ کرے گی، اس کی پابندی کریں گے، اور جو قانون

اس حکومت نے نافذ کیا ہے، اس میں چوری ڈاکہ فریب وغیرہ کے ذریعہ سے ملک کے کسی باشندے کے مال

کے لینے کو جیسے ناجائز ٹھہرایا گیا ہے، اسی طرح ربا اور اسی قسم کے بعض دوسرے عقود جو اسلامی نقطۂ نظر سے

عقود فاسدہ ہیں، ان کے ذریعہ سے لین دین کو نہ صرف جائز ہی قرار دیا گیا ہے، بلکہ ان فاسد ذرائع سے لوگوں کے

جو مطالبات ایک دوسرے پر عائد ہوتے ہیں، ان کی باضابطہ ادائگی کی وہ ذمہ دار ہے، اس کے حکام ان کی

ڈگریاں دیتے ہیں، سوال یہ ہے کہ حکومت قائمہ کے اس قانون کے بعد کسی حیثیت سے بھی یہ کہنا درست

ہو سکتا ہے کہ مسلمانانِ ہند نے قانون کے ان جائز ذرائع سے اس ملک کے باشندوں کے اموال کے

نہ لینے کا معاہدہ کیا ہے؟ پس غیر مسلم اقوام سے جو روپیہ ان ذرائع سے مسلمانوں کے قبضہ میں آئیگا، اس کے نہ لینے کی وجہ مسلمانوں کے لئے کیا ہو سکتی ہے؟ شریعت اسلامی ان اموال کو مسلمانوں کے لئے مباح کر چکی ہے، قانون بھی اس کے لینے کو جائز قرار دے رہا ہے، یعنی اس روپیہ کے لینے میں معاہدے کی خلاف ورزی بھی لازم نہیں آتی تو پھر مولانا کس بنیاد پر مسلمانوں کے لئے غیر مسلم اقوام سے حاصل کی ہوئی ان رقوم کے لینے اور اپنی ملک بنانے کو ناجائز ٹھہرا رہے ہیں،

شعر الہند، حصہ اول

جس میں قدماء کے دور سے لیکر دور جدید تک اردو شاعری کے تمام تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، قیمت ہے

شعر الہند، حصہ دوم

جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، قیمت ہے، مکمل سٹ ۔ ہے،

گل رعنا

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار اردو میں شعراء کا یہ مکمل تذکرہ ہے جس میں آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، قیمت ۔ ضخامت ۵۲۶ صفحے،

منیجر

استفسار و جواب

مفتاح الفلاح

"لفٹنٹ کرنل خواجہ عبدالرشید، آئی، ام، ای ہتینہ میرٹھ کا علمی ذوق اردو کے علمی رسائل کے ناظرین سے مخفی نہین، حال مین ایک قلمی کتاب سے متعلق اپنے مراسلہ مین جو معلومات انھون نے دی ہین، وہ بعینہا درج ذیل ہین، (عبدالماجد)

جناب لفٹنٹ کرنل خواجہ عبدالرشید صاحب، میرٹھ، } میری کتابون مین ایک قلمی نسخہ مفتاح الفلاح کا پڑا تھا کل مین انکی پڑتال کر رہا تھا کہ خیال گذرا کہ اس کے متعلق آپ کو لکھ کر اس کی اہمیت دریافت کی جائے، کتاب عربی مین ہے، اور مین بدقسمتی سے اس زبان سے نابلد ہون، اور فائدہ نہین اٹھا سکتا، مندرجۂ ذیل خصوصیات اس سے متعلق آپ کو ارسال کرتا ہون، امید کہ آپ اپنا قیمتی وقت صرف کر کے مجھے مطلع فرمائین گے"

تقطیع ۸×۶ کاغذ عمدہ مگر قدرے خستہ، مجلد، جلد چرمی، نہایت خوشخط لکھی ہوئی ہے، اور دو سنہری حاشیے موجود ہین، کتاب سالم اور مکمل ہے، اور جگہ جگہ حاشیے لکھے ہوئے ہین، جو کہ اصل کتاب کے متن سے بھی خوشخط ہین، اور غالباً مصنف کے ہاتھ ہی کے لکھے ہوئے ہین، کتاب ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل ہے، جلد خوبصورت ہے مگر سادہ، کتاب کے شروع مین فہرست ابواب درج ہے، اور مصنف کا نام بھی موجود ہے، اس کے بعد ایک مستقل مقدمہ ہے، کتاب کا آخری جملہ یہ ہے،

"واسکنہ بحبوبۃ جنانہ فرغت من تالیف بعون اللہ تعالیٰ فی

بلدة گنجه مع تراكم افواج الحوادث وتلاطم امواج العوائق وتوزع البال بالحل والترحال فى اوائل العشر الثالث من الشهر الثانى من السنة الخامسة من العشر الثانى بعد الالف وانا اقل الانام محمد المشتهر ببهاء الدين العاملى تجاوز الله عن سيآته والحمد لله اولاً وآخراً وظاهراً وباطناً رب العالمين" ۱۰۱۵ھ

کتاب ختم یون ہوتی ہے:-

"قد حصل الفراغ من القبال بعون الملك المتعال فى اواخر شهر رجب سنة الف ومائة وخمسين من الهجرة فى بلدة دار السلطنت لاهور حرسها الله تعالى من الفتنة ووقع توفيق المقابلة وحصل سعادتها مع نسخه قرأت عند الامام الرئيس اعنى المصنف رحمه الله الدينار والمثقال واحد"

در آخر مین بزبان فارسی مندرجۂ ذیل عبارت ہے،

" مہر سنت پانصد درہم شرعی است کہ بر سہ تومان ونیم است وزن مثقال شرعی یک محمدی نقرہ است"

گنجہ پنجاب مین ضلع گجرات کے قریب ایک قصبہ ہے، یہان سے قریب ہی ایک قدیم شاہراہ براستہ بھنبھر کشمیر کو جاتی ہے، اور یہی شاہان مغلیہ کا راستہ تھا، یہان کے گرد و نواح مین متعدد مدرسے موجود تھے، میرا خیال ہو کہ شاید اسی مقام سے یہ مقام بھی مناسبت رکھتا ہے،

مین نے یہ کتاب ۱۳۲۸ھ مین طہران مین خرید کی تھی، اس وقت محض اس کی خوشخطی مد نظر تھی جو کہ نہایت دلکش ہے۔

معارف: مصنف مفتاح الفلاح بہاء الدین عاملی، گیارہویں صدی ہجری کے مشہور اور جلیل القدر شیعی عالم ہیں، ان کا پورا نام محمد بن حسین بن عبدالصمد الملقب بہ بہاء الدین ہے، ۹۵۳ھ میں قزوین (ایران) میں اور بعض روایتوں کے مطابق بعلبک (شام) میں پیدا ہوئے، اور بچپن ہی میں اپنے والد کے ساتھ ایران میں منتقل ہو گئے، اور ان سے اور اس عہد کے دوسرے اکابر علماء علامہ عبداللہ یزدی وغیرہ سے تحصیل علم کی، اور جملہ فنون میں یگانۂ روزگار ہوئے، کامل تیس سال تک درویشانہ لباس میں دنیائے اسلام کی سیاحت کی، ان کا شہرۂ کمال سن کر شاہ عباس صفوی نے ان کو رئیس العلماء اور شیخ الاسلام کے منصب پر سرفراز کیا، وہ ان کو اتنا مانتا تھا، کہ سفر و حضر کسی حالت میں جدا نہ کرتا تھا، اور تمام مہمات امور میں ان سے مشورہ لیتا تھا، ۱۰۳۱ھ میں اصفہان میں وفات پائی، اور طوس میں دفن کئے گئے، مختلف فنون میں ان کی تصانیف ہیں، بعض کے نام یہ ہیں،

العروۃ الوثقی، صراط مستقیم، عین الحیاۃ، حبل المتین فی مزایا الفرقان المبین، اور مشرق الشمسین، تفسیر میں، شرح اربعین حدیث میں، جامع عباسی فارسی فقہ میں، مفتاح الفلاح، اور زبدۃ الاصول میں، تہذیب نحو میں، اسرار البلاغہ معانی و بیان میں، رسالہ ہلالیہ، خلاصۃ الحساب، تشریح الافلاک، رسالہ معرفۃ ریاضی و ہیئت میں، المخلاۃ، کشکول، ادب و محاضرات وغیرہ میں، وسیلۃ الفوز والامان، مدح صاحب الزمان میں، ان کے علاوہ کشاف، بیضاوی، خلاصۃ الرجال اور درایۃ الحدیث وغیرہ مختلف کتابوں پر حواشی لکھے، ان کے علاوہ اور بہت سے چھوٹے چھوٹے رسالے ہیں، ان میں سے اسرار البلاغہ، تشریح الافلاک، خلاصۃ الحساب، کشکول، المخلاۃ اور وسیلۃ الفوز چھپ چکی ہیں، مفتاح الفلاح اب تک قلمی اور نایاب ہے (خلاصۃ الاثر جلد ۳ ص ۴۴۰ تا ۴۵۵، اور روضات الجنات ص ۵۲۲ میں ان کے تفصیلی حالات ہیں)، مفتاح الفلاح کے خاتمہ کی مصنف کی عبارت کے بعد سنہ ۱۱۵۶ھ غلط ہے، ۱۰۳۱ھ میں مصنف کی وفات ہو چکی تھی، غالباً کسی ناواقف نے عربی عبارت کا مطلب غلط سمجھ کر بعد میں ۱۱۵۶ھ بڑھا دیا ہے،

حاشیہ کی دوسری کاتب یا ناقل کی عبارت معلوم ہوتا ہے، کہ مفتاح الفلاح کا یہ نسخہ اس نسخہ سے مقابلہ شدہ ہے جو خود مصنف سے پڑھا جا چکا تھا، اس لئے عام نسخوں کے مقابلہ میں یہ نسخہ ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے، لیکن اس کے حواشی جیسا کہ کاتب کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے، مصنف کے قلم کے نہیں ہیں،

گنجہ سے مراد گجرات کے قریب کا قصبہ نہیں، بلکہ ایران کا مشہور شہر یا نواح اصفہان و لرستان کا گنجہ مقصود ہے، (م)

جزئی فضیلت کا مفہوم و مقصد

منشی عبد الرحمان خان صاحب } مکرمی :۔
چلیک ملتان } السلام علیکم و رحمۃ اللہ

اقبالنامہ میں حضرت مرحوم (ڈاکٹر اقبال مرحوم) کے جو خطوط آپکے نام درج ہیں، ان کے مطالعہ سے طبیعت سیر نہ ہوئی، کیونکہ ایسے اہم تحقیقی خطوط کا بغیر جواب کے شائع کرنا قارئین کی پریشانی طبع کا سامان پیدا کرتا ہے، بہتر ہوتا کہ ان کے جواب حاشیہ میں ہی دیدئے جاتے، تاکہ پورا فائدہ اٹھایا جا سکتا،

میرے خیال میں ہندوستان میں تمام بزرگوں کے خطوط اسی نہج پر شائع ہو رہے ہیں، یا ہوتے ہیں، الحمد للہ کہ اس باب میں بھی شرف اولیت حضرت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب گرامی کو حاصل ہے، کہ تربیت السالک میں تمام اصلاحی خطوط مع حضرت والا کے جوابات کے شائع ہوئے، ایک عرصہ سے آپ کی بھی حضرت والا سے خط و کتابت رہی، بعض اور بزرگوں سے بھی حضرت کی خاص خط و کتابت تھی، کیا ہی اچھا ہوتا، کہ ان کے ایسے مکاتیب کا بھی ایک مجموعہ شائع کرنے کا انتظام ہو جاتا، اور ان سے بھی ہزاروں فیضیاب ہوتے، نہ معلوم آپ کی دماغ سوزی کا وہ تمام ذخیرہ اب علامہ اقبال کے پسماندگان کے

پاس محفوظ بھی ہے یا نہ، گو اس سلسلہ مین آپ سے کچھ عرض کرنا مناسب معلوم نہین ہوتا، مگر عرض کئے بغیر بھی نہین رہ سکتا، کہ ان خطوط کی اشاعت کا بھی ضرور کوئی انتظام ہونا چاہئے یہ تشنگان علم پر ایک احسان ہوگا،

دوسری عرض یہ ہے کہ اقبالنامہ کے ص ۱۸۹ پر آپ نے "جزوی فضیلت" پر جو نوٹ تحریر فرمایا ہے، اس سے کم از کم میری تشفی نہین ہوئی، بلکہ ایک خلش سی پیدا ہوتی ہے، اس لئے اگر کوئی امر مانع نہ ہو، تو از راہ کرم اس کی تشریح فرماکر ممنون فرمادین، کہ وہ ایسی کون سی جزوی فضیلت ہے، جو کسی اور کو حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر حاصل ہوسکتی ہے" امید ہے کہ اس مسئلہ مین آپ میری رہنمائی و تسلی فرمادین گے،

معارف:۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم کے نام میرے جوابی خطوط کی نقل میرے پاس نہین، اور نہ اب ان کے پس ماندون کے پاس میرے جوابات ہون گے، اور نہ اب مجھے پوری طرح یاد ہین، اس لئے اب ان کی تلافی کی کوئی صورت باقی نہین، اور نہ میری نگاہ مین اپنے جوابون کی وہ اہمیت ہے جو آپ نے ظاہر فرمائی ہے، اور پھر بزرگون کے پُر معرفت خطوط سے ان کو کیا مناسبت؟ البتہ آپ کو اگر ان مین کسی خط کا جواب مطلوب ہو تو مطلع فرمائین، کہ مین اپنی استطاعت کے مطابق اس کا جواب دوبارہ دیسکون اقبال نامہ اس وقت میرے پاس نہین، اس لئے پوری بات میرے سامنے نہین ہے، تاہم جہان تک آپ کے چند لفظون سے سمجھ سکا ہون جواب عرض کرتا ہون،

جزئی فضیلت کے معنی یہ ہین کہ مقام تفضیل مین کسی خاص ایسی بات مین کسی کو بڑائی دوسرے پر حاصل ہوجائے، جو دوسرے کو اجمالاً حاصل ہو، مثلاً حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام عربی زبان کے سوا کوئی دوسری زبان نہین جانتے تھے، اور آج زید عربی کے ساتھ دوسری متعدد زبانین جانتا ہے، تو یہ جزئی علمی فضیلت ہوئی، جو حضور علیہ السلام کے کمالات علمیہ کے لئے موجب نقص نہین، کیونکہ کسی زبان کے جاننے

کا جو حاصل ہے یعنی تفہیم وتذکیر و تبلیغ وہ آپ کو حاصل تھا، اسی طرح ہندوستان مین اسلام کی اشاعت کی جزئی فضیلت سلاطین اسلام کو حاصل ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین یہ واقعہ نہین ہوا، اس لئے یہ خاص فضیلت جزئی آپ کو حاصل نہین ہوئی، مگر چونکہ سلاطین اسلام کو یہ عملی فضیلت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبعیت مین بصورت اتباع اوامر جہاد حاصل ہوئی، اس لئے حضور کے کمالات علیہ مین اس سے کوئی نقص واقع نہین ہوا، بلکہ افراد امت کے یہ جزئی فضائل بھی اس کے نبی کے کمالات عظمیٰ کی طرف راجع ہوجاتے ہین، جس طرح سپاہیون اور ماتحت افسرون کے کارنامے ان سپہ سالارون اور بادشاہون کے کارنامے شمار ہوتے ہین، جو فوجکشی کرتے ہین، جنگ کے نقشے بناتے ہین، اور جن کی تدبیر سے دشمن پر کامیابی ہوتی ہے،

"س"

مطبوعاتِ جدیدہ

مقاصد قرآن، از جناب مولوی صبغۃ اللہ صاحب بختیاری تقطیع اوسط ضخامت ۸۶ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۲؍ پتہ مکتبہ نشاۃ ثانیہ چھلی کوڑہ حیدرآباد دکن،

مصنف کتاب عرصہ سے کلام مجید کی تعلیمات کی نشرو اشاعت کی خدمت انجام دے رہے ہیں، یہ رسالہ بھی ایک مفید خدمت ہے، اس میں انھوں نے عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق کے متعلق کلام مجید کی بنیادی تعلیمات، ایمان باللہ، حشرونشر، جزاء وسزا، عمل صالح، نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ کی آیات نقل کرکے ان کی مفصل تشریح کی ہے، اور ان کی حکمتیں اور مصلحتیں بیان کی ہیں جو ساری دنیا کی فلاح وسعادت کے لئے یکساں مفید ہیں، اس حیثیت سے یہ کتاب اپنے مقصد پر پوری طرح حاوی ہے، لیکن کتاب کے دیباچہ میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کا مقصد جدید مفسرین کی اس غلط فہمی اور غلط استنباط کی تردید ہے، جو ان کو سورۂ بقرہ و مائدہ کی بعض آیات سے پیدا ہوتی ہے کہ یہود و نصاریٰ و صابئین کی نجات وایمان کے لئے ایمان باللہ و بیوم الآخرۃ اور عمل صالح کافی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور کلام مجید پر ان کے لئے ایمان لانا ضروری نہیں ہے، لیکن کتاب کے مباحث سے اس کی تردید نہیں ہوتی، مخالف یہ کہہ سکتا ہے کہ مصنف نے کلام مجید کی جو آیتیں اور تعلیمات نقل کی ہیں ان کا تعلق مسلمانوں سے ہے، یہود و نصاریٰ اس کے مکلف نہیں ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ اور مائدہ کی آیات سے ظاہر ہوتا ہے، اس کا مصنف نے کوئی جواب نہیں دیا ہے اور مرکز بحث یہی نقطہ ہے، حالانکہ خود کلام مجید کی دوسری آیات سے اس کا جواب مل جاتا ہے، اولاً کلام مجید

کی بعض آیات مجمل ہیں، اور ان کی تشریح کسی دوسری آیۃ سے ہوتی ہے، چنانچہ سورۂ بقرہ اور مائدہ کی ان آیات کی وضاحت جنھیں مخالفین دلیل میں پیش کرتے ہیں آل عمران کی آیات سے ہوتی ہے مثلاً قل للذین اوتوا الکتاب و الامیین ء اسلمتم فان اسلموا فقد اھتدوا وان تولوا فانما علیک البلاغ واللہ بصیر بالعباد یا ان الدین عند اللہ الاسلام وما اختلف الذین اوتوا الکتب الا من بعد ما جاءھم العلم بغیا بینھم ومن یکفر بآیات اللہ فان اللہ سریع الحساب ۔ ان میں یہود و نصاریٰ وغیرہ سے اسلام کا مطالبہ کیا گیا ہے اور اس سے انکار کو ضلالت، نافرمانی اور کفر سے تعبیر کیا گیا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ ان کے لئے تنہا ایمان باللہ و یوم الآخرہ اور عمل صالح کافی نہیں ہے، معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ اس اسلام سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا اسلام نہیں بلکہ مطلق اسلام ہے، جس کی دعوت تمام انبیا علیہم السلام دیتے چلے آئے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ پہلی آیۃ میں اہل کتاب کے ساتھ امیین یعنی عربوں سے بھی خطاب ہے اس لئے اس سے مراد مطلق دین اسلام نہیں ہو سکتا، دوسرے اگر مطلق دین اسلام بھی مان لیا جائے تو سوال یہ ہے کہ اس دین پر بھی یہود و نصاریٰ میں سے کون قائم تھا، اس کو تو انھوں نے مسخ کر دیا تھا، دوسرے اسلام اور مطلق دین اسلام کی اساس گو ایک ہی ہے لیکن ہر زمانہ کے حالات و ضروریات اور انسانوں کی ذہنی ترقی کے ساتھ ساتھ اس دین میں تغیرات ہوتے رہے اور مختلف زمانوں میں اس کا نصاب بدلتا رہا، اور اس کا آخری اور مکمل نصاب قرآن مجید ہے، اور اس پر ایمان کے بغیر مطلق دین اسلام کی بھی تکمیل نہیں ہوتی، اس کی مثال یہ ہے کہ انسان کی عمر اور اس کی ذہنی صلاحیت و ترقی کے لحاظ سے خود مروجہ رسمی تعلیم کا نصاب اور اس کے مدارج مختلف ہیں، اور ہر دور کے لئے جو نصاب مقرر ہے وہ اس کے اعتبار سے تو کافی، لیکن آیندہ دور کے لئے ناکافی ہے اور آخری دور کے نصاب کی تکمیل کے بغیر کوئی شخص پورا تعلیم یافتہ نہیں کہلایا جا سکتا، یا مثلاً آج سے چند صدی پیشتر جو نصاب تھا وہ اس زمانہ کے لحاظ سے بالکل مناسب اور کافی تھا، لیکن موجودہ حالات و ضروریات کیلئے نہ صرف ناکافی بلکہ ناقص ہے، اور آج اس نصاب پر قائم رہنے والا تعلیم یافتہ نہ کہلائے گا، یہی حال اسلام

کا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جس دین اسلام کو بھیجا تھا وہ اپنے زمانہ کے لئے بالکل مکمل تھا، لیکن بعد کے انبیار حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ اور دوسرے انبیار علیہم السلام کے زمانہ میں وہ حسب ضرورت بدلتا رہا اور اس کی آخری اور تکمیلی شکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اسلام ہے، اس لئے اس پر ایمان کے بغیر مطلق اسلام پر بھی ایمان کامل نہیں ہوتا، اور یہود و نصاریٰ وغیرہ سب اس کے مکلف ہیں، اور اس پر ایمان کے بغیر ان کی نجات نہیں ہو سکتی،

رسالہ اخلاقیات، مؤلفہ ڈاکٹر میر ولی الدین استاذ جامعہ عثمانیہ تقطیع اوسط ضخامت ۱۲۳ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت تحریر نہیں، پتہ کتاب محل چار کمان حیدرآباد دکن،

تعلیم کے مقاصد میں سب سے بڑا مقصد انسانی اخلاق و سیرت کی تعمیر ہے، اس لئے اصولاً سب سے زیادہ توجہ اسی پر ہونی چاہئے لیکن موجودہ نظام تعلیم میں عملاً اس کی کوئی اہمیت نہیں، حیدرآباد کے شعبۂ تعلیم نے دوسری تعلیمی اصلاحات کی طرح اس اصلاح کی جانب بھی سبقت کی ہے، اور میٹرک کے نصاب کے لئے اخلاق پر یہ رسالہ مرتب کرایا ہے، اس کے فاضل مؤلف فلسفۂ مذہب و اخلاق کے عالم بھی ہیں اور اس پر عامل بھی، تعمیر اخلاق و سیرت ان کا خاص موضوع ہے، اس لئے اس کام کے لئے ان سے زیادہ موزوں انتخاب نہیں ہو سکتا تھا، جس پر رسالہ کے مباحث شاہد ہیں، اس میں انھوں نے ان تمام بنیادی اخلاق کو جو ایک متوازن اور اعلیٰ سیرت کی تعمیر اور انسان کو انسان بنانے کے لئے ضروری ہیں علمی طرز سے مرتب کیا ہے، اس میں حسب ذیل ابواب ہیں، صبر و استقلال، مصلحت بینی و دور اندیشی، اوقات فرصت کا صحیح استعمال، اعتدال و پرہیزگاری، عفت و پاکبازی، رواداری، عدالت، اصلاح معاشری، اخوت، پیشے کا انتخاب، ان تمام ابواب کے تحت میں بہت سے تفصیلی و ذیلی مباحث ہیں، یہ وہ اصولی اخلاق ہیں جو بلا اختلاف تمام مذاہب اور قوموں میں مشترک ہیں، اس لئے یہ کتاب ہر مذہب و ملت کے طلبہ کے لئے یکساں مفید اور اس لائق ہے کہ ہندوستان کی تمام درسگاہوں کے نصاب میں اسکو داخل کیا جائے،

سماج کا ارتقا، مولفہ جناب حکیم اللہ صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۲۸۶ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد للعہ، پتہ سنگم پبلشرز لمیٹڈ لاہور،

ڈاروِن کے نظریہ کے مطابق ارتقا کا عمل دنیا کی ہر چیز میں جاری ہے، چنانچہ انسانی معاشرہ بھی مختلف طبعی وجغرافی اور سیاسی ومعاشی عوامل کے ماتحت مختلف قالب بدلتے اور ترقی کرتے ہوئے موجودہ منزل تک پہنچا ہے، اس کتاب میں اس معاشری ارتقار کی سرگذشت بیان کی گئی ہے، اور انسان کے دورِ وحشت وبربریت کے زمانہ سے لیکر موجودہ عہد تک ہر دور کے عمرانی وتمدنی ومعاشی وسیاسی نظاموں اور مختلف عوامل کے ماتحت ان کے تغیرات اور عہد بعہد کی ترقیوں کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے جس سے انسانی معاشرہ کے تمام مدارج اور اس کے ارتقار کی پوری سرگذشت سامنے آجاتی ہے، لیکن یہ کتاب جدید فنی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے اور اس حیثیت سے مفید معلومات پر مشتمل ہے اگر مذہبی نقطہ نظر سے اس کے تمام بیانات سے اتفاق ضروری نہیں ہے،

معین الفرائض از جناب مفتی محمود حسن صاحب مدرس اول جامع حسینیہ راندیر (سورت) تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۲۳ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۸ر، پتے، مذکورہ پتہ پر مصنف اور مینجر کتب خانہ تعلیمی نور گنج، دہلی سے ملے گی،

علم الفرائض یعنی تقسیم وراثت ایسا فن ہے جس کی ضرورت صرف علمار اور عربی خوانوں تک محدود نہیں بلکہ وکلار، عدالتوں، یونیورسٹی کے قانون کے طلبہ کو بھی اس کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے مصنف نے فرائض کے تمام ضروری مسائل کو اس کتاب میں اردو میں مرتب کر دیا ہے، انداز بیان اتنا سلجھا ہوا ہے کہ ہر پڑھا لکھا شخص آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے، مسائل میں اختصار کے ساتھ پوری جامعیت ہے اور اس سے ہر طبقہ کے ضرورت مند اشخاص فائدہ اٹھا سکتے ہیں،

حدیث نبوی کے اولین صحیفے، از مولانا عبد السلام صاحب قدوائی ندوی، تقطیع چھوٹی۔

ضخامت ۳۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت تحریر نہیں، پتہ ادارۂ تعلیمات اسلام نمبر ۳ امین آباد پارک لکھنؤ،

منکرین حدیث کی جانب سے حدیثوں کی بے اعتباری کے ثبوت میں جو غلط فہمیاں پھیلائی جاتی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ موجودہ کتب حدیث عہد رسالت کے بہت بعد میں مرتب ہوئیں، اس لئے لائق اعتماد نہیں، اور چونکہ عام لوگوں کی نظر حدیث کی تاریخ پر نہیں ہے، اس لیے ان کو اس کے یقین کرنے میں تامل نہیں ہوتا، یہ بلاشبہہ صحیح ہے کہ حدیث کی موجودہ کتابوں کی تدوین کا آغاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ڈیڑھ دو صدی بعد سے ہوا، لیکن حدیثوں کی کتابت عہد نبوی ہی سے شروع ہو گئی تھی، اور بہت سے صحابہ حدیثیں قلمبند کرتے تھے، پھر ان کے تلامذہ نے بھی اس کو جاری رکھا، اور اسی زمانہ میں حدیثوں کے بہت سے مجموعے مرتب ہو گئے تھے، جو اگرچہ دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ گئے، لیکن حدیث و رجال کی کتابوں میں انکا ذکر موجود ہے، اور انکی حدیثیں موجودہ کتب حدیث میں شامل ہو گئیں، لائق مؤلف نے اس رسالہ میں ایسے اٹھارہ حفاظ حدیث صحابہ کے مجموعہ احادیث کا ذکر کیا ہے جو خود حدیثیں قلمبند کرتے تھے یا ان کے تلامذہ نے ان کے علم و اجازت سے ان کی مرویات تحریر کیں، ان صحابہ کی مرویات کی تعداد بھی مصنف نے لکھدی ہے، جس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ہزاروں حدیثیں عہد نبوی اور عہد صحابہ میں قلمبند ہو گئی تھیں، یہ رسالہ گو مختصر ہے، مگر بہت مفید ہے،

مختصر سیر الصحابہ، شائع کردہ ادارۂ تعلیمات اسلام، قیمت ۱۲/ر مذکورہ بالا پتہ سے ملے گی،

ادارۂ تعلیمات اسلام جو عرصہ سے قرآن مجید کے درس و تعلیم کی مفید خدمت انجام دے رہا ہے، اب اس نے بچوں کیلئے مختصر سیر الصحابہ کی تالیف و اشاعت کا سلسلہ شروع کیا، اور فی الحال حضرت بلالؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ رضوان اللہ علیہم کے سبق آموز حالات آسان زبان میں شایع کئے ہیں، ان کے مؤلف علی الترتیب مولانا عبد السلام صاحب قدوائی ندوی، احتشام علی صاحب رحیم آبادی، و مولوی منیر الحق بحر آبادی ہیں، یہ سب کتابیں بچوں کے پڑھانے کے قابل ہیں، ان سے ان کو مذہبی و اخلاقی سبق بھی حاصل ہوتا ہے اور تاریخ اسلام سے بھی واقفیت ہو جاتی ہے، "م"

جلد ۵۸ ماہ محرم الحرام سنہ ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ دسمبر سنہ ۱۹۴۶ء عدد ۶

مضامین

مقالات

استفسار و جواب

ضروری تصحیح ص ۴۷۴ سطر اٹھارہ میں سنہ ۱۱۵۵ھ غلط ہے، کے بعد یہ عبارت چھوٹ گئی ہے، اصل عربی عبارت میں صفر سنہ ۱۱۵۵ھ ہے اور یہی صحیح ہے

شذرات

ناظرینِ معارف کو نہایت رنج واندوہ کے ساتھ یہ اطلاع دیجاتی ہے کہ ہمارے ایک دیرینہ رفیق کار اور دار المصنفین کے پُرانے اور اہم کارکن منشی محمد اویس صاحب وارثی بتیس سال کی رفاقت کے بعد ہم سے جدا ہوگئے، مرحوم نے ۱۰ ذی الحجہ کو ایک مختصر علالت کے بعد انتقال کیا، وہ دار المصنفین کے قیام کے آغاز سے اس سے وابستہ تھے، اور آخر دم تک بڑی جانفشانی، اخلاص، خیر خواہی اور دیانتداری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہے، اور ہمیشہ اس کو اپنا ذاتی کام سمجھ کر انجام دیا، مکتبہ دار المصنفین کی ترقی مین اُن کی محنت کو بڑا دخل تھا، اس کے تجارتی کاروبار مین اُن کی ذات بڑا سہارا تھی، اور دفتری کامون کا دار و مدار انھی پر تھا، اب اُن کا جانشین ملنا مشکل ہے، ان خوبیون کے ساتھ مرحوم شرافت اور وضعداری کا نمونہ تھے، نہایت خوش خلق، شریف الطبع، حق گو، حق پرست، مرنجا مرنج، اعزہ کے مددگار، احباب کے ہمدرد و غم گسار، اُن کا برتاؤ ایسا تھا، کہ ہر شخص اُن کو اپنا سمجھتا تھا، سب کے دل مین اُن کی یکسان عزت و وقعت تھی، بتیس سالہ زندگی مین کسی کو اُن سے کوئی شکایت پیدا نہین ہوئی، وہ دنیاوی معیار سے کوئی اونچی شخصیت کے مالک نہ تھے، نہ صاحب جاہ و ثروت تھے، نہ کوئی علمی حیثیت رکھتے تھے، لیکن اگر بڑائی نام ہے اخلاق و شرافت اور سیرت و کردار کی بلندی کا تو مرحوم بہت بڑے آدمی تھے اللّٰھمّ اغفرلہٗ مغفرۃً واسعۃً ناظرینِ معارف سے بھی مرحوم کے لئے دعاے مغفرت کی درخواست ہے،



راقم الحروف نومبر کے پہلے ہفتہ مین ایک لمبے سفر مین جانے والا تھا، ادھر سے بقرعید کی تعطیل ہو رہی تھی، اس لئے اس سے پہلے معارف کا کام ختم کر دینا ضروری تھا، گو بہار کا فساد اس وقت شروع ہو چکا تھا لیکن اُس نے ایسی سنگین شکل اختیار نہ کی تھی، اس لئے اُس وقت کے حالات کے مطابق شذرات مین خیالات ظاہر کئے گئے تھے لیکن بہار اور گڑھ مکتیسر کے واقعات نے ایک نئی صورت حال پیدا کر دی ہے، جو اس سے پہلے خیال مین بھی نہ آسکتی تھی، ان دونون مقامون مین مسلمانون پر جو سفاکانہ مظالم ہوئے، اور ضعیف و ناتوان بڈھون

مجبور و بیکس عورتوں اور شیرخواروں کا جس بے دردی سے قتل عام کیا گیا اور مسلمانوں کی بستیاں جس طرح خاک میں ملائی گئیں، اس کی مثال وحشی درندوں کے سوا انسانوں میں نہیں مل سکتی، اور یہ قتل و غارتگری جس تیاری وسعت اور تنظیم کے ساتھ ہوئی، اس کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، کہ بہار کے مسلمانوں کو بالکل پست و پامال کرکے بزور ان سے اپنی قوت کا لوہا منوایا جائے، اور معتبر اور مستند اطلاعات کی بنا پر یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس قتل عام میں بہار کی نیشنلسٹ جماعت اور کانگریس کے مقامی لیڈروں کا بھی ہاتھ شامل تھا، حکام نے بھی غفلت سے کام لیا، حکومت کے نشۂ اقتدار کے سوا اس کی کیا توجیہ کی جا سکتی ہے، اگر آزاد قومی حکومت کا نمونہ یہی ہے، تو اس سے مسلمانوں کی بدگمانی کیا بیجا ہے،

کانگریس کی آئینی و دستوری حیثیت سے بحث نہیں، لیکن چند مستثنیٰ افراد کو چھوڑ کر اس پر جس قسم کی ذہنیت کی جماعت کا غلبہ ہے، اس کا اندازہ ان اشتعال انگیز تقریروں سے ہو سکتا ہے، جو کانگریس پلیٹ فارم سے مسلمانوں کے خلاف ہوئیں، اور جن میں علانیہ ہندوؤں کو ان کے خلاف اُبھارا گیا، بہار کے واقعات نے اس ذہنیت کو اور زیادہ بے نقاب کر دیا ہے، اس پر طرّہ یہ ہے کہ اس کے بجائے کہ کم از کم کانگریسی لیڈروں کی جانب سے ان وحشیانہ واقعات پر متفقہ ملامت اور اس سے اظہار بیزاری کیا جاتا، الٹے ان کی اہمیت کو گھٹانے اور اُن کی پردہ پوشی کی کوشش کی جا رہی ہے، اس کے بعد کانگریس کا مشترکہ نمایندگی کا دعویٰ کہاں تک صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے،

اگر کانگریسی لیڈروں کی یہی ذہنیت قائم رہی، اور کانگریس نے اپنی ذمہ داری کا احساس اور آیندہ کے لئے اس قسم کے واقعات کا پورا انسداد نہ کیا تو اس کا لازمی نتیجہ، اس کا خاتمہ، انگریزوں کی دائمی غلامی یا قیام پاکستان ہے، اس لئے کہ مسلمانوں سے اتحاد اور اُن کی مدد کے بغیر آزادی کا تصور ایک خیال خام ہے، اور اگر لیگ کے مجوزہ پاکستان کی مخالفت بھی کی جائے تو بھی ان حالات میں جہاں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، اور اپنی حفاظت نہیں کر سکتے، وہاں سے وہ دوسرے مقاموں پر منتقل ہونے کے لئے مجبور ہونگے جیسا کہ بہار میں شروع ہو گیا ہے، اس طرح ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پاکستان قائم ہو جائیں گے،

بہار کے واقعات ایسے دردناک ہیں، کہ ان سے ان نیشنلسٹ مسلمانوں کے دلوں پر بھی چوٹ لگی جو

صرف وطن کے بت اور آزادی کی دیوی کے پجاری نہیں ہیں، بلکہ اپنی قوم کا بھی درد رکھتے ہیں، اور اس کی عزت و وقار کے لئے وہ آزادی کے طلبگار ہیں، چنانچہ بعض نے علانیہ اور بعض نے بلیغ پیرایہ میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا اور کانگریسی لیڈروں کو دلوں کی کھوٹ اور ان کے اصلی منصب کی جانب توجہ دلائی،

کاش بہار کے واقعات سے مسلمان یہ سبق حاصل کرتے کہ وہ اپنی اندرونی تنظیم اور قوت مدافعت پیدا کئے بغیر باعزت زندگی بسر نہیں کر سکتے، ورنہ سیاسی حقوق تو الگ رہے ان کا جینا بھی دشوار ہو جائے گا، بے جان جسم تاج شاہی بھی نہیں سنبھال سکتا، اس وقت ضرورت اس کی ہے کہ تمام اسلامی جماعتیں سیاسی اختلافات سے قطع نظر کر کے مسلمانوں کی تنظیم کے مسئلہ میں متحد ہو کر عملی کام شروع کر دیں، سب سے بڑی جماعت مسلم لیگ ہے اس لئے اس پر یہ فرض سب سے زیادہ عائد ہوتا ہے ورنہ محض سیاسی رزم آرائی اور تیغ زبان کی تابانی مسلمانوں کو نہیں بچا سکتی جب تک بازوؤں میں حفاظت کی قوت نہ ہو،

جامعہ ملیہ کی جوبلی میں مہینوں سے شرکت کا مصمم ارادہ تھا، اور سفر کی پوری تیاری ہو چکی تھی، کہ عین موقع پر ایسے موانع پیش آ گئے، کہ رخت سفر باندھ کر کھول دینا پڑا، جوبلی ایسے ناموافق حالات میں ہوئی جب ہندوستان کے مختلف حصوں میں فتنہ و فساد کی آگ مشتعل تھی، اور لوگوں کا اپنی جگہوں سے ہلنا مشکل تھا لیکن اخبارات کی اطلاعات اور جوبلی میں شرکت ہونے والے احباب کی زبانی معلوم ہوا کہ ان موانع کے باوجود جوبلی ہر حیثیت سے کامیاب رہی، اس کے اجتماع میں بہت کم فرق آیا، اور ہندوستان کے اکثر اکابر اور مختلف طبقوں اور جماعتوں، اور ہر مسلک و خیال کے اشخاص نے جوبلی میں شرکت کی، اور جامعہ نے متضاد عناصر کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا، جو اس کی مقبولیت کی دلیل ہے، ہم محترم شیخ الجامعہ اور کارکنان جامعہ کی خدمت میں اس کامیابی پر مبارکباد پیش کرتے ہیں،

جامعہ مسلمان نوجوان کا پہلا سنجیدہ اور ٹھوس کارنامہ ہے، اس کی کامیابی کا راز اس کے کارکنوں کا اخلاص، اشتراک عمل، اور ان سب سے بڑھکر شیخ الجامعہ کی شخصیت جامعہ ہے جن کی کوشش سے جامعہ کا نظام شمسی قائم ہے، جامعہ اپنی عمر کی کٹھن منزلیں طے کر چکی، اب اس کے سکون اور اطمینان کا دور ہو لیکن یہی سب سے زیادہ نازک ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ان خطرات سے محفوظ رکھے اور جامعہ ملیہ کو ملک و قوم کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید اور ان میں مقبول بنائے،

مقالات

خطبۂ اسناد طبیہ اسکول پٹنہ ۱۹۴۴ء

ھُوَ الشَّافی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دو تین برس ہوئے کہ طبیہ اسکول پٹنہ نے مجھے اپنے جلسۂ تقسیم اسناد کا خطیب منتخب کیا تھا، مگر افسوس کہ میں اپنی علالت کے سبب سے شریک جلسہ نہ ہو سکا آیندہ سال پھر یہ موقع آیا اور پھر میں نہ جا سکا اور یہ خطبہ یوں ہی پڑا رہا، اب چونکہ میرے حالات کے لحاظ سے آیندہ اور بھی وقت ان کاموں کے لئے نہ مل سکے گا، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دفینہ کو وقف عام کر دیا جائے،

"سید سلیمان ندوی"

طبّ سے میرا خاندانی تعلق | حضرات! آپ نے دعوت دی میں نے قبول کی، اس آسانی قبول کی وجہ ایک تو وطن کا رشتہ تھا، دوسرا یہ خیال کہ شاید اس ذریعہ سے کچھ مفید باتیں کانوں میں پہنچ جائیں تاہم اس مناسبت کے وجوہ پر غور کرتا رہا کہ طبیبوں کے بھرے مجمع میں ایک غیر طبیب کو دعوت کیوں دی گئی، آپ کے سابق خطیب اسناد ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی طرح تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ ڈاکٹر کی شہرت نے طبیبوں میں شامل کر دیا، کیونکہ مجھے "ڈاکٹر" بنے ابھی ایک ہی سال ہوا ہے، اور اس نے نام کے جزر کی حیثیت حاصل

نہیں کی ہے، تاہم اس دعوت میں ایک ایسی مناسبت ہے جس کا استحقاق گو ذاتی طور سے مجھے حاصل نہیں، لیکن موروثی استحقاق حاصل ہے، یعنی میرا تعلق اس صوبہ کے اس خاندان سے ہے جس نے ایک صدی سے زیادہ اس فن شریف کی خدمت کی ہے، میری نانہال میں غالباً اخیر شاہی زمانہ سے یہ فن باقی ہے، اور میرے دادیہال میں ۱۲۵۰ھ سے جو میرے جد امجد کی تحصیل طب کا زمانہ ہے ۱۳۴۶ھ تک جو میرے بڑے بھائی مرحوم کی وفات کا زمانہ ہے سو برس تک اس فن کی خدمت ہوئی، میرے والد ماجد کے ماموں نے غدر سے پہلے دہلی و آگرہ کے اطبا سے تحصیل کی اور نواب امیر علی خاں باڑھ کے توسط سے واجد علی شاہ کے ساتھ کچھ دن گذارے اور پھر بہار میں بیٹھ کر آج سے سو برس پہلے مطب کیا، اور فقیرانہ صورت میں امرا و روسا میں قبولیت حاصل کی، میرے نانا مرحوم نے غالباً فیض آباد جا کر طب پڑھی، دادا مرحوم نے طب کی تعلیم اسی عظیم آباد پٹنہ میں قاضی القضاۃ قاضی محمد [illegible] خاں کے یہاں رہ کر حکیم خواجہ عبید اللہ شاہجہان آبادی اور حکیم اسلم مرحوم عظیم آبادی سے ۱۲۴۷ھ سے ۱۲۵۰ھ تک حاصل کی اور پہلے بہار میں شاہ اظہر حسین صاحب کے مکان پر ۱۲۵۲ھ میں مطب کھولا اور پھر شیخپورہ جا کر ۱۲۵۸ھ میں نوابان حسین آباد و روسائے شیخپورہ کے اصرار سے مطب قائم کیا، اور جہاں انھوں نے ۱۳۰۳ھ تک جو انکی وفات کی تاریخ ہے ان اطراف میں فن طب میں وہ ناموری حاصل کی کہ اب تک اس دیار میں اُن کا نام روشن ہے، "کیا ہوا ثانی بقراط و ارسطاطالیس" ان کی تاریخ وفات ہے، جو نواب محمد علی خاں صاحب حسین آباد کی یادگار ہے،

والد مرحوم نے طب کا آغاز اپنے والد ماجد سے ۱۲۷۶ھ میں کیا اور کامل ہو کر روسائے اسلام پور و نہر کی قدر دانی سے ۱۳۳۴ھ تک اس فن کی خدمت میں مصروف رہے، بڑے بھائی صاحب نے اسی پٹنہ میں حکیم نصیر الحق صاحب سے طب پڑھی اور مرتے دم تک یعنی ۱۳۴۶ھ تک اسی کام میں لگے رہے، میرے چچیرے چچا حکیم لیاقت حسین صاحب مرحوم حکیم ابراہیم صاحب جھوائی ٹولہ لکھنؤ کے شاگرد تھے، جو موجودہ حکیم عبد المعید صاحب لکھنوی کے دادا تھے،

میرے دادا کے نانا حکیم سید خادم حسین صاحب بھی نامور طبیب تھے، دادا صاحب لکھتے ہیں،

جد امجد طبیبِ حاذق بود میر خادم حسین فائق بود

بے شک و شبہہ آں طبیبِ زمن عالمِ طب و ماہرِ ہر فن

ان کے صاحبزادے حکیم کاظم حسین بھی طبیب تھے، اور واجد علی شاہ کے مٹیا برج میں جا کر اکتسابِ فیض کیا تھا، میرے بڑے پھوپھا حکیم نور الحسن نے پٹنہ میں تحصیل کی اور استھاواں میں پچاس ساٹھ برس تک مطب گرم رکھا، اور ایسی حذاقت دکھائی کہ ان اطراف کے لوگ آج بھی شاہد ہیں، ان بزرگوں کے قلمی اور مطبوعہ متروکات اور سفینے اب تک موجود ہیں، وران کی اس امانت کی حفاظت کی سعادت اس ناچیز کو حاصل ہے، یہ تفصیل اس موقع پر گو بے محل ہو، لیکن اس لئے کی گئی تاکہ ایک نااہل کی ذاتی نااہلیت پر بزرگوں کی اہلیت سے پردہ پڑ جائے،

گرچہ خردیم نسبتے ہست بزرگ

ایک گاؤں سے صوبہ کا قیاس | اس ذکر کا دوسرا سبب یہ ہے کہ جب بہار کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں طبی چہل پہل اور رونق کا یہ عالم تھا تو پورے صوبہ نے اس کی جو خدمت کی ہوگی اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے،

طب کا آغاز | طِبٌّ عربی زبان کا لفظ ہے، اس کے اصلی معنی جھاڑ پھونک اور سحر و جادو کے ہیں، عربی شاعر کہتا ہے، ولانا مطبوبٌ بمکحولتی عینہا، یعنی میں محبوب کی سرگیں آنکھوں کے جادو میں نہیں مبتلا ہوں، گویا مطبوب مسحور کے معنی میں ہے، یہ لفظ بتاتا ہے کہ اس فن کا آغاز ابتدائی قوموں میں جھاڑ پھونک ٹوٹکے اور جادو منتر سے ہوا، آخر زمانہ کی رفتار کے ساتھ تجارب اور قیاسات نے اوہام و تخیلات کی جگہ لے لی، یہاں تک کہ آج یہ سرتاپا تجربیات اور دلائل عقلی و طبعی پر مبنی ہے، عربوں میں بھی یہ فن اسی طرح شروع ہوا اور بڑھا، عرب کا پہلا تجربی طبیب حارث بن کلدہ سمجھا جاتا ہے جو اسلام کے آغاز میں تھا، اسلام نے اپنے ظہور کے ساتھ طبِ روحانی کے ساتھ طبِ جسمانی کا مطب بھی قائم کر دیا، محدثین نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں جو کچھ پایا اس کو طبِ نبوی کے نام سے الگ جمع کر دیا ہے

چنانچہ ساتویں صدی میں حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں اس کا ایک مستقل طویل باب باندھا ہے،

طبی تراجم | مسلمانوں میں غیر قوموں کے طبی تجربوں سے استفادہ کا آغاز دولت بنو امیہ کے آغاز سے ہوا، جس کا دار الحکومت دمشق تھا، اور جہاں یہودی و عیسائی طبیب موجود تھے، جو یونانیوں کے خوشہ چین تھے، سب سے پہلے حکیم ابن آثال نے امیر معاویہؓ کے زمانہ میں یونانی طبی کتابوں کا ترجمہ عربی میں کیا، مروان کے زمانہ میں ماسرجویہ یہودی نے یونانی طبیب اہرن کے کناش و سفینہ کا ترجمہ عربی میں کیا اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے پہلی صدی کے خاتمہ پر اس سفینہ کو پبلک کے فائدہ کیلئے عام کیا، سب سے پہلا شفاخانہ عبد الملک نے اپنے زمانہ میں قائم کیا، عباسی خلفاء نے اپنے دور میں اس فن کی ترقی کا شاندار دور پیدا کیا، ایک طرف ہندوستان کے ویداور دوسری طرف یہودی و عیسائی اطبا کو جو سریانی و یونانی زبانوں کے ماہر تھے یکجا کیا اور تیسری طرف جندیسا پور کے ایرانی طبیبوں کو بغداد آنے کی دعوت دی،

طب اسلامی یونانی نہیں | اسی ایک واقعہ سے سمجھا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے علم طب کو یونانی کہنا کہاں تک زیبا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے آج یورپین طب کو اس لئے عربی کہا جائے کہ عربی زبان اور عربی طبیبوں کی کتابوں پر اس کی بنا ڈالی گئی تھی، اور سلرنو کا شہر اس کا پہلا مقام تھا، اس نظریہ پر ایک اور حیثیت سے نظر ڈالئے، ہماری طب میں جو دوائیں زیر استعمال ہیں ان کے زاد و بوم کی تحقیق یہ ظاہر کر دے گی کہ اس طب کو دنیا بھر کے تجربہ گاہوں سے یکساں تعلق رہا ہے، عرب اگر اس کا مولد، شام اس کا منشاء، عراق اس کا گہوارہ، مصر اس کا بازیگاہ، اور اسپین اس کا مرغزار رہا، تو دوسری طرف ترکستان اس کی سیر گاہ ایران اس کا تجربہ گاہ اور ہندوستان کی سرزمین اس کا دار الشباب ہے، اس طرح اسپین سے لیکر ہندوستان تک تمام طبی تجربے اس اسلامی طب کے اجزا و عناصر ہیں، قسط ہندی، عود ہندی، سانوج ہندی، سناء کی مصطگی رومی، آلوئے بخارا، جو آنن خراسانی، ثعلب مصری، نمک لاہوری، تمغاث مصری، ریوند چینی، دار چینی صبر سقوطری، عشبہ مغربی، زہرہرہ خطائی، زیرہ کرمانی، گل مدنی، گل ملتانی،

گل داغستانی، بورہ آرمنی، افسنتین رومی، عقیق یمنی، گلنار فارسی، تربد اکبرآبادی، اسگند ناگوری، صمغ عربی، شیرخشت ولایتی، انار قندھاری، یہ نام سرسری زبان پر آگئے ہیں، ہمارے اطبا اس قسم کے اور بیسیوں نام بتا سکتے ہیں، لغات طب جیسے جامع ابن بیطار، تحفۃ المومنین، مجمع الجوامع اور مخزن الادویہ وغیرہ کا جائزہ لیا جائے تو بڑی فہرست تیار ہو سکتی ہے، جس کا دائرہ اسپین سے لے کر چین تک کی سرزمینوں کو محیط ہوگا۔

عجم میں طب | چھٹی صدی میں رشید الدین فضل اللہ سلطان غازان خاں کا حکیم اور وزیر تھا، اس نے تبریز اور ایران کے اور بعض شہروں میں شفاخانے قائم کئے تھے، جہاں کے استعمال کے لئے دنیا کے مختلف حصوں سے دوائیں منگوائی جاتی تھیں، پروفیسر براؤن آنجہانی نے ۱۹۲۱ء میں طب عربی پر چند لکچر انگریزی میں دیئے تھے جو چھپ چکے ہیں، اس کتاب میں رشید کے خطوط کے ایک قلمی نسخہ کا حوالہ دیا گیا ہے اور اس کے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں دواؤں کا یہ اہتمام تھا کہ امرا اور وزرا کی طرف سے وکلا اور ایجنٹ دنیا کے مختلف حصوں میں اس غرض سے پھیلے تھے کہ دوائیں اور ضرورت کی دوسری چیزیں ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجتے رہیں، ان مختلف ملکوں میں سے ایک نام ہندوستان کا بھی ہے جہاں دواؤں کی بہم رسانی کے لئے ایک ایجنٹ موجود تھا، دوسری صدی ہجری میں جب برامکہ بغداد کے وزیر تھے اُن کے ایجنٹ ہندوستان، کشمیر اور کاروندل تک دواؤں کی تلاش میں آتے تھے، اس کا ذکر ابن ندیم نے کیا ہے،

دنیائے اسلام میں طب | طب عربی یا طب اسلامی کی شاندار تاریخ کے مطالعہ کا اگر شوق ہو تو ابن ابی اصیبعہ کی طبقات الاطبار کی چار جلدیں ملاحظہ کی جائیں، جو صرف ساتویں صدی تک کے اطبار کے حالات میں ہے، اس کتاب کی تقسیم ملکوں پر ہے، ان چاروں جلدوں میں حسب ذیل ملکوں کے طبیبوں کے حالات اور تذکرے ہیں، یونان، عرب، مصر، شام، عراق، ایران، ترکستان، خراسان، ہندوستان، اسپین، مراکش، تونس، قدیم روم،

ہندوستان میں طب | اہل نظر کو معلوم ہے کہ ایران اور ہندوستان میں اس طب کے فروغ کا زمانہ اس کے بعد آتا ہے جن کے نام سے یہ کتاب خالی ہے، ضرورت تھی کہ اس کا تکملہ لکھا جاتا، خصوصاً آج جب کہ ہندوستان کے سوا ہر ملک سے یہ طب رخصت ہو چکی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان نے بھی اپنے زمانہ میں اس طب کی بڑی خدمت کی ہے، یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان میں یہ فن ایران اور ترکستان سے آیا اور اس نے یہاں آکر سلاطین و امرا کے زیر سایہ بڑی ترقی کی یہاں بڑے بڑے شفاخانے اور دواخانے قائم ہوئے اور تجربہ کار محقق طبیبوں نے اپنی حذاقتوں سے اس کو چار چاند لگائے، تیموریوں سے پہلے فیروز شاہ کے عہد کا ایک ٹکڑا آپ کو سناتا ہوں سراج عفیف لکھتا ہے

"چوں سلطان فیروز شاہ بچندیں تید مؤکلاں کہ آستانہ شفاخانہ و صحت خانہ برائے عامۂ مریضاں بنا فرمودہ و اطبائے حاذق و حکمائے صادق و حذمائے مصدق و جراحان و کحالان دراں مقام متعین گردانیدہ و ادویہ و اطعمہ و اشربہ برائے مریضاں از خزانہ مقرر کردہ باب کرم عام بشفقت تمام بر خلائق خاص و عام کشادہ"

شاہان ہندوستان کے دربار میں وید | تیموریوں سے پہلے مسلمان طبیب اور ہندو وید برابر بادشاہی درباروں میں کام کرتے تھے، جن میں سے بعض بعض کے نام تاریخوں میں مذکور ہیں، سب سے پہلا برہمن جس کو ترک شاہانِ دہلی کے یہاں اعتبار ہوا وہ بھی وید ہی تھا جس کا نام گنگو برہمن تھا جس کے نام سے جیسا کہ مورخین لکھتے ہیں بہمن شاہی سلاطین دکن پیدا ہوئے، کشمیر میں سلطان زین العابدین (۸۴۲ھ) کے عہد میں سری بھٹ نے ناموری حاصل کی، فرشتہ میں ہے،

"سلطان بجہت طبابت سری بھٹ را کہ طبیبے حاذق بود تربیت کرد"

ہندوستان میں اسلامی طب کی ترقیاں | ہندوؤں کے ہاں مسلمانوں کی آمد سے پہلے طب میں چرکا اور سشرت کی کتابیں مشہور تھیں، جن کا عباسیہ نے اپنے زمانہ میں ترجمہ کیا تھا، مسلمانوں کا علم طب اب ترقی پاکر عرب، یونان، ایران اور ہندوستان کے تجربات کا خلاصہ ہو چکا تھا، اور خود انھوں نے بہت کچھ اس پر اضافہ کیا تھا، اس لئے

یا علم طب ہندوستان کے قدیم علم طب سے امتیاز خاص رکھتا تھا، ہندوستان کے علم طب میں مسلمانوں کی آمد کے بعد جو ترقیاں رونما ہوئیں وہ حسب ذیل ہیں،

۱۔ حاکم قوم اپنے علوم و فنون کو محکوم قوم کے علوم و فنون سے بہت بالا دست سمجھتی ہے اور اس سے استغنا برتتی ہے، چنانچہ اسی علم طب کے متعلق دیکھیے کہ گذشتہ کونسل میں جب بعض ممبروں نے دیسی طب کی سرکاری حمایت کی اور اسکو مستند تسلیم کرنے کا رزولیوشن پیش کیا تو نا اتفاقی کے ساتھ رد کر دیا گیا لیکن مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت میں ایسا نہیں کیا، ہندی علم طب کی بیسیوں کتابیں اُنھوں نے اپنی زبان میں منتقل کیں، اور اپنا علم طب ہندوستان میں پھیلایا، خاص اہل ہند کے مزاج اور طبیعت کا خیال کر کے خود ا[illegible] کے علم طب کو فارسی میں منتقل کیا اور شاہی حیثیت سے اسکو مستند قرار دیا، سلطان سکندر لودی سے خواص خاں ایک درباری امیر نے عرض کی کہ جہاں پناہ یونانی طب ہندوستان کی آب و ہوا میں موافق نہیں ہے، حکم ہوا کہ سنسکرت سے ہندی طب کو فارسی میں منتقل کیا جائے، چنانچہ میاں بھوہ بن خواص خاں نے اس کام کو انجام دیا، اور کتاب کا نام معدن الشفا سکندر شاہی رکھا، قاسم فرشتہ نے اکبری عہد سے پہلے اختیارات قاسمی کے نام سے ہندی علم طب کو زندہ کیا، ہندوستان میں اس وقت فارسی میں جو علم طب ہے، اور خصوصاً خاندانی اطبا کے سفینوں میں اور مجربات ناموں میں جو سیکڑوں نسخے اور دوائیں ہیں ہندوستان زاہیں، اسی طریقے سے بیدوں نے مسلمانوں کے سینکڑوں نسخے، دوائیں اور اصول علاج اپنے ہاں لے لئے اور اسی طرح مل ملا کر ایک ایسا طرز علاج رائج کیا جو ہندوستان کے حالات کے مطابق تھا،

۲۔ پہلے بیدوں میں وہ دوائیں متداول تھیں، جو ہندوستان میں پیدا ہوتی تھیں، طب اسلامی نے تمام دنیا کے ملکوں میں جو دوائیں اور جڑی بوٹیاں زیر تجربہ آچکی تھیں ان کو ہندوستان میں رواج دیا، ان کے فوائد اور منافع لوگوں نے سیکھے، مفردات کے ذخیرے کو بیحد بڑھا دیا،

۳۔ دواؤں کی ترکیب میں عرق، معجون، قیروطی، سفوف وغیرہ مختلف طریقوں کو پھیلایا،

۴۔ چیچک وغیرہ متعدد بیماریاں جن کو یہاں وہم پرستی سے دیوتاؤں، دیبیوں اور بھوت پریت کا اثر سمجھا جاتا تھا اور اس لئے ان کا طبی علاج نہیں کیا جاتا تھا، ان کو لائق علاج بتایا، چیچک کی بیماری پر سب سے پہلی کتاب عربوں ہی نے لکھی، اور وہ ابوبکر رازی کا رسالہ الحصبہ ہے جو چھپ کر عام ہو چکا ہے،

فن طب کو ہندوستان میں فروغ | بہرحال مجھے کہنا یہ ہے کہ وہ طب جس کا ہیولیٰ دمشق میں تیار ہوا تھا اور جس میں زندگی کی روح بغداد میں ڈالی گئی اور جس میں شباب کی قوت شیراز پہونچ کر آئی تھی اس نے دلی آکر مرحلہ اربعین کی منزل طے کی، اور اس کی جوانی اپنے پورے کمال عروج کو پہونچی اور اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ ہندوستان کے بادشاہوں کی قدردانی نے اپنے انعامات سے اور ہندوستان کی سرزمین نے اپنے نباتات کی فراوانی اور دواؤں کی بہتات سے اس کے دواخانوں کو بھر دیا اور ہمارے طبیبوں نے پرانے ہندوستان کے تجربات سے فائدہ اٹھانے میں بیجا شرم نہیں کی،

ہیچ گہ ذوق طلب از جستجو بازم نہ داشت دانہ می چیدم من آں روزے کہ خرمن داشتم

ہندوستان کے نامور اطبا | اکبر کے زمانہ کے نامور طبیبوں کے نام سنئے، حکیم الملک گیلانی، حکیم سیف الملوک دماوندی، حکیم زنبیل شیرازی، حکیم عین الملک شیرازی، حکیم مسیح الملک شیرازی، حکیم مصری، حکیم علی، حکیم ابو الفتح گیلانی، حکیم حسن گیلانی، حکیم ہمام تبریزی، حکیم احمد ٹھٹھوی، حکیم لطف اللہ گیلانی، حکیم مظفر اردستانی، حکیم فتح اللہ گیلانی، شیخ بینا سرہندی جراح، جہانگیر کے عہد میں چند اور نامور ہوئے حکیم رکنائے کاشی، حکیم مسیح الزماں کاشی، حکیم الملک ابو القاسم گیلانی، حکیم مومنائے شیرازی، حکیم روح اللہ بھروچی، حکیم حمید گجراتی، حکیم تقی گیلانی،

شاہجہاں کے عہد نے چند اور مشاہیر کا اضافہ کیا، حکیم علیم الدین، حکیم صدرائے شیرازی، حکیم الملک حکیم ابو القاسم، حکیم رکنا کاشی، حکیم مومنائے شیرازی، حکیم فتح اللہ شیرازی، حکیم محمد داؤد، مقرب خاں جراح، شیخ قاسم جراح، اور اخیر زمانۂ مغلیہ میں حکیم علوی خاں دہلی میں، اور حکیم یعقوب نے لکھنؤ میں

اس فن کو چار چاند لگادیے،

مسلمانوں کے دوش بدوش اکبر کے عہد میں مہا دیو، بھیم، ناتھ، نارائن اور شیو جی ہندو طبیب اور وید مشہور ہوئے، عالمگیر کے عہد میں حکیم سکھراج نے شہرت پائی، عالمگیری و محمد شاہی دور میں حکیم لچھمی نارائن گنجاری نے ناموری حاصل کی، اسی پٹنہ میں کمپنی کے راج میں منشی رام پرشاد تھے جنھوں نے ۱۲۴۷ھ میں معیار الامراض نام کتاب لکھی تھی، جس میں سر سے لے کر ناخن تک کے تمام امراض کے قوانین کلیہ درج ہیں، اسی زمانہ کا متخلص حکیم رائے منولال فلسفی المتوفی ۱۲۲۲ھ ہے، مفردات طب نام اس نے ایک کتاب لکھی، لالہ سوہن لال سندیلوی اسی عہد کا ایک اور طبیب تھا، ان کے علاوہ بجولال تمکین بیدآبادی مجربات طبی کا مصنف، پنڈت لالہ چند کحل الابصار کا مصنف، دیانا تھ جس نے ویدک سے پاکاہوں کا کا ترجمہ فارسی میں کیا، منشی مہتاب نرائن جس نے ادویہ کے خواص میں ضروری الطب لکھی،

ویدک اور طب کا لین دین | اس تفصیل سے معلوم ہوگا کہ مسلمان طبیبوں نے جہاں ہندوستان سے بہت کچھ لیا، اس کو بہت کچھ دیا بھی، ہمارے بزرگوں کی قلمی کتابوں اور سفینوں میں ویدک نسخے بکثرت ملتے ہیں، اسی طرح ویدوں نے طبیبوں اور طبی کتابوں کی تحقیقات سے فائدہ اٹھایا، یہ دینا اسی داد و ستد پر قائم ہے اور اسی طرح قائم رہے گی،

طب کی تجدید | حضرات! یہ تو ماضی تھی، اب حال و مستقبل کی بھی فکر چاہئے، زمانہ کے حالات بدل گئے ہیں، اب طب اور وید کے علاوہ سات سمندر کی نئی طب بھی سامنے ہے، جس کا آغاز گو عربی ہی طب سے ہوا ہے، مگر تجربات کی فراوانی، آلات کی عمدگی اور سلطنتوں کی قدردانی نے اس کو وہ دن دکھائے کہ تاج شاہی اب اس کے سر پر ہے اور خلعت قبول اس کے جسم پر ہے، لیکن غور کے قابل بات یہ ہے کہ عام شاہی قدردانی کے نہ ہونے سے گو اکثر قدیم مشرقی علوم و فنون موت کے گھاٹ اتر گئے ہیں تاہم طب اور ویدک اب بھی اس کے مقابلہ میں تین سو برس کے بعد بھی کھڑے ہیں، اور قبول عام کے زور سے زندہ ہیں،

حالانکہ یہ وہ فن ہے جس کا تعلق موت وحیات اور زندگی جیسی قیمتی چیز سے ہے تاہم ملک کی لاکھوں جانیں بخوشی ان کے حوالہ کی جارہی ہیں اور شفایاب ہو رہی ہیں، چنانچہ اب حکومت نے بھی چند سال سے اسکی بقا کی ضرورت سمجھی اور لکھنؤ، علی گڈھ، پٹنہ اور ڈھاکہ میں سرکاری امدادوں نے اس کی ترقی کا کچھ سامان کردیا ہے، اسی سلسلہ میں مجھے چند باتیں عرض کرنی ہیں،

اس فن طب کی پچھلی تاریخ سے یہ ظاہر ہے کہ اس نے دوسری قوموں کے تجربوں سے فائدہ اٹھانے میں کبھی تعصب کو راہ نہیں دی ہے، اس بنا پر اس زمانہ میں جو نئے نئے تجربے اور نئے نئے نظریئے اور جدید طریق تشخیص اور ادویہ سازی کے جو طریقے پیدا ہوگئے ہیں ان سے بھی وہ پوری طرح مستفید ہوگا، چنانچہ ہمکو معلوم ہے کہ بعض انگریزی دوائیں اسمیں ابتدا ہی میں رواج پاگئیں، کنین اور انگریزی سالٹ کے نام ملتے ہیں، اسی طرح بعض دوسرے تجربات سے فائدہ اٹھانے میں گریز نہ کرنا چاہیئے، نیز بعض قدیم اصول وبیانات جن کی تائید تجربہ اور تحقیق سے نہیں ہوئی اس کی صحت پر اصرار کرنے سے فائدہ نہیں، مثلاً یہ اصول کہ اعدل اھل الارض سکان خط الاستواء، محض غلط قیاسی دعویٰ ہے جس کی تردید ابن رشد وابن خلدون وغیرہ نے بہت پہلے کردی اور یہ صرف یونانیوں کے ناتمام علم جغرافیہ کی بنیاد پر قائم ہے جو آج تک ہماری عام کتابوں میں اسی طرح زیر درس ہے، اسی طرح موجودہ طب جو اخلاط اربعہ کے نظریہ پر قائم ہے، اپنی حد میں بالکل صحیح ہے لیکن محض یونانی قیاسات طبعی کی بنا پر دواؤں میں کیفیات اربعہ کے وجود پر زور دینا قیاس سے تجربہ کو رد کردینا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ متاخرین نے اپنی تحقیقات میں تجربوں کے مقابلہ میں اس قیاسی چیز کی اہمیت کم کردی ہے،

نظریہ اخلاط اور جراثیم

نظریۂ اخلاط اربعہ کی تشریح یہ ہے کہ طب کا اصول یہ ہے کہ المعدۃ بیت الداء باہر سے انسان کے پیٹ میں جو چیز عموماً جاتی ہے وہ غذا ہے، غذا کے طبخ صحیح وعدم طبخ سے اخلاط اربعہ کا وجود ہوتا ہے، ان کے توازن وعدم توازن سے مزاج کا اعتدال وانحراف ہوتا ہے اور صحت

مرض کا وجود ہوتا ہے، یہ تشریح تمام تر تجربی اور سراسر صداقت ہے، ڈاکٹری میں ادھر کچھ دنوں سے جراثیم کی وبا پھیلی ہے، ہر چیز جراثیم کا مخزن ہے اور علم الامراض علم جراثیم کا دوسرا نام ہو گیا ہے، اب وہ آنکھوں سے نظر آتا ہے، اور اس کی تحقیق روز بروز بڑھ رہی ہے، اس کو اس حد تک ماننے میں کیا ہرج ہے کہ غذا اور پانی اور سانس کی ہوا کے ساتھ جراثیم شامل ہو کر فساد کا باعث ہوتے ہیں،

طب اور آلات کا استعمال | تحقیقات کے معاملہ میں آلات سے کام لینے میں بھی بخل نہ چاہئے، علم جراحی اور کحالی اور دایہ گری جو ہماری طب کی شاخیں تھیں وہ رفتار زمانہ سے ایسے جاہل طبقوں میں پہنچ گئیں کہ ہمارے اطبار سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں رہا، ضرورت ہے کہ ان کٹی ہوئی شاخوں کو پھر اصل فن سے ملایا جائے، طب قدیم کی تاریخ اور شفاخانوں پر حضرۃ الاستاذ علامہ شبلی مرحوم نے ۱۸۹۲ء کے درمیان یعنی آج سے اٹھاون برس پہلے جو کچھ لکھا تھا، اور خاکسار نے زہراوی اندلسی کی تصریف سے ۱۹۰۸ء کے قریب الندوہ میں جو کچھ لکھا تھا ضرورت ہے کہ ہمارے اطبار ان تحقیقات تاریخی میں وقتاً فوقتاً اضافہ فرماتے رہیں،

قدیم کتب طب کی فراہمی | ہمارے طبی مدرسوں میں قدیم طبی کتابوں کی فراہمی اور حفاظت کا بھی سامان کیا جائے، ادھر کامل الصناعۃ اور حاوی کی اشاعت نے کچھ اطبار میں دلچسپی پیدا کی ہے، ابن طبری کی کتاب فردوس الحکمۃ ایک بہاری فرزند ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی کی تصحیح سے برلن میں ۱۹۲۸ء میں چھپی ہے، محمد بن زکریا رازی کی براءۃ جس کو فرسٹ ایڈ کہتے ہیں، پیرس سے ۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی، اسی مصنف کی کتاب گردوں اور مثانوں کی کنکریوں کے علاج میں مقالہ فی الحصی فی الکلی والمثانہ لائیڈن سے ۱۸۹۶ء میں شائع ہوئی، اور اب آج کل دائرۃ المعارف حیدر آباد میں عمدۃ الجراحین ابن القف اور مختارات ابن ہبل زیر طبع ہیں، عمدۃ الجراحین کا موضوع یہ ہے، کہ بغیر آپریشن کے زخموں کا علاج کیا جائے، مصر کے ایک لائق ڈاکٹر احمد عیسیٰ بے نے عربوں کے آلات طب وجراحی وکحالی پر ایک نہایت محققانہ مقالہ لکھا ہے، اور مع تصاویر کے شائع

کیا ہے، چند سال ہوئے کہ قانون بو علی سینا کا ترجمہ لندن سے انگریزی میں شائع ہوا ہے، اگر ہمارے اطبأ میں سے کچھ اہل علم قدیم کتب طب کی تلاش و جستجو اور اشاعت کا کام انجام دیں تو اس فن کے بہت سے مردہ تجربات کو زندہ کر دیں گے، تجربات کو چھپانے کی پرانی بیماری اب زائل ہو جانی چاہئے،

عمدہ اور تازہ دواؤں کی فراہمی ہماری طب کی کمزوری کا ایک بڑا سبب عمدہ اور تازہ دواؤں کی بہم رسانی کی طرف سے پوری غفلت ہے، اب تک یہ کام پنبیوں اور خالص دکانداروں کے سپرد ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عمدہ اور تازہ دواؤں سے ہم محروم رہتے ہیں، اس پوری مجرمانہ غفلت کے باوجود اگر ان مفردات سے فائدہ پہنچتا ہے، تو اس طب کی یہ بھی کرامت ہے،

مفردات اور مرکبات مفردات کے بعد پھر مرکبات کی تیاری کا سوال ہے، محسن طب جناب حکیم مسیح الملک مرحوم نے جب سے ہندوستانی دواخانہ کی بنیاد ڈالی ہے بے شبہہ مرکبات کی عمدگی اور صفائی کے کام نے بہت ترقی کی ہے، مگر ابھی تک اس کا اثر صرف چند شہروں تک محدود ہے،

مفردات سے علاج کا اسکول جو لکھنؤ میں رواج پذیر تھا وہ اس لحاظ سے کہ ہر نسخہ ہر شخص کے موجودہ حالات کے مطابق ہوتا تھا، بہت کامیاب تھا، مگر صرف اس لئے کہ اس کا گھسنا اور لگانا دردسر یہ بھی تو ہے اب سرعت سے اس کی جگہ مرکبات سے علاج کا طریقہ سہل الحصول ہونے کے سبب سے لے رہا ہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ ہر مرض کے علاج میں نہیں چل سکتا، اس لئے ضرورت ہے کہ مفردات سے فی الفور جوشاندہ بنانے کا وہ طریقہ جو حیدرآباد دکن کے شفاخانہ طبی میں زیر عمل ہے قبول کر لیا جائے، یعنی عطاروں کے یہاں گرم پانی کا اہتمام خاص رکھا جائے اور ہر نسخہ کا جوشاندہ اور تازہ عرق فی الفور نکال کر حوالہ کیا جائے،

حیدرآباد دکن کا طبی شفاخانہ مجھے حیدرآباد دکن کے اس طبی شفاخانہ، دواخانہ اور کلیۂ طبیہ کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے، یہ پورا ادارہ اس بات کا ثبوت ہے، کہ حکومتوں کی سرپرستی سے یہ طب کتنی ترقی

پاسکتی ہے، اعلیٰ حضرت نظام خلد اللہ ملکہ کی شاہانہ توجہ سے اس طب نے جو ترقیاں کی ہیں، طریقہ، دواسازی، دواؤں کے رکھنے کی ترکیب، جو شاندہ بنانے کا طریق، آلات کا استعمال، مریضوں کی تیمارداری، دیکھ بھال، سامان ہر چیز میں یہ شفاخانہ اسپتالوں کے بالمقابل ہے، اسی طرح اس کا طبیہ کالج لائق اساتذہ اور تجربہ کار معلمین، نصاب، طریقۂ تعلیم، مدت تعلیم، علمی و عملی تعلیم کتب خانہ اور دیگر شعبوں کی بنا پر وہ نمونہ ہے، جس کی مثال دنیا میں اس وقت کہیں نہیں، ڈاکٹری کی بے شمار کتابیں اردو میں اصطلاحات کیساتھ دارالترجمہ عثمانیہ نے اردو میں منتقل کردی ہیں،

دیسی طب کی حمایت | بے شبہہ خوشی کی بات ہے کہ اصلاحات ہند کے رواج کے بعد حکومت انگریزی کے بعض صوبوں نے دیسی طب کی حمایت و حفاظت کی طرف توجہ کی ہے، لیکن صاف کہنا چاہئے کہ یہ عمل ایمان کے بغیر ہے، اس لئے حمایت و حفاظت و اعانت بیدلی کے ساتھ کی اور دی جارہی ہے، اسی لئے بعض غلطیوں کا علانیہ ارتکاب کیا جارہا ہے، اور ہم اس لئے اس کو احسان مندی کے ساتھ قبول کرتے ہیں کہ ایک غیر حکومت کی طرف سے اتنی ہمدردی بھی بہت ہے،

طب کی زبان | پہلا مسئلہ تعلیم کا ہے، اس طب کی ساری مستند کتابیں عربی میں ہیں اور کچھ فارسی میں ہیں، گو ایک بہاری طبیب حکیم کبیر الدین صاحب شاگرد رشید حکیم اجمل خاں مرحوم کے ہم سب ممنون ہیں کہ اُنھوں نے اپنی محنت اور قابلیت سے اس فن کا اچھا خاصہ ذخیرہ ہماری زبان میں منتقل کردیا ہے، اور اس نے ہماری طبی درسگاہوں میں رواج پایا ہے، تاہم نقل اصل کو نہیں پاسکتی، اس لئے اگر یہ سرکاری طبی درسگاہیں صرف اردو کے ذریعۂ تعلیم طب کے رواج پر عمل کریں گی تو فن کے زوال میں کوئی شبہہ نہیں، ایلوپیتھی کے لئے اگر انگریزی زبان کی ضرورت اور سائنس کے ذریعہ سے اعلیٰ کامیابی پر داخلہ میڈیکل کالج میں مشروط ہے تاکہ اعلیٰ قابلیت کے ڈاکٹر پیدا ہوں تو طب کے لئے نیم ملا عربی داں اور معمولی انگریزی داں و اردو خواں بلا امتیاز طب کی درسگاہوں میں داخلہ کی اجازت کیوں پاتے ہیں،

کیوں نہ اس میں بھی اعلیٰ قابلیت کے لڑکوں کا انتخاب عمل میں آئے

طبیب ڈاکٹر نہ بنیں اسی طرح کا تعلیمی نقص ترقی کے نام سے ان درسگاہوں میں پھیلایا جارہا ہے اور وہ ایلوپیتھی کے ناقص طریقوں کی ادھوری تقلید کا شوق ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری اُن درسگاہوں کا طبیب، طبیب سے زیادہ ڈاکٹر بننے کا شائق ہے، اور لفظوں سے خوش ہوتا ہے، وہ کوشش کرتا ہے کہ اپنے طور وطریق میں بھی ڈاکٹر معلوم ہو، یہ حد درجہ مذموم طریقہ ہے، یہ کوے کے ہنس کی چال اختیار کرنے کا طریقہ ہے،

طب اور مذہب ہمارے دوسرے مشرقی فنون کی طرح ہماری طب بھی ہمارے مذہبی فرائض ہی کا ایک گوشہ ہے، اسی لئے ہمارے پرانے طبیب نیچر اور فطرت کے بے ارادہ، بے رحم اور غیر مسئولی دیوتاؤں کے بجائے، شافی مطلق، ہمہ رحم یفعل ما یشاء و یحکم ما یرید خدا کے پرستار تھے، انکی کتاب کا آغاز صدائے ابراہیمیؑ اذا مرضت فھو یشفین اور آیت الٰہی فیہ شفاء للناس اور حدیث لکل داء دواء اور کلمہ منسوبہ بہ سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العلم علمان علم الادیان وعلم الابدان سے ہوتا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے فنون کی طرح یہ فن بھی دین ہی کے تحت میں تھا، اسی لئے ہمارے طبیب کے ہر نسخہ کا طرۂ پیشانی طغرائے ہو الشافی سے مزین ہوتا تھا، وہ ہر مریض کی نبض پر ہاتھ رکھنے کے ساتھ شافی مطلق کے سامنے سرنگوں ہو جاتا تھا، وہ ہر مشکل کے وقت اسی مشکل کشا کے روبرو دست بدعا ہوتا تھا وہ مغرورانہ حتمی احکام لگانے کے بجائے ہمیشہ انشاء اللہ تعالیٰ کے دامن میں اپنے لئے پناہ ڈھونڈھتا تھا، وہ اپنی تدبیروں اور دواؤں کی تاثیرات کو اپنی فکر، نظر و تدبیر یا دواؤں کے طبعی خواص کی طرف منسوب کرنے کے بجائے مدبر حقیقی اور موثر حقیقی، حکیم علی الاطلاق جل شانہ کی طرف منسوب کرکے اپنے کو بندۂ بے اختیار ظاہر کرتا تھا، میں نے اس شہر کے ایک پرانے ڈاکٹر صفدر حسین صاحب کو دیکھا تھا جنھوں نے غدر سے پہلے ڈاکٹری اردو میں پڑھی تھی اور

۱۸۵۶ء میں پاس ہوئے تھے، جب واجد علی شاہ قید کرکے مٹیا برج لائے گئے تھے، ان ہی نے ہمارے صوبہ میں ہومیو پیتھک کو پہلے رواج دیا ہے، میں نے ان کو پرانے طبیبوں کی طرح ہمیشہ اسی حال میں دیکھا کہ وہ ہر علاج کے وقت شافیِ مطلق کی طرف متوجہ اور دست بدعا رہتے تھے، ان کا ایک فقرہ ہمیشہ یاد گار رہے گا "فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ اندھیری کوٹھری میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولتے ہیں،

نوجوان طبیبوں کو نصائح | نوجوان طبیبو! اب آپ زندگی کے میدان میں اتر رہے ہیں، آپ کو دکھوں سے بھرے انسان ملیں گے، ان سے ہمدردی کرنا آپ کا فرض ہوگا، کبھی آپ بیمار بن کر دیکھیں کہ طبیب کی ایک شفقت بھری نگاہ مایوس مریض کے لئے کس طرح آبحیات کا جام نوشیں بنجاتی ہے، حرص طمع اور دولت دنیا کے لالچ سے ایک شریف طبیب کا دامن پاک ہونا چاہئے، آپ کا تعلق کائنات کے اس راز سربستہ سے ہے، جس کا نام موت وحیات ہے، آپ کے سامنے خدا جانے موت وحیات کے کیسے کیسے موثر اور حیرت انگیز واقعات اور دل کو کپکپانے والے حادثے آئیں گے، ان حادثوں سے ایمان باللہ، اور ایمان بالیوم الآخر کی قوت میں اضافہ کا کام لیں، آپ کے شہر کے ایک دیندار و خوش نام ڈاکٹر نے خوب فرمایا کہ ہم بیماری کا علاج کرتے ہیں، موت کا نہیں،

جائیے اور متوکلاً علی اللہ خلق کی خدمت میں مصروف ہو جائیے، اور بلا تفریق مذہب وملت غمزدوں کی غمخواری اور بیماروں کی تیمارداری اور دکھی لوگوں کے دکھ درد کو امکان بھر اخلاص اور ایمان داری اور محنت اور دیانت سے کم کرنے کی کوشش کیجئے، اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے، اور آپ کو فہم صحیح، دست شفا اور رزق حلال عنایت فرمائے،

والسّلام

مجدد ملّت

اور

قومیات وسیاسیات حاضرہ

از مولانا شاہ عبدالباری صاحب ندوی

حضرت حکیم الامۃ تھانویؒ کے خلیفہ مجاز مولانا شاہ عبدالباری ندوی اب مجدد وقت کے تجدیدی کارناموں پر ایک مبسوط کتاب تیار کر رہے ہیں، ذیل کا مقالہ اسی کتاب کا ایک باب مع دیباچہ و خلاصہ کے ہے، مولف ممدوح نے اپنے امکان بھر کوشش اس کی کی ہے کہ حضرت مولاناؒ کی تعلیمات و ہدایات کی صحیح صحیح ترجمانی و تعبیر کر دیں، اور اس کوشش میں وہ قابل مبارکباد حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں، پھر بھی بشر بشر ہی ہے، معارف میں اس کی اشاعت سے مقصود یہ ہے کہ دوسرے ارباب نظر بھی اسے ملاحظہ فرمائیں اور جہاں جہاں ان کو فروگذاشتیں نظر آئیں ان سے مولف سلمہ اللہ کو مطلع کر دیں، حضرتؒ کے منتسبین سے یہ التماس خصوصیت کے ساتھ ہے، سب سے پہلے ان تمہیدی سطور کا راقم، خود اس فرض کو ادا کرتا ہے، اور جہاں جہاں کوئی بات اسے لفظی یا معنوی حیثیت سے کھٹکی ہے اس کا وہ بے تکلف اظہار کرتا گیا ہے، تنقید میں مروت، تقاضائے اخلاص کے بالکل منافی ہے۔"

"عبدالماجد دریابادی"

دیباچہ دین کی تکمیل و تحفظ کے بعد نبوت کا ختم ہو جانا بالکل قدرتی امر تھا، یعنی جب دین کا ہر حیثیت سے اور ہمیشہ کے لئے اکمال و اتمام فرما دیا گیا، اور قیامت تک اس کی حفاظت کی ضمانت بھی فرمائی گئی، تو ظاہر ہے

کہ اب کسی نبی وحی کی کیا ضرورت رہی، البتہ ایک اور ضرورت رہجاتی ہے، امتداد زمانہ سے بشری فطرت، نفس و نفسانیت اور اتباع ہویٰ وغیرہ کے خارجی عوامل کی بدولت کامل و محفوظ دین کے احکام و تعلیمات کی بھی فہم و تفہیم اور عمل و اجراء میں طرح طرح کے خلل و فساد کا لاحق ہوتے رہنا ناگزیر تھا، کوئی چہرہ بذات خود حسن و جمال کے خواہ سارے صفات کمال سے متصف ہو، مگر خارجی و عارضی گرد و غبار اس کو بھی مکدر کرہی دیتا ہے، جس سے صاف کرتے رہنے کی ضرورت وقتاً فوقتاً پڑتی رہتی ہے، دین کامل کے چہرۂ کمال و جمال سے اسی گرد و غبار کو جھاڑتے رہنے کے لئے بعثت انبیاء کو ختم کرنے کے بعد بعثت مجدد دین کا سلسلہ صدی بصدی جاری فرمایا گیا، تاکہ طالبان حق کو کج رویوں سے بچ کر ہمیشہ "صراط مستقیم" ملتی رہے، اور "ضالین و مغضوبین" کی گمراہیوں سے محفوظ رہیں، خیرالقرون سے جتنا بعد بڑھتا جاتا ہے، دینی کجراہیاں اور فتنے بھی بڑھتے جاتے ہیں، لہذا ہر وقت اور ہر عہد میں مسلمانوں کو اس وقت کی کجراہیوں اور گمراہیوں سے محفوظ رہنے کے لئے مجدد وقت کو معلوم کرنا اور اس کی تجدیداتِ وقت کی پیروی کرنا، اسی میں سلامتی ہے،

البتہ نبی اور مجدد میں ایک فرق یہ ہے کہ نبی وقت پر ایمان نفس نجات و مغفرت کے لئے لازم ہے، بخلاف اس کے مجدد وقت کی یافت و پیروی پر نجات موقوف نہیں، وہ تو انشاء اللہ خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان کے بعد مرپٹ کر حاصل ہی ہوجائیگی، لیکن دین کے اصلی پاک و صاف سرچشمہ تک پہنچنا، اسکی کامل و بے غبار تعلیمات کو سمجھنا اور ان پر عمل کی دینی و دنیوی برکات کا پوری حاصل ہونا، اس کے لئے بلا شبہہ مجدد وقت کا پانا اور اس کا دامن تھامنا لابد ہے، ورنہ پھر بعثت مجدد دین، اور تجدید دین کے کوئی معنی نہیں، بلاشبہہ مجدد نبی کی طرح معصوم نہیں ہوتا، بشری لغزشیں اس سے بھی ہونگی، لیکن دیگر علماء و محققین کے مقابلہ میں نسبتہً بہت کم، اس لئے مجدد وقت کی تجدید و تحقیق کا قبول و اتباع اسلم و احوط ہر حال میں ہوگا،

مسلمانوں کی حالت کم و بیش ہر لحاظ سے روز بہ روز رو بہ تنزل ہی نظر آرہی ہے، قومیات و سیاسیات یا دنیوی معاملات تک میں جن راہوں اور تدبیروں سے غیروں کو ان کی مزعوم و مطلوب ترقی و کامیابی حاصل ہوتی ہے، انہی راہوں سے اور انہی مقاصد کے لئے مسلمانوں کا حصہ ناکام نقالی کے سوا کچھ نہیں معلوم ہوتا ہے،

راقم احقر کوئی قومی و سیاسی آدمی بالکل نہیں، اور نہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے موجودہ قومیات و سیاسیات کا اسلام کے اصول و مقاصد یا طریق کار سے کوئی سروکار سمجھ میں آتا ہے، تاہم الحمد للہ بُرا بھلا مسلمان ہوں اور بُرے بھلے مسلمان بھائیوں کی زبوں حالی پر دل کڑھتا ہے، ان کے کسی قومی یتیم خانہ کا حال سنو تو ابتر، کسی مدرسہ کا حال دیکھو تو بد سے بدتر، جس ادارہ پر بھی نظر ڈالو "ہر روز بتر می بینم" ہی کا مشاہدہ ہوتا ہے، سب سے زیادہ شور و غل سیاسیات کا ہے، مگر اس ڈھول کے اندر بھی پول ہی پول ہے بلکہ مسلمانوں کے حق میں سب سے زیادہ فتنہ و شر، ناکامی و نامرادی اسی میں دکھائی دیتی ہے،

بعض تازہ واقعات سے دل پر زیادہ چوٹ لگی، مسلم لیگ کے ساتھ وفد، وزارت اور وائسرائے سب کی طوطا چشمی و استخفاف یا غداری جو کچھ بھی کہو اس کا بڑا سبب یہی ہوا کہ کانگریس کے مقابلہ میں لیگ کی اندرونی کمزوریوں کی بنا پر اس کو زیادہ خاطر میں نہیں لایا گیا، بظاہر مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت مسلم لیگ کی ہم آواز ہے، مگر وہی آواز دہل کہ اندر سے خالی اور دل ہم آہنگ نہیں، ذاتی و انفرادی اغراض و مطالبہ کا غلبہ، انتخابات میں غیر معمولی کامیابی کے باوجود خود مسلمانوں کی اکثریت کے صوبوں میں لیگ اور لیگی وزارتوں کا حال دوست و دشمن سب کے سامنے ہے، کلکتہ، بمبئی وغیرہ میں ہزاروں بے گناہ مسلمان بچوں، بوڑھوں، عورتوں تک کا جس درندگی کے ساتھ قتل عام ہوا، اس کے تصور سے بھی کلیجہ منہ کو آتا ہے، دوسروں پر اس کا الزام چاہے جتنا دھرا جائے اور قانون و کمیشن کی نگاہ میں چاہے سراسر دوسروں ہی کی زیادتی ثابت ہو، تاہم اس کا حقیقی اور بڑا سبب اوپر سے نیچے تک خود ہماری جماعتی ابتری

و بدنظمی، عدم انضباط و عدم تربیت کے سوا کیا ہے،

ہمارے جماعتی امراض میں سب سے مہلک مرض یہی ہے کہ ہمارا کوئی کلمہ جامعہ نہیں جس پر ہم زبان و دل دونوں سے جمع ہوں، مسلمان مسلمان رہ کر صرف اسلام ہی پر جمع ہو سکتے تھے، اور اس جمع ہونے کی صورت سیاسی غیر سیاسی چھوٹے بڑے کسی مسئلہ میں یہی ہو سکتی تھی کہ کسی ایک رائے پر جمع ہو جائیں، یہ نہیں کہ جس لیڈر یا اڈیٹر، جس عالم یا مولوی کا جدھر جی چاہے چل پڑے، جو مسلک چاہے اختیار کرلے، اور پھر سارے مسلمانوں کو اس کی طرف بلانے لگے، یہ تو وہی اعجاب کل ذی رای برائہ کی خودرائی ہے جس کا نتیجہ اس فشل اور ذہاب ریح یا ہوا خیزی یا پست ہمتی کے سوا کیا ہو سکتا ہے، جو دن رات آنکھوں کے سامنے ہے،

لہٰذا اہم و مقدم سوال یہ طے کرنے کا ہے کہ وہ ایک رائے جس پر مسلمانوں کو جمع ہونا چاہیئے کون اور کس کی ہو سکتی ہے؟ اسلامی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کے لئے اس کا جواب ایک ہی ہے کہ مجدد وقت کی تجدیدی رائے، اس لئے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی عہد میں خاص طور پر اسلامی احکام و تعلیمات کے احیاء و تجدید ہی کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہو، اس سے بڑھ کر دینی اعتبار سے قومیات وسیاسیات حاضرہ میں اور کسی کی رائے قابل اعتنا و اتباع ہو سکتی ہے،

راقم ہذا آج کل عہد حاضر کے جامع المجددین (حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی علیہ الرحمہ) کی اسلامی زندگی سے متعلق ہر شعبہ کی تجدیدات ہی کو ایک مستقل کتاب کی صورت میں جمع و مرتب کر رہا ہے، اور اتفاق وقت سے اس وقت قومیات وسیاسیات حاضرہ ہی کا باب زیر تحریر تھا، اس لئے تازہ واقعات سے مجروح و متاثر قلب میں اس کو پیش کر دینے کا تقاضا ہوا، لیکن احقر نہ کوئی چھوٹا بڑا لیڈر نہ مولوی، نہ کانگرسی نہ لیگی کہ اس کے معروضات قابل توجہ کیا قابل سماعت بھی ہوں، تاہم "دگاہ باشد کہ کودک ناداں" کے احتمالی فقرہ کے مطابق ممکن ہے کوئی قابل قبول بات نکل آئے؛

اس کے علاوہ راقم کی حیثیت اصل میں جامع یا زیادہ سے زیادہ کہیں شارح کی ہے، سو اگر جمع و شرح میں کہیں غلطی یا غلط فہمی ہوئی ہو تو اس سے قطع نظر فرما کر بلکہ احقر کو آگاہ و متنبہ فرما کر، خود حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی اس باب میں جو تجدید و تحقیق ہے، اس پر تعصب و تحزب سے خالی الذہن ہو کر اگر توجہ فرمائی تو انشاء اللہ نفع سے خالی نہ ہوگی، اُن حضرات سے خصوصاً اس کی درخواست ہے، جو حضرت علیہ الرحمہ سے ارادت و عقیدت کی کوئی نسبت رکھتے ہیں، کہ وہ ان معروضات پر خاص توجہ فرمائیں، اور اگر حضرت کی رائے و تحقیق کے پیش کرنے میں کوئی خطا نظر آئے تو اس کی تصحیح سے ضرور مطلع فرمائیں تاکہ کتاب کی اشاعت میں لحاظ رکھا جائے، وما توفیقی الا باللہ،

بظاہر حضرت جامع المجددین علیہ الرحمہ کے تجدیدی اوراق حیات کا یہ ورق بالکل سادہ معلوم ہوتا ہے، اور یہ صحیح بھی ہے کہ متعارف قومی و سیاسی تحریکات میں حضرت نے کبھی کوئی عملی حصہ نہیں لیا، اور بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں کوئی تجدیدی و اصلاحی خدمات بھی نہیں انجام دیں، بات یہ ہے، کہ قومیات و سیاسیات حاضرہ کا عملی پہلو ہی دینی اعتبار سے زیادہ غیر عملی ہے، ان کا بڑا وصف یہ ہے کہ کام بہت کم اور نام بہت زیادہ، خیر بہت کم شر بہت زیادہ اور اس نام و نمائش کے شور و غل میں اوقات الگ ضائع، سب سے بڑھکر یہ کہ قدم قدم پر طرح طرح کے دینی مفاسد میں آلودگی و ابتلا، پھر اس غل غپاڑہ میں پڑکر کسی بڑے سے بڑے صحیح الدماغ دینی یا دنیوی خادم یا رہنما کا اتنا توازن دماغی برقرار رہنا مشکل کہ وہ حدود و اعتدال کو محفوظ رکھ سکے، جو اسلامی صراط مستقیم کی خصوصیت خاصہ ہے، اور حضرت مجدد وقت علیہ الرحمہ کی حکیمانہ و مجددانہ خدمات و اصلاحات کا سب سے نمایاں وصف،

اس لئے ان نام نہاد قومی و سیاسی تحریکات یا انجمن سازیوں، جلسہ بازیوں، نعرہ زنیوں، اخبار فروشیوں اور ووٹ خریدیوں، ہڑتالوں، بائیکاٹوں وغیرہ کے جو طرح طرح کے آئے دن طوفان بے تمیزی برپا رہتے ہیں ان کی طرف نہ خود طبعاً، عقلاً یا شرعاً کسی طرح رخ فرما سکتے تھے اور نہ کسی کو مشورہ دے سکتے

تھے، خالص دینی خدمات تک میں ان پر مفاسد ذرائع سے کام لینا پسند نہ تھا، خدمات تبلیغ کے سلسلہ میں ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ

"ہر ضلع میں ایک مجلس قائم کر دیجائے جس کا نام وغیرہ رکھنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں نہ عہدہ داروں کے نام مقرر کرنے کی ضرورت کیونکہ آجکل انجمن کے قوانین اور عہدہ داروں کی فہرست میں تو رجسٹر سیاہ کر دیئے جاتے ہیں، مگر کام نہیں ہوتا،" (قواعی بالحق منہ)

پھر قومیات و سیاسیات حاضرہ کے بازار میں قومیت و وطنیت، جمہوریت و اکثریت، انقلاب و بغاوت، حریت و مساوات وغیرہ کے ظاہر فریب ناموں سے جیسے جیسے کھوٹے اور جعلی سکے رائج ہیں ان کو جوہر شریعت کی معمولی پرکھ رکھنے والا بھی اپنی جیب میں نہیں ڈال سکتا، تو بھلا جو مجدد وقت شریعت مطہرہ کو ہر کھوٹ کی ادنیٰ سے ادنیٰ آمیزش سے پاک و صاف فرمانے ہی کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہو وہ ان جھوٹے جعلی سکوں کو سرے سے بدل ڈالنے کے سوا ان میں اصلاح کی کیا گنجائش دیکھ سکتا تھا،

قومیت نام ہے رنگ و نسل، ملک و وطن، یا کسی خاص و خالص مادی تہذیب و تمدن کے خود تراشیدہ اور غیر اختیاری و خارجی امتیازات و معیارات پر مبنی جماعتی تصور کا جس کو اسلام کے دشمن بھی اب جان گئے ہیں کہ قومیت کا یہ تصور اسلام کی عین ضد ہے، اور اسلامی شریعت ایسے قوانین سے مطلقاً ناآشنا ہے، جن میں حق و انصاف، عطا و منع، جنگ و صلح، ترجیح و تفوق کی کسوٹی کھال کا کوئی رنگ ہو یا ماں کے پیٹ سے گر پڑنے کا کوئی مقام یا بہت او نچے جائے تو زبان و ادب، شعر و شاعری، موسیقی و مصوری، تعمیر و صناعی، بت تراشی و بت پرستی وغیرہ کا کوئی روایتی و خرافاتی مجموعہ جس کو تہذیب و تمدن کا لقب دیکر زندگی کا نام کافور رکھدیا جاتا ہے،

ان سب کی مشترک خصوصیت ایک طرف تو یہ ہے کہ بجائے انسان کے اندر کسی باطنی یکرنگی و برتری کو معلوم کرنے کے سارا زور اس کی خارجی و مادی نیرنگیوں اور پستیوں پر دیدیا گیا، دوسری جانب حقوق

ان کا غیر اختیاری ہونا ہے، کہ جو جس رنگ و نسل جس سرزمین یا جس روایاتی و خرافاتی تمدن میں پیدا ہو پڑا تو اب نہ وہ اپنی کھال چھیل کر پھینک دے سکتا ہے کہ کالے سے گورا بن جائے، نہ ہندوستان سے ہزاروں میل دور افریقہ میں جا بسنے کے باوجود وہ ہندی کے بجائے فرنگی بن کر فرنگیوں کے مرتبہ و معیار برتری کو حاصل کر سکتا ہے، اس خارجی اور غیر اختیاری معیار کی قدرتی گوناگونیوں کے انسانوں میں باہمی تفریق و امتیاز اور تقسیم در تقسیم کا معیار قرار پا جانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ کرۂ ارض پر اقوام در اقوام کا ہر چار طرف سے ایک سیلاب ابل پڑا، پھر ہر قوم و ملک کے اندر معاشی تقسیمات و طبقات، اسی طرح سیاسی جماعات دپارٹیوں [illegible] الگ ہے اور ہر چھوٹی بڑی قوم طبقہ و جماعت کا پیش جہاد اپنے لئے زیادہ سے زیادہ مادی منافع کا بٹورنا ہے لیکن یہ مادی منافع مادی ہونے ہی کی بنا پر محدود بھی ہیں، پٹرول بھی محدود، خام مواد کی پیدا وار بھی محدود، مال کی نکاسی کی منڈیاں بھی محدود رہنے بسنے کے لئے نوآبادیاں بھی محدود، اور مطالبہ ہر قوم و جماعت کا نا محدود، اس لئے کہ اسی کا نام ترقی رکھا گیا ہے کہ مادی فوائد کے حصول میں کسی نقطہ پر بھی پہونچ کر قناعت نہ ہو، جس کی صورت یہی ہے کہ جہاں تک بن پڑے ہر ایک دوسرے کے منہ کا نوالہ حلق سے کھینچ لینے کی کوشش کرے، نتیجہ یہ ہے کہ ساری زمین فساد سے بھر گئی، ملک ملک سے، قوم قوم سے، جماعت جماعت سے، طبقہ طبقہ سے برسر پیکار ہے،

اسلام نے ان خود ساختہ مادی و خارجی بنیادوں پر اولاد آدم کی نہ کوئی گروہ بندی تسلیم کی ہے نہ ان کی بنا پر کسی تفوق و ترجیح کو جائز مانا، نہ مادی منافع کی نا محدود حرص و ہوس کو ترقی قرار دیا، اور گو اب اس قومیت کے منافع و مصالح سے زیادہ مضاعف و مفاسد کو اسلام کے نہ ماننے والے بھی دل و دماغ سے مانتے جا رہے ہیں، اور بین الاقوامیت و اشتراکیت و اجتماعیت وغیرہ کے راستوں سے ہلاکت سے بچنے کی تدابیر کی جا رہی ہیں، مگر وہی گمراہی سے بچ کر چولھے میں گرنے کی سب تدبیریں ہیں، مادی و خارجی اغراض و مقاصد کی نا محدود طلب و ہوس کا نصب العین جب تک افراد اور جماعتوں

کے دل و دماغ پر مسلط ہے، اس وقت تک زہر کا نام تریاق رکھ دینے سے ہلاکت سے مفر نہیں، اور نہ حرص و ہوس کا یہ جنون دل و دماغ سے اُس وقت تک خارج ہو سکتا ہے، جب تک اسکی جگہ کوئی ایسا عظیم و محکم روحانی و باطنی نصب العین نہ لے جس کی عظمت و اہمیت کے سامنے بڑی سے بڑی مادی ترقیاں بھی طفلانہ لہو و لعب معلوم ہونے لگیں، وما الحیٰوۃ الدنیا الا لہو و لعب۔

جمہوریت کا ملمع قومیت سے بھی زیادہ ابلہ فریب و بے حقیقت ہے، بلکہ ایک ایسا اسم ہے جس نے عملاً کبھی اپنے مسمی کی شکل نہیں دیکھی، کسی بڑے پیمانہ پر ملک و حکومت کا کاروبار اس نام نہاد جمہوریت سے چلنا تو درکنار حضرت علیہ الرحمۃ نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ "اگر روٹی پکانے میں بھی جمہوریت ہو تو ایک روٹی بھی نہ پک سکے[1]"۔ انگریزی میں بھی مثل ہے کہ "زیادہ باورچیوں میں شوربے کی خرابی لگتی ہے"۔ بات یہ ہے کہ جمہوریت و عمومیت وغیرہ کے ناموں سے یہ دعویٰ تو صحیح ہے کہ حکومت عوام کے لئے یعنی اُن کی فلاح و بہبود کے لئے ہو لیکن دوسرا دعویٰ کہ حکومت عوام کی ہو یا عوام کی رائے سے ہو نہ صرف ناقابل عمل ہی نہیں احمقانہ بھی ہے، اس لئے کہ فہم و فکر کے لحاظ سے صد فی صد تعلیمیافتہ ملک کے عوام بھی بہرحال عوام ہی ہوں گے جو اپنے نفع و ضرر کو پوری طرح سوچ سمجھ تک نہیں سکتے، اور ان کی فلاح و بہبود کو بھی ان کے خواص یا اہل فکر و فہم ہی صحیح طور پر سمجھ اور سمجھا سکتے اور وہی عمل میں لا سکتے ہیں، عوام الناس تو غریب اتنی بھی صلاحیت نہیں رکھتے کہ اپنے خیرخواہ و بدخواہ میں تمیز کر کے اپنے ووٹ تک کا صحیح استعمال کر سکیں، وقت پر اپنی چرب زبانی چکنی چپڑی باتوں اور جھوٹی سچی ترغیب و تحریص یا چالاکی و مکاری سے ان کا دشمن بھی ان سے ووٹ حاصل کر سکتا ہے اور کر لیتا ہے، پھر ظاہر ہے کہ دنیا میں عقل و فہم کے اعتبار سے اکثریت ہمیشہ کاملین کے مقابلہ میں ناقصین ہی کی رہی ہے، اور رہے گی تو اکثریت کی رائے و انتخاب کے معنی، عقلمندوں کے مقابلہ میں کم عقلوں یا احمقوں کی رائے و انتخاب کے سوا کیا ہے،

---

[1] الافاضات الیومیہ حصہ پنجم ص۵۵۔

اور جس طرح لاکھوں کروروں عوام کا حال ہے، اسی طرح ان کی رائے سے منتخب ہو کر جو سیکڑوں ہزاروں خواص کی قانون سازی مجالس یا اسمبلیاں وغیرہ بنتی ہیں اُن میں بھی عقل و فہم، علم و عمل اخلاق و دیانت، اخلاص و بےنفسی کے اعتبار سے نسبتہً کاملین ہمیشہ اقلیت ہی میں ہونگے اس لئے کسی معاملہ و فیصلہ کو اکثریت کے تابع کرنا در اصل کم عقلوں، کم علموں اور خودغرضوں کے حوالہ کر دینا ہے، اقبال مرحوم پر ہزاروں رحمتیں ہوں حرف بحرف سچ کہا ہے کہ

گریز از طرز جمہوری غلامے پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانی نمی آید

صحیح اور فطری اصول یہی ہے کہ سیاسی وغیر سیاسی چھوٹا بڑا کوئی ادارہ ہو دو صد خر کے بجائے بس کسی ایک انسان کو تلاش کرکے اس کے حوالے کر دینا چاہئے، البتہ بڑے سے بڑا انسان بھی زیادہ سے زیادہ عقل و علم، اخلاص و دیانت کی جامعیت کی باوجود فکر و رائے میں غلطی کر سکتا ہے، اس لئے عوام ان سے نہیں بلکہ اہل الرائے سے مشورہ لینا اس پر واجب ہو، تاکہ بحث و گفتگو سے معاملہ کے تمام اطراف و جوانب سامنے آجائیں لیکن نفس مشورہ کے وجوب و پابندی کے باوجود مشورہ لینے اور دینے میں پوری آزادی حاصل ہونی چاہئے کہ مشورہ لینے والا عوام کالانعام کے منتخب کردہ "دو صد خر" کا پابند ہو بلکہ جس معاملہ میں جس وقت جو لوگ بھی اس کو زیادہ اہل الرائے نظر آئیں سب سے مشورہ لینے کے لئے آزاد ہو، اسی طرح مشورہ دینے کے لئے بھی ہر شخص آزاد ہو، یہ نہیں کہ ایک دفعہ الٹا سیدھا اپنا کسی کو نمایندہ منتخب کر دیا، تو اب ہم تین یا پانچ برس کی کسی مقررہ مدت تک خود کوئی رائے نہیں دے سکتے، چاہے وہ ہمارا نمایندہ ہو کر ہمارے خلاف ہی رائے دیتا رہے، بس اسلام کی جمہوریت یہی صحیح و متوازن شورائیت ہے، اور فیصلہ بالآخر "دو صد خر" نہیں بلکہ ایک انسان کے ہاتھ میں ہوتا ہے، البتہ وہ اپنی انسانی فکر و فہم کے ساتھ ایمانی فراست اور شرح صدر کی روشنی میں ہوتا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اتنی روشنیوں کے بعد بھی عمل کا قدم محض ناقص انسانی علم و روشنی کے تحت نہیں اٹھاتا کہ انسان کا کامل سے کامل

علم بھی ناقص بنتی ہے، نبی کو بھی حکم ہے کہ مشورہ لینے اور اپنی رائے قائم ہو جانے پر بھروسہ عالم کل و قادر کل ذات ہی پر ہے، قرآن مجید نے اپنی موجز و معجز تعبیر کے ایک ہی جملہ میں اسلام کے اجتماعی نظام کار کے اصول ثلاثہ (۱) مشورہ (۲) عزم (۳) اور توکل کو منصوص فرما دیا ہے، کہ شاورھم فی الارض، فاذا عزمت، فتوکل علی اللہ۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اسکی طرف جا بجا اشارات فرمائے ہیں، مثلاً احکام المال نامی وعظ میں فرماتے ہیں کہ

"قرآن شریف میں مشورے کی تاکید ہے، مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ کرنا وہی جو اپنی سمجھ میں آجائے، چنانچہ شاورھم فی الامر میں مشورے کا امر بھی ہے، اور آگے یہ بھی کہ فاذا عزمت فتوکل علی اللہ کہ جب خود قصد ہو جائے تو خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرکے کام کو کر ڈالے، یہ نہیں فرمایا کہ فاذا عزموا کہ جب وہ عزم کریں یا فاذا عزم اکثرھم کہ ان میں سے اکثر عزم کرلیں مطلب یہ کہ مشورہ تو کیجئے، اور مشورے کے بعد جس بات پر خود آپ کی رائے قرار پائے وہ کیجئے،

یہاں سے جمہوری سلطنت کا قلع قمع ہوتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جدھر کی کثرت رائے ہو اس جانب کو لیا جائے، سو قرآن شریف کی تعلیم اس کے خلاف ہے، اس میں فاذا عزموا کہ نہیں فرمایا، بلکہ فاذا عزمت فرمایا، خلاصہ یہ ہے کہ مشورہ تو سب کا ہو اور عزم آپ کا ہو، دوسروں کی رائے پر عمل کرنا لازم نہیں، اگرچہ وہ اہل ہی ہوں، اور آج کل کے تو اہل الرائے ماشاء اللہ اہل بھی نہیں ہوتے...... کمیٹیوں میں ایسے ایسے ممبر ہوتے ہیں، جن کو بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہوتی، واقعات بتلا رہے ہیں کہ آج کل کی کثرت رائے بالکل ہی مہمل ہے" (ص۵۳ تا ص۵۵)

حضرت کو تو بحمد اللہ کہ اس مہمل کثرت رائے سے سابقہ شاید ہی کبھی ہوا ہو، راقم ہذا کو آج کل کی کمیٹیوں اور ان کی اکثریت کا کچھ تھوڑا تجربہ ہوا تو بس اکثر اس اکثریت میں "وہ صد خر" کا منظر ہی دکھائی دیا اور بار ہا خر

اس سے طبیعت میں اتنی کراہیت پیدا ہو گئی کہ کسی کام میں جہاں کمیٹی کا نام آیا کہ ذہنی متلی شروع ہو گئی[۱]

خالص عقلی راہ سے بھی دیکھئے تو اجتماع کا نفسیاتی لازمہ یہ ہے کہ جو جماعت جتنی کثیر ہو گی، اُسی نسبت سے اس کے افراد کی انفرادی عقل بھی قلیل ہوتی جائے گی،

حریت یا آزادی کا ڈھول سب سے زیادہ پیٹا جاتا ہے لیکن اسلامی حریت و آزادی کے مقابلہ میں اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ آزادی نام ہے آقاؤں کی صرف تبدیلی کا، کہ ہم فلاں رنگ و نسل یا فلاں ملک و سرزمین کے انسانوں کی غلامی قبول نہ کریں گے، ان کے بجائے ہم کو ایسے آقا درکار ہیں جو ہمارے ہی رنگ روپ یا ہمارے پاس پڑوس کے ہوں، بس یہ ملکی و قومی آزادی کی پرواز ہے، یا پھر خود اپنے ملک و قوم میں آزادی یہ ہے، کہ اپنی غلامی کے لئے کسی فرد یا جماعت کو ہم خود اپنا آقا منتخب کر لیں، بخلاف اس کے اسلام کی عطا کردہ حقیقی آزادی یہ ہے کہ وہ انسان پر انسان کے حکم و حکومت کا قطعاً روادار نہیں نہ اپنوں کی نہ پرایوں کی، نہ ملکیوں کی نہ آفاقیوں کی نہ فرد کی نہ جماعت کی حتی کہ وہ کسی شخص کو خود اپنا یا اپنے نفس و ہوا کا محکوم و تابع رکھنا بھی گوارا نہیں کرتا[۲] ان الحکم الا للّٰہ[۳]

فرد و جماعت، ملک و قوم سب کا حاکم بالادست یا آقا و مالک صرف وہی ہو سکتا ہے جو واقع کے لحاظ سے بھی ان کا مالک و خالق ہے یا پھر وہی جس کو جس درجہ میں اپنے ملک اور اپنی سلطنت میں اپنا کارندہ تجویز کر دے، باقی اپنے ذاتی اختیار سے نہ کسی فرد کو نہ کسی جماعت کو نہ اپنے اوپر کسی طرح کی سرداری و سرداری کا حق حاصل ہے، نہ دوسروں پر نہ خود ساختہ قومی و ملکی تجارتی و تمدنی اغراض و مقاصد کے لئے کسی ملک و سرزمین کے لینے دینے یا تقسیم کرنے کا حق نہ محض اپنی رائے و عقل سے خود اپنے

---

[۱] لیکن اس سلسلہ میں جمہوری حکومتوں اور ان کے ہاں کے جمہوری اداروں کے تجربات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔ (عبدالماجد)

[۲] اس عبارت کو قدرے محدود و مقید کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ امامت و اقتدار امرا و اطاعت پر تو اسلام کیا ساری اجتماعی زندگی ہی کا دارومدار ہے (عبدالماجد)

[۳] یہ الفاظ قرآن مجید میں جہاں جہاں اور جس سیاق میں آئے ہیں وہ اس دعویٰ کی تائید میں نہیں، (عبدالماجد)

یا غیروں کے لئے کسی فرد یا جماعت کو کوئی قانون وضع کرنے کی اجازت، خدا کی زمین پر صرف خدا ہی کا اُتارا ہوا قانون چلنا چلانا چاہئے، جو ایسا نہیں کرتے قرآن کا اعلان ہے کہ وہی کافر، ظالم، فاسق، سب کچھ ہیں [۵۵]
من لم یحکم بما انزل اللہ او لٰئک ھم الکافرون - ھم الظالمون، ھم الفاسقون [۵۶]

مساوات کے دعویٰ کا یہی حال ہے، کہ اسلامی اعتقاد پر مبنی اخوت کے بغیر یہ عملاً ایک محال فطری کا دعویٰ ہے، خدا کے سوا انسان کسی معنیٰ میں بھی اپنے کو کسی دوسرے انسان کا تابع و محتاج مان کر یا اس کے قبضہ میں اپنا نفع و ضرر جان کر بھلا اس کے آگے بندگی و سرافگندگی سے کیسے رُک سکتا ہے، پھر اس بندگی و سرافگندگی کے بعد مساوات کہاں! توحید کی یہ بصیرت و اخوت نصیب نہ ہونے ہی کا نتیجہ ہے کہ آدمی آدمی کے آگے جھکتا ہے، "آدم از بے بصری بندگی آدم کرد"، جو کتے بھی نہیں کرتے، "من ندیدم کہ سگے پیش سگے سر خم کرد"
حقیقی حریت و اخوت اسی کا حصہ ہو سکتا ہے جس کے دل نے لا الٰہ الا اللہ کا راز پالیا،

مرد حر از لا الٰہ روشن ضمیر   می نگردد بندۂ سلطان و وزیر

پھر اسلام کی اصل روح سمع و اطاعت ہے اور قومی و سیاسی تحریکات کا سب سے بڑا سرمایہ انقلاب و بغاوت، اگر بیرونی حکومت سے آزادی ہے، تو خود اپنی ہی حکومت کے خلاف کوئی نہ کوئی شکایت پیدا ہوتے رہنا لازم، ایک پارٹی کی وزارت ہے تو دوسری اس کے لئے ہر وقت عدم اعتماد کی تحریک کا علم بغاوت لئے کھڑی ہے، رعایا و عوام کی فلاح و بہبود سے زیادہ اپنی پارٹی کی وزارت کے قیام اور مخالف کے انہدام کی فکر، حکومتی و سیاسی ملکی و قومی تجارتی و صنعتی کسی ادارہ یا فرد جماعت سے کوئی شکایت ہو تو احتجاج ہے ہڑتال ہے، جلسے ہیں، جلوس ہیں، نعرے ہیں، جن میں کشت و خون تک کی نوبت! اور یہ کیوں نہ ہو اس لئے

---

۵۵ ان سب عبارتوں کو محدود اور مقید کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ مطلق صورت میں تو ہر عقل اور ہر تجربہ سے انکار لازم آئیگا، حالانکہ یہ عقل اور تجربے بھی اللہ ہی کے عطیے ہیں، (عبد الماجد)

۵۶ یہ سب وعیدیں صرف ان لوگوں کے حق میں وارد ہوئی ہیں، جو خدا کی ہدایات و احکام کے موجود ہوتے ہوئے انہیں چھوڑ کر ہوائے نفس کے ماتحت قانون بنا رہے ہیں، (عبد الماجد)

کہ حق وانصاف کا اور کوئی ترازو ہی نہیں، تعلیم یہ ہے کہ جس قدر زیادہ شور وغل مچاؤ اور ہنگامہ فساد برپا کرو اُسی قدر زیادہ تمہارا حق زوردار سمجھا جائیگا، جتنے زیادہ زور سے پیٹ پیٹو گے اتنے ہی بھوکے سمجھے جاؤ گے اور اتنا ہی زیادہ پاؤ گے، لاحول ولا قوۃ یہ بھی کوئی نظام حکومت وسیاست ہے؟ جس کی بدولت ملک بھر میں روزانہ طرح طرح کے ہنگامے اور فسادات کھڑے رہیں اور شہریوں کا امن وامان برباد ہوتا رہے، رعایا حکومت سے برسر پیکار رہے، مزدور کارخانہ دار کے خلاف شورش برپا کر رہے ہیں، کاشتکار زمیندار پر دانت نکالے ہیں، کیونکہ اس کے بغیر کوئی زبردست زیردست کے ساتھ حق وانصاف پر آمادہ نہیں، جس نظام جماعت کی بنا حقوق شناسی کے بجائے حقوق طلبی پر ہو، وہاں ہر چہار طرف سے دن رات مطالبات واحتجاجات کی شورشوں اور شوریدہ سریوں کے سوا ہو ہی کیا سکتا ہے، اسلام نے انقلاب وبغاوت کی اجازت بہت ہی انتہائی حالتوں میں دی ہے کہ نسبتہً اور قابل تحمل حد تک بُری حکومت کے تحمل کر لینے میں اتنا ضرر نہیں، جتنا روز روز کے انقلاب حکومت، شور وشر اور فتنہ وفساد میں، اس لئے کہ اسلام کی نگاہ میں محض یہی زندگی اور اسی کائنات نہیں ہے، یہ انسانی زندگی کا بہت ہی حقیر وفانی جزو ہے، اسلام کے پیش نظر تو اصلاً انسان کی اگلی اور غیرفانی زندگی کی فلاح ہے، اور فکر وعمل کی مشغولیت کا وہی اصل میدان ہے، باقی یہ دنیا خود فانی و ناقص ہے اور اس کی ہر چیز فانی وناقص ہی رہے گی، تم لاکھ جدوجہد کرو لیکن نہ اس کی سیاسیات کو کامل وبے عیب بنا سکتے ہو، نہ اسکی قومیات ومعاشیات کو، بلکہ اس کی ساخت تو کچھ ایسی ہے کہ ایک طرف سے کسی نقص کو دور کرو تو دوسری طرف سے اس کے ردعمل کا فساد اُٹھ کھڑا ہوتا ہے، اس کے بناؤ بگاڑ میں دن رات لگے رہنا ایسا ہی ہے جیسے بچوں کو دن رات کھیل کود اور اس کے لئے لڑائی جھگڑوں میں لگا رکھا جائے، اور جوانی یا مستقبل کی دیرپا زندگی کے لئے تیاری کی ان کو مہلت ہی نہ ملے، اسلام نے اپنی تعلیمات میں حقوق طلبی کے حریصانہ و حریفانہ جذبات کو نہیں اُبھارا، کہ یہ تو فساد فی الارض کا سرچشمہ ہے، بلکہ حقوق شناسی کے

ادا ہو، اسے فرض پر زیادہ زور دیا ہے، تو وہاں کسی حق کی طلب کے لئے حلق کا زور لگانے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے، جہاں ایسے حقوق تک کے ادا کرنے کی تاکید و حکم ہو جن کی خود صاحب حق کو خبر تک نہیں، اسلام کی اس حقوق شناسی اور آج کل کی حقوق طلبی کے اسی فرق کو ایک موقع پر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ واضح فرماتے ہیں:

"آج کل جو محکوم حاکم کا مقابلہ کر کے سختی کے ساتھ اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگے تو اس کو کچھ حق مل جاتا ہے، یوں کہیئے کہ آج کل کے اہل حکومت یہ چاہتے ہیں کہ جب تک محکوم محکوم بن کر رہے اُس وقت تک اس کو حقوق نہ دیئے جائیں، ہاں جس وقت محکوم حاکم بن کر یا کم از کم مساوی بنکر اپنے حق کا مطالبہ کرنے لگے، اسی دن سے اس کو حقوق ادا ہونے لگیں، بس وہی مثل کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس، لاٹھی کے بغیر اپنی بھینس بھی نہیں مل سکتی، اور لاٹھی ہو تو پرائی بھی ہانک لیجائے، مگر شریعت میں معاملہ برعکس ہے اور ایسے مردہ حقوق کے ادا کرنے کی زیادہ تاکید ہے، جن کا کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں، حدیث میں ہے کہ جس حق کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا حتیٰ کہ صاحب حق بھی نہیں جانتا، ایسے حقوق کا خدا تعالیٰ خود حساب و مطالبہ فرمائیں گے۔"

مسلمانوں کے دینی و ایمانی ضعف و اضمحلال کے اس گئے گذرے زمانے میں بھی اس کی مثالیں بالکل نایاب نہیں، ایک مرد مومن کا خود راقم ہذا کے ساتھ ایک معاملہ پیش آیا کہ راقم کے ددھیالی قصبہ امیٹھی میں اس کا پشتہا پشت پہلے کا ایک مشترک سکنہ تھا، جس پر بہت ہی پرانا املی کا ایک درخت تھا، جس کے متعلق گھر میں کبھی صرف اتنا سنا تھا کہ دادی مرحومہ اپنی زندگی تک اس کی املی کا اپنا حصہ سالانہ ضرور وصول فرما لیا کرتی تھیں، ان کی وفات کے بعد نہ وہاں کے تعلقات رہے، نہ اس درخت کے متعلق کسی کو کوئی وہم و خیال تھا، لیکن راقم کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اسی سکنہ کے ایک خاندانی شریک و رئیس[1] نے غالباً ۱۹۳۵ء میں لکھا کہ وہ املی گر گئی تھی کوئلہ بنا کر فروخت ہوا ہے اس کا حصہ ہے، راقم کو بھی منی آرڈر سمجھ کر اپنے خاندان کے وارثوں تک آتے ہیں، ان کا حصہ پہنچانے کی [illegible] نصیب ہوئی، فالحمد للہ۔

---

[1] قاضی خادم حسین صاحب وکیل و رئیس امیٹھی ضلع لکھنؤ

کہ حق و انصاف کا اور کوئی ترازو ہی نہیں، تعلیم یہ ہے کہ جس قدر زیادہ شور و غل مچاؤ گے اور ہنگامہ و فساد برپا کرو گے اسی قدر زیادہ تمہارا حق زور دار سمجھا جائیگا، جتنے زیادہ زور سے پیٹ پیٹو گے اتنے ہی بھوکے سمجھے جاؤ گے اور اتنا ہی زیادہ پاؤ گے' لاحول ولا قوۃ یہ بھی کوئی نظام حکومت و سیاست ہے جس کی بدولت ملک بھر میں روزانہ طرح طرح کے ہنگامے اور فسادات کھڑے رہیں اور شہریوں کا امن و امان برباد ہوتا رہے، رعایا حکومت سے برسرپیکار رہے، مزدور کارخانہ دار کے خلاف شورش برپا کر رہے ہیں، کاشتکار زمیندار پر دانت نکالے ہیں، کیونکہ اس کے بغیر کوئی زبردست زیردست کے ساتھ حق و انصاف پر آمادہ نہیں، جس نظام جماعت کی بنا حقوق شناسی کے بجائے حقوق طلبی پر ہو وہاں ہر چہار طرف سے دن رات مطالبات و احتجاجات کی شورشوں اور شورید ہ سریوں کے سوا ہو ہی کیا سکتا ہے، اسلام نے انقلاب و بغاوت کی اجازت بہت ہی انتہائی حالتوں میں دی ہے کہ نسبتہً اور قابل تحمل حد تک بری حکومت کے تحمل کر لینے میں اتنا ضرر نہیں، جتنا روز روز کے انقلاب حکومت شورشرا اور فتنہ و فساد میں، اس لئے کہ اسلام کی نگاہ میں محض یہی زندگی اور اسی کا سیٹ نہیں ہے، یہ انسانی زندگی کا بہت ہی حقیر و فانی جزو ہے، اسلام کے پیش نظر تو اصلاً انسان کی اعلیٰ اور غیر فانی زندگی کی فلاح ہے، اور فکر و عمل کی مشغولیت کا وہی اصل میدان ہے، باقی یہ دنیا خود فانی و ناقص ہے اور اس کی ہر چیز فانی و ناقص ہی رہے گی، تم لاکھ جد و جہد کرو لیکن نہ اس کی سیاسیات کو کامل و بے عیب بنا سکتے ہو، نہ اسکی قومیات و معاشیات کو، بلکہ اس کی ساخت تو کچھ ایسی ہے کہ ایک طرف سے کسی نقص کو دور کرو تو دوسری طرف سے اس کے ردعمل کا فساد اٹھ کھڑا ہوتا ہے، اس کے بناؤ بگاڑ میں دن رات لگے رہنا ایسا ہی ہے جیسے بچوں کو دن رات کھیل کود اور اس کے لئے لڑائی جھگڑوں میں لگا دکھا جائے، اور جوانی یا مستقبل کی دیرپا زندگی کے لئے تیاری کی بات کی فرصت ہی نہ ملے، اسلام نے اپنی تعلیمات میں حقوق طلبی کے حریصانہ و حریفانہ جذبات کو نہیں ابھارا کہ یہ تو فساد فی الارض کا سرچشمہ ہے بلکہ حقوق شناسی کا

الغرض یہ ذہنیت پیدا ہو جانے پر انسان کسی حق کی طلب میں کیسے مخلص اور بے لاگ بن سکتا ہے؟ ہر دور میں ایسی ضرورت ہو سکتی ہے، جہاں ایسے حقوق تک کے ادا کرنے کی تاکید و حکم ہو جن کی خود صاحب حق کو خبر تک نہیں اسلام کی اس حقوق شناسی اور آج کل کی حقوق طلبی کے اسی فرق کو ایک موقع پر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ واضح فرماتے ہیں:

"آج کل جو محکوم حاکم کا مقابلہ کر کے سختی کے ساتھ اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگے تو انہیں کچھ حق مل جاتا ہے، یوں کہئے کہ آج کل کے اہل حکومت یہ چاہتے ہیں کہ جب تک محکوم محکوم بن کر رہے اُس وقت تک اس کو حقوق نہ دیئے جائیں، ہاں جس وقت محکوم حاکم بن کر یا کم از کم مساوی بن کر اپنے حق کا مطالبہ کرنے لگے، اسی دن سے اس کو حقوق ادا ہونے لگیں، بس وہی مثل کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس، لاٹھی کے نیچے اپنی بھینس بھی نہیں مل سکتی، اور لاٹھی ہو تو پرائی بھی ایک لیجائے، مگر شریعت میں معاملہ برعکس ہے اور ایسے مردہ حقوق کے ادا کرنے کی زیادہ تاکید ہے، جن کا کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں، حدیث میں ہے کہ جس حق کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا حتیٰ کہ صاحب حق بھی نہیں جانتا، ایسے حقوق کا خدا تعالیٰ خود حساب و مطالبہ فرمائیں گے۔"

مسلمانوں کے دینی و ایمانی ضعف و اضمحلال کے اس گئے گذرے زمانے میں بھی اس کی مثالیں بالکل نایاب نہیں، ایک مرد مومن کا خود راقم ہٰذا کے ساتھ ایک معاملہ پیش آیا کہ راقم کے دادہالی قصبہ امیٹھی میں اس کا پشتہا پشت پہلے کا ایک مشترک سکنہ تھا، جس پر بہت ہی پرانا املی کا ایک درخت تھا، جس کے متعلق گھر میں کبھی صرف اتنا سنا تھا کہ دادی مرحومہ اپنی زندگی تک اس کی املی کا اپنا حصہ سالانہ ضرور وصول فرما لیا کرتی تھیں، ان کی وفات کے بعد نہ وہاں کے تعلقات رہے نہ اس درخت کے متعلق کسی کو کوئی وہم و خیال تھا، لیکن راقم کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اسی سکنہ کے ایک خاندانی شریک و رئیس[۱] نے خط لکھ کر دریافت کیا ہے کہ وہ املی اگر گئی تھی کوئلہ بنا کر فروخت ہوا آپ کا حصہ ہے، راقم کو بھی منہا سمجھ کر ایسے خاندان کے وارثوں تک آ پہنچائی ہے ان کا حصہ پہنچا دینا ... [illegible]

[۱] قاضی خادم حسین وکیل و رئیس امیٹھی ضلع لکھنؤ

اللہ اکبر جب ہماری اس گئی گذری حالت میں ایسی مثالیں مفقود نہیں، تو خیر القرون اور صحابہ و تابعین کا ذکر نہیں، جب تک مسلمان اپنے ایمان و عمل میں مسلمان رہے ہوں گے کیا حال رہا ہوگا، اور آج بھی دنیا اگر محض مادی و خارجی انقلاب پر سارا زور لگانے کے بجائے اسلامی تعلیمات کا یہ روحانی و باطنی انقلاب کسی درجہ میں بھی پیدا اور قبول کرے تو دنیا بھر میں روز روز کے جنگ و جدل، فتنہ و فساد، اور کشت و خون کا کتنا سدباب ہو جائے، اور ظاہری دنیا کے امن و امان کے ساتھ قلوب کی باطنی دنیا کو بھی کتنا سکون و اطمینان نصیب ہو جس دولت سے شاید اب ہزاروں لاکھوں ہی میں کوئی قلب آشنا رہ گیا ہو، ایک معمولی سی بات ہے کہ اب عام طور سے کسی سے کوئی معاملہ کرنے یا کچھ قرض تک دینے میں یہی ڈر لگتا ہے کہ خدا جانے کیا دھوکا دیدے اور لینے والا دینے کے بجائے بالعموم مار لینے ہی کی فکر میں رہتا ہے انا للہ، دنیا ہی میں انسان کو قلب و دماغ کی کس بے اطمینانی و بے اعتمادی کی جہنم میں ڈھکیل دیا گیا ہے! اسلامی شریعت کا ایک معمولی قانون یہ ہے کہ مبیع میں اگر کوئی عیب ہو تو بائع کا فرض ہے کہ خود ہی مشتری کو اس سے آگاہ کر دے، آج کل معاملہ بالکل برعکس ہوتا ہے، کہ مشتری کو کسی نہ کسی طرح پھنسا لینا ہی بڑا کمال ہے،

بہرحال یہ تو ہماری موجودہ قومیات و سیاسیات کے وہ چھوٹے اور چلتے سکے تھے، جنھوں نے انسانیت کے سارے بازار کو گندہ اور پراگندہ کر رکھا ہے لیکن ان سب کی جڑ قرآن کی اصطلاح میں علو فی الارض کا ارادہ یا نصب العین ہے، بلکہ یہی ساری قومی و سیاسی تحریکات حاضرہ کا لفظی ترجمہ ہے جو دوسرے لفظوں میں نام ہی ہے فساد فی الارض کا اور کبھی مصر کے ایک فرعون نے علو فی الارض (ان فرعون علا فی الارض) سے زمین مصر میں فساد برپا کیا تھا، تو آج قومیات و سیاسیات کی راہ سے کرۂ ارض کے چپہ چپہ پر چھوٹے بڑے فرعونوں نے اسی ھوطلبی کا فساد مچا رکھا ہے، ادنیٰ ادنیٰ ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپلٹی، چھوٹے سے چھوٹے سرکاری و غیر سرکاری، سیاسی و غیر سیاسی، قومی و تعلیمی اداروں کی ممبریوں اور صدارتوں سے لے کر بڑی سے بڑی حکومتوں اور ملکوں تک کے اعلیٰ سے اعلیٰ حکومتی و غیر حکومتی، قومی و غیر قومی، اعزازی

و تنخواہی منصبوں، عہدوں اور لیڈریوں یا قومی و ملکی آزادی و خود مختاری سب کی طلب کا حاصل وہی اپنی ذات یا ملک و قوم کے لئے مالی و جاہی سروری یا سربلندی یا علو و کبریائی کی طلب کے سوا کیا ہے! یعنی دیگر اسی فانی دنیا اور اسی فانی زندگی کے ظاہری و مادی منافع!!

بھلا اسلامی قومیات و سیاسیات کا اس پستی و پست نظری اور دل و دماغ کی اس درجہ دنارت و خست سے دور کا بھی کوئی واسطہ ہو سکتا ہے؟ وہاں اپنے حق و استحقاق لیاقت و اہلیت کے لمبے لمبے قصیدے شائع کرنا کیا معنی! کسی جاہ و منصب کی طلب و خواہش کا زبان تک آجانا ہی اس کے لئے نالائقی اور نااہلی کی اولین دلیل ہے، اس کی انفرادی و اجتماعی، سیاسی و قومی علمی و تعلیمی ہر حرکت و جنبش کا مدعا صرف حق اور کلمۂ حق کا علو و اعلا ہے، نہ اپنی ذات کے لئے کسی علو و سربلندی کا ارادہ جائز ہے، نہ اپنی قوم و وطن کیلئے، نہ اپنی نسل و رنگ کے لئے، نہ اپنی تجارت و صنعت کے لئے اور نہ کسی خود ساختہ تہذیب و تمدن یا نام نہاد ثقافت کے لئے اور نہ کسی ہوائی یا نفسانی نظریہ و خیال کے لئے، ان چیزوں کا تو اگر ذہن میں خیال بھی شریک ہو گیا تو شرک ہو گیا، اور مسلمان خالص کلمۂ حق کے علو و اعلاء کے مقام توحید سے گر گیا، حتی کہ حکومت و سلطنت بھی جو کسی دنیوی جاہی و مالی سروری و سربلندی کی نیت و ارادہ سے اور خدا کی نافرمانی و ناراضی کی راہ سے حاصل کیجائے تو اسلام کی نگاہ میں اس کے مقابلہ میں خدا کو راضی رکھ کر "پاخانہ اٹھانا" ہزار درجہ بہتر ہے، اگر سلطنت سلطنت ہی کے لئے دین و اسلام کا بھی مقصود ہے تو یہ تو فرعون، شداد و نمرود سب ہی کو حاصل تھی، پھر کیا اسلام بھی اسی فرعونیت کی از سر نو دعوت دینے آیا ہے! اسی حقیقت کی طرف حضرت مجدد وقت کس ایمانی قوت و حرارت کے ساتھ متوجہ فرماتے ہیں کہ

"خدا کی قسم اگر ہم کو پاخانہ بھی اٹھانا پڑے اور خدا ہم سے راضی ہو تو وہی ہمارے لئے سلطنت ہے، اور اگر خدا راضی نہ ہو تو لعنت ہے ایسی سلطنت پر جو خدا کو ناراض کرکے حاصل کیجائے، یاد رکھو کہ سلطنت کوئی تقرب الی اللہ کا سبب نہیں، بعض انبیاء علیہم السلام ایسے بھی ہوئے ہیں جن کو

سا ہی عمر سلطنت نصیب نہیں ہوئی، حدیث میں آیا ہے کہ ایک نبی کے ساتھ صرف ایک آدمی ہوگا اور بعض کے ساتھ ایک بھی نہ ہوگا، تو کیا سلطنت نہ ہونے سے ان انبیاء کے درجے میں کوئی کمی ہوگئی اگر محض سلطنت کوئی قرب کی چیز ہوتی، تو فرعون کو بڑا مقرب ہونا چاہیئے۔"

علم و فضل، تقویٰ و طہارت، شہرت و عظمت ہر اعتبار سے اس وقت جو دو بڑے علمائے دین سیاسیات حاضرہ میں سب سے پیش پیش ہیں، راقم ہذا کو لکھنؤ اسٹیشن پر ایک دفعہ دونوں کی ایک ساتھ زیارت نصیب ہوئی، تو بعینہ اپنا یہی خلجان ان کی خدمات میں پیش کیا کہ فرض فرمایئے کہ ایک طرف مسلمان محکوم و محتاج، مفلس و جاہل سب کچھ ہیں، لیکن دین و ایمان کے ساتھ مرتے ہیں، اور دوسری طرف حکومت و دولت، جاہ و ثروت، علم و عزت سب کچھ حاصل ہے، لیکن دین و ایمان برائے نام یا خطرہ میں ہے، تو دینی و اسلامی نقطۂ نظر سے مہلک حالت کون سی ہے؟ اور اہم و اقدم فکر دین و ایمان کی ہے یا حریت و حکومت کی!

غرض مسلمان اگر مسلمان ہے تو اس کی نگاہ میں حکومت و سلطنت سب سے مقدم آخرت ہی ہوگی، اور آخرت انہی کے لئے ہے کہ جو زمین میں علو یا تفوق و برتری، سرداری و سربلندی اور فتنہ و فساد کا ارادہ نہیں رکھتے، تلك الدار الآخرة نجعلها للذين لا يريدون علوا في الارض ولا فسادا

اے دل آں بہ کہ خراب از مے گلگوں باشی　　بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

قومیت و وطنیت، جمہوریت و اکثریت، انقلاب و بغاوت، مساوات و حریت وغیرہ یہ تو وہ گندگیاں تھیں جو آج کل کی قومیات و سیاسیات کے شجرۂ خبیثہ کی جڑوں میں پیوست ہیں، پھر اس کے برگ و بار کا کہنا ہی کیا، کذب و افترا، حیل و فریب، سازش و دغا، بغض و حسد، سب و شتم، توہین و تذلیل، غیبت و بہتان کو شاید ہی چھوٹا گناہ ہے، جو انتخابات کے ہنگاموں، جلسوں کے پنڈالوں اور اخباروں کے کالموں میں عین ثواب نہیں!

یاد ہش بخیر! یہ اخبارات اور ان کا جھوٹ سچ پروپگنڈا جو آج قومیات و سیاسیات کے بال و پر ہیں

اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھئے تو ایسے اخبارات سراسر منبع شر و فساد اور معاصی کا نکالنا اور پڑھنا سب ناجائز ہوگا۔ لیکن اس حرمت و عدم جواز کا نام بھی کون لے سکتا تھا، تاہم وقت کے مجدد کی نظر و ہمت اس عظیم مفسدہ پر تنبیہ اور اس کی اصلاح سے کیسے باز رکھ سکتی تھی، چنانچہ اس پر ایک چھوٹا سا مستقل رسالہ تحریر فرمایا، اور پھر لوگوں کے شور و غل پر بقدر ضرورت زبانی و تحریری تشریح بھی فرمائی، مخالف کی توہین و تذلیل، جھوٹ بہتان و افترا کا ذکر ہی کیا، ایک عام اخباری مفسدہ و معصیت یہ ہے کہ ہر خبر کو بلا کافی تحقیق و توثیق کے شائع کر دیتے ہیں، خصوصاً اگر وہ ان کے مفید مطلب یا ان کے اخبار کی پالیسی کے موافق ہو، اس کی مذمت جیسا کہ حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا خود قرآن مجید کی اس آیت سے ثابت ہے کہ

"واذا جاءھم امر من الامن او الخوف الیٰ قولہ یستنبطونہ منھم"

یعنی جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے، خواہ وہ موجب امن ہو یا موجب خوف ہو تو اسکو فوراً مشہور کر دیتے ہیں (اس میں ایسے اخبارات والے بھی آگئے) حالانکہ کبھی وہ خبر غلط ہوتی ہے، اور کبھی اس کا مشہور کرنا خلاف مصلحت ہوتا ہے، اور اگر یہ لوگ اس خبر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے پر اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کی رائے پر حوالہ رکھتے تو وہ حضرات (اس کی حقیقت) کو پہچان لیتے، جو ان میں تحقیق کر لیا کرتے ہیں۔"

آگے جو اصلاحی ہدایات فرمائی ہیں اُن میں سے بعض مختصراً یہ ہیں،

(۱) جو واقعہ کسی کی مذمت و معائب پر مشتمل ہو، اس کو اس وقت تک ہرگز شائع نہ کیا جائے جب تک حجت شرعیہ سے اس کا کافی ثبوت نہ مل جائے، کیونکہ جھوٹا الزام لگانا کافر پر بھی جائز نہیں، لیکن آج کل اخبارات کا شاید کوئی صفحہ اس سے خالی ہوتا ہو،

(۲) یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ حجت شرعیہ کے لئے کسی افواہ کا عام ہونا یا کسی اخبار کا لکھ دینا ہرگز کافی نہیں، بلکہ شرعی شہادت ضروری ہے،

(۳) کسی شخص کے عیب یا گناہ کا واقعہ اگر حجت شرعیہ سے بھی ثابت ہو جائے تب بھی اس کی اشاعت اور اخبار میں درج کرنا جائز نہیں، بلکہ فرض یہ ہے کہ خیر خواہی سے تنہائی میں اس کو سمجھایا جائے، کیونکہ اس کو رسوا کرنا علاوہ شرعی ممانعت کے تجربہ سے ثابت ہے کہ بجائے مفید ہونے کے ہمیشہ مضر ہوتا ہے،

(۴) البتہ اگر کسی مسلمان کا عیب یا گناہ شرعی حجت سے ثابت ہو اور اس کا نقصان یا ظلم اپنی ذات کو پہنچتا ہو تو پھر اس کی برائی کو علانیہ شائع کر سکتا ہے کہ لا یحب اللّٰہ الجھر بالسوء الا من ظلم یعنی اللّٰہ تعالیٰ برائی کے اعلان کو پسند نہیں فرماتے مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو..... لیکن اس صورت میں بھی تجربہ یہ ہے کہ عام اعلان و اشاعت کے بجائے صرف ان لوگوں کے سامنے بیان کرے جو دادرسی کر سکیں،

(۵) جو خبر کسی کی مذمت و ضرر پر مشتمل نہ ہو اس کی اشاعت جائز ہے، مگر اس شرط سے کہ کسی مسلمان کی خاص مصلحت یا عام مصلحت کے خلاف نہ ہو، اور جس میں ایسا احتمال ضعیف بھی ہو تو بجز ان لوگوں کے جو عقل و شرع کے موافق اس معاملہ کو ہاتھ میں لئے ہوں، عام لوگوں پر اس کو ظاہر نہ کرنا چاہئے،

(۶) خلاف شرع مضامین اور ملحدین کے عقائد باطلہ اول تو شائع نہ کئے جائیں اور اگر کسی ضرورت سے اشاعت کی نوبت آئے تو جس پرچہ میں شائع ہوں اسی میں تردید اور کافی جواب بھی شائع ہو، کیونکہ بہت سے آدمی وہ ہوتے ہیں کہ جن کی نظر سے آیندہ پرچے نہیں گذرتے، خدانخواستہ اگر وہ اس سے کسی شبہہ میں گرفتار ہو گئے تو اس کا سبب شائع کرنے والا ہوگا،

(۷) اگر مسلمانوں پر کافروں کے ظلم کی خبر شائع کرنا ہو تو جبتک اس ظلم کی نسبت کافروں کی طرف حجۃ شرعیہ سے ثابت نہ ہو، اس طرح شائع کیا جاوے کہ فلاں مقام کے مسلمانوں پر مظالم ہو رہے ہیں، مسلمان ان کا انسداد کریں، اور جائز طور پر ان کی جانی و مالی امداد کریں،

(۸) اخبار کا اڈیٹر ہمیشہ ایسا شخص بنے جو تمام علوم اسلامیہ پر عبور رکھتا ہو، یا کم از کم علماء سے رجوع کرنے کا پابند ہو، ورنہ ظاہر ہے کہ اخبار کی اشاعت بیدینی و بے قیدی کا ایک کامیاب آلہ ہے،

(۹) ایسی کتاب کا جو دین کو مضر ہو یا ایسی دوا کا جو شرعاً حرام ہو یا کسی ایسے معاملہ کا جو شرعاً فاسد ہو اشتہار نہ دیا جائے، اور نہ اخبار میں تصویر بنائی جائے،

ظاہر ہے کہ اس دور میں ان ہدایات پر عمل کرنا تو الگ رہا ان کو سننے کی برداشت بھی کتنے کانوں کو ہوگی، تاہم اتمام حجت کے لئے تجدید و اصلاح کا جو فرض تھا وہ حضرت مجدد نے اس معاملہ میں بے تکلف ادا فرمادیا، خود فرماتے ہیں کہ

"یہ مختصر گذارش محض دل سوزی و ہمدردی پر مبنی ہے، اگرچہ زمانہ کی مسموم ہوا میں کارگر ہونے کی توقع نہیں لیکن بایں امید کہ شاید خدا تعالیٰ کسی نیک بندہ کو عمل و اصلاح کی توفیق عطا فرمائیں، یہ سب عرض کردیا گیا، وللہ الحمد" (ص ۸۱۶ تا ص ۸۲۱)

سوچنے کی بات ہے کہ اگر ایک اخبارات اور پروپگنڈے ہی کے معاملہ میں اسلامی تعلیمات و ہدایات کے حدود و قیود کو محفوظ رکھا جاتا تو روزمرہ کی باہمی تلخیوں اور سیاسی شر و فساد کا کتنا باب بند ہو جاتا، اور غیروں پر بھی اس کا کتنا اثر ہوتا کہ مسلمان دشمنی میں بھی کتنا حدود شناس اور احتیاط پسند ہوتا ہے، (باقی)

کلیات شبلی فارسی

مولانا شبلی مرحوم کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات اور قطعات کا مجموعہ، جو اب تک متفرق طور سے دیوان شبلی، دستۂ گل، بوئے گل، ابرگ گل کے ناموں سے چھپے تھے، اس میں سب یکجا کردیئے گئے ہیں،

ضخامت:۔ ۱۲۴ صفحے، قیمت عہ

"منیجر"

فتاویٰ عالمگیری اور اُسکے مؤلفین

جناب حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین

عرب جہاں بھی گئے اپنے ساتھ اسلامی علوم و فنون، تہذیب و معاشرت بھی لے گئے، یہی وجہ ہے کہ ایشیا، یورپ اور افریقہ جس سرزمین میں اُنھوں نے قدم رکھا وہاں کے مذہب کے ساتھ ساتھ تہذیب، معاشرت اور زبان کو بھی بدل دیا، اس کے برخلاف ترک و تاتار اور دوسری عجمی مسلمان قومیں جہاں گئیں ان کا مذہب تو اسلام رہا، لیکن تمدن اُنھوں نے اپنا پھیلایا، اسی لئے تمام مصر و شمالی افریقہ کے مقابلہ میں ہندوستان میں عجمی تمدن اور عجمی مذاق کو زیادہ فروغ ہوا،

ہندوستان میں اگرچہ صدیوں مسلمانوں کی حکومت قائم رہی، لیکن اس کے تمام حکمران خاندان اور ان کے بیشتر عمال حکومت عجمی تھے، اس لئے ان کے اثر سے یہاں زیادہ تر عقلی و عجمی علوم کا چرچا رہا، ان کے مقابلہ میں خاص دینی علوم تفسیر و حدیث و رجال و طبقات کی خدمت و اشاعت کم ہوئی تاہم ہر زمانہ کے اکابر علماء اپنے طور پر اس فرض کو انجام دیتے رہے، اور دینی علوم کی خدمت میں دوسرے اسلامی ممالک سے ہندوستان کا قدم بہت پیچھے نہیں رہا، لیکن حکومت کے بیشتر قوانین اسلامی تھے، خصوصاً مسلمانوں کی روزانہ زندگی کے معاملات و معاشرتی مسائل کا تعلق فقہ سے تھا، اس لئے ہر عہد میں فقہ کی جانب خاص توجہ رہی، اور فقہ کی کتابوں پر شروح و حواشی لکھے گئے، مطولات کے مختصرات لکھے گئے، فقہ و فتاویٰ کی متعدد اہم کتابیں فتاویٰ تاتارخانیہ[۱]، فتاویٰ حمادیہ[۲] اور فتاویٰ ابراہیمیہ[۳] تالیف ہوئیں، اورنگ زیب علیہ الرحمہ نے فتاویٰ عالمگیری مدون کرائی جو ہندوستان کا قابل فخر

۱؎ مصنفہ عالم بن العلاء متوفی ۷۸۶ھ ۲؎ مولفہ ابوالفتح رکن بن حسام ناگوری ۳؎ مولفہ قاضی نظام الدین گیلانی

کتابیں مسلک حنفی کی کتابوں میں سب سے مقدم و متداول ہے، اوّل الذکر متعدد افراد کی تالیف ہے اور فتاویٰ عالمگیری گیارھویں صدی ہجری کے ہندوستان کے منتخب علماء کی کوششوں کا نتیجہ ہے، اس لئے اس میں جو جامعیت اور جزئیات کا جس قدر استقصا ہے، وہ دوسرے فتاویٰ میں نہیں ہے اور اس کو گذشتہ فتاویٰ کے مقابلہ میں اہمیت حاصل ہے، لیکن تعجب ہے کہ اب تک نہ عالمگیری کے مؤلفین کے حالات یکجا جمع کئے گئے اور نہ اس کی خصوصیات اور ماخذ پر کچھ لکھا گیا، اس مضمون میں اسی کمی کو پورا کرنا مقصود ہے،

(۱) فتاویٰ عالمگیری کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی ایک شخص کی تالیف نہیں بلکہ علماء کی ایک جماعت کی تالیف ہے، اس لئے وہ ان نقائص اور فروگذاشتوں سے پاک ہے جن کا ایک فرد واحد کی تالیف میں امکان رہتا ہے،

(۲) اس میں وہی مسائل لئے گئے ہیں جو راجح، مفتی بہ یا ظاہر الروایت[1] کے ہیں، اگر کوئی مسئلہ ظاہر الروایت میں نہیں ہے تو نوادر سے لیا گیا ہے، لیکن اس تصریح کے ساتھ کہ کتاب میں اس پر فتویٰ کا اشارہ موجود ہے،

(۳) ہر مسئلہ کے ساتھ اس کے ماخذ کا مفصل حوالہ بھی دے دیا ہے، جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے، اگر اس میں کسی دوسری کتاب سے نقل کیا گیا ہے تو ناقلاً عن فلاں کر کے اصل ماخذ کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے،

(۴) اگر کسی مسئلہ کے بارہ میں دو مختلف اقوال ہیں اور دونوں میں سے کوئی قابل ترجیح نہیں ہے تو دونوں کو مع حوالہ نقل کر دیا گیا ہے، اگر کسی کتاب کی لفظ بلفظ نقل ہے، تو کذا لکھ دیا ہے اور اگر اس کا خلاصہ اور مفہوم لیا ہے تو وھکذا سے اشارہ کر دیا گیا ہے،

(۵) یہ کتاب تقریباً آٹھ برس میں تیار ہوئی اور کم و بیش دو لاکھ روپے اس پر صرف ہوئے،

---

[1] یہ چھ کتابیں ظاہر الروایت میں شمار کی جاتی ہیں، جامع کبیر، جامع صغیر، مبسوط، زیادات، سیر کبیر، سیر صغیر۔

عالمگیری کے ماخذ | فتاویٰ عالمگیری فقہ کی تمام اہم اور معتبر کتابوں کا خلاصہ اور عطر ہے، ذیل میں عالمگیری کے تمام ماخذ کی فہرست دیجاتی ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ علماء نے کس جانکاہی سے سینکڑوں خرمنوں سے خوشہ چینی کرکے فقہ و فتاویٰ کا یہ ذخیرہ جمع کیا ہے،

(۱) ہدایہ ص۳ برہان الدین المرغینانی (۲) شرح طحاوی ص۳ غالباً امام بدرالدین العینی کی شرح مراد ہے (۳) ذخیرۃ العقبیٰ ص۳ شرح منیۃ المصلی (۴) مضمرات ص۳ قدوری کی شرح اس کا دوسرا نام جامع المضمرات ہے، (۵) البدائع ص۳ (۶) المغنی ص۳ (۷) عینی شرح ہدایہ ص۴ (۸) الخلاصۃ ص۴ (۹) فرائض الزاہدی ص۴، ابوالرجاء مختار بن محمود م ۶۵۸ھ (۱۰) ظہیریہ ص۴ ظہیرالدین البخاری ۶۱۹ھ (۱۱) محیط ص۴ اس نام کی دو کتابیں ہیں ایک برہان الدین صدر الشریعۃ کی تصنیف ہے جو المحیط البرہانی کے نام سے موسوم ہے، دوسری رضی الدین السرخسی کی جو محیط السرخسی کے نام سے مشہور ہے، ثانی الذکر کے بعض نسخے مصر وغیرہ کے کتبخانوں میں موجود ہیں غالباً عالمگیر کے شاہی کتب خانہ میں بھی اس کا کوئی نسخہ موجود تھا، الفوائد البہیۃ میں مولانا عبدالحئیؒ نے لکھا ہے کہ اس کے بعض نسخے میری نظر سے گذرے ہیں (۱۲) طحاوی (۱۳) فتاویٰ قاضی خاں ص۴، (۱۴) شرح وقایہ ص۴ (۱۵) التبیین ص۴ امام نسفی (۱۶) محیطین ص۴ شاید اس سے مراد محیط برہانی اور محیط سرخسی ہو، (۱۷) السراج الوہاج ص۴ (۱۸) فتح القدیر ص۴ ابن ہمام (۱۹) البحر الرائق ص۴ (۲۰) الجامع الصغیر ص۴ امام محمد، (۲۱) الجامع الوجیز ص۴ للکردری ۸۱۲ھ کی تصنیف ہے (۲۲) الیتیمۃ ص۴ (۲۳) تاتارخانیہ ص۴ عالم بن العلاء، (۲۴) فتاویٰ سراجیہ ص۴ الاوشی الفرغانی ۵۶۹ھ میں لکھی گئی (۲۵) الاختیار فی شرح المختار ص۴ (۲۶) کفایہ شرح ہدایہ ص۶ جلال الدین الخوارزمی (۲۷) فتاویٰ برہانیہ ص۶، (۲۸) الجوہرۃ النیرہ ص۶ قدوری کی پہلی شرح ابوبکر الحداد العبادی متوفی ۸۰۰ھ (۲۹) قنیۃ المنیۃ ص۶ نجم الدین الزاہدی الغزمینی ۶۵۸ھ (۳۰) محیط السرخسی ص۶ (۳۱) النہر الفائق ص۶ (۳۲) مبسوط ص۶ امام سرخسی (۳۳) فتاویٰ الحجہ ص۶ (۳۴) النہایۃ ص۶ (۳۵) تحفہ ص۶ (۳۶) الضیاء ص۶ (۳۷) الوافی ص۶ (۳۸) الکافی ص۶ (۳۹) خزانۃ الفقہ ص۹ امام ابواللیث ۳۸۳ھ (۴۰) الملتقط ص۱۱،

(۴۱) شرح المنیۃ للحلبی ص ۱۱ (۴۲) النزاوص ۱۳ (۴۳) فتاوی غیاثیہ ص ۱۴ (۴۴) شمنی ص ۱۴ تقی الدین الشمنی م ۸۷۲ھ
(۴۵) فتاوی شیخ الاسلام ص ۱۵ المعروف بخواہر زادہ ص ۱۵ (۴۶) شرح المبسوط ص ۱۲ (۴۷) عتابیہ ص ۱۵ (۴۸)
منیۃ المصلی ص ۱۷ (۴۹) خزانۃ المفتیین امام حسین بن محمد السمنقانی ۷۴۰ھ کی تصنیف ہے (۵۰) عینی شرح کنز ص ۲۲
(۵۱) المفید والمزید (۵۲) شرح منیہ ص ۲۲ لابن امیر الحاج (۵۳) کنز الدقائق ص ۲۴ (۵۴) خزانۃ الفتاوی ص ۲۷
احمد بن محمد الحنفی صاحب مجمع الفتاوی (۵۵) الاسرار فی الاصول والفروع ص ۲۸ ابو زید عبید اللہ بن عمر الدبوسی
م ۴۳۰ھ (۵۶) شرح الزیادات ص ۲۹ (۵۷) شرح النقایہ ص ۳۵ شیخ ابو المکارم (۵۸) الصغری ص ۳۵ (۵۹) شرح المجمع
ص ۳۶ لابن الملک (۶۰) تجنیس ص ۳۶ صاحب ہدایہ (۶۱) نصاب ص ۴۲ (۶۲) الکبری ص ۴۲ (۶۳) تنویر ص ۴۲ شرح تلخیص
جامع الصغیر (۶۴) غایۃ ص ۴۴ شرح ہدایہ (۶۵) فتاوی الغرائب ص ۴۴ (۶۶) محیط السرخسی ص ۴۵ (۶۷) فتاوی عتابیہ
ص ۴۷ ابو نصر عتابی م ۵۸۶ھ (۶۸) فتاوی قراخانی ناقلاً عن الواقعات الحسامیہ ص ۴۷ (۶۹) صیرفیہ ص ۴۹ دوسرا نام
فتاوی آہو ہے، (۷۰) مختار الفتاوی ص ۵۰ لابی الفضل مجد الدین الموصلی م ۶۸۳ھ (۷۱) قدوری ص ۵۰ (۷۲) شرح
منیہ ناقلاً عن الحاوی ص ۵۰ (۷۳) فتاوی التمرتاشی ص ۵۰ ابو محمد ظہیر الدین الحنفی م ۶۰۰ھ (۷۴) ینابیع ص ۵۶ اسفرائینی
کی ینابیع الاحکام مراد ہے یا شرح القدوری (۷۵) شاہان شرح الہدایہ ص ۵۶ (۷۶) الفتاوی العتابیہ المعروف
بجامع الفتاوی ص ۵۰ (۷۷) شرح مقدمۃ ابی اللیث متوفی ۳۹۳ھ (۷۸) مصفی ص ۵۹ (۷۹) وقایۃ ص ۶۲ (۸۰)
النقایہ ص ۶۲ (۸۱) تہذیب ص ۸۰ شیخ احمد القلانسی (۸۲) خانیہ ص ۸۵ (۸۳) جامع الجوامع ص ۸۵ (۸۴) جواہر الاخلاطی
ص ۹۱ (۸۵) الحصیر ص ۹۳ (۸۶) البرجندی ص ۱۰۲ (۸۷) غایۃ البیان ص ۱۰۶ شرح ہدایہ (۸۸) مختارات النوازل لصاحب
الہدایہ (۸۹) برجندی ص ۱۰۶ (۹۰) اقرار العیون ص ۱۱۱ (۹۱) نفقات ص ۵۴۶ (۹۲) فتاوی الولوالجیۃ ص ۵۶۹ فتاوی کی کتاب
ظہیر الدین ابوبکر الحنفی متوفی ۵۰۰ھ کی تصنیف ہے (۹۳) شرح نقایہ برجندی ص ۵۶۹ (۹۴) الغایۃ السروجی، ہدایہ کی شرح
ابو العباس احمد بن ابراہیم السروجی کی تصنیف ہے م ۷۱۰ھ (۹۵) المنتقی ص ۵۶۶ (۹۶) فتاوی الکبری ص ۵۴۷،
ص ۵۲۳ حسام الدین عمر بن عبد العزیز ۵۳۶ھ (۹۷) فتاوی الصغری ص ۵۳۶ حسام الدین عمر بن عبد العزیز ۵۳۶ھ (۹۸) الواقعات

(۹۹) المجتبیٰ (۱۰۰) التحریر شرح جامع الکبیر الحصیری جمال الدین محمود بن احمد البخاری المعروف بالحصیری م ۶۳۶ھ نے دو شرحیں لکھی ہیں، ایک مفصل اور ایک مختصر، یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ حوالہ کس شرح کا ہے (۱۰۱) فتاوی امام کرخی م ۳۴۰ھ امام کرخی مشہور فقیہ ہیں (۱۰۲) البقالی (۱۰۳) شرح تلخیص جامع الکبیر (۱۰۴) ملخص المحیط (۱۰۵) مفصل العمادی، جمال الدین بن عماد الدین الخفی (۱۰۶) الحاوی القدسی، قاضی جمال الدین احمد بن محمد المتوفی ۵۹۳ھ یا ۶۰۰ھ (۱۰۷) شرح کتاب الاستحسان، کتاب الاستحسان شمتی کی شرح شمس الائمہ حلوانی نے کی ہے، یہ وہی شرح ہے (۱۰۸) شرح الزیادات للعتابی، امام ابو القاسم احمد بن محمد العتابی متوفی ۵۸۶ھ کی تصنیف ہے، یہ کتاب اپنے موضوع پر بے نظیر ہے (۱۰۹) کتاب رزین (۱۱۰) البحر الزاخر، سراج الوہاج جو مختصر القدوری کی شرح ہے، یہ کتاب اسی کا خلاصہ ہے (۱۱۱) فصول الاستروشنی، امام مجد الدین ابو الفتح متوفی ۶۳۲ھ کی تالیف ہے (۱۱۲) فتاوی فضلی، ابو عمرو عثمان بیکندی متوفی ۵۰۸ھ (۱۱۳) فوائد العلامہ شیخ الاسلام برہان الدین (۱۱۴) فوائد نظام الدین (۱۱۵) فتاوی نسفی، نسفی مشہور فقیہ ہیں (۱۱۶) فتاوی الخجندی، اپنے وقت کے تمام مشائخ کے فتاوی کو جمع کر دیا ہے (۱۱۷) فوائد بن سماعہ (۱۱۸) الواقعات حنفیہ (۱۱۹) الاسعاف، برہان الدین ابراہیم بن ابی بکر الطرابلسی م ۹۲۲ھ نے اس میں اوقاف کے تمام مسائل اور جزئیات جمع کر دیئے ہیں (۱۲۰) فتاوی رشید الدین (۱۲۱) شرح ادب القاضی، غالباً صدر الشہید کی شرح مراد ہے (۱۲۲) فتاوی آہو جس کا دوسرا نام فتاوی صیرفیہ بھی ہے (۱۲۳) المستصفیٰ شرح النافع (۱۲۴) فتاوی ابی الفتح غالباً مجد الدین ابو الفتح م ۶۳۲ھ کے فتاوے مراد ہیں،

ماخذ کی یہ فہرست سرسری مطالعہ سے تیار کی گئی ہے، مزید تلاش و تفحص سے ممکن ہے کچھ اور نام بھی حاصل ہوں، تاہم اس سے یہ اندازہ ہوگیا ہوگا کہ فتاوی کی تالیف میں کس قدر اہتمام، تلاش و جستجو اور تحقیق سے کام لیا گیا ہے،

عالمگیری کا سنہ تصنیف | فتاوی عالمگیری کے سنہ تصنیف کی یقینی تعیین کرنا تو بہت مشکل ہے، لیکن ذیل کے بیانات سے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے، عالمگیر نامہ کا مصنف عالمگیر کی حکومت کے گیارہویں سال کے واقعات میں لکھتا ہے:

"چوں ہمگی ہمت والا نہمت شریعت پیرائے آں خدیو دین پرور حق پژوہ مصروف است باینکہ

کافۂ مسلمین را احکام دین متین بسائے کہ اکابر علما و ائمہ مذہب شریف حنفی بداں فتوی دادہ معمول بہا معمول علیہا دانستہ عمل نماید ... ... ومع ہذا مجموع آں را یک کتاب حاوی نیست ... ... لاجرم بہ ضمیر مہر انوار در امور دین و دولت بمنتوی الہام کارگذار است پرتو ایں عزیمت تافت کہ جمعے از علمائے پایۂ سریاکی کتب معتبرہ نسخ مبسوطاں فن را کہ در کتاب خانۂ خاصۂ شریفہ[1] بروزگاراں از اطراف واکناف عالم فراہم آمدہ جلوہ گاہ انظار تتبع ساختہ از روی تحقیق و تدقیق و خوض و غور ایں تجمیع تالیف آں مسائل پردازند و از مجموع آں نسخۂ جامعہ مرتب سازند تا ہمگناں را استکشاف مسئلہ مفتی بہا در ہر باب بمراجعت آں کتاب بسہولت و آسانی دست دہد ... ... چوں آں کتاب مستطاب صورت اتمام گیرد و پیرایۂ اختتام پذیرد جہانیاں را از سائر کتب فقہی مغنی خواہد بود"[2]

مراۃ العالم میں ہے،

"چنانچہ قریب دو لکھ روپیہ صرف لوازم ایں کتاب مستطاب کہ زیادہ از یک لکھ بیت باشد شدہ ان شاء اللہ ہر گاہ آرائش تمام و پیرایۂ اختتام یابد جہانیاں را از سائر (کتب) فقہی مغنی خواہد بود"[3]

ان بیانات سے اتنا معلوم ہوتا ہے، کہ ۱۰۸۰ھ میں جو عالمگیر کی حکومت کا گیارھواں سال ہے، اس سے کچھ پہلے فتاوی کا کام شروع ہو چکا تھا، مگر "چوں آں کتاب صورت اتمام گیرد و پیرایۂ اختتام پذیرد" یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ابھی اس کی تکمیل نہیں ہوئی تھی،

---

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر کا ذاتی کتبخانہ تھا جو بڑی کوشش سے جمع کیا گیا تھا جس میں فقہ کی تمام متداول کتابیں موجود تھیں [2] عالمگیر نامہ ص ۱۰۸۶ [3] قلمی نسخہ دار المصنفین یہ کتاب بھی عالمگیر کی حکومت کے ابتدائی دس گیارہ سال کے واقعات پر مشتمل ہے،

اگر ۱۰۷۴ھ یا ۱۰۷۵ھ کو اس کی تالیف کا زمانہ قرار دیکر اسی کے ساتھ اس مشہور روایت کو بھی ملا لیا جائے کہ اسکی تالیف میں آٹھ برس کی مدت صرف ہوئی تو اس کی تکمیل کا زمانہ ۱۰۸۲ھ یا ۱۰۸۳ھ قرار پائیگا،

فتاویٰ کا فارسی ترجمہ | کتاب عربی میں لکھی گئی تھی، اس لئے عام لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے اُنکی آسانی کے لئے اورنگ زیب نے چلپی عبداللہ اور ان کے چند شاگردوں کو اس کے فارسی ترجمہ کے لئے مامور کیا،

مراۃ العالم میں ہے،

"برائے سہولت ہمگناں ... چلپی عبداللہ ... با چند تلامذہ بترجم نوشتن این بفارسی مامور شد" (ص۳۵۲ قلمی نسخہ)

تبصرۃ الناظرین میں ہے،

"چلپی عبداللہ بترجمہ آن (عالمگیری) مامور بود" (ص۵۵ قلمی نسخہ)

مگر یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ یہ ترجمہ پورا بھی ہوا یا نہیں اور نہ اس کے وجود کا کوئی سراغ لگ سکا،

فتاویٰ کے مؤلفین کی صحیح تعداد کی تعیین مشکل ہے تلاش و تفحص سے سولہ آدمیوں کے متعلق تذکروں میں یہ تصریح مل سکتی ہے کہ وہ اسکی تالیف میں شریک تھے، جن کے حالات درج ذیل ہیں،

شیخ نظام برہان پوری | نظام نام، برہان پور (گجرات) وطن تھا، ابتدائی حالات اور خاندان کے متعلق تذکروں میں اور کوئی تصریح نہیں ہے،

قاضی نصیر الدین برہان پور کے مشہور متبحر اور وسیع سنت عالم تھے، زیادہ تر انہی کی خدمت میں شیخ کی تعلیم و تربیت ہوئی اور استاذ کی توجہ اور نسبت سے خود بھی بڑے وسیع العلم متبحر عالم ہوئے[۱]،

عالمگیر کو شاہزادگی کے زمانہ میں جب دکن کا انتظام سپرد ہوا تو وہیں شیخ نظام سے ملاقات ہوئی اور ان کو اپنے دامن دولت سے وابستہ کر لیا، اور پھر آخر وقت تک جدا نہیں کیا، شیخ نے اپنی استعداد و قابلیت

[۱] معارف نمبر ۵ جلد ۹ مضمون "عالمگیر کا علمی ذوق" سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم اے، و تبصرۃ الناظرین ص۱۵۵ تذکرہ علمائے ہند،

سے حکومت کے بڑے سے بڑے عہدے اور مرتبے حاصل کئے[1]،

عالمگیر کی کوئی علمی و سیاسی مجلس مشکل سے شیخ نظام کی شرکت سے خالی ہوتی تھی، صاحب مآثر عالمگیری نے متعدد جگہ انکا تذکرہ کیا ہے[2]، عالمگیر ان کا اتنا احترام کرتا تھا کہ دربار کے آداب و تسلیم کی پابندی سے مستثنیٰ تھے، محبوب الالباب میں ہے،

"از کورنش و تسلیم و دیگر تکالیف نوکری معاف بود (ص ۵۱۶)

جب فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب و تالیف کے لئے علماء کی جماعت منتخب ہوئی تو اس کی صدارت شیخ نظام کو تفویض ہوئی، عالمگیر نامہ کا مصنف "فتاویٰ عالمگیری" کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے،

"و سرکردگی و اہتمام ایں مہم صواب انجام بفضیلت مآب شیخ نظام کہ جامع فضائل معقول و منقول است تفویض یافت" (ص ۱۰۸)

مراۃ العالم اور مآثر عالمگیری میں ہے،

"و سرکردگی ایں مہم اہم بقدوۃ انام شیخ نظام تفویض یافت" (ص ۳۶۴)

تذکرہ علمائے ہند میں ہے،

"در فتاویٰ عالمگیری سعی فراواں نمود"

شیخ عبدالرحمن بحراوی جن کی تصحیح کے بعد تیسری بار فتاویٰ عالمگیری ۱۳۱۰ھ میں مصر سے شائع ہوئی ہے، اپنے مختصر سے مقدمہ میں لکھتے ہیں،

"وجعل رئیسھم فی ذلک المولی الھمام الشیخ النظام"

زمانہ وفات کے متعلق کوئی تصریح تذکروں میں نہیں ملتی، اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اسی برس سے زیادہ کی عمر پائی، محبوب الالباب میں ہے،

---

[1] اقتباس فرحۃ الناظرین، تذکرہ علمائے ہند، مآثر عالمگیری ص ۲۰۹ [2] مآثر عالمگیری ص ۴۳۵، ۸، ص ۲۰۹، [3] ص ۲۷۵ قلمی نسخہ دار المصنفین،

" ہنگام تحریر کتاب مرأۃ العالم عمر شریف شیخ مزبور از ثمانین متجاوز بودہ تاریخ وفات شیخ دیدہ نہ شدہ " (ص ۵۱۶)

محمد ساقی مستعد خاں نے ان کے پسماندگان میں چار لڑکوں ملک منور، شیخ لاڈ، شیخ عبد اللہ اور شیخ ابو الخیر کا ذکر کیا ہے، ان میں تین یعنی ملک منور، شیخ لاڈ اور شیخ عبد اللہ شاہی خطابات کے علاوہ منصب چار ہزاری سے بھی سرفراز تھے[۱] اور شیخ ابو الخیر دارو غہ جائے نماز تھے[۲]

میر سید محمد قنوجی محمد نام، اور میر خطاب تھا، قنوج کے باشندے عہد عالمگیری کے مشہور اور وسیع العلم علماء میں تھے، ریاضی و ادب میں خاص دستگاہ رکھتے تھے شاہجہاں نے بڑی تعظیم و اکرام کیا تھا انھیں دربار میں بلایا اور اپنے مقربین خاص میں شامل کیا[۳] شاہجہاں کے بعد جب عالمگیر تخت نشین ہوا تو اس نے بھی ان کے ساتھ وہی برتاؤ قائم رکھا، اور جب اکبر آباد سے دلی آیا تو انھیں بھی اپنے پاس بلا لیا[۴]

عالمگیر کو امام غزالی کی تصنیفات، خصوصاً احیاء العلوم سے بڑا شغف تھا اس نے امام کی اکثر کتابیں سید محمد قنوجی کی زیر نگرانی اور ان کی مدد سے مطالعہ کی تھیں، تذکرہ علمائے ہند میں ہے،

" مصنفات حجۃ الاسلام غزالی خصوص احیاء العلوم بیشتر دے (سید محمد) دیدہ " (ص ۲۱۶)

ہفتہ میں تین دن عالمگیر کی مخصوص علمی مجلس ہوتی تھی، جس میں لوگ میر صاحب سے استفادہ کرتے تھے تذکرہ علمائے ہند میں ہے،

" در ہفتہ سہ روز بمذاکرۂ علوم در خدمت شاہی مجلس افادہ گرم داشتی " (ص ۲۱۶)

ان کو دربار میں بھی کافی درخور حاصل تھا، عالمگیر کی ہر مجلس میں وہ شریک ہوتے تھے، شاہزادہ اعظم کا نکاح انہی کی وکالت میں ہوا تھا، ۱۰۹۱ھ میں عالمگیر اودے پور اور اجمیر کی مہم میں گیا اور وہاں کے سیاسی حالات کی وجہ سے اسے کئی مہینہ رک جانا پڑا، اس لئے سید محمد قنوجی نے اجمیر جا کر

[۱] مآثر ص ۵۳۲ [۲] ایضاً ص ۱۹۱ [۳] تذکرہ علمائے ہند ص ۲۱۶ [۴] ایضاً ص ۵۹، اردو ترجمہ مآثر عالمگیری ص ۱۱۲ و مآثر ص ۱۴۰،

عالمگیر سے ملاقات کی، اس نے انکا بڑا اعزاز واکرام کیا اور ایک ہزار نقد اور میووں کے دو خوان تحفۃً پیش کئے،[۱]

جب فتاویٰ عالمگیری کی تالیف کے لئے علماء کا انتخاب ہوا تو قرعۂ انتخاب ان کے نام بھی پڑا، چنانچہ اس کی تکمیل میں ان کا بھی کافی حصہ تھا، تذکرۂ علمائے ہند میں ہے،

"در تالیف فتاویٰ عالمگیری مساعی جمیل بکار برد" (ص ۲۱۶)

وفات کے متعلق کوئی تصریح تذکروں میں نہیں ملتی صاحب مآثر عالمگیری ۱۱۰۱ھ کے واقعات کے ضمن میں لکھتا ہے،

"سید شریف پسر قدوۃ المشایخ میر سید محمد قنوجی استاذ اعلیٰ حضرت فردوس آشیانی (نقابہما) جو فضل وکمال عقل وشعور میں مشہور ومعروف تھے، کرورہ گنج کی خدمت میں مامور ہوئے" (ص ۳۴۶)

اس بیان سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ ۱۰۹۷ھ سے پہلے وفات پا چکے تھے، مآثر عالمگیری نے ضمناً ان کے دو لڑکوں سید شریف و سید احمد کا ذکر کیا ہے، سید شریف کرورہ گنج کی خدمت پر مامور تھے،[۲] اور سید احمد قاضی محمد حسین کے انتقال کے بعد عہدۂ احتساب پر سرفراز ہوئے،

تلامذہ میں مولوی اصغر علی قنوجی بڑے صاحب علم اور صاحب تصنیف گذرے ہیں[۳]،

ملا محمد جمیل | جون پور کے ایک علمی خانوادہ میں ۱۰۵۵ھ میں پیدا ہوئے، ان کے دادا ملا شمس نور اور والد ملا عبد الجلیل اور دو چچا ملا صادق اور ملا خلیل اپنے زمانہ کے ممتاز علماء میں تھے، اسی ماحول میں ان کی ابتدائی تعلیم وتربیت ہوئی اور اسی علم پرور فضا میں پروان چڑھے،

ابتدائی عربی وفارسی تعلیم کے بعد علامہ دیوان عبد الرشید (جو اپنے وقت کے مفتی عنایت احمد تھے)

---

[۱] مآثر ص ۲۱۲ [۲] ایضاً ص ۲۶۰ [۳] تذکرہ علمائے ہند ص ۱۱۳ ان کی چند تصنیفات یہ ہیں تصوف میں اللطائف العلیہ، تبصرۃ المدارج، تفسیر میں ثواقب التنزیل اور اس کے علاوہ فصوص الحکم کی شرح اور کئی عربی قصیدے انکی یادگار ہیں۔

سے مختصر المعانی اور شرح وقایہ وغیرہ پڑھی پھر مولانا نور الدین مداری کے درس میں شریک ہوئے، ان سے درسی کتابوں کے علاوہ انوار علوم خاص طور سے پڑھنی شروع کی، ابھی کتاب ختم نہیں ہوئی تھی کہ استاذ نے دلی کا قصد کیا، شاگرد نے کتاب کے ختم نہ ہونے پر افسوس کا اظہار کیا، استاذ نے فرمایا کہ اب تمھیں درس کی ضرورت نہیں ہے، مطالعہ کافی ہے[۱]۔

ملا جمیل طالب علمی کے زمانہ ہی سے ذہانت و طباعی میں ضرب المثل تھے، نہایت اخاذ طبیعت پائی تھی، ایک مرتبہ مطول[۲] کی کسی دقیق عبارت کا مطالعہ کرکے اپنے استاذ مولانا نور الدین کی خدمت میں گئے اور اس عبارت کا مطلب وضاحت سے بیان کیا، استاذ نے فرمایا کہ اس عبارت کا مطلب آج میں نے تمھاری تشریح سے سمجھا[۳]،

ملا جمیل کی فطانت اور ذہانت کی وجہ سے ان کے اساتذہ ان کو ملا جلال اور میر شریف کہا کرتے تھے، جس وقت وہ دہلی گئے تو سارے علماء پر ان کی ہیبت طاری ہوگئی، مشاہیر جونپور میں ہے،

"آنچناں جودت ذہن بود کہ اگر یک بار متن کسے کتاب بے حاجت حاشیہ نہ افتد، ہر مطالب دقیق کہ پیش آید فوراً بقوت ذہن حل گردد، بارہا استادش فرمودی کہ ملا جمیل را مماثل علامہ میر شریف و ملا جلال گفتن بیجا نیست، وقتیکہ ملا جمیل وارد دہلی شد، شہرۂ فضیلتش چناں شائع گردید و ہیبتش تاری (طاری) شد کہ ہر درسے کہ رسیدے درس موقوف گشتے روزے در مدرسہ ملا لطف اللہ رفتے و طوی در یک سطر ہفت یا ہشت شبہات پیش نمود، ملا لطف اللہ از جوابش عاجز آمدند[۴]"

ان کی زندگی کا عزیز ترین مشغلہ درس و تدریس تھا، چنانچہ تعلیم سے فراغت کے بعد ہی مسند درس پر بٹھا دیے گئے، اور تشنگانِ علم ان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہونے لگے، مشاہیر جونپور میں ہے،

"عالم جملہ علوم گردیدہ درس گفتن آغاز کرد و چناں شد کہ بہ زمرۂ علماے مشاہیر پیوست و علم یکتائی برافراشت بسیاری طلبہ از دوشان فاتحہ فراغ خواندند[۵]" (ص۵۳)

---

[۱] مشاہیر جونپور ص۵۲ [۲] معانی و بیان کی ایک کتاب [۳] مشاہیر جونپور ص۵۲ [۴] ایضاً ص۵۳ ،

جونپور کے محلہ مفتی میں ایک بہت وسیع اور پختہ خانقاہ اور ایک مدرسہ تعمیر کرایا تھا اور خود اس میں درس دیتے اور اصلاح باطن کرتے تھے، سید نورالدین اس مہد علمی اور روحانی کی بربادی پر بڑی حسرت سے لکھتے ہیں،

"چون زمانہ دگرگوں شد اکنوں آثاری ہم باقی نہ ماند جز اینکہ برایں سرزمین کہ پیش دروازہ شاہ طفیل حسین است کشت کاری می شود وچشم بصیرت مشاہدہ منجاو دنیا می کند (ص ۵۹)"

ان کے تلامذہ کی تعداد بہت ہے لیکن ان میں مولوی نظام الدین اورنگ آبادی، مولوی نورالہدی مچھلی شہری اور ملا نورالدین جعفر غازی پوری زیادہ مشہور ہیں،

اصلاح باطن | مشاہیر جونپور میں ہے،

علاوہ فضائل صوری صاحب کمالات باطنی ہم بود وبیعت وارادت از دیوان عبدالرشید آورد (ص ۵۹)

اٹھتر برس کی عمر پاکر ۹ رجب ۱۱۲۳ھ میں وفات پائی اور اپنے والد ملا عبدالجلیل کی قبر کے پہلو میں سپرد خاک کئے گئے، ذیل کی رباعی سے تاریخ وفات نکلتی ہے،

مُرد ملا جمیل علمش مرد   خانہ باقی نہ صاحب خانہ

بہر تاریخ فاضلِ نامی   از فضیلت ربود افسانہ

پسماندگان میں تین صاحبزادوں کا ذکر صاحب مشاہیر جونپور نے کیا ہے، مولوی غلام معین الدین عرف شاہ امید علی، شاہ طفیل حسین وشاہ نسیم الحسن[1]،

ان کی اصل علمی یادگار تو تلامذہ کی وہ کثیر تعداد ہے جن کے ذریعہ ہزارہا تشنگانِ علم سیراب ہوئے ان کے علاوہ کچھ قلمی یادگاریں بھی ہیں جن سے اہلِ علم آج بھی مستفیض ہو سکتے ہیں،

آپ نے مطول، شرح جامی کے ایک باب عطف اور بہت سی دوسری کتابوں پر حاشیے لکھے، اس کے علاوہ دو رسالے ایک فقہ اور ایک تصوف میں تنبیہات جمیلی تحریر کئے لیکن سب سے بڑا زندہ جاوید کارنامہ فتاوی عالمگیری

---

[1] تیسرا نام صاف طور سے پڑھا نہیں گیا،

کی تصنیف میں شرکت ہے، مشاہیر جونپور میں ہے،

" وقتیکہ عالمگیر بادشاہ دہلی جہت تدوین فتاویٰ منسوب باسم خود فضلاے ناموران دیارِ ہند

طلبید از جون پور ملا جمیل را برچید و ایشاں را بخواستہ شریک مجمع اجتماع نمود (ص ۵۸)

قاضی محمد حسین جونپوری | جون پور کے باشندے اور اپنے وقت کے ممتاز علماء میں تھے، فرحۃ الناظرین میں ہے

" از علم وفضل بہرہ وافر داشت (ص ۸۲)"

شاہجہاں کے عہد میں جون پور کے قاضی تھے، عالمگیر کے عہد میں الہ آباد کے قاضی مقرر ہوئے، جلوس

عالمگیری کے ساتویں سال دربار شاہی میں حاضر ہوئے، عالمگیر نے انعام واکرام کے علاوہ فوج کا عہدہ احتساب

بھی ان کے سپرد کر دیا، اور اس کے بعد سے برابر وہ اسی خدمت کو انجام دیتے رہے، محبوب الاحباب میں ہے،

" وخدمت احتساب عسکر خلعت امتیاز پوشید و دفع مناہی و ترویج احکام رسالت پناہی و قمع

آلات ملاہی کوشش وارادہ بکار برد" (ص ۵۱۶)

بختاور خاں، جو عالمگیر کا بہت مقرب امیر تھا قاضی صاحب اور اُن کے علم و تقویٰ کا بڑا اثر تھا، نیز

عالمگیر سے بھی ان کے علم وفضل دیانت و تقویٰ کی تعریف کرتا تھا، ۱۰۸۰ھ میں عالمگیر نے ان کو عہدۂ احتساب کے

علاوہ اور بھی مناصب و مراتب عطا کئے، مآثر عالمگیری میں ہے،

" بادشاہ ہنر پرور نے ان کو ایک صدی منصب دار مقرر فرمایا، رفتہ رفتہ حسین علی خانی کا منصب ملا

اور اپنی سلیقہ شعاری سے مرتبہ امارت خانی پر سرفراز ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے،" (ص ـــ)

ان کے ان کمالات کی بنا پر انکو بھی فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں شریک کیا گیا، اور اس کی تکمیل میں ان کا

بڑا حصہ ہے، تذکرۂ علماے ہند میں ہے،

" در تالیف فتاویٰ عالمگیری بسے سعی نمودہ" (ص ـــ)

محبوب الاحباب میں ہے،

"یک ربع فتاوی عالمگیری تالیف نمودہ" (ص۳۷)

مآثر عالمگیری کے بیان سے سنہ وفات ماہ ذیقعدہ ۱۰۸۱ھ ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ اس سنہ کے واقعات کے ضمن میں لکھا ہے

"قاضی محمد حسین کے انتقال کی وجہ سے سید احمد پسر سید محمد قنوجی کو خدمت احتساب عنایت ہوئی" (ص۱۰۶)

ارباب تذکرہ نے اولاد و پسماندگان کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے اور نہ فتاویٰ کے علاوہ کسی دوسری علمی یادگار کا کوئی علم ہے

شیخ وجیہ الدین گوپاموی اودھ کا مشہور اور مردم خیز قصبہ گوپامئو ان کا وطن تھا، نہایت ہی ذہین، ذکی اور صاحب باطن تھے، علم و فن کے علاوہ تحریر و تقریر میں بھی ملکہ تھا، علم معانی و بیان میں بے نظیر تھے، فرحۃ الناظرین میں ہے،

"خصوصاً در علم معانی و بیان عدیم المثال عصر بود" (ص۳)

شیخ جب دلی گئے تو پہلے پہل دارا شکوہ سے ان کا علمی تعلق رہا، دارا شکوہ کی وفات کے بعد عالمگیر کی حکومت کے نویں سال یعنی ۱۰۷۷ھ میں عالمگیر کے دربار میں حاضر ہوئے، اس نے حسب مرتبہ ان کی بڑی توقیر کی، اور منصب و مراتب سے بھی سرفراز کیا،

فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں عالمگیر نے ان کی خدمات بھی حاصل کیں، محمد اسلم کے بیان کے مطابق ایک چوتھائی کام ان کے سپرد کیا گیا،

"بہ ترتیب و تالیف ربعی از فتاوی عالمگیری مامور شد"[1]

فتاویٰ کی تالیف میں ان کے کام کی نوعیت و اہمیت کا اندازہ ذیل کی عبارت سے بھی ہوتا ہے،

زمخشری کی قسطاس کا ایک قلمی نسخہ خدا بخش خاں کی لائبریری میں ۱۲۰۲ھ کا لکھا ہوا موجود ہے، اس پر شیخ وجیہ الدین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی عبارت ہے، کاتب اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے،

"عبارت منقول از دستخط مولانا وجیہ الدین رئیس علمائے فتاویٰ عالمگیری"[2]

اس عبارت کے آخری ٹکڑے سے معلوم ہوتا ہے کہ فتاویٰ کی تالیف میں ان کا کافی حصہ تھا، اور بعض اس میں کوئی امتیازی حیثیت حاصل تھی، (باقی)

---

[1] تبصرۃ الناظرین [2] فہرست مخطوطات فقہ پٹنہ خدا بخش خاں لائبریری،

دو کمیاب کتابیں

از جناب مولوی سید مقبول احمد صاحب صمدنی

جنوری ۴۶ء کے معارف میں محترمی سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب نے حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس سرہ العزیز کے حالات میں ان کے ایک صحیح الارادت معتقد کا تذکرہ فرمایا تھا، جو زاد المسافرین اور نزہتہ الارواح وغیرہ کے مصنف تھے، ان کا متعارف نام تو امیر حسینی تھا لیکن اصل اور پورا نام یا پورا لقب ہر تاریخ نویس اور تذکرہ نگار نے کم و بیش مختلف لکھا ہے، تفصیل صفحہ ۶۴ پر ملے گی، صاحب سیر العارفین نے امیر کی منجملہ متعدد تصانیف کے نظم میں زاد المسافرین اور نثر میں نزہتہ الارواح کا نام لیا ہے، سید مکرم نے نزہتہ الارواح کے ایک قلمی نسخہ کا موزۂ برطانیہ میں موجود ہونا ارقام فرمایا ہے،

صمدن (موطن سادات) میں ان میں سے بعض کتابوں کے موجود ہونے کا مجھے علم تھا، میری طلب و خواہش پر برادر زادہ عزیز سید انیس احمد متعنا اللہ بطول حیاتہ ان کو لے کر میرے پاس آئے، میں نے ان کو دیکھا ان میں دونوں کتابیں موجود تھیں مگر متنوع اشتغال سے ان کے متعلق کچھ لکھنے پر معذور رہا، ذیل کے سطور میں انہی کے متعلق کچھ تفصیل پیش کرتا ہے،

(۱) زاد المسافرین :- یہ مختصر سی مثنوی امیر کبیر سید حسینی ہروی کی قابل عزت تصنیف ہے جن کی نسبت استعارہ کی زبان فتوی دے چکی ہے،

چشم دولت ز سوادِ قلمش گشتہ منیر   باغ دانش ز سحابِ کرمش گشتہ نضیر

زاد المسافرین کمیاب کتابوں میں سے ہے، اپنے شدید مگر ناکام شوق مطالعۂ کتب قدیمہ اور محدود معلومات لیکن وسیع تلاش پر نگاہ ڈال کر مجھے بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ کتاب عزیز الوجود ہی، پیش نظر نسخہ انتخاب حدیقہ کے ہم جلد نور چشم سید انیس احمد کا حاصل کردہ و ملوکہ ہے، جن کو بیش قیمت قلمی کتابوں کے فراہم کرنے کا خاص سلیقہ اور ان پر طالبعلمانہ دست و برد و تصرف میں ید طولیٰ حاصل ہے، آثار یہ کہتے ہیں کہ شروع ہی میں کسی شوقین و خوش فکر خوش حال کی ملک میں رہا ہوگا، جلد پر ابری یا چمڑے کی زیبائی ارغوانی رنگ کی کاشانی مخمل نے پائی ہی، جس پر باہر کی جانب سفید جدول یا اکہری دھاری تھی، یا کوئی نازک سی باریک بیل رہی ہو، مگر اب مٹ چکی ہی، پٹھا کوٹنے ہوئے کاغذ کی لُبدی سے بنا تھا، کیڑوں کی ترک تاز سے منہک اور خاک و خاکستر ہو رہا ہی، عمر رسیدہ ہو چکی پھول کی پنکھڑیوں کی طرح دفتین کے اجزا خود بخود بکھرتے چلے جاتے ہیں، کاغذ ولایتی، چکنا اور چمکدار، تقطیع اوسط کتابی، تعداد صفحات ۷۴، سطریں فی صفحہ اکیس، ہر صفحہ میں ۲۰-۲۰ مصرعے، حاشیہ پر جدول دہری خوش نما، نظر فریب، لکیریں نیلی اور سیاہ اور سنہری، مصنف اور کاتب کے نام سے پوری کتاب خالی ہے، حالانکہ کئی ورق اسی اہتمام و تکلف سے تیار کئے ہوئے آخر جلد میں سادہ لگا دئے گئے ہیں، انتخاب حدیقہ اور اس کے آخری صفحہ کی آخری سطر کے ساتھ ورق اُلٹ جاتا ہی اور بلا کسی فصل و افتراق کے پہلی ہی سطر میں شنجرف سے زاد المسافرین لکھا ہوا جلوہ افروز ہوتا ہی، دوسری سطر خدائے رحمان ورحیم کے پاک نام اور اچھی شوخ سیاہی سے شروع ہوتی ہے، مثنوی کا خاتمہ اس شعر پر ہوتا ہے ؎

گشت آخر ایں کتاب تمت ... در ہفصد و بست و نہ ز ہجرت

معارف نے "ایں کتاب ختمت" لکھا ہے، میرے نسخہ نویس نے تمت، اسی طرح پہلے مصرع کو معارف میں "ہفت صد و بست و نہ" چھاپا ہے، میرے نسخہ میں ہفصد و بست و نہ ہے، شاید شعر کا

وزن بھی ہفت کی ت گرا دینے کا متقاضی ہے، ممکن ہے کہ الفاظ کا یہ ردوبدل تذکرۂ دولت شاہ کے مخل و معقولات کرنے والے کاتب کے قلم کا ثمرہ ہو، جہاں سے مولانا نے اس کو نقل فرمایا ہے ایسے اختلافات اور لفظی تغیرات معارف کے نقل کردہ چوبیس اشعار اور اس مکتوبہ میں جا بجا نظر آتے ہیں، شعروں کا بے تکلفانہ تبادلہ اور کمی و بیشی بھی نمایاں ہے، مگر اس کا اثر نفس مضمون یا اولے مدعا پر نہیں پڑتا،

شیخ صدرالدین (سید حسین) نے اس کتاب کو اپنے بزرگ مرشد شیخ بہاء الدین زکریا کے آستانۂ فیض گنجینہ پر ملتان میں بیٹھ کر لکھا تھا، اور حضرت نے اس کو بغور ملاحظہ فرمانے کے بعد اس ستودہ صفات ناظم کی تحسین و آفرین فرمائی تھی، مولانا صباح الملۃ والدین کے روبرو اصل کتاب نہ تھی تاہم موصوف نے اس کے متعلق علمی و عملی سرمایہ اور ظاہری و باطنی کمالات و کرامات سے مالامال ذخیرہ فراہم کر دیا ہے، عجائب خانہ بریطانیہ اور کتب خانہ شاہان اودھ کی فہرستوں، اولیاء اللہ، شعراء اور تلامیذ الرحمٰن کے تذکروں سے اقتباس و التقاط فرما کر بقدر ضرورت سب کچھ لکھ دیا ہے (معارف جنوری سنہ ۱۹۴۶ء صفحات ۲۶ تا ۴۵)

مجھے ان کے اعادہ و بازخوانی کی ضرورت نہیں ہے صرف ان ہی چند باتوں کو حوالۂ قلم کرنا چاہتا ہوں، جو مولانا کے خامۂ عنبر افشاں کے رشحات سے فیض یاب نہ ہو سکیں، اور اس کم سواد بے استعداد کے لئے خود بخود چھوٹ گئی ہیں، مولانا کا یہ خیال بالکل صحیح ہے، کہ سید علیہ الرحمۃ کی اور تصانیف کی طرح زاد المسافرین کا موضوع سلوک و طریقت و معرفت ہے،

سب سے پہلے اپنی اس بے باکانہ جرأت اور گذارش کا عذر خواہ ہوں، کہ شیخ کے طریق بیان اور طرز ادا یا صوفیانہ تعلیمات کا اندازہ کرنے کے لئے جس حصۂ مثنوی کا انتخاب دو ناقد با کمالوں یعنی دولت شاہ نے تذکرہ میں اور آذر نے آتش کدہ میں فرمایا ہے، وہ ایک حکایت ہے، بجائے خود کیسی ہی دلچسپ و سبق آموز سہی تاہم اس ناقص الفہم تبصرہ نگار کے نزدیک اس کے اشعار میر کے

بہترین کلام یا زاد المسافرین سے زیادہ بلند و برتر یا شیریں ترین ابیات میں شمار نہیں ہو سکتے، مثنوی کا آغاز حمد باری تعالیٰ شانہ سے کیا جاتا ہے، پروردگار عالم و عالمیاں کے حضور میں اسکی نعمتوں اور رحمتوں کا اقرار و اعتراف کرتے ہوئے انبیاء و رسل علیہم السلام کی حیرانی و سرگردانی کا ذکر فرماتے ہیں اور بلاشبہ بڑی قابلیت اور عالمانہ فضل و کمال کے ساتھ اس صحیفۂ رشد و ہدایت اور وحدت پرستی کی تعلیم کا آغاز فرماتے ہیں، حتیٰ کہ نعت شریف و مناقب ابرار و اطہار کی منزلیں طے کرنے کے بغیر ہم ایسے نااہل دنیاداروں سے خطاب ہوتا ہے،

بشنو پسرا بیان حالت — علم و جدل است قیل و قالت
علمے کہ خدائے داں شوی تو — اینست کجا ہمی دوی تو
آں علم طلب کہ با تو ماند — واں دم کہ ترا ز تو رہاند
آں علم فریضہ تا نہ خوانی — تحقیق صفات حق نہ دانی
اے طبع و ہوا معلم تو — تا کی لم و لا نسلم تو
خود را بگداز کردہ گرم — آخر ز خدا نیایدت شرم
از خود بخدا مرد بتاویل — تشبیہ مکن بوجہ تسہیل،
زنہار بحجت قیاسی — غرہ نشوی بحق شناسی

اس کے بعد مقالات شروع ہو جاتے ہیں اور ان مقالات کے دوران ذیل میں متعدد حکایات قصیر و طویل بھی آتی جاتی رہتی ہیں،

پہلا مقالہ جس کو خوشنویس نے "مقالات اول" لکھ دیا ہے، حق سبحانہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس اور سالک کو ریاضت و مجاہدہ کی تلقین و تشویق میں ہے، اس میں بھی وہی خطیبانہ رنگ اور واعظانہ انداز بیان قائم رکھا ہے، فرماتے ہیں:

ہندو کہ ہمیشہ بت پرستد ہر صبح دعات می فرستد

جز ذکر تو نیست در زبانش زنار و خاست در میانش

ایں جملہ ز دین و ملت خویش جز تیر غمت ندیدہ در کیش

اس کے آگے وہ شعر آجاتا ہے جو مشہور عام اور مقبول خاص ہو چکا ہے اور جس کی نسبت مجھے شبہہ ہے کہ کسی اور باکمال ہنرمند کا ہے، یعنی

مرغان چمن بہر صباحے خوانند ترا با صطلاحے

مرغان چمن کی کچھ تفصیل بھی موجود ہے،

چوں فاختہ ہر کہ در جہان است کوکو زن کوے قست پوست

دوسرا مقالہ فضیلت و شرف انسانی کی بحث میں ہے، غفلت و نادانی پر سرزنش،

اس میں فارسی زبان کی سلاست و لطافت کے ساتھ ساتھ بعض غیر معمولی عربی الفاظ یا ناما نوس کلمے بھی کہیں کہیں آگئے ہیں، اس کی پہلی حکایت ملاحظہ ہو،

موسیٰ ز پئے فراق محمود مستانہ دوید بر سر طور

گفت اے تو بود ہر چہ بودہ مارا بتو ہم تو رہ نمودہ

گر نزد منی کجات جویم تا با تو حدیث خویش گویم

ور دور تری برآرم آواز باشد کہ بخود در م کنی باز

بشنو تو ز ہاتفے جوابے کے از تو بہ پیش تو نقابے

این جائے حوالہ نیست بگذار من با توام از تو دم طلبدا

افتادن مہرہ از ششدر اینجا بود اے حریف بنگر

شاہان جہاں دریں خیالات بر نطع غمند جملگی مات

از غایتِ قرب در دو را ست ہر مرغ بہ دانۂ جسو را ست
ایں آتشِ ما چگو نہ میسر د کیں درد دوا نمی پزیرد
یا ؔ دارز خود کہ نیست یا دت بے شرم کسے کہ شرم با دت

تیسرا مقالہ طریقت اور سلوک کی کیفیت میں ہے،

چوتھا ارشاد و معاملت میں، اس میں سالک طریقت کی توصیف میں ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے، حکایتیں کئی ہیں "رسیدن سالک بہ نفس دل" پہلی ہے،

ایک حکایت وہ بھی ہے جس کو دولت شاہ اور آذر نے نقل کیا ہے، یعنی

ایں طرفہ حکایت ست بنگر

پانچویں مقالہ میں عشق اور اس کے مرتبہ کا بیان ہے، اپنے مخصوص رنگ میں پوسے زور کیسا تھ لکھا ہے

چھٹا مقالہ معرفت نفس انسانی اور اس کی صفت میں ہے،

ساتویں میں معرفت کا بیان اور اسکی تحقیق ہے اور خوب ہے،

آٹھویں مقالہ کا عنوان ہے" دربیانِ حال شرف باد شرف می رسد"، یہ مقالہ اپنے ماسبق مقالوں سے کسی قدر مدا زتر اور تمثیلات سے معمور ہے، اور اسی پر چند در چند مواعظ و نصائح و مخاطبات کے ساتھ مثنوی ختم ہو جاتی ہے، ارشاد ہوتا ہے :-

دُر بیست گراں بہا کہ سفتم دریاب کہ گفتنی بگفتم
ہر ستہ گلبنِ یقین است ہم توشۂ رہ روانِ دین است
از بس کہ فشاند بحر من دُر شد دامنِ آخر الزماں پر
ایں گلشکر ے کہ من سرشتم در ہشت مقالتش بنشتم
شمع است کہ از دلم بر افروخت ہفتاد و ہزار پردہ را سوخت

یک نکتۂ او کہ جان کند شاد | بر دل در بہشت باغ بکشاد
آنکس کہ بیافت اندکے بوئے | دانست کہ چون شگافتم موئے
تا جست سران نا مور را | نہ پارہ دست کون خر را
چون اہل خرد بہر دیارے | زین تحفہ برند یادگارے
این نور بہر طرف کہ تابد | یعنی کہ قبول ہر کہ یابد
زین گنج کہ رائگان کشادم | دارد بدعائے خیر یادم
در ہفصد و بیست و نہ ہجرت | گشت آخر این کتاب تمت

یہی آخر اس چودہ سو چھپن (۱۴۵۶) بیتوں کی مثنوی اور میرے ناچیز تبصرہ کا ہے،

۲- نزہۃ الارواح :- یہ کتاب بھی امیر حسینی کی تصنیف ہے، اکتوبر ۲۶ء کے معارف میں مولوی پروفیسر عبدالحمید خاں صاحب نے سلطان جہاں منزل کے کتبخانہ عالی کے نزہۃ کے ایک قلمی نسخہ کا حوالہ دیا ہے، اور نمبر ۲۳ پر کسی قدر زیادہ شرح و بسط سے بیان فرمایا ہے، اپنی کتاب کے مطالعہ کے بعد میں بھی موصوف کی تحریر اور رائے زریں کی تائید کرتا ہوں، اس کی اٹھائیں فصلیں ہونا مسلّم، اور ان کی تفصیلات و مباحث بھی صحیح ہیں، زبان البتہ بعض جگہ توجہ طلب اور قدرے مشکل ہی، طرز ادا مغلق اور پیچیدہ، ایک تو تصوف و طریقت خود ہی ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں، اس پر مستزاد یہ کہ فاضل مصنف نے اپنی مشکل پسندی اور دقت نظر سے مجھ ایسے عامی پڑھنے والے کے لئے کہیں کہیں اور بھی دشوار فہم و لغت آموز بنا دیا ہے، نزہت میں جو عربی ابیات و اشعار داخل ہیں وہ بھی دشواری و اشکال سے خالی نہیں، جو تشبیہیں تیائیں دوسروں سے مستعار لی ہیں ان میں بھی یہ ختن اور کریاسی پیوند نمایاں ہیں، اللّٰھم اغفرلہ،

اس مدعی کا نسخہ جیبی تقطیع کا قیمتی ولایتی کاغذ پر ہے، مطلا و مذہب، جدا دل نہایت خوشرنگ،

نگہ فریب، سرورق سنہرا نازک، باریک قلم کا، خط نہایت پاکیزہ نستعلیق شاندار اوراق موجودہ کا شمار ۱۱۲،

حاشیوں پر جو عبارتیں اور اشعار بعد کتابت اضافہ کر دئے گئے ہیں ان میں سے بعض میں حضرت مصنف نے

خود کو حسینی، کہہ کر یاد فرمایا ہے، ع "اے حسینی چو دوست فاش و نہاں ۔ ۔ ۔"

یہ سب اضافے پختہ اور صاف خط میں مگر دوسرے قلم اور دوسری سیاہی سے ہیں، میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ اضافے حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ہیں یا کسی غیر کے،

تصوف کی کسی کتاب کی نسبت یہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ اس کا مصنف جماعت اہل سنت سے ہے

تاہم قاریان فہام کے لئے اس قدر اطلاع مناسب سمجھتا ہوں کہ اس میں نعت پاک کے بعد امیر المومنین ابوبکر صدیق رض اور فاروق اعظم اور عثمان ذی النورین کے مناقب ہیں، رضی اللہ عنہم،

امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے بارہ میں ان کے دونوں بابرکت پیش رووں کے مقابلہ میں کسی قدر زیادہ سطریں پائی جاتی ہیں اور دور دراز لیکن حاشا کہ ان میں تفضیل یا میل الی التشیع کا شائبہ بھی نظر نہیں آتا، اس کے بعد فصول اور مبادی و معارف و مقالات سلوک شروع ہو جاتے ہیں،

میرے لئے سب سے زیادہ رنج وہ یہ بات ہے کہ اس کے اوراق آخریں غائب ہیں حتیٰ کہ مصنف علیہ الرحمۃ والغفران کا لکھا ہوا خاتمہ جو خان غلام نے نقل فرمایا ہے وہ بھی اس نسخہ میں باقی نہیں، اس نسخہ میں فصل بست و ہشتم کے دو صفحے پورے کرکے لکھا ہے،

"شیخ چوں بمقصد رسید مقصود آں نامراد بخاطرش بگذشت دست بدعا بر داشت و دستبردی نماید گفت اے کرمت باری مانند گانرا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (باقی مفقود)

معارف کے قاریان معظم میں سے کسی خوش نصیب کے یہاں نزہتہ کے یہ آخری اوراق محفوظ ہوں تو براہ کرم (مقبول صمدنی، یحییٰ پور، الہ آباد کے پتہ سے) مجھے آگاہ فرمادیں تاکہ ان اوراق کی نقل حاصل کرنے کا انتظام کروں، اور یہ قدیم نسخہ مکمل ہو جائے، واللہ لا یضیع اجر المحسنین،

استدراک، تبصرۂ بالا کی رسید ادارہ عالیہ معارف سے آچکی تھی کہ ایک اضافہ طلب بات میرے علم میں آئی، تحقیق ضروری کے بعد مزید تفصیل گذارش کیجائے گی، انشاء اللہ المستعان،

مطبوعات کی فہرستوں کی ورق گردانی سے جو انتخاب حدیقہ کے لئے کی گئی یہ واضح ہوا کہ (۱) مثنوی زاد المسافرین منشی نول کشور کے مطبع میں چھپ گئی ہے، ڈیڑھ آنہ قیمت ہے، البتہ ۱۹۲۴ء کی فہرست کتب (ص۹۳) میں معمولی بے احتیاطی یا ناواقفیت سے یہ لکھا گیا تھا کہ " ملا حسین واعظ کاشفی کی تصنیف ہے، تصوف کے رموز خوب بیان کئے ہیں،" ۱۹۳۴ء (ص۱۴۵) میں اصلاح ہوگئی، سید حسینی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف قرار پائی ہے ۱۹۳۷ء کی فہرست میں بھی یہی انتساب قائم رہا،

(۲) اسی نام زاد المسافرین کی ایک کتاب حکیم ناصر خسرو کی تصنیف ہے، برلین (جرمنی) کی شرکت کاویانی نے جو قدیم و جدید فارسی کی قابل قدر مفید کتابوں کی طباعت واشاعت کے لئے مشہور ہے اسکو چھاپا ہے، اور اس کو حکمت و فلسفۂ اسلامی پر بہترین تصنیف، معرکۃ الآراکتاب، اور عرصہ سے نایاب بتایا ہے، ناشران کی جانب سے یہ بھی اعلان ہے کہ اس کی چھپائی میں اہتمام خاص کیا گیا ہے، حجم چھ سو صفحات سے زاید، قیمت آٹھ روپیہ،

القضا فی الاسلام

اس میں طریقۂ شہادت اور انفصال مقدمات کے متعلق قرآن حدیث اور فقہ کی کتابوں سے اخذ کرکے اسلامی اصول اور قوانین کی تشریح کی گئی ہے، اور قانون پیشہ حضرات کے لئے اس کا مطالعہ بیحد مفید ہے،

ضخامت:- ۹۲ صفحے، قیمت ۱۰ر

"منیجر"

سندھی رسم الخط کی تاریخ

سندھ کے ایک سابق گورنر کے قلم سے

مترجمہ جناب نیاز احمد صاحب صدیقی ایم اے لیکچرار شبلی کالج اعظم گڈھ

"آپ کا بھیجا ہوا نوٹ پڑھا، ماشاءاللہ آپ کے نئے گورنر صاحب علمی بھی ہیں، شاید سندھ سے مسلمانوں کی محبت بھی تحفہ میں ساتھ لائے ہوں، گو انگریزوں کو مقامی حالات کے مطابق بدلنے میں کچھ دیر نہیں لگتی، سندھی رسم الخط کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، صحیح معلوم ہوتا ہے، ۳۷۵ھ میں مقدسی عرب سیاح یہاں آیا ہے، اور اس نے لکھا ہے کہ یہاں کی زبان سندھی ہے، اور فارسی عربی بھی سمجھی جاتی ہے، یہ صوبہ مدت تک ایرانیوں کے ماتحت رہا ہی اور اثرات یہاں پہلے سے تھے،" عربوں کے داخلہ کے بعد عربی الفاظ کی آمیزش ہوئی، چنانچہ آپ کو تعجب ہوگا کہ سندھی میں پیاز کو بصل اور پہاڑ کو جبل کہتے ہیں، جو خالص عربی لفظ ہیں، پانچویں صدی ہجری کے شروع میں یہاں ابوریحان بیرونی آیا اور کئی سال مقیم رہا ہی اس نے اپنی کتاب الہند میں جو ہندی الفاظ لکھے ہیں محققین کا بیان ہے کہ وہ سندھی تلفظ میں ہیں، البتہ علمی و مذہبی مسائل میں اسکی اصطلاحیں سنسکرت ہیں،

جن مسلمانوں کی زبان عربی یا فارسی تھی وہ عربی رسم خط رکھتے تھے، فارسی نستعلیق خط نویں صدی ہجری کی پیداوار ہے، وہ اگر سندھی میں بھی کچھ لکھتے تھے تو عربی ہی خط میں لکھتے تھے، نستعلیق فارسی رسم الخط صرف مغل دربار اور دفتروں میں رائج تھا، ورنہ بنگال میں بنگالی اور دکن میں دکھنی اور گجرات میں گجراتی جو مسلمان لکھتے تھے وہ عربی ہی خط میں لکھتے تھے، چنانچہ چند سال ہوئے کہ کلکتہ ایجوکیشنل کانفرنس

میں ایک بہت موٹی بنگالی زبان کی کتاب پیش کی گئی تھی جسکو میں نے دیکھا تھا، وہ عربی رسم الخط میں تھی سلطان قطب شاہ وغیرہ کے دیوان قلمی اسی خط میں ہیں اور گجراتی کتابیں بھی اس خط میں میں نے دیکھی ہیں،

یہی حال سندھی کا بھی تھا، گو دربار کی زبان فارسی تھی، مگر خط عربی آمیز تھا، اور انگریزوں کے داخلہ کے وقت یہی صورت تھی لیکن ہندو جن کا تعلق شاہی درباروں سے نہ تھا اپنے کام کے اغراض سے ہندی رسم الخط رکھتے تھے، جب انگریزوں نے فارسی کو بیدخل کیا تو ہندوستان میں اردو کو دفتری زبان قرار دے کر اردو و ہندی رسم الخط کو قبول کیا، اسی طرح سندھ میں عربی اور ہندی دونوں رسم الخط مسلمان اور ہندوؤں میں رواج پذیر تھے، اب جیسا کہ صاحب مضمون نے بیان کیا ہے کہ دو برطانی افسروں میں سے ایک نے عربی رسم الخط کو اور دوسرے نے ہندی رسم الخط کو پیش کیا لیکن بحث و اتفاق سے یا سندھ میں مسلمانوں کی کثرت آبادی کے سبب سے عربی رسم الخط کی تجویز کامیاب ہوئی اور انگریزوں کے اثر سے یہ بات ہوئی کہ ہندوؤں نے بھی اس رسم الخط کو مجبوراً مان لیا، لیکن سندھی ہندوؤں میں اب تک اسکے خلاف تحریک اٹھتی رہتی ہے، جیسے پنجاب میں سکھوں نے گو فارسی رسم الخط قبول کر لیا ہے مگر گورمکھی کے لئے اب بھی وہ کوشاں ہیں۔ "س"

(۱) عام طور سے لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ سندھی حروف تہجی اور اس کی تحریری زبان کے لئے سندھ اپنے برطانوی حکاموں کا مرہون منت ہے، جب سر چارلس نپیر نے سندھ فتح کیا، اس وقت گو ملک کی خود اپنی ایک مستقل زبان موجود تھی لیکن اس کے ایسے حروف تہجی نہ تھے جو عام طور سے رائج ہوں، عام تحریری کاروبار ہندو منشی کرتے تھے، جس میں وہ فارسی رسم الخط میں مخلوط فارسی و سندھی زبان لکھتے تھے، کتاب ابوالحسن سندھی" جس کو برطانوی فتح کے وقت ملا مسجدوں میں پڑھاتے تھے، درحقیقت بامحاورہ سندھی کو عربی حروف تہجی میں لکھنے کی ایک کوشش تھی، اور واٹن کی "گرامر آف سندھی" کا بھی یہی مقصد تھا، یہ کتاب ۱۸۶۶ء میں عربی رسم الخط میں ان پولیٹیکل افسروں کے لئے لکھی گئی تھی جو امرائے سندھ کے درباروں سے وابستہ تھے ہندو تاجروں نے بھی اپنے حساب کتاب کیلئے ایک قسم کا دیوناگری رسم الخط قبول کر لیا تھا،

(۲) فتح سندھ کے آٹھ سال بعد جب سر بارٹل فریر نے صوبہ کا نظام حکومت اپنے ہاتھ میں لیا اس وقت صرف دو ایسے برطانوی افسر تھے جو سندھی بول سکتے تھے لیکن ان کے کلرکوں میں کوئی ایسا نہ تھا جو سندھی لکھ سکتا ہو، اس لئے سول حکام کو عام بول چال کی زبان کا امتحان پاس کرنے کے احکام صادر کئے گئے، لیکن سندھی زبان کو سرکاری مراسلات میں استعمال کرنے کے لئے اس کے حروف تہجی کا متعین کرنا ضروری تھا اس بارہ میں صرف دو افسروں کو جو سندھی زبان جانتے تھے رائے دینے کا حق تھا ایک کیپٹن رچرڈ دوسر کیپٹن اسٹیک لیکن بدقسمتی سے اس بارہ میں ان دونوں کے خیالات ایک دوسرے کی ضد تھے، رچرڈ عربی حروف تہجی کی حمایت میں تھا اور اسٹیک ہندی رسم الخط کے حق میں، جو پہلے سے سندھ کے تاجروں میں رائج تھا اس زمانہ میں بھی فریر اس مسئلہ کے نسلی و قومی پہلو کی وجہ سے تذبذب میں پڑ گیا، اس کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ ہندو عربی رسم الخط سیکھنے کے لئے آمادہ نہ ہوں گے، اور مسلمان ہندی رسم الخط کے استعمال سے انکار کریں گے، لیکن ۱۸۵۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے کورٹ آف ڈائرکٹرز نے عربی حروف تہجی کے حق میں فیصلہ کر دیا اسوقت سر فریر نے مسٹر ایلس کو جو اس وقت حیدر آباد کے کلکٹر تھے ایک قسم کے حروف تہجی کے اجرار کا کام سپرد کیا، موجودہ سندھی حروف تہجی اسی کا نتیجہ ہیں، لیکن سندھی میں ۵۲ حروف تہجی ہیں اور اس کے مقابلہ میں عربی میں کل ۲۹ ہیں، اس لئے اصل سندھی کے لہجوں اور اس کی صوتی خصوصیات کو قائم رکھنے کے لئے اس کمی کو نقطوں کے ذریعہ پورا کیا گیا،

۳۔ اس نئے رسم الخط نے بڑی سرعت کے ساتھ ترقی کی اور اس کی وجہ سے سندھی صوبہ کی سرکاری زبان بن گئی، اور سرکاری دفاتر سے فارسی خارج ہو گئی، اس رسم الخط کے اجرار کے بعد اگر یہ نامناسب کوشش نہ کی گئی ہوتی کہ ہندؤوں کے استعمال کے لئے ہندی حروف تہجی بنائے جائیں تو اس رسم الخط کی فضیلت مسلم ہو جاتی، اس نئی اور غلط تحریک کے بانی ایک دکنی برہمن مسٹر نارائن جگناتھ واد یا تھے، جن کو حکومت بمبئی نے سندھ کا ڈپٹی ایجوکیشنل انسپکٹر مقرر کیا تھا،

(۴) یہاں یہ بات بھی واضح کر دینا چاہئے کہ ۱۸۶۲ء تک پھر اس کے بعد ۱۸۶۶ء سے ۱۸۸۶ء تک سندھ میں کوئی مستقل ایجوکیشنل انسپکٹر مقرر نہیں کیا گیا تھا بلکہ اس عہدہ کے فرائض بھی یوروپین افسروں کے سپرد کردیے جاتے تھے، جو دوسری ذمہ داریوں اور کاموں کی مشغولیت کی وجہ سے تعلیمی پالیسی سے پوری دلچسپی نہ لے سکتے تھے، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مسٹر ولادیا جو سندھ میں ۲۵ سال تک رہے، انھوں نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھا کر دیہاتی ہندو حروف تہجی کے بارہ میں پورے زور و شور کے ساتھ تجربات کرتے رہے اور انھوں نے انکو حروف علت کی مزید علامات کی مدد سے ترقی دے کر معیاری بنا دیا، اس کے بعد ۱۸۶۸ء میں ان نئے حروف کو اسکولوں میں رائج کرنے کے لئے حکومت بمبئی کو آمادہ کیا گیا، اور اسکے لئے اور بہت سی مراعات اور سہولتیں حاصل کی گئیں، اس کی تعلیم کے لئے خاص اسکول کھولے گئے، جو اساتذہ ٹریننگ حاصل کر رہے تھے انھیں مجبور کیا گیا کہ وہ اسے خود سیکھیں اور موجودہ عربی سندھی مدرسوں میں طلبہ کو سکھائیں، اسی کے ساتھ کل مدرسوں کو میونسپل رقبہ میں یکجا کرنے کا کام بھی جاری رہا، اور اس کے باوجود کہ اسکولوں کے اخراجات مشترکہ مالگذاری اور سیس سے چلتے تھے اس کوشش سے دس سال میں یعنی سنہ ۱۸۶۰ء سے ۱۸۷۰ء تک جبکہ زیر تعلیم مسلمان لڑکوں کی تعداد کل دونی ہوگئی تھی ہندو لڑکوں کی پانچ گنی ہوگئی،

(۵) لیکن مسٹر مہتہ کی پرجوش حمایت اور سیس کی امدادی رقم کے باوجود ہندی سندھی حروف تہجی کو مقبول بنانے کی مہم ناکام ثابت ہوئی، اور سندھ کے اسسٹنٹ کلکٹر مسٹر دیارام گڈمل کو جو خود سندھی کے عالم تھے اس رسم الخط کی منسوخی کی سفارش کرنا پڑی، انھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ تجارتی جماعتیں بھی اس نئے حروف تہجی سے بے تعلقی کا اظہار کرتی ہیں، اور بنیوں کے بچے اس کو صرف اس لئے سیکھتے ہیں کہ اسکول چھوڑنے کے ساتھ ہی اس کو بھلا دیں، اور اپنے پرانے شارٹ ہینڈ والے خط کو اختیار کر لیں، اس وقت اور جیسا کہ اب بھی ہے ہندو دوکاندار اپنے حساب و کتاب کے لئے کچھ خفیہ علامات رکھتے تھے، جن کو وہی سمجھ سکتے تھے، اور وہی اس کی تشریح کر سکتے تھے، ان کو کسی ایسے طرز تحریر سے کوئی دلچسپی نہ تھی جس کو ہر شخص سمجھ سکتا ہو، مسٹر گڈمل کے ان خیالات کی تائید مسٹر گائیر کمشنر نے بھی کی اور سرکاری سرپرستی ختم ہونے

بلدۃ کنجہ مع تراکم افواج العلائق وتلاطم امواج العوائق وتوزع البال بالحل والترحال فی اوائل العشر الثالث من الشہر الثانی من السنۃ الخامسۃ من العشر الثانی بعد الالف وانا اقل الانام محمد المشتہر ببہاء الدین العاملی تجاوز اللہ عن سیآتہ والحمد للہ اولاً وآخراً و ظاہراً وباطناً رب العالمین" سنۃ ۱۰۱۵ھ

کتاب ختم یوں ہوتی ہے:-

"قد حصل الفراغ من القبال بعون الملک المتعال فی اواخر شہر رجب سنۃ الف ومائۃ وخمسین من الھجرۃ فی بلدۃ دار السلطنت لاھور حرسہا اللہ تعالیٰ من الفتنۃ ووقع توفیق المقابلۃ وحصل سعادتہا مع نسخہ قرأت عند الامام الرئیس اعنی المصنف رحمہ اللہ الدینار والمثقال واحد لا"

اور آخر میں بزبان فارسی مندرجہ ذیل عبارت ہے،

"درسنت پانصد درہم شرعی است کہ بر سہ تومان ونیم است وزن مثقال شرعی یک مہری نقرہ است"

کنجہ پنجاب میں ضلع گجرات کے قریب ایک قصبہ ہے، یہاں سے قریب ہی ایک قدیم شاہراہ براستہ بھنبھر کشمیر کو جاتی ہے، اور یہی شاہان مغلیہ کا راستہ تھا، یہاں کے گرد و نواح میں متعدد مدرسے موجود تھے، میرا خیال ہے کہ شاید اسی مقام سے یہ مقام بھی مناسبت رکھتا ہے،

میں نے یہ کتاب ۱۹۳۵ء میں طہران میں خرید کی تھی، اس وقت محض اس کی خوشخطی مد نظر تھی جو کہ نہایت دلکش ہے۔

معارف:- مصنف مفتاح الفلاح بہاء الدین عاملی گیارہوین صدی ہجری کے مشہور اور جلیل القدر شیعی عالم ہین، ان کا پورا نام محمد بن حسین بن عبدالصمد الملقب بہ بہاء الدین ہے ۹۵۳ھ مین قزوین (ایران) مین اور بعض روایتون کے مطابق بعلبک (شام) مین پیدا ہوے، اور بچپن ہی مین اپنے والد کے ساتھ ایران مین منتقل ہو گئے، اور اُن سے اور اس عہد کے دوسرے اکابر علماء علامہ عبداللہ یزدی وغیرہ سے تحصیل علم کی، اور جملہ فنون مین یگانہ روزگار ہوئے، کامل تیس سال تک درویشانہ لباس مین دنیاے اسلام کی سیاحت کی، اُن کا شہرۂ کمال سن کر شاہ عباس صفوی نے اُن کو رئیس العلماء اور شیخ الاسلام کے منصب پر سرفراز کیا، وہ اُن کو اتنا مانتا تھا کہ سفر و حضر کسی حالت مین جدا نہ کرتا تھا، اور تمام مہمات امور مین اُن سے مشورہ لیتا تھا ۱۰۳۱ھ مین اصفہان مین وفات پائی، اور طوس مین دفن کئے گئے، مختلف فنون مین ان کی تصانیف ہین بعض کے نام یہ ہین،

العروۃ الوثقیٰ، صراط مستقیم، عین الحیاۃ، حبل المتین فی مزایا الفرقان المبین، اور مشرق الشمسین، تفسیر مین، شرح اربعین حدیث مین، جامع عباسی فارسی فقہ مین، مفتاح الفلاح، اور زبدۃ الاصول مین، تہذیب نحو مین، اسرار البلاغہ معانی و بیان مین، رسالہ ہلالیہ، خلاصۃ الحساب، تشریح الافلاک، رسالہ اصطرلاب ریاضی و ہیئت مین، المخلاۃ و کشکول، ادب و محاضرات وغیرہ مین، وسیلۃ الفوز والامان، مدح صاحب الزمان مین اُن کے علاوہ کشاف، بیضاوی، خلاصۃ الرجال اور درایۃ الحدیث وغیرہ مختلف کتابون پر حواشی لکھے اُن کے علاوہ اور بہت سے چھوٹے چھوٹے رسالے ہین، اُن مین سے اسرار البلاغہ، تشریح الافلاک، خلاصۃ الحساب، کشکول، المخلاۃ اور وسیلۃ الفوز چھپ چکی ہین، مفتاح الفلاح اب تک قلمی اور نایاب ہے (خلاصۃ الاثر جلد ۳ ص ۴۴۰ تا ۴۵۵، اور روضات الجنات ص ۵۲۲، مین اُن کے تفصیلی حالات ہین) کتاب مفتاح الفلاح کے خاتمہ کی مصنف کی عبارت کے بعد سنہ مین ۱۰۵۶ھ غلط ہے ۱۰۳۱ھ مین مصنف کی وفات ہو چکی تھی، غالباً کسی ناواقف نے عربی عبارت کا مطلب غلط سمجھ کر بعد مین ۱۰۵۶ھ بڑھا دیا ہے،

خاتمہ کی دوسری کاتب یا ناقل کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے، کہ مفتاح الفلاح کا یہ نسخہ اس نسخہ سے مقابلہ شدہ ہے جو خود مصنف سے پڑھا جا چکا تھا، اس لئے عام نسخوں کے مقابلہ مین یہ نسخہ ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہو، لیکن اس کے حاشی جیسا کہ کاتب کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے، مصنف کے قلم کے نہین ہین،

گنجہ سے مراد گجرات کے قریب کا قصبہ نہین، بلکہ اران کا مشہور شہر یا نواح اصفہان و لرستان کا گنجہ مقصود ہے،

(م)

جزئی فضیلت کا مفہوم و مقصد

منشی عبد الرحمان خان صاحب | مکرم:-

جلیک ملتان | السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اقبالنامہ مین حضرت مرحوم (ڈاکٹر اقبال مرحوم) کے جو خطوط آپکے نام درج ہین، اُن کے مطالعہ سے طبعیت سیر نہ ہوئی، کیونکہ ایسے اہم تحقیقی خطوط کا بغیر جواب کے شائع کرنا قارئین کی پریشانی طبع کا سامان پیدا کرتا ہے، بہتر ہوتا کہ اُن کے جواب حاشیہ مین ہی دیدئے جاتے، تا کہ پورا فائدہ اٹھایا جا سکتا،

میرے خیال مین ہندوستان مین تمام بزرگون کے خطوط اسی نہج پر شائع ہو رہے ہین، یا ہوتے ہین، الحمدللہ کہ اس باب مین بھی شرفِ اولیت حضرت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب گرامی کو حاصل ہے، کہ تربیت السالک مین تمام اصلاحی خطوط مع حضرت والا کے جوابات کے شائع ہوئے، ایک عرصہ سے آپ کی بھی حضرت والا سے خط و کتابت رہی، بعض اور بزرگون سے بھی حضرت کی خاص خط و کتابت تھی، کیا ہی اچھا ہوتا کہ اُن کے ایسے مکاتیب کا بھی ایک مجموعہ شائع کرنے کا انتظام ہو جاتا، اور اُن سے بھی ہزارون فیضیاب ہوتے، نہ معلوم آپ کی دماغ سوزی کا وہ تمام ذخیرہ اب علامہ اقبال کے پسماندگان کے

پاس محفوظ بھی ہے یا نہ، گو اس سلسلہ مین آپ سے کچھ عرض کرنا مناسب معلوم نہین ہوتا، مگر عرض کئے بغیر بھی نہین رہ سکتا، کہ ان خطوط کی اشاعت کا بھی ضرور کوئی انتظام ہونا چاہئے، یہ تشنگان علم پر ایک احسان ہوگا،

دوسری عرض یہ ہے کہ اقبالنامہ کے ص ۱۸۹ پر آپ نے "جزوی فضیلت" پر جو نوٹ تحریر فرمایا ہے، اس سے کم از کم میری تشفی نہین ہوئی، بلکہ ایک خلش سی پیدا ہوتی ہے اس لئے اگر کوئی امر مانع نہ ہو، تو از راہ کرم اس کی تشریح فرما کر ممنون فرما دین، کہ وہ ایسی کون سی جزوی فضیلت ہے، جو کسی اور کو حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر حاصل ہوسکتی ہے، امید ہے کہ اس مسئلہ مین آپ میری رہنمائی و تسلی فرما دین گے،

معارف:- ڈاکٹر اقبال مرحوم کے نام میرے جوابی خطوط کی نقل میرے پاس نہین، اور نہ اب ان کے پس ماندون کے پاس میرے جوابات ہون گے، اور نہ اب مجھے پوری طرح یاد ہین، اس لئے اب ان کی تلافی کی کوئی صورت باقی نہین، اور نہ میری نگاہ مین اپنے جوابون کی وہ اہمیت ہے جو آپ نے ظاہر فرمائی ہے، اُدھر بزرگون کے پُر معرفت خطوط سے ان کو کیا مناسبت؟ البتہ آپ کو اگر ان مین کسی خط کا جواب مطلوب ہے تو مطلع فرمائین، کہ مین اپنی استطاعت کے مطابق اس کا جواب دوبارہ دیکھون، اقبال نامہ اس وقت میرے پاس نہین، اس لئے پوری بات میرے سامنے نہین ہے تاہم جہان تک آپ کے چند لفظون سے سمجھ سکا ہون جواب عرض کرتا ہون،

جزئی فضیلت کے معنی یہ ہین کہ مقام تفصیل مین کسی خاص ایسی بات مین کسی کو بڑائی دوسرے پر حاصل ہوجائے، جو دوسرے کو اجمالاً حاصل ہو، مثلاً حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام عربی زبان کے سوا کوئی دوسری زبان نہین جانتے تھے، اور آج زید عربی کے ساتھ دوسری متعدد زبانین جانتا ہے، تو یہ جزئی علمی فضیلت ہوئی، جو حضور علیہ السلام کے کمالات علمیہ کے لئے موجب نقص نہین، کیونکہ کسی زبان کے جاننے

کا جو حاصل ہے یعنی تفہیم وتذکیر و تبلیغ وہ آپ کو حاصل تھا، اسی طرح ہندوستان مین اسلام کی اشاعت کی جزئی فضیلت سلاطینِ اسلام کو حاصل ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین یہ واقعہ نہین ہوا، اس لئے یہ خاص فضیلت جزئی آپ کو حاصل نہین ہوئی، مگر چونکہ سلاطینِ اسلام کو یہ عملی فضیلت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبعیت مین بصورت اتباع اوامر جہاد حاصل ہوئی، اس لئے حضور کے کمالاتِ علیہ مین اس سے کوئی نقص واقع نہین ہوا، بلکہ افرادِ امت کے یہ جزئی فضائل بھی اس کے نبی کے کمالات عظمیٰ کی طرف راجع ہوجاتے ہین، جس طرح سپاہیون اور ماتحت افسرون کے کارنامے ان سپہ سالارون اور بادشاہون کے کارنامے شمار ہوتے ہین، جو فوجکشی کرتے ہین، جنگ کے نقشے بناتے ہین، اور جن کی تدبیر سے دشمن پر کامیابی ہوتی ہے،

"س"

مطبوعات جدیدہ

مقاصد قرآن، از جناب مولوی صبغۃ اللہ صاحب بختیاری تقطیع اوسط ضخامت ۸۶ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۱۲ر پتہ مکتبہ نشاۃ ثانیہ چھپل گوڑہ حیدرآباد دکن،

مصنف کتاب عرصہ سے کلام مجید کی تعلیمات کی نشر و اشاعت کی خدمت انجام دے رہے ہیں، یہ رسالہ بھی ایک مفید خدمت ہے، اس میں انھوں نے عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق کے متعلق کلام مجید کی بنیادی تعلیمات، ایمان باللہ، حشر ونشر، جزا و سزا، عمل صالح، نماز روزہ، حج و زکوٰۃ کی آیات نقل کرکے ان کی مفصل تشریح کی ہے، اور ان کی حکمتیں اور مصلحتیں بیان کی ہیں جو ساری دنیا کی فلاح وسعادت کے لئے یکساں مفید ہیں، اس حیثیت سے یہ کتاب اپنے مقصد پر پوری طرح حاوی ہے لیکن کتاب کے دیباچہ میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کا مقصد جدید مفسرین کی اس غلط فہمی اور غلط استنباط کی تردید ہے، جو ان کو سورۂ بقرہ و مائدہ کی بعض آیات سے پیدا ہوتی ہے کہ یہود و نصاریٰ و صابئین کی نجات و ایمان کے لئے ایمان باللہ و یوم الآخرۃ اور عمل صالح کافی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور کلام مجید پر ان کے لئے ایمان لانا ضروری نہیں ہے، لیکن کتاب کے مباحث سے اس کی تردید نہیں ہوتی، مخالف یہ کہہ سکتا ہے کہ مصنف نے کلام مجید کی جو آیتیں اور تعلیمات نقل کی ہیں ان کا تعلق مسلمانوں سے ہے، یہود و نصاریٰ اس کے مکلف نہیں ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ اور مائدہ کی آیات سے ظاہر ہوتا ہے، اس کا مصنف نے کوئی جواب نہیں دیا ہے اور مرکز بحث یہی نقطہ ہے، حالانکہ خود کلام مجید کی دوسری آیات سے اس کا جواب مل جاتا ہے، اولاً کلام مجید

کی بعض آیات مجمل ہیں، اور ان کی تشریح کسی دوسری آیۃ سے ہوتی ہے، چنانچہ سورۂ بقرہ اور مائدہ کی ان آیات کی وضاحت جنھیں مخالفین دلیل میں پیش کرتے ہیں آل عمران کی آیات سے ہوتی ہے مثلاً قل للذین اوتوا الکتاب و الامیین أأسلمتم فان اسلمتم فقد اھتدوا وان تولوا فانما علیک البلاغ واللہ بصیر بالعباد یا ان الدین عند اللہ الاسلام و ما اختلف الذین اوتوا الکتب الا من بعد ما جاءھم العلم بغیاً بینھم و من یکفر بایات اللہ فان اللہ سریع الحساب ۔ ان میں یہود و نصاریٰ وغیرہ سے اسلام کا مطالبہ کیا گیا ہے اور اس سے انکار کو ضلالت، نافرمانی اور کفر سے تعبیر کیا گیا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ ان کے لئے تنہا ایمان باللہ و بیوم الآخرہ اور عمل صالح کافی نہیں ہے، معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ اس اسلام سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا اسلام نہیں بلکہ مطلق اسلام ہے، جس کی دعوت تمام انبیاء علیہم السلام دیتے چلے آئے ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ پہلی آیۃ میں اہل کتاب کے ساتھ امیین یعنی عربوں سے بھی خطاب ہے اس لئے اس سے مراد مطلق دین اسلام نہیں ہو سکتا، دوسرے اگر مطلق دین اسلام بھی مان لیا جائے تو سوال یہ ہے کہ اس دین پر بھی یہود و نصاریٰ میں سے کون قائم تھا، اس کو تو انھوں نے مسخ کر دیا تھا، دوسرے اسلام اور مطلق دین اسلام کی اساس گو ایک ہی ہے لیکن ہر زمانہ کے حالات و ضروریات اور انسانوں کی ذہنی ترقی کے ساتھ ساتھ اس دین میں تغیرات ہوتے رہے اور مختلف زمانوں میں اس کا نصاب بدلتا رہا، اور اس کا آخری اور مکمل نصاب قرآن مجید ہے، اور اس پر ایمان کے بغیر مطلق دین اسلام کی بھی تکمیل نہیں ہوتی، اس کی مثال یہ ہے کہ انسان کی عمر اور اس کی ذہنی صلاحیت و ترقی کے لحاظ سے خود مروجہ رسمی تعلیم کا نصاب اور اس کے مدارج مختلف ہیں، اور ہر دور کے لئے جو نصاب مقرر ہے وہ اس کے اعتبار سے تو کافی، لیکن آیندہ دور کے لئے ناکافی ہے اور آخری دور کے نصاب کی تکمیل کے بغیر کوئی شخص پورا تعلیم یافتہ نہیں کہلایا جا سکتا، یا مثلاً آج سے چند صدی پیشتر جو نصاب تھا وہ اس زمانہ کے لحاظ سے بالکل مناسب اور کافی تھا، لیکن موجودہ حالات و ضروریات کیلئے نہ صرف ناکافی بلکہ ناقص ہے، اور آج اس نصاب پر قائم رہنے والا تعلیم یافتہ نہ کہلائے گا، یہی حال اسلام

کا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جس دین اسلام کو بھیجا تھا وہ اپنے زمانہ کے لئے بالکل مکمل تھا لیکن بعد کے انبیاء حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں وہ حسب ضرورت بدلتا رہا اور اس کی آخری اور تکمیلی شکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اسلام ہے، اس لئے اس پر ایمان کے بغیر مطلق اسلام پر بھی ایمان کامل نہیں ہوتا، اور یہود و نصاریٰ وغیرہ سب اس کے مکلف ہیں، اور اس پر ایمان کے بغیر ان کی نجات نہیں ہوسکتی،

رسالہ اخلاقیات، مؤلفہ ڈاکٹر میر ولی الدین استاذ جامعہ عثمانیہ تقطیع اوسط ضخامت ۱۶۳ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت تحریر نہیں، پتہ کتاب محل چار کمان حیدرآباد دکن،

تعلیم کے مقاصد میں سب سے بڑا مقصد انسانی اخلاق و سیرت کی تعمیر ہے، اس لئے اصولاً سب سے زیادہ توجہ اسی پر ہونی چاہئے لیکن موجودہ نظام تعلیم میں عملاً اس کی کوئی اہمیت نہیں، حیدرآباد کے شعبہ تعلیم نے دوسری تعلیمی اصلاحات کی طرح اس اصلاح کی جانب بھی سبقت کی ہے، اور میٹرک کے نصاب کے لئے اخلاق پر یہ رسالہ مرتب کرایا ہے، اس کے فاضل مؤلف فلسفہ مذہب و اخلاق کے عالم بھی ہیں اور اس پر عامل بھی، تعمیر اخلاق و سیرت ان کا خاص موضوع ہے، اس لئے اس کام کے لئے اس سے زیادہ موزوں انتخاب نہیں ہوسکتا تھا، جس پر رسالہ کے مباحث شاہد ہیں، اس میں انھوں نے ان تمام بنیادی اخلاق کو جو ایک متوازن اور اعلیٰ سیرت کی تعمیر اور انسان کو انسان بنانے کے لئے ضروری ہیں علمی طرز سے مرتب کیا ہے، اس میں حسب ذیل ابواب ہیں، صبر و استقلال، مصلحت بینی و دور اندیشی، اوقات فرصت کا صحیح استعمال، اعتدال و پرہیزگاری، عفت و پاکبازی، رواداری، عدالت، اصلاح معاشری، اخوت، پیشے کا انتخاب، ان تمام ابواب کے تحت میں بہت سے تفصیلی و ذیلی مباحث ہیں، یہ وہ اصولی اخلاق ہیں جو بلا اختلاف تمام مذاہب اور قوموں میں مشترک ہیں، اس لئے یہ کتاب ہر مذہب و ملت کے طلبہ کے لئے یکساں مفید اور اس لائق ہے کہ ہندوستان کی تمام درسگاہوں کے نصاب میں اسکو داخل کیا جائے،

سماج کا ارتقا، مولفہ جناب حکیم اللہ صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۲۰۶ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد للعہ، پتہ سنگم پبلشرز لمیٹڈ لاہور،

ڈارون کے نظریہ کے مطابق ارتقا کا عمل دنیا کی ہر چیز میں جاری ہے، چنانچہ انسانی معاشرہ بھی مختلف طبعی وجغرافی اور سیاسی ومعاشی عوامل کے ماتحت مختلف قالب بدلتے اور ترقی کرتے ہوئے موجودہ منزل تک پہنچا ہے، اس کتاب میں اس معاشری ارتقا کی سرگذشت بیان کی گئی ہے، اور انسان کے دور وحشت وبربریت کے زمانہ سے لیکر موجودہ عہد تک ہر دور کے عمرانی وتمدنی ومعاشی وسیاسی نظاموں اور مختلف عوامل کے ماتحت ان کے تغیرات اور عہد بعہد کی ترقیوں کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے، جس سے انسانی معاشرہ کے تمام مدارج اور اس کے ارتقار کی پوری سرگذشت سامنے آجاتی ہے، لیکن یہ کتاب جدید فنی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے اور اس حیثیت سے مفید معلومات پر مشتمل ہے، اگر مذہبی نقطہ نظر سے اس کے تمام بیانات سے اتفاق ضروری نہیں ہے،

معین الفرائض از جناب مفتی محمود حسن صاحب مدرس اول جامع حسینیہ راندیر (سورت) تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۲۳ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۱۲؍، پتے، مذکورہ پتہ پر مصنف اور یلیو کتب خانہ تعلیمی نور گنج، دہلی سے ملے گی،

علم الفرائض یعنی تقسیم وراثت ایسا فن ہے جس کی ضرورت صرف علماء اور عربی خوانوں تک محدود نہیں بلکہ وکلاء، عدالتوں، یونیورسٹی کے قانون کے طلبہ کو بھی اس کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے مصنف نے فرائض کے تمام ضروری مسائل کو اس کتاب میں اردو میں مرتب کر دیا ہے، انداز بیان اتنا سلجھا ہوا ہے کہ ہر پڑھا لکھا شخص آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے، مسائل میں اختصار کے ساتھ پوری جامعیت ہے، اور اس سے ہر طبقہ کے ضرورت مند اشخاص فائدہ اٹھا سکتے ہیں،

حدیث نبوی کے اولین صحیفے، از مولانا عبد السلام صاحب قدوائی ندوی، تقطیع چھوٹی،

ضخامت ۴۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت تحریر نہیں، پتہ ادارۂ تعلیمات اسلام نمبر ۳ امین آباد پارک لکھنؤ،

منکرین حدیث کی جانب سے حدیثوں کی بے اعتباری کے ثبوت میں جو غلط فہمیاں پھیلائی جاتی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ موجودہ کتب حدیث عہد رسالت کے بہت بعد میں مرتب ہوئیں، اس لئے لائق اعتماد نہیں، اور چونکہ عام لوگوں کی نظر حدیث کی تاریخ پر نہیں ہے، اس لیے ان کو اس کے یقین کرنے میں تامل نہیں ہوتا، یہ بلاشبہہ صحیح ہے کہ حدیث کی موجودہ کتابوں کی تدوین کا آغاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ڈیڑھ دو صدی بعد سے ہوا، لیکن حدیثوں کی کتابت عہد نبوی ہی سے شروع ہو گئی تھی، اور بہت سے صحابہؓ حدیثیں قلمبند کرتے تھے، پھر ان کے تلامذہ نے بھی اس کو جاری رکھا، اور اسی زمانہ میں حدیثوں کے بہت سے مجموعے مرتب ہو گئے تھے، جو اگرچہ دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ گئے، لیکن حدیث و رجال کی کتابوں میں انکا ذکر موجود ہے، اور انکی حدیثیں موجودہ کتب حدیث میں شامل ہو گئیں، لائق مؤلف نے اس رسالہ میں ایسے اٹھارہ حفاظ حدیث صحابہ کے مجموعہ احادیث کا ذکر کیا ہے جو خود حدیثیں قلمبند کرتے تھے یا ان کے تلامذہ نے ان کے علم و اجازت سے ان کی مرویات تحریر کیں، ان صحابہ کی مرویات کی تعداد بھی مصنف نے لکھدی ہے جس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ہزاروں حدیثیں عہد نبوی اور عہد صحابہ میں قلمبند ہو گئی تھیں، یہ رسالہ گو مختصر ہے مگر بہت مفید ہے،

مختصر سیر الصحابہ۔ شائع کردہ ادارۂ تعلیمات اسلام، قیمت ۱۲ر، مذکورہ بالا پتہ سے ملے گی۔

ادارۂ تعلیمات اسلام جو عرصہ سے قرآن مجید کے درس و تعلیم کی مفید خدمت انجام دے رہا ہے، اب اس نے بچوں کیلئے مختصر سیر الصحابہ کی تالیف و اشاعت کا سلسلہ شروع کیا ہے، اور فی الحال حضرت بلالؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ رضوان اللہ علیہم کے سبق آموز حالات آسان زبان میں شائع کئے ہیں، سکے مؤلف علی الترتیب مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی ندوی، احتشام علی عبدالرحیم آبادی، و مولوی بشیر الحق بحرآبادی ہیں یہ سب کتابیں بچوں کے پڑھانے کے قابل ہیں، ان سے ان کو مذہبی و اخلاقی سبق بھی حاصل ہوتا ہے اور تاریخ اسلام سے بھی واقفیت ہو جاتی ہے، "م"